سرگزشت میں شائع ہونے والا سلسلہ
مقدر
1
محی الدین نواب

مقدر

انسان کے روز و شب پر مقدر کی آہنی گرفت کا دلچسپ تماشا

اس کتاب میں نواب صاحب نے معاشرے کی زہریلی کہانیوں کو بیان کرنے کے لئے ایک نیا اسلوب، نیا ڈھنگ اپنایا ہے کہ یہ کہانیاں کسی انسان کی زبانی بیان نہ کی جائیں بلکہ ان کا راوی اس بازی گر کو بنایا جائے جسے مقدر کہا جاتا ہے جو انسان کی توقع کے خلاف، اس کی سوچ کے برعکس بازی پلٹنے کا ماہر ہے۔ زیر نظر کہانی کے کردار بظاہر افسانوی ہیں لیکن درحقیقت ان کا تعلق اسی معاشرے سے ہے اور یہ اسی معاشرے کی کہانی ہے۔

میرا نام مقدر ہے۔ میں جس انسان کے ساتھ پیدا ہوتا ہوں۔ اس کے ساتھ مر جاتا ہوں۔ وہ اس دنیا میں آتے ہی پہلی سانس لیتا ہے تب ہی سے اس کی زندگی میں میرا عمل دخل شروع ہو جاتا ہے۔ میری مداخلت کبھی اسے گراں گزرتی ہے کبھی وہ خوش ہو جاتا ہے۔ کبھی مجھ سے بیزار ہو کر میرے خلاف تدابیر سوچتا ہے اور عمل کرتا ہے۔ کبھی کسی تدبیر سے میرا طریقۂ کار بدل دیتا ہے۔ کبھی ناکام رہتا ہے تو مقدر کا لکھا سمجھ کر صبر کر لیتا ہے۔

دیکھا جائے تو میں انسانوں کی زندگی کا مختارِ کل ہوں۔ چاہوں تو ہنساتا ہوں چاہوں تو رلاتا ہوں۔ وہ موت کے منہ میں جاتا ہے تو اسے وہاں سے بچا لاتا ہوں اور جب میری مرضی نہیں ہوتی تو اسے مرنے کے لیے چھوڑ دیتا ہوں۔ وہ دم توڑتے وقت پر اُمید رہتا ہے کہ مقدر ساتھ دے گا لیکن میں ساتھ نہیں دیتا۔

حقیقت یہ ہے کہ زندگی اور موت کا مالک خدا ہے۔ وہی پیدا کرتا ہے وہی مارتا ہے وہی مارتے مارتے بھی نئی زندگی دے دیتا ہے۔

میں اللہ تعالیٰ کی مرضی سے انسانوں کا مقدر بنتا ہوں۔ وہ معبود اپنی دنیا کو جاری و ساری رکھنے کے لیے جو تقدیر لکھتا ہے اسی کو مقدر کہتے ہیں۔ اس لیے میں خود کو مقدر کہہ رہا ہوں اور اس دنیا میں اپنے معبود کی مرضی سے آتا ہوں اور اپنے معبود کی مرضی سے جاتا ہوں۔ اسی کی مرضی سے کسی کو پہاڑ جیسے صدمات دیتا ہوں اور کسی کو چٹکی بھر خوشیاں دے دیتا ہوں۔ کسی کو مہکتی زلفوں کی چھاؤں میں زندگی دیتا ہوں تو کسی کو ماں کی گود میں مار ڈالتا ہوں۔

میں لکیر کا فقیر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہتھیلیوں پر جو لکیریں بنا ڈالی ہیں، میں ان ہی لکیروں پر چلتا ہوں۔ بظاہر تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ میں ہی انسان کو مارتا ہوں اور بچاتا ہوں یہ کاتبِ تقدیر کے بھید ہیں اور میں اس کا بھیدی ہوں۔ اس کا محض ایک آلۂ کار ہوں۔

میں یہ تمہید اس لیے پیش کر رہا ہوں کہ انسان مقدر کو خدا نہ سمجھے۔ انسان چاہے تو مقدر کو بدل سکتا ہے اور جو کبھی نہیں بدلا جا سکتا، جو اٹل ہے جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا وہ صرف خدا ہے۔ میری اس مسلسل داستان میں کبھی کہیں خدائی دعوے کی جھلک ملے تو اپنا محاسبہ کریں، بات سمجھ میں آ جائے گی کہ میں اللہ کی بنائی ہوئی کٹھ پتلیوں کی طرح ہوں اور انسانی ہاتھوں کی لکیروں پر چلتا رہتا ہوں، چلاتا رہتا ہوں۔

میں نے اس محل نما کوٹھی میں قدم رکھا تو بڑے سے ہال میں قرآن خوانی ہو رہی تھی۔ کتنے ہی جوان اور بوڑھے کلام پاک کی تلاوت میں مصروف تھے۔ مرحوم فلک سکندر کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی جاری تھی۔ قرآن خوانی کرنے والوں میں مرحوم فلک سکندر حیات کا بڑا بھائی فلک آفتاب حیات بھی شامل تھا۔ وہ پڑھنے کے دوران میں بار بار اپنے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے بیٹوں کو دیکھتا تھا پھر دوسرے پڑھنے والوں پر بھی نظر ڈالتا تھا۔ اس کی حرکتوں سے ظاہر تھا کہ اس کا پڑھنے میں جی نہیں لگ رہا ہے۔

جو بات وہ دنیا والوں سے چھپا رہا تھا اسے مجھ سے نہیں چھپا سکتا تھا۔ کیونکہ میں اس کا مقدر ہوں۔ میں اس کے اندر کی باتیں جانتا ہوں۔ وہ ساٹھ برس کا تھا اور اس نے چالیس برسوں سے کلام پاک کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔ پڑھنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی تھی۔ اس لیے عربی زبان بھول گیا تھا۔ اٹک اٹک کر پڑھ رہا تھا۔ کتنے ہی الفاظ کی ادائیگی غلط ہو رہی تھی۔ اس لیے زیر لب پڑھ رہا تھا تاکہ آس پاس والوں کو سنائی نہ دے۔

اس کے دائیں طرف بڑا بیٹا ذیشان آفتاب بیٹھا ہوا تھا۔ وہ صحیح پڑھ رہا تھا لیکن جو پڑھ رہا تھا اسے سمجھ نہیں رہا تھا۔ ننانوے فیصد مسلمان کلام پاک پڑھتے ہیں لیکن اس کے ترجمے اور تشریح سے ناواقف ہوتے ہیں۔ انہیں واقفیت کی فرصت بھی نہیں ملتی۔

اس وقت بڑے بیٹے ذیشان کی زبان پڑھ رہی تھی مگر ذہن اپنے مسئلے میں الجھا ہوا تھا۔ اس کی شادی کو سات برس ہو گئے تھے۔ وہ اپنی بیوی اسما کو بہت چاہتا تھا لیکن اولاد سے محروم تھا۔ اس کی والدہ بیگم آفتاب نے اپنی بہو اسما کو الٹی میٹم دے دیا تھا کہ وہ ایک برس کے اندر اندر ماں نہ بنی تو وہ دوسری بہو لے آئے گی۔ اس الٹی میٹم کے بعد ساس اور بہو کے درمیان محاذ آرائی شروع ہو چکی تھی۔

فلک آفتاب کے بائیں طرف اس کا دوسرا بیٹا بابر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بھی کلام پاک صحیح پڑھ رہا تھا مگر سمجھ نہیں رہا تھا۔ سمجھتا بھی کیسے۔ اس کا ذہن عینی کی طرف لگا ہوا تھا۔ عینی اس کے مرحوم چچا فلک سکندر حیات کی اکلوتی بیٹی تھی۔ اسے امید تھی کہ عینی اس سے منسوب کی جائے گی۔ امید ہو تو خیالی پلاؤ پکائے جاتے ہیں لہٰذا وہ تلاوت کے دوران میں یہ ہنڈیا پکا رہا تھا۔

وہ تینوں باپ بیٹے دکھاتے کچھ تھے، کرتے کچھ تھے۔ دکھاوا یہ تھا کہ فلک آفتاب اپنے مرحوم بھائی کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی کر رہا تھا۔ خود پڑھ رہا تھا اور لوگوں سے پڑھوا رہا تھا اور اس حقیقت کو سمجھنا نہیں چاہتا تھا کہ وہ خود غلط ہے تو دوسرے کب صحیح ہوں گے؟

ذیشان نے ایک سپارہ ختم کیا۔ فلک آفتاب نے اپنا سپارہ دیتے ہوئے کہا "بیٹے! ذرا اسے پڑھ دو۔ میں تھک گیا ہوں۔ مجھ سے پڑھا نہیں جا رہا ہے۔"

ذیشان نے کہا "ڈیڈ! آپ یہ سپارہ بابر کو دے دیں میں بھی تھکا ہوا ہوں۔"

ادھر سے بابر نے دھیمی آواز میں کہا "بھائی جان! آپ کی تو عادت ہے اپنا بوجھ مجھ پر ڈال دیتے ہیں۔ ڈیڈی نے آپ سے کہا ہے آپ کو پڑھنا چاہیے۔"

فلک آفتاب نے کہا "بوڑھے باپ کا بوجھ دونوں بیٹوں کو اٹھانا چاہیے لہٰذا آدھا سپارہ ذیشان پڑھے گا آدھا تم پڑھو گے۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنا سپارہ ذیشان کو دے دیا پھر وہاں سے اٹھ کر جانے لگا۔ اس نے تمام رشتہ داروں اور دوستوں کو قرآن خوانی میں شرکت کی دعوت دی تھی اور اخبارات میں بھی یہ خبر شائع کرائی تھی کہ زیادہ سے زیادہ لوگ قرآن خوانی کریں اور مرحوم کو ثواب پہنچائیں۔ قرآن خوانی میں شریک ہونے والوں کے لیے پرتکلف کھانوں کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس لیے پڑھنے والوں کی اچھی خاصی تعداد تھی۔ اچھی خاصی تعداد کے باوجود مرحوم کو ثواب پہنچے گا یا نہیں؟ اس کی ذمہ داری فلک آفتاب پر نہیں تھی۔ اس نے گھر کی چار دیواری سے لے کر اخبارات تک یہ نمائش کی تھی کہ وہ اپنے مرحوم بھائی کو کس قدر چاہتا ہے اور اس کی مغفرت کے لیے کیا کچھ کرتا رہتا ہے۔

وہ وہاں سے اٹھ کر ایک وسیع و عریض ڈرائنگ روم میں آیا۔ مرحوم فلک سکندر حیات نے اس کوٹھی کو محل بنا رکھا تھا۔ اس قدر مہنگے ساز و سامان سے آرائش کی تھی کہ وہاں آنے والے کبھی رشک و حسد سے اور کبھی تعریفی نظروں سے دیکھتے رہتے تھے۔ ایک دیوار پر مرحوم کی بڑی سی تصویر آویزاں تھی۔ تصویر کے پاس ہی مرحوم کی بیوہ بہن فلک ناز ایک شاہانہ طرز کے تخت پر بیٹھی کلام پاک کی تلاوت کر رہی تھیں۔ بیگم آفتاب زینے کی بلندی سے اترتی چلی آ رہی تھی اور ملازم سے کہہ رہی تھی "جاؤ، اگر بتیاں سلگا لاؤ۔ ابھی تک کسی نے بھائی صاحب کی تصویر کے سامنے اگر بتیاں نہیں لگائیں؟ توبہ ہے، میں نہ رہوں تو کوئی بھائی صاحب کا خیال رکھنے والا نہیں ہوگا۔"

فلک آفتاب نے کہا "بیگم، تصویر کی پوجا نہیں کی جاتی اس لیے اس کے سامنے اگر بتی بھی نہیں سلگائی جاتی۔ میری

بہن تلاوت کر رہی ہے اگر بتیاں یہاں لے آؤ۔"

بیگم نے کہا "بہن کو بھی سمجھائیں کہ تصویر کے پاس بیٹھ کر تلاوت نہیں کی جاتی۔"

فلک ناز نے کلام پاک کو بند کیا، اسے چوم کر آنکھوں سے لگایا اور جزدان میں لپیٹتے ہوئے کہا "بھابی جان! میں تصویر سے بہت دور بیٹھی ہوں۔ آپ چاہیں تو فاصلہ ناپ کر دیکھ لیں۔"

"ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر پڑھنا ضروری تو نہیں ہے۔ یہاں ملنے جلنے والے آتے رہتے ہیں۔ کیا یہ ضروری ہے کہ انہیں دکھایا جائے کہ تم اپنے بھائی کی مغفرت کے لیے دن رات پڑھتی رہتی ہو اور دعائیں مانگتی رہتی ہو۔"

وہ مسکرا کر بولی "یہ آپ کی محرومی کہہ رہی ہے۔ آپ کے بزرگوں نے آپ کو لندن کی آکسفورڈ یونیورسٹی میں پڑھایا لیکن کلام پاک کا ایک لفظ بھی نہیں سکھایا۔ آج اس گھر کے ایمان پرور ماحول میں آپ کچھ پڑھ تو نہیں سکتیں۔ اس لیے اگر بتیاں سلگاتی پھر رہی ہیں۔"

فلک آفتاب نے ڈانٹ کر کہا "خاموش رہو ناز۔ یہ تمہاری بھابی ہیں۔ تم سے بڑی ہیں۔ یہ ایک کہتی ہیں تو تم دس سنانے لگتی ہو۔ کیا بڑوں کا ادب لحاظ نہیں کرسکتیں؟"

ایسے میں ایک نوجوان ڈرائنگ روم میں آیا۔ وہ چہرے سے ہی احمق دکھائی دیتا تھا۔ اس نے فلک ناز کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا "اماں مما! میری یہ شرٹ کیسی لگ رہی ہے؟"

فلک ناز نے ناگواری سے کہا "بیٹے تمہیں کتنی مرتبہ سمجھایا ہے کہ مجھے اماں مما نہ کہو، صرف مما کہا کرو۔"

"کیسے کہوں۔ میری عادت ہو گئی ہے۔ جب دادی جان زندہ تھیں تو مجھے ڈانٹ کر کہتی تھیں کہ آپ کو اماں کہہ کر بلایا کروں اور آپ سمجھاتی تھیں کہ میں مما کہا کروں۔ آپ تو جانتی ہیں، میں بہت اچھا بچہ ہوں۔ بڑوں کی باتیں مانتا ہوں اس لیے دونوں کی باتیں مانتا رہا۔ اماں مما کہتے کہتے اب تو یہ میری عادت سی ہو گئی ہے۔"

فلک ناز نے کہا "میں نے تمہیں سمجھایا تھا کہ عینی کے ساتھ اسپتال جانا ہے۔ تم کیوں نہیں گئے؟"

"میں اس کے ساتھ گیا تھا۔ جب کار میں بیٹھنے لگے تو عینی نے کہا، میں پچھلی سیٹ پر بیٹھوں۔ میں نے پیچھے آ کر دیکھا تو وہاں کوئی پچھلی سیٹ نہیں تھی۔ آگے دیکھا تو وہ کار آگے جا چکی تھی۔"

بیگم آفتاب نے ہنستے ہوئے کہا "ناز! تم نے لاجواب بیٹا پیدا کیا ہے۔ تمہیں خوش فہمی ہے کہ عینی اسے پسند کرے گی

◉ ایکشن اور سسپنس کا نہ رکنے والا سلسلہ آپ کی رگوں میں لہو گرما دے گا
◉ پوری دنیا پر حکمرانی کرنے والے "خفیہ ہاتھ" کی سازشوں کا حال
◉ بھارتی خفیہ ایجنسی "را" کی پاکستان میں تخریبی کارروائیوں کی داستان
◉ پاکستان کو گدھوں کی طرح نوچنے والے سیاستدانوں کی شرمناک داستان

اپنے ہاکر یا اپنے شہر کے ہر بڑے بک اسٹال سے طلب فرمائیں

20- عزیز مارکیٹ اُردو بازار لاہور ☏7247414

اوراس سے شادی کر لے گی۔"

"خوش فہمی تو آپ کو ہے کہ عینی آپ کے بیٹے بابر کو پسند کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بھائی جان کو جنت نصیب کرے، عینی کو میرے عدنان کے ساتھ دیکھ کر خوشی سے نہال ہو جاتے تھے۔ کہتے تھے زندگی رہی تو میں عدنان کو اپنا داماد بناؤں گا۔"

"اس قدر جھوٹ تو نہ بولو ناز۔ وہ میرے بیٹے بابر کے لیے کہا کرتے تھے کہ اسے اپنا داماد بنائیں گے۔"

"کیا ثبوت ہے کہ بھائی جان بابر کو اپنا داماد بنانا چاہتے تھے۔"

"اور تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ وہ تمہارے اس بیٹے کو اپنی عینی کے لیے پسند کرتے تھے۔"

"بھائی جان نے عینی کی سالگرہ پر میرے عدنان کو ہیرے کی انگوٹھی دی تھی۔"

"وہ ہیرے کی انگوٹھی عینی نے اسے نہیں پہنائی تھی اور نہ ہی ان کی منگنی ہوئی تھی۔"

"تو آپ کے بیٹے کو کون سی انگوٹھی دے دی تھی۔ وہ خود کو پاپ سنگر کہتا ہے۔ بھائی جان اسے پاپ کا سنگر کہتے تھے۔ کہا کرتے تھے جو اس کا گانا سنے گا اس کو پاپ لگے گا۔"

"دیکھو ناز! میرے منہ نہ لگو۔ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔"

"یہ تو سب ہی جانتے ہیں، آپ سے برا کوئی ہے بھی نہیں۔"

فلک آفتاب پریشان ہو کر کبھی اپنی بہن کو اور کبھی اپنی بیگم کو دیکھ رہا تھا پھر اس نے گرج کر کہا "خاموش ہو جاؤ۔ دونوں خاموش ہو جاؤ۔ میرا بھائی کسے چاہتا تھا اور کسے نہیں چاہتا تھا، اب وہ بتانے کے لیے اس دنیا میں نہیں ہے۔ اب تو فیصلہ عینی پر ہے۔ وہ جسے پسند کرے گی اسی کے ساتھ اس کی شادی ہو گی۔"

عدنان نے کہا "اماں مما! وہ مجھے کیسے پسند کرے گی۔ وہ تو اندھی ہے۔ اسے دکھائی نہیں دیتا۔"

بیگم آفتاب نے کہا "خبردار، میری ہونے والی بہو کو اندھی نہ کہنا۔"

فلک ناز نے گھور کر اپنی بھابی کو دیکھتے ہوئے بیٹے سے کہا "بیٹے! میری ہونے والی بہو کو اندھی نہ کہو۔ اس کی آنکھیں کمزور ہیں۔ کبھی دکھائی دیتا ہے اور کبھی اس کی آنکھیں بالکل ہی دیکھنے کے قابل ۔۔۔ نہیں رہتیں لیکن وہ اندھی نہیں ہے۔"

عینی اندھی ہے یا نہیں، یہ اس کے مقدر سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔ یہ لڑنے والیاں بھول جاتی ہیں کہ مقدر دن رات ان کے ساتھ رہتا ہے اور میں ان میں سے کس کا ساتھ دوں گا۔ اس بات کی کسی کو پروا نہیں تھی۔ سب ہی کو یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ اپنی تدبیروں سے کام لے کر ایک دوسرے سے اپنی مطلوبہ چیز جھپٹ لیں گے۔

☆☆☆

میں اسپتال پہنچا۔ اسپتال انسانی زندگی کا آخری اسٹیشن ہے۔ وہاں تمام مسافر ٹرین سے اتر جاتے ہیں پھر بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو زندگی کی طرف لوٹ جانے والی ٹرین میں سوار ہو پاتے ہیں۔ وہ یہاں رہ کر دوا کرتے ہیں، دعا کرتے ہیں۔ خدا کے بعد مجھ سے امیدیں وابستہ کرتے ہیں کہ میں ساتھ دوں گا تو وہ بچیں گے ورنہ زندگی ہار جائیں گے۔

میں ہر مریض کے ساتھ رہتا ہوں لیکن ہر ایک کا ساتھ نہیں دے پاتا۔ جس کے ہاتھ کی لکیریں آدمی جا کر بجھنے لگتی ہیں، اس کے ساتھ میں بھی بجھنے لگتا ہوں۔ بالآخر اس کے ساتھ ہی مٹ جاتا ہوں۔ بعض اوقات کوئی مریض صحت یاب ہو کر زندگی کی طرف لوٹ آتا ہے لیکن گھر پہنچ کر مر جاتا ہے ایسے وقت کہا جاتا ہے کہ مقدر نے اسے مارا ہے ایسا کہنے والے یہ نہیں سوچتے کہ اس کے ساتھ تو اس کا مقدر بھی مر جاتا ہے۔ بھلا کوئی اپنے آپ کو مارتا ہے؟ میں تو بیچارہ ہوں۔ لکیر کا فقیر ہوں۔ لکیر چلی تو چلا، لکیر مٹی تو مٹ گیا۔

میں لیڈی ڈاکٹر عروج کے چیمبر میں آیا۔ وہاں عینی ایک ایزی چیئر پر دراز تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ عینی اور عروج بچپن کی سہیلیاں تھیں۔ دونوں نے اسکول تک ایک ساتھ تعلیم حاصل کی تھی۔ کالج تک پہنچتے پہنچتے عینی کی بینائی کمزور ہونے لگی۔ یوں تو بچپن ہی سے بینائی کمزور تھی لیکن وہ اب کمزوری نمایاں ہونے لگی تھی۔ لہٰذا امراضِ چشم کے ماہر نے رپورٹ دی تھی کہ بینائی کسی وقت بھی جا سکتی ہے۔ البتہ مسلسل علاج کے ذریعے اسے کچھ عرصے تک بحال رکھا جا سکے گا۔

اس کی ڈاکٹر سہیلی عروج جی جان سے کوششیں کر رہی تھی۔ وہ اس کی بینائی اس حد تک بحال رکھنا چاہتی تھی کہ عینک لگا کر اپنی دنیا کی رنگینیوں کو واضح طور پر دیکھ سکے۔ اس نے آئی بینک میں بھی آنکھوں کے عطیے کے لیے اپلائی کیا تھا۔ اسے امید تھی کہ بینائی ختم ہونے سے پہلے ہی نئی آنکھیں مل جائیں گی۔

یوں تو امید پر ہی دنیا قائم ہے لیکن ایسی امیدیں مقدر سے ہی پوری ہوتی ہیں اور یہ ابھی مجھے منظور نہیں تھا۔ اس کی تقدیر میں یہ لکھا ہوا تھا کہ ایک انتہائی دولت مند لڑکی اندھی ہو جائے تو دنیا والے اس کے آس پاس کیسے کیسے تماشے کرتے

ہیں۔ میں مقدر ہوں۔ ایک بازی گر ہوں۔ ہر لمحہ میں تماشے دکھانے والا ہوں۔

عروج اس کی ایک آنکھ کا پپوٹا اٹھا کر پینسل ٹارچ کے ذریعے اس کا معائنہ کرنے لگی پھر اس نے دوسری آنکھ کا بھی اسی طرح معائنہ کیا۔ اس کے بعد بولی "میں نے تجھ سے کہا تھا، میں شام کو گھر آؤں گی۔ تیرا معائنہ کروں گی اور دوائیں دوں گی۔ کیا تو صبر نہیں کر سکتی تھی، کیا یہاں آنا ضروری تھا؟"

"تو نے اسپتال میں دل لگا لیا ہے۔ میرا تنہائی میں کہیں دل نہیں لگتا۔ میں کیا کرتی۔ تیرے پاس محبت سے آئی ہوں تو باتیں سنا رہی ہے۔"

"تیرے بھلے کے لیے کہتی ہوں۔ ایک تو بینائی کمزور ہے دوسرے عینک نہیں لگاتی۔ چہرے پہچان نہیں پاتی۔ اس پر یہ کہ ڈرائیور کے ساتھ تنہا آئی ہے۔ کیا کسی کو ساتھ نہیں لا سکتی تھی۔"

"وہ پھوپی کا بیٹا عدنان آنا چاہتا تھا۔ میں اسے جھانسا دے کر چلی آئی۔ وہ آتا تو بور کرتا رہتا۔ تائی جان نے مجھے آتے نہیں دیکھا۔ دیکھ لیتی تو اپنے بیٹے کو پیچھے لگا دیتیں۔ وہ تو اور زیادہ بور ہے۔"

"یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے کہ کوئی تجھ سے، تیری شخصیت سے پیار نہیں کرتا ہے۔ سب ہی تیری دولت اور شان و شوکت کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔"

"یہ صرف میرے اپنے خاندان میں ہی نہیں ہو رہا ہے بلکہ باہر سے بھی اونچے گھرانے والے رشتہ مانگنے آتے ہیں۔ ان کے ذہن میں بھی یہی بات ہوتی ہے کہ اندھی ہے تو کیا ہوا، دولت مند تو ہے۔"

"اندھے ہوں گے تیرے دشمن۔ ایسی باتیں منہ سے نہ نکالا کر۔ دیکھ رہی ہے تیرے لیے کتنی پریشان رہتی ہوں۔ اللہ نے چاہا تو جلد ہی آئی بینک سے آنکھیں آئیں گی۔ تو پھر سے دنیا کو آئینے کی طرح دیکھ سکے گی۔"

"دیکھنے کے بعد بھی وہیں شادی کروں گی جہاں ہم نے سوچ رکھا ہے۔ تجھے یاد ہے نا؟"

"ہاں بابا یاد ہے۔ ہم ایسے گھرانے میں شادی کریں گے جہاں دو بھائی ہوں اور انہیں دو بہوؤں کی ضرورت ہو۔"

وہ ایک آئی ڈراپر لے کر اس کی آنکھوں میں دوا ٹپکانے لگی۔ عینی نے کہا "ہم ساری زندگی ایک ہی چھت کے نیچے رہیں گے۔ میں تیرے بغیر نہیں رہ سکوں گی۔"

"کیا میں تیرے بغیر رہ سکوں گی۔ مجھے تیرے سوا کوئی اپنا نہیں لگتا۔"

"اور مجھے تیرے سوا سب پرائے لگتے ہیں۔"

"ہاں یہ دیکھنا ہے کہ ہماری یہ محبت کب تک اسی طرح قائم رہے گی۔"

"یہ کیسی باتیں کر رہی ہے۔"

"اس لیے کہہ رہی ہوں کہ ہم جوانی کے ایسے دور میں ہیں جہاں کوئی اجنبی ہمیں بہت اچھا بہت پیارا لگنے لگتا ہے۔ وہ اجنبی رفتہ رفتہ اپنا بن جاتا ہے اور اپنوں کو پرایا بناتا چلا جاتا ہے۔"

"ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ اگر کوئی ایسا کرے گا۔ ہمارے مضبوط رشتے کو کاٹنا چاہے گا تو میں اسے اپنی زندگی سے کاٹ کر الگ کر دوں گی۔"

"ہاں، میں بھی یہ ہی سوچتی ہوں۔ کسی سے اتنی گہری وابستگی نہ ہو جتنی تیرے ساتھ ہے۔"

میں ان دونوں کے پاس ہوں مگر نادیدہ ہوں۔ کوئی مجھے دیکھ نہیں سکتا۔ جب انسان اتنے بڑے بڑے دعوے کرتا ہے تو سوچتا ہوں کبھی مجھے ان کی زندگی میں آنا چاہیے۔

دونوں سہیلیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ کسی دوسرے کو اتنی محبتیں نہیں دے سکیں گی جتنی آپس میں کرتی ہیں اور میں سوچ رہا ہوں کہ میں ان کی زندگی میں محبوب بن کر آؤں گا اور انہیں بے حد محبتیں دوں گا۔ تب وہ آزمائشوں سے گزریں گی اور فیصلہ کریں گی کہ سہیلی کی محبت مقدم ہے یا محبوب کی؟

ایسا اکثر ہوتا ہے۔ میں انسانی سراپا اختیار کر کے لوگوں کی زندگی میں آتا رہتا ہوں۔ ہر لڑکی کی زندگی میں کوئی چاہنے والا ضرور آتا ہے۔ میں بھی محبوب بن کر عینی یا عروج میں سے کسی ایک کی زندگی میں آؤں گا اسے بھرپور محبتیں دوں گا۔ اس کا جیون ساتھی بن کر اس کی ضرورت بن جاؤں گا۔ پھر دیکھوں گا اس پر اپنے جیون ساتھی کا رنگ چڑھتا ہے یا سہیلی کا؟

ایسے وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ عینی آنکھیں بند کیے ایزی چیئر پر نیم دراز تھی۔ اس نے کہا "گھر سے فون آیا ہو گا۔ یہ لوگ تو مجھے سکون سے رہنے نہیں دیتے جہاں جاتی ہوں اپنے بیٹوں کو جاسوس بنا کر پیچھے لگا دیتے ہیں یا فون کھڑکاتے رہتے ہیں۔"

عروج نے فون کے پاس آ کر ریسیور اٹھایا پھر اسے کان سے لگا کر کہا "السلام علیکم! میں عروج بول رہی ہوں۔"

دوسری طرف سے فلک آفتاب نے کہا "بیٹی! میں عینی کا تایا ابو بول رہا ہوں۔ کیا عینی تمہارے پاس ہے؟"

"جی ہاں، یہ میرے پاس ہے۔ آپ اطمینان رکھیں۔"

"اطمینان تو ہے بیٹی۔ تم دونوں ایک دوسرے کو کس قدر چاہتی ہو، یہ ہم سب جانتے ہیں لیکن آج اس کا یہاں رہنا ضروری ہے۔ اس کے ابو کی مغفرت کے لیے قرآن خوانی ہو رہی ہے۔"

"جسٹ اے منٹ انکل۔"

عروج نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر عینی سے کہا "تو نے مجھے کیوں نہیں بتایا کہ تیرے ہاں قرآن خوانی ہو رہی ہے۔"

"تجھے کیا بتاتی۔ تایا ابو کا جب جی چاہتا ہے قرآن خوانی کروا دیتے ہیں۔ ابو کے نام سے غریبوں اور محتاجوں کو کچھ نہ کچھ دیتے رہتے ہیں۔ پتا نہیں کچھ دیتے بھی ہیں یا نہیں مگر سخی داتا کی حیثیت سے نام کماتے رہتے ہیں۔"

"کچھ بھی ہو، جب قرآن خوانی ہو رہی ہے تو تجھے گھر میں رہنا چاہیے تھا۔"

"میں وہاں رہ کر کیا کرتی۔ کیا تو نہیں جانتی کہ مجھے اچھی طرح دکھائی نہیں دیتا۔ میں کلام پاک کیسے پڑھ سکتی ہوں۔"

"کلام پاک نہیں پڑھ سکتی، نماز پڑھ سکتی ہے۔ اپنے ابو کے لیے دعا میں مانگ سکتی ہے۔"

"میں شام کو تیرے ساتھ یہاں سے چلوں گی تو ہم دونوں نماز ادا کریں گے اور ابو کے لیے دعائیں مانگیں گے۔"

"مجھے واپسی میں دیر ہو سکتی ہے۔ تجھے ابھی یہاں سے جانا چاہیے۔ دیکھ عینی، یہ اچھی بات نہیں ہے۔ رشتہ دار باتیں بنائیں گے کہ گھر میں باپ کے لیے قرآن خوانی ہو رہی ہے اور بیٹی باہر سیر و تفریح کے لیے گئی ہوئی ہے۔ کوئی نہیں مانے گا کہ میرے پاس آنکھوں کے علاج کے لیے آئی ہے۔"

اس نے ریسیور پر سے ہاتھ ہٹا کر کہا "انکل، میں ابھی عینی کو یہاں سے بھیج رہی ہوں۔ وہ ایک گھنٹے کے اندر پہنچ جائے گی۔"

فلک آفتاب نے کہا "وہاں سے یہاں تک چالیس منٹ کا راستہ ہے۔ ڈرائیور سے کہنا بہت احتیاط سے گاڑی چلائے اور اسے بحفاظت یہاں لے آئے۔ ہم انتظار کر رہے ہیں۔"

فلک آفتاب نے ریسیور رکھ دیا۔ بیگم آفتاب نے پوچھا "کیا وہ آ رہی ہے؟"

"ہاں، ابھی وہاں سے نکلنے والی ہے۔"

بیگم آفتاب ناگواری سے بڑبڑانے لگی "یہ آپ کی بہن خواہ مخواہ ہماری مخالفت کر رہی ہے۔ کیا عینی اس کے احمق بیٹے کو پسند کرے گی۔"

"نہیں کرے گی۔ تم خواہ مخواہ انگاروں پر لوٹ رہی ہو۔ میری بہن کے پیچھے پڑ گئی ہو۔ یہ کیوں نہیں سوچتی ہو کہ تمہاری بیوہ بھابی بھی عینی کو اپنی بہو بنانا چاہتی ہیں۔"

وہ حیرانی سے بولی "یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ دردانہ بیگم میری بھاوج تھی۔ بھائی صاحب کا انتقال ہو گیا۔ اب ان سے کوئی بھاوج کا رشتہ نہیں رہا اور پھر وہ عینی کی سوتیلی ماں ہے۔ کیا اس کے بیٹے سے عینی کا نکاح جائز ہو گا؟"

"بے شک ہو گا۔ کیونکہ دردانہ بیگم کا جو بیٹا ہے وہ اس کے پہلے شوہر سے ہے۔ کیا نام ہے اس کے بیٹے کا...... میں بھول جاتا ہوں۔"

بیگم نے کہا "جواد۔"

"ہاں، جواد اور عینی کے درمیان لہو کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ ہماری بھاوج دردانہ بیگم میٹھی چھری ہے۔ عینی کو بڑی محبتیں دیتی رہتی ہے اور اسی میٹھی چھری سے اسے حلال کر سکتی ہے۔ اپنے بیٹے سے اس کا نکاح پڑھا سکتی ہے۔ ہمیں اس کی طرف سے زیادہ محتاط رہنا چاہیے۔"

"خدا کا شکر ہے۔ وہ اپنی کوٹھی میں بیٹے کے ساتھ رہتی ہے۔ یہاں کبھی کبھی آتی ہے۔ میں نے تو صاف صاف کہہ دیا ہے کہ آپ آ سکتی ہیں، آپ کا بیٹا نہیں آ سکتا۔ اس سے ہمارا کوئی رشتہ نہیں ہے۔"

"یہ بات میں نے بھی دردانہ بھابی سے کہی تھی۔ اسی لیے تو جواد ادھر نہیں آتا ہے مگر اس کے نہ آنے سے کیا ہوتا ہے۔ عینی کی زندگی میں آنے کے لیے کئی چور راستے کھل سکتے ہیں۔ سازشیں ہمیشہ پیٹھ پیچھے ہی ہوا کرتی ہیں۔"

بیگم نے کہا "وہ سازشیں کر سکتی ہے تو میں بھی اس سے کم نہیں ہوں۔ اگر عینی میری بہو نہ بن سکی تو اسے کسی کی بہو نہیں بننے دوں گی۔ ہم اس کی شادی کا معاملہ برسوں تک ٹالتے رہیں گے۔ ہم برسوں تک اس کے سرپرست بن کر اس کے سر پر سوار رہیں گے۔ یہاں کسی کی دال نہیں گلنے دیں گے۔"

☆☆☆

عینی ایزی چیئر پر نیم دراز تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ اس نے عروج سے پوچھا "کیا آنکھیں کھول دوں؟"

عروج اس کے قریب آئی۔ اس نے مسکرا کر اسے دیکھا جھک کے اس کی پیشانی کو چوما پھر کہا "ہاں میری جان آنکھیں کھولو اور مجھے دیکھو۔"

عینی نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں۔ اسے دھندلا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ بولی "تیری صورت سامنے ہے مگر دھندلی سی دکھائی دے رہی ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔ اسی پر صبر کر۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر، کچھ تو دکھائی دے رہا ہے۔ اللہ نے چاہا تو جلد ہی پوری دنیا کو اور مجھ کو صاف طور سے دیکھ سکے گی۔ چل اٹھ یہاں سے۔ وہاں تیرا انتظار ہو رہا ہے۔"

اس نے ہاتھ پکڑ کر سہارا دیا۔ وہ سہارے کے بغیر بھی اٹھ سکتی تھی، چل سکتی تھی لیکن محبت میں کسی نہ کسی بہانے ایک دوسرے کو چھونا ضروری ہوتا ہے۔

وہ ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر دروازے کی طرف جانے لگیں۔ عروج نے پوچھا "کیا دروازہ دکھائی دے رہا ہے۔"

"ہاں ذرا دور ہے مگر دھندلا سا نظر آ رہا ہے۔"

وہ دونوں دروازے سے نکل کر اسپتال کے کوریڈور میں آ گئیں۔ باہر ڈرائیور کھڑا تھا۔ اس نے کہا "گاڑی لے آؤ بی بی گھر جائیں گی۔"

ڈرائیور تیزی سے چلتا ہوا وہاں سے چلا گیا وہ عروج کے ساتھ چلتی ہوئی اسپتال کے باہر آ گئی۔ ڈرائیور گاڑی لے آیا۔ اس نے پیچھے کا دروازہ کھول کر عروج کو وہاں بٹھاتے ہوئے آس پاس دیکھا پھر ڈرائیور سے کہا "ابھی دن کی روشنی ہے۔ اندھیرا ہونے سے پہلے گھر پہنچ جاؤ۔ میں فون کر کے خیریت معلوم کروں گی۔"

ڈرائیور اسٹیئرنگ سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ عروج نے کھڑکی میں جھک کر عینی کا ہاتھ تھام کر کہا "تیرے پاس موبائل فون ہے۔ کوئی پریشانی ہو تو فوراً مجھے فون کرنا۔ میرا دھیان فون کی طرف رہے گا۔"

"اب تو دادی اماں کی طرح میرے لیے پریشان نہ ہونا۔ میں خیریت سے پہنچ جاؤں گی۔ خدانخواستہ کوئی بات ہوئی تو میں تجھے فون ضرور کروں گی۔ اچھا خدا حافظ۔"

عروج نے اس کے ہاتھ کو تھپکتے ہوئے کہا "خدا حافظ۔"

عینی نے ڈرائیور سے کہا "چلو۔"

اس نے کار اسٹارٹ کی پھر اسے آگے بڑھا دیا وہ دھیمی رفتار سے چلتا ہوا اسپتال کے احاطے سے باہر آیا پھر مین روڈ پر آ گیا اور تیز رفتاری سے کار ڈرائیو کرنے لگا۔ عروج نے اپنے چیمبر میں آ کر فلک آفتاب کو فون پر مخاطب کیا۔ اس وقت فون کے پاس بیگم آفتاب بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے کہا "ہاں بیٹی عروج، میں بول رہی ہوں۔"

عروج نے کہا "آنٹی عینی ابھی یہاں سے روانہ ہوئی ہے۔ ان شاء اللہ چالیس یا پچاس منٹ میں آپ کے پاس پہنچ جائے گی۔"

"شکریہ بیٹی۔ ہم ابھی سے دروازے پر اس کا انتظار کریں گے۔"

بیگم آفتاب نے ریسیور رکھ دیا پھر اپنے بیٹے کو آواز دی "بابر، کہاں ہو تم جلدی آؤ۔"

دوسرے بابر کی آواز سنائی دی "امی! میں لباس تبدیل کر رہا ہوں۔ ابھی آتا ہوں۔ ذرا انتظار کریں۔"

"یہ تم کیا ہر وقت بنتے سنوارتے رہتے ہو۔ لباس بدلنے کی کیا ضرورت ہے۔ کہاں جا رہے ہو؟"

وہ بولتی ہوئی بیٹے کے کمرے کی طرف آئی۔ بیٹے نے کمرے سے نکل کر شرٹ کے بٹن لگاتے ہوئے کہا "آپ تو بس سر پر سوار ہو جاتی ہیں۔ کیا بات ہے ایسی جلدی کیا ہے؟"

"عینی آ رہی ہے۔"

"کیا اس نے فون کیا تھا؟"

"ہاں، عروج نے فون کیا تھا۔ وہ ابھی اسپتال سے روانہ ہوئی ہے۔ بیس منٹ میں یہاں پہنچ جائے گی۔ تم دروازے پر جاؤ۔"

وہ بیزار ہو کر بولا "اوہ ممی! آپ کیا چاہتی ہیں۔ کیا میں ابھی سے دروازے پر دربان بن کر پہنچ جاؤں؟"

"بیٹا، اس کے لیے دربان بھی بننا پڑے تو بن جاؤ۔ جو کہتی ہوں کرتے جاؤ۔"

"جا رہا ہوں لیکن سمجھ میں نہیں آتا، اس اندھی سے کیسے بات بنے گی۔ وہ تو مجھے ٹھیک طرح سے دیکھ بھی نہیں پاتی۔ میں نے سنا تھا محبت اندھی ہوتی ہے لیکن اس اندھی کو مجھ سے کوئی محبت نہیں ہے میں کئی بار آزما چکا ہوں۔"

"مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ کوشش کرتے رہو۔ تمہارے ڈیڈی بھی کوشش کر رہے ہیں۔ میں اسے بہو بنا کر رہوں گی۔"

"آپ زبردستی رشتہ کرنا چاہتی ہیں۔ میں نہیں چاہتا جب تک اس کے دل میں میرے لیے جگہ نہیں بنے میں شادی کے لیے ہاں نہیں کہوں گا۔"

"فضول باتیں نہ کرو، اگر تم انکار کرو گے تو میں تمہارے بھائی جان سے اس کی شادی کر دوں گی۔"

بابر نے حیرانی سے ماں کو دیکھا پھر کہا "بھائی جان کی شادی ہو چکی ہے۔ آپ جانتی ہیں میں اپنی بھابی سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ کیا آپ میری بھابی پر سوکن لائیں گی۔"

"اور کیا کروں، شادی کو پانچ برس ہو چکے ہیں اور دور دور تک اولاد کا نام و نشان نہیں ہے۔ آئندہ نسل بڑھانے کے لیے اولاد ضروری ہوتی ہے اور میں اپنے پوتے اور پوتی کے لیے دوسری بہو ضرور لاؤں گی۔"

وہ بڑبڑاتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

عینی کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ کار اپنی مخصوص رفتار سے چلی جا رہی تھی۔ پچھلی سیٹ پر اس کے قریب ہی موبائل فون رکھا ہوا تھا۔ دائیں بائیں سے گزرنے والی روشنی عینی کے چہرے پر اور موبائل فون پر پڑتی تھی پھر وہ روشنی گزر جاتی تھی۔ اندھیرا چھا جاتا تھا۔ وہ تاریکی میں بیٹھی اپنے دائیں طرف کھڑکی سے باہر دیکھتی تھی۔ دور کہیں قمقمے ایسے دکھائی دیتے تھے جیسے کہیں چراغ ٹمٹمار ہے ہوں۔

میں پچھلی سیٹ پر اس کے پاس موجود تھا۔ کچھ ہونے والا تھا اور جب کچھ ہونے والا ہوتا ہے تو مقدر آس پاس ہی ہوتا ہے۔

سامنے بیٹھا ہوا ڈرائیور ونڈ اسکرین کے پار دیکھ رہا تھا اور کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ میں اس ڈرائیور کا بھی مقدر ہوں۔ وہ سوچ رہا تھا اور کچھ پریشان سا تھا۔ اس نے سر گھما کر عینی کی طرف دیکھا پھر اس سے کہا۔

''بی بی جی، ایک بات پوچھوں؟''

''ہاں پوچھو۔ کیا بات ہے؟''

''کیا آپ کو باہر کچھ دکھائی دے رہا ہے؟''

''باہر اندھیرا ہے، کیا دکھائی دے گا؟ ونڈ اسکرین کے باہر کبھی کبھی آنے والی کار کی ہیڈ لائٹس سے روشنی دکھائی دیتی ہے پھر اندھیرا چھا جاتا ہے۔ بائی داوے تم کیوں پوچھ رہے ہو؟''

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا ''کچھ نہیں، بس یوں ہی۔ آپ اتنی اچھی بی بی جی ہیں۔ مجھ پر مہربان رہتی ہیں۔ مجھے آپ کے بارے میں سوچ کر افسوس ہوتا ہے۔ کیا میں کار کے اندر دکھائی دے رہا ہوں۔''

''ہاں دھندلے سے دکھائی دے رہے ہو اور سر گھما کر میری طرف دیکھ رہے ہو۔ تمہیں سامنے دیکھ کر ڈرائیونگ کی طرف دھیان دینا چاہیے۔''

وہ سر گھما کر ونڈ اسکرین کے باہر دیکھنے لگا۔ عینی ملازموں کے ساتھ محبت اور ہمدردی سے پیش آیا کرتی تھی۔ انہیں تنخواہ کے علاوہ اچھی خاصی رقمیں دیتی رہتی تھی۔ سب ہی اسے دل و جان سے چاہتے تھے۔ وہ ڈرائیور بھی اس کی تعریفیں کرتا تھا لیکن احسان فراموش تھا اور ابھی احسان فراموشی کا مظاہرہ کرنے والا تھا۔

کار کی رفتار سست ہونے لگی پھر وہ ہلکے ہلکے جھٹکے کھانے لگی۔ عینی نے پوچھا ''کیا ہو گیا؟''

''پتا نہیں بی بی جی کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہے۔ میں ابھی چیک کرتا ہوں۔''

اس نے ذرا آگے جا کر کار سڑک کے کنارے روک دی پھر اسٹیئرنگ سیٹ سے اتر کر سامنے کی طرف گیا اور بونٹ کو کھول کر انجن کی طرف جھک گیا۔ جھکنے کے بعد سڑک کے دونوں طرف دائیں بائیں چور نظروں سے دیکھنے لگا۔

ایسے ہی وقت سڑک کے ایک طرف ڈھلان سے ایک شخص ابھر آیا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ سڑک کے دوسری طرف سے دو شخص ابھرتے ہوئے آئے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں لمبا سا چھرا تھا۔ وہ دبے قدموں چلتے ہوئے چھپتے ہوئے بونٹ کے قریب ڈرائیور کے پاس آئے ریوالور والے نے سرگوشی میں پوچھا ''کیا وہ دیکھ سکتی ہے؟''

ڈرائیور نے کہا ''ہاں اسے دھندلا دھندلا سا دکھائی دے رہا ہے۔ مجھ سے ہاتھا پائی شروع کر دو۔ اسے معلوم ہونا چاہیے میں اسے بچانے کے لیے تم لوگوں سے لڑ جھگڑ رہا ہوں۔''

عینی پچھلی سیٹ پر بیٹھی سامنے ونڈ اسکرین کی طرف د[illegible] رہی تھی۔ بونٹ اٹھا ہوا تھا پھر بھی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں ا[illegible] چند سائے سے حرکت کرتے ہوئے دکھائی دیے جو ا[illegible] دوسرے سے گتھم گتھا تھے۔ کبھی الگ ہو رہے تھے کبھی ا[illegible] دوسرے سے بھڑ جاتے تھے۔ وہ پریشان ہو گئی۔ اس نے فور[illegible] ہی پاس رکھے ہوئے موبائل فون کو اٹھایا۔ نمبر پنچ کیے پھر ا[illegible] کان سے لگا کر سننے لگی۔ جلد ہی عروج کی آواز سنائی دی۔

''ہیلو عینی۔ میں بول رہی ہوں۔ خیریت سے ہو؟''

''نہیں شاید خیریت نہیں ہے۔ کار میں خرابی پیدا ہو[illegible] ہے۔ ڈرائیور اسے درست کر رہا تھا ایسے وقت مجھے دو تین شخص اس سے لڑتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔ مجھے ڈر لگ [illegible] ہے۔ میں کیا کروں؟''

''اپنے وقت حاضر دماغی سے کام لو۔ فوراً ہی کار [illegible] باہر نکلو۔ کسی طرح سڑک کے کنارے چلتے ہوئے مدد کے [illegible] پکارو۔ وہاں سے گاڑیاں گزر رہی ہوں گی۔ ایک تنہا لڑ[illegible] دیکھ کر کتنے ہی گاڑیوں والے مدد کے لیے رک جائیں گے

وہ فوراً ہی کار کا پچھلا دروازہ کھول کر باہر نکلنے لگی۔ ف[illegible] کان سے لگا ہوا تھا۔ عروج کہہ رہی تھی ''فون بند نہ کرنا۔ [illegible] سے رابطہ جاری رکھنا۔ میں ابھی تمہارے پاس ہی پہنچ [illegible] ہوں۔''

وہ کار سے نکل کر باہر آئی تو پچھلی طرف گہری تار[illegible] تھی۔ وہ اب تک سامنے کی طرف ہیڈ لائٹس کی روشنی د[illegible] رہی تھی۔ اس لیے آنکھیں چندھیا گئی تھیں۔ تاریکی میں [illegible] دکھائی نہیں دے رہا تھا پھر بھی وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر اند[illegible]

طرح راستہ ٹٹولتی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔

میں اس کا مقدر تھا۔ اس کے ساتھ چل رہا تھا لیکن اس کے لیے کچھ نہیں کر رہا تھا۔ وہ مدد کے لیے چیخنا چاہتی تھی۔ میں ایسا نہیں چاہتا تھا۔ اس کا چیخنا فضول ہوتا۔ اس ویران راستے میں کوئی گاڑی نہیں گزر رہی تھی۔

پھر اس کی چیخ سن کر وہ غنڈے فوراً ہی اس کی طرف آ سکتے تھے۔ ابھی تو وہ تینوں ڈرامائی سین پیش کر رہے تھے اور اس ڈرائیور سے ہاتھا پائی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

میں چاہتا تھا کہ وہ غنڈوں کے ہاتھ نہ آئے۔ وہ تاریکی میں سنبھل سنبھل کر قدم بڑھا رہی تھی۔ ڈگمگا رہی تھی۔ میں نے ایک چٹکی بجائی تو وہ ٹھوکر کھا کر اوندھے منہ گر پڑی۔ اس کے حلق سے ایک کراہ نکلی۔ میں نے دوسری چٹکی بجائی تو فون اس کے ہاتھ سے چھٹ کر گر پڑا پھر وہ فون ڈھلان کی طرف گرتا چلا گیا۔ پتا نہیں تاریکی میں کہاں جا کر پہنچا ہو گا۔ ویسے میں نے اسے موبائل فون سے محروم کر دیا۔

یہ سراسر میری زیادتی تھی لیکن میں ہاتھ کی لکیروں کے مطابق سمجھتا ہوں کہ مجھے کس وقت کیا کرنا چاہیے۔ وہ اوندھے منہ سڑک کے کنارے پڑی ہوئی تھی اور کراہتے ہوئے اٹھ رہی تھی۔ میں نے اسے سڑک کے دوسری طرف جانے پر مجبور کیا۔ وہ اندھیرے میں سنبھل سنبھل کر قدم بڑھاتی ہوئی دوسری طرف آئی۔ ایسے وقت وہ کسی کو نظر نہیں آ رہی تھی۔

وہ اس وقت ہیڈ لائٹس کی روشنی میں ایک دوسرے سے الجھے ہوئے تھے اور کار کے پیچھے نیم تاریکی میں دیکھ نہیں سکتے تھے کہ وہ کہاں جا رہی ہے ایسے وقت ڈرائیور نے جھنجلا کر کہا ''کب تک یہ سین کرتے رہو گے۔ اب مجھے زخمی کر دو اور اسے پکڑو ورنہ وہ کہیں بھاگ جائے گی۔''

جس کے ہاتھ میں چھرا تھا اس نے ایک ہاتھ چلایا۔ چھرے کی نوک ڈرائیور کے بازو کو ہلکا سا چیرتی ہوئی گزر گئی۔ ڈرائیور کے حلق سے ایک چیخ نکلی۔

دوسری طرف عینی بھی گھبرا کر چیخ پڑی۔ آگے بڑھتے وقت اس کا ایک پاؤں ڈھلان کی طرف گیا تھا۔ وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی، گر پڑی اور گرتی ہوئی ڈھلان سے نیچے کی طرف جانے لگی۔

اس کی اور ڈرائیور کی چیخ گڈمڈ ہو گئی۔ وہ بہت دور تھی اس لیے اس کی چیخ زیادہ واضح نہیں ہو سکی۔ وہ تینوں سن نہ سکے۔ اسے زخمی کرنے کے بعد تیزی سے چلتے ہوئے پچھلی سیٹ کی طرف آئے۔ ڈرائیور نے سوچا تھا کہ چاقو سے ہلکی سی خراش پڑے گی وہ اسے برداشت کر لے گا لیکن خراش پڑتے ہی ایسی شدید جلن ہونے لگی تھی جیسے پورے جسم میں آگ بھر گئی ہو۔ وہ اوندھے منہ سڑک پر گر پڑا۔ ایک ہاتھ اٹھا کر ان تینوں کو آوازیں دینا چاہتا تھا مگر اب حلق سے آواز بھی نہیں نکل رہی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ چاقو کا معمولی سا زخم اس کے اندر زہریلی آگ بھر دے گا۔

آدمی نہیں سمجھتا۔ اسے آخری وقت مقدر سمجھاتا ہے مگر وقت گزر چکا ہوتا ہے۔ اس نے عینی کے دشمنوں کا ساتھ دیا تھا۔ اس نے ان سے پچاس ہزار روپے لیے تھے اور اس بات کا وعدہ کیا تھا کہ وہ اس ویرانے میں گاڑی روک دے گا۔ اس کے بعد وہ غنڈے عینی سے نمٹ لیں گے اور اس ڈرائیور کو جانے دیں گے۔

لیکن عینی کے خلاف سازش کرنے والے نادان نہیں تھے، وہ جانتے تھے کہ ڈرائیور زندہ گھر واپس جائے گا اور پولیس والے اس کی پٹائی کریں گے۔ وہ سچ اگل دے گا۔ لہٰذا سچ اگلنے سے پہلے ہی اسے چاقو کے پھل کو زہریلا بنا دیا گیا تھا۔

اس طرح اس کے ہاتھ کی لکیر اس ویران سڑک پر آ کر ٹوٹ گئی تھی اور میں اس کے مقدر کی لکیر پر آگے نہیں بڑھ سکتا تھا اس لیے رک گیا تھا۔ میں رکتا ہوں تو سانسیں رک جاتی ہیں۔ اس کی سانسیں رک چکی تھیں۔ وہ بیچ سڑک پر مردہ پڑا ہوا تھا۔

وہ تینوں بدمعاش دوڑتے ہوئے کار کی پچھلی سیٹ کی طرف آئے تو سیٹ خالی تھی۔ ایک نے کہا ''یہ کہاں چلی گئی؟''

دوسرے نے کہا ''اس طرف دیکھو، دوسری طرف کار کا دروازہ کھلا ہے۔ وہ ادھر سے گئی ہے۔''

وہ سب تیزی سے اس کھلے دروازے کی طرف آئے۔

عینی اس کے مخالف سمت سڑک کے دوسری طرف ڈھلان میں گری تھی۔ وہاں سے اٹھ کر رینگتی ہوئی آگے بڑھ گئی تھی پھر دونوں پیروں پر کھڑی ہو گئی تھی۔ چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ دور تک اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔

دور بہت دور روشنی کے چھوٹے چھوٹے نقطے دکھائی دے رہے تھے۔ نظریں کمزور تھیں وہ اسی حد تک دیکھ سکتی تھی۔ بہر حال یہ اندازہ ہو گیا کہ ادھر آبادی ہو گی اور وہاں اس کی مدد کرنے والے مل جائیں گے۔ لہٰذا وہ دونوں ہاتھ بڑھا کر راستہ ٹٹولتے ہوئے آگے بڑھنے لگی۔

وہ تینوں سڑک کے دوسری طرف تھے اور گہری تاریکی میں تھے۔ دوسری طرف گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی وجہ سے نیم

تاریکی بھی گہری تاریکی لگ رہی تھی۔ میں انہیں دوسری طرف بھٹکانا چاہتا تھا اس لیے ایک نے چونک کر کہا ”سنو، کوئی آواز سنائی دے رہی ہے۔“

وہ تینوں توجہ سے سننے لگے۔ ڈھلان کی پستی سے موبائل فون سے عروج کی آواز آ رہی تھی۔

”ہیلو...... ہیلو، عینی تم کہاں ہو؟ جواب کیوں نہیں دے رہی ہو؟“

وہ تینوں سنبھل سنبھل کر ڈھلان سے اترتے ہوئے فون کے پاس پہنچے۔ ایک نے اسے اٹھا کر آواز سنی۔ عروج عینی کو پکار رہی تھی۔ اس نے فون کو بند کرتے ہوئے کہا ”فون ادھر گرا ہوا ہے۔ وہ اسی طرف آگے کہیں گئی ہے۔“

کسی نے کہا ”وہ زیادہ دور نہیں گئی ہو گی۔ چلو۔“

وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر آگے بڑھنے لگے۔ اب وہ تاریکی کے عادی ہو گئے تھے اس لیے کسی حد تک دیکھ کر آگے بڑھ سکتے تھے اور بڑھتے جا رہے تھے۔

میں بھٹکاتا ہوں تو بھٹکنا ہی پڑتا ہے۔

☆☆☆

عروج بری طرح بدحواس ہو گئی تھی۔ اچانک ہی فون کا رابطہ بھی ختم ہو گیا تھا۔ کسی نے فون بند کر دیا تھا۔ اب اس کی آواز عینی تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اس نے ایک وارڈ بوائے کو بلا کر کہا ”ایک ایمرجنسی ہے۔ میں جا رہی ہوں۔ میرے اس کمرے کو لاک کر دو۔“

وہ اپنا بیگ اٹھا کر موبائل فون پر نمبر پنچ کرتی ہوئی کمرے سے باہر آئی پھر اس فون کو کان سے لگا کر انتظار کرنے لگی۔ رابطہ قائم ہوتے ہی اس نے کہا۔

”انکل، غضب ہو رہا ہے۔ عینی گم ہو گئی ہے۔“

دوسری طرف سے فلک آفتاب نے پریشان ہو کر پوچھا ”یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ وہ کیسے گم ہو گئی؟“

وہ فون کان سے لگائے اسپتال کے کوریڈور سے گزرتے ہوئے کہہ رہی تھی ”تھوڑی دیر پہلے میں نے عینی کو فون کیا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی کہ کار کے سامنے ہیڈ لائٹس کی روشنی میں اسے تین چار سائے لڑتے جھگڑتے دکھائی دے رہے ہیں۔ تو میں نے اسے مشورہ دیا، وہ کار سے باہر نکل کر سڑک کے کنارے کھڑی ہو جائے اور مدد کے لیے پکارنا شروع کرے، میں وہاں پہنچ رہی ہوں۔“

دوسری طرف سے فلک آفتاب نے کہا ”بات مختصر کرو۔ یہ بتاؤ پھر کیا ہوا۔ وہ کہاں ہے؟“

وہ بولی ”یہی تو کہہ رہی ہوں کہ تھوڑی دیر بعد اس کی آواز مجھے سنائی نہیں دی۔ ایسا لگتا ہے جیسے فون کسی نے چھین لیا ہو۔ میں چیخ چیخ کر ڈرائیور کو بھی مخاطب کر رہی تھی لیکن میری آواز جیسے ان تک پہنچ ہی نہیں رہی تھی پھر فون اچانک ہی بند ہو گیا۔“

وہ بولتی ہوئی باہر آ گئی۔ باہر اس کی کار پارکنگ ایریا میں کھڑی ہوئی تھی۔ وہ کار میں بیٹھتے ہوئے بولی ”میں ابھی اس راستے پر جا رہی ہوں۔ پلیز آپ بھی فوراً چلے آئیں۔“

وہ کار کی اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کرنے لگی۔ دوسری طرف سے فلک آفتاب نے کہا ”میں بھی آ رہا ہوں۔ ہمارے گھر سے تمہارے اسپتال تک ایک ہی راستہ ہے جہاں ٹریفک کی بھیڑ نہیں ہوتی اور عینی اکثر اسی راستے سے گزرتی ہے۔ میں وہاں آ رہا ہوں۔“

عروج نے فون کو بند کر دیا پھر کار کو آگے بڑھاتے ہوئے اسپتال کے احاطے سے باہر جانے لگی۔ ادھر فلک آفتاب نے ریسیور کریڈل پر رکھا۔ بیگم آفتاب اپنے بیٹے کو آوازیں دینے لگی ”بابر تم کہاں ہو۔ فوراً ہمارے ساتھ چلو۔ عینی مصیبت میں پڑ گئی ہے۔“

دوسری طرف فلک ناز اپنے بیٹے کو آوازیں دینے لگیں ”عدنان فوراً آؤ، ہمیں اپنی گاڑی لے کر جانا ہے۔ عینی کو تلاش کرنا ہے۔ وہ کسی پرابلم میں ہے۔“

فلک آفتاب نے کہا ”عدنان قرآن خوانی کرنے والوں کو کھانا کھلا رہا ہے۔ اسے یہیں رہنے دو۔ ہم جا رہے ہیں۔“

فلک ناز بولی ”بھائی جان آپ اپنے بیٹے کو یہاں مہمانوں کے پاس چھوڑ دیں۔ اس کا جانا ضروری نہیں ہے۔“

بیگم آفتاب نے کہا ”کیا تمہارے بیٹے عدنان کا جانا ضروری ہے۔ تم چاہتی ہو تمہارا بیٹا عینی کو تلاش کرنے کا کریڈٹ حاصل کر لے اور میرا بیٹا یہاں گھر میں رہ جائے۔“

عدنان نے آ کر پوچھا ”اماں مما، کیا بات ہے؟“

فلک ناز نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے دروازے کی طرف کھینچتے ہوئے کہا ”ہمیں فوراً جانا ہے۔ گاڑی نکالو۔ عینی کسی پرابلم میں ہے۔ میرا بیٹا ذہین ہے، دلیر ہے عینی کو مصیبتوں سے نکال کر لائے گا۔“

وہ کہتی ہوئی باہر چلی گئی۔ بیگم نے اپنے میاں سے کہا ”وہ ہم سے پہلے جا رہی ہے۔ اگر عینی کو ڈھونڈ لائے گی تو اپنے اس کارنامے کی ہر جگہ پبلسٹی کرتی پھرے گی۔ آپ کھڑے کیا ہیں۔ فوراً چلیں۔“

وہ دونوں بھی تیزی سے چلتے ہوئے باہر آئے۔ وہاں دو کاریں کھڑی ہوئی تھیں۔ اگلی کار میں فلک ناز بیٹھی ہوئی تھی

اور اس کا بیٹا ڈرائیونگ سیٹ پر تھا۔ وہ کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاتا ہوا احاطے سے باہر جا رہا تھا۔ بیگم آفتاب نے اپنے بیٹے سے کہا ”بابر تم یہاں کھڑے کیا کر رہے تھے۔ کیا اپنی کار اس سے آگے لے جا کر نہیں کھڑی کر سکتے؟“

وہ اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولا ”ممی آپ فکر نہ کریں۔ فوراً بیٹھیں۔ ہم ان سے آگے نکل جائیں گے۔“

وہ دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ بابر نے کار اسٹارٹ کی پھر تیزی سے آگے بڑھاتا ہوا احاطے کے گیٹ سے باہر آ گیا۔ اس کے بعد کار ریسنگ شروع ہو گئی۔

فلک ناز کی کار بہت آگے جا رہی تھی۔ بابر اسپیڈ بڑھاتا جا رہا تھا پھر اس کے برابر ہو گیا اور اس سے آگے نکلنے لگا۔ فلک آفتاب نے کہا ”بیٹے! اتنی تیز رفتاری سے نہ چلاؤ۔ خدانخواستہ کوئی حادثہ ہو سکتا ہے۔“

بیگم آفتاب نے کہا ”ڈر تو مجھے بھی لگ رہا ہے لیکن میں آپ کی بہن کو آگے نہیں نکلنے دوں گی۔“

”اگر اس کار کو حادثہ پیش آئے گا تو ہم اس دنیا سے بھی آگے نکل جائیں گے پھر اپنی ہونے والی بہو کو تم قیامت کے دن ہی دیکھ سکو گی۔“

بیگم نے پریشان ہو کر کہا ”بیٹے! رفتار ذرا کم کر دو۔ ہم عینی کی سلامتی کے لیے اسے سلامتی سے ڈھونڈنا چاہتے ہیں۔“

وہ پندرہ منٹ کی ڈرائیونگ کے بعد اس جگہ پہنچ گئے جہاں سڑک کے کنارے عینی کی کار کھڑی ہوئی تھی اور بیچ سڑک پر ڈرائیور کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ وہ وہاں پہنچ کر اس لاش کو دیکھتے ہی پریشان ہو گئے۔ کار میں جھانک کر دیکھا تو وہ خالی تھی۔ عینی کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ اسے آوازیں دینے لگے فلک آفتاب نے ڈرائیور کے پاس آ کر دیکھا۔ اس کا رنگ سیاہ پڑ گیا تھا۔ صاف پتا چلتا تھا کہ اسے سانپ نے ڈس لیا ہے یا پھر زہر سے کسی طرح مارا گیا ہے۔

اسی وقت عروج کار ڈرائیو کرتی ہوئی وہاں پہنچ گئی۔ اس نے سڑک کے کنارے کار روکی پھر دوڑتی ہوئے عینی کی کار کے پاس آ کر پوچھا ”کہاں ہے عینی؟“

”ہم سب اسے تلاش کر رہے ہیں۔ بابر ادھر اندھیرے میں گیا ہے۔ ہم جلدی میں ٹارچ لانا بھول گئے۔“

فلک آفتاب نے فون کے ذریعے قریبی تھانے سے رابطہ کیا پھر تھانیدار کو اطلاع دی میں فلک آفتاب حیات بول رہا ہوں۔ میری بھتیجی کو اغوا کیا گیا ہے اور اس کے ڈرائیور کو پتا نہیں کس طرح مارا گیا ہے۔ اس کی لاش سڑک پر پڑی ہوئی ہے۔ آپ فوراً یہاں آئیں۔ ہم ڈیفنس فیز ٹو سے سی ویو جانے والے راستے پر ہیں۔ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔“

اس نے اطلاع دینے کے بعد فون بند کر دیا۔ عروج دور تاریکی میں آنے کے بعد اسے پکار رہی تھی پھر تیزی سے چلتی ہوئی اپنی کار میں آ کر بیٹھ گئی۔ اسے اسٹارٹ کر کے کبھی دائیں بائیں ہیڈ لائٹس کی روشنی دور تک پھینکنے لگی، دور تک دیکھنے لگی شاید وہ کہیں نظر آ جائے لیکن اس کی ایک جھلک بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

وہ سڑک سے دور تاریکی میں بھٹک رہی تھی۔ ننھی ننھی نقطوں جیسی روشنیاں کبھی دکھائی دے رہی تھیں اور کبھی درختوں اور جھاڑیوں کے باعث نظروں سے اوجھل ہو جاتی تھیں۔

نظر کمزور تھی اس لیے نیم تاریکی بھی گہری لگ رہی تھی۔ اگر نظر درست ہوتی تو وہ نیم تاریکی میں بھی یہ دیکھ سکتی تھی کہ جدھر جا رہی ہے ادھر آگے ایک بہت بڑا گڑھا ہے جس میں گرنے کے بعد ہڈی پسلی ٹوٹنے کا اندیشہ تھا۔

وہاں کوئی اسے بتانے والا نہیں تھا کہ آگے گڑھا ہے اور وہاں گرنے کے بعد وہ شاید زندہ رہ جاتی مگر سلامت نہ رہتی، اپاہج ضرور ہو جاتی۔ ایک میں ہی اس کے ساتھ تھا مگر اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے گھما نہیں سکتا تھا۔ اس کا راستہ نہیں بدل سکتا تھا۔ میں اس کا مقدر ہوں۔ اسے بچا سکتا ہوں۔ شاید نہ بھی بچاؤں۔

وہ اس گڑھے سے دس گز کے فاصلے پر تھی اور سیدھی اسی طرف چلی آ رہی تھی۔ دور اس پختہ سڑک پر پولیس والے بھی آ گئے تھے۔ فلک آفتاب، اس کی بیگم، اس کے بیٹے فلک ناز اور عدنان وغیرہ سے سوالات کر رہے تھے۔ انہیں تھانے چلنے کو کہہ رہے تھے۔ عروج کار چلا رہی تھی۔ سڑک پر دور تک آگے پیچھے جا رہی تھی اور سڑک کے دائیں بائیں کار کی ہیڈ لائٹس کی روشنی پہنچا رہی تھی اور مایوس ہو رہی تھی۔ عینی نہ تو دکھائی دے رہی تھی نہ اس کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

وہ مایوس ہو کر پولیس والوں کے پاس آ گئی۔ سپاہیوں نے لاش کو اٹھا کر اپنی گاڑی میں رکھ دیا تھا اور اب وہ وہاں سے جا رہے تھے۔

عروج مایوس ہو کر جاتے جاتے آگے پیچھے دیکھ رہی تھی شاید اس کی سہیلی اسے نظر آ جائے لیکن میں نہیں چاہتا تھا پھر وہ کیسے نظر آتی۔ اسے بھی پولیس والوں کے ساتھ وہاں سے جانا پڑا۔

وہ سڑک ویران ہو گئی۔ سب چلے گئے۔ کوئی عینی تک

پہنچنے کے لیے نہیں رہا۔ صرف وہ تین بدمعاش سڑک کے دوسری طرف مخالف سمت میں اسے تلاش کر رہے تھے۔

وہ بیچاری میرے رحم و کرم پر تھی۔ ایک ایک قدم بڑھاتی ہوئی اس گڑھے کی طرف جا رہی تھی۔ ہر لمحہ جیسے موت کے قریب پہنچ رہی تھی۔

بعض اوقات ایسا ہی ہوتا ہے۔ انسان موت کے قریب جاتا ہے اور اسے بچانے والا اس کے آس پاس نہیں ہوتا۔ عینی کے پاس بھی کوئی نہیں تھا۔ اب وہ بالکل قریب آ گئی تھی۔ اس گڑھے سے صرف چار قدم دور رہ گئی تھی۔ اپنے چوتھے قدم کے بعد وہ گڑھے میں گرنے والی تھی۔

ایسے وقت اس گڑھے کے سرے پر میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ سیدھی میری طرف آئی اور مجھ سے ٹکرا گئی پھر ٹکراتے ہی گھبرا گئی۔ دونوں ہاتھوں سے ٹٹول کر محسوس کیا تو پتا چلا کہ وہ بھینس سے ٹکرا گئی ہے اور اس کے ساتھ چلتی چلی جا رہی ہے پھر وہ بھینس ایک جگہ رک گئی۔ وہ اس گڑھے سے دور ہو گئی تھی۔

اس نے ایک طرف گھوم کر دیکھا تو بہت دور ایک گزرتی ہوئی روشنی دکھائی دی۔ اس سے اندازہ ہوا کہ کوئی گاڑی گزرتی جا رہی ہے۔ اس نے چیخ کر کہا ''ہیلپ...... ہیلپ...... کوئی ہے، یہاں کوئی ہے۔ کوئی میری آواز سن رہا ہے؟''

کوئی اس کی آواز سننے والا نہیں تھا۔ وہ جو روشنی گزرتی جا رہی تھی، گزر چکی تھی۔ وہ گاڑی جا چکی تھی۔ اس نے پلٹ کر ہاتھ بڑھایا تو اب ادھر بھینس نہیں تھی۔ اگر ہوتی تو وہ اس کے سہارے چلتی ہوئی شاید کسی آبادی تک پہنچ جاتی لیکن یہ مجھے منظور نہیں تھا۔

سڑک کے دوسرے طرف بہت دور وہ تینوں اسے تلاش کر رہے تھے۔ ایک نے پریشان ہو کر کہا ''کیا وہ کوئی چھلاوہ تھی۔ اچانک کہاں غائب ہو گئی ہے؟''

''وہ ڈرائیور کہہ رہا تھا اسے اچھی طرح نظر نہیں آ رہا ہے۔ تعجب ہے وہ اندھی کتنی تیز بھاگتی ہوئی گئی ہو گی کہ ہمیں دکھائی نہیں دے رہی ہے۔''

تیسرے نے کہا ''ہم بڑی دیر سے ساتھ ہیں۔ ہمیں مختلف سمتوں میں جا کر اسے تلاش کرنا چاہیے۔''

اس کی بات ختم ہوتے ہی ایک کار تیزی سے چلتی ہوئی ان کے قریب آ کر رک گئی۔ وہ تینوں ایک دم مستعد ہو گئے۔ کار کو دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ بیگم دردانہ آئی ہے۔

وہ تیزی سے چلتے ہوئے اسٹیئرنگ سیٹ والے دروازے کی طرف آ کر ادب سے کھڑے ہو گئے۔ اس طرف کی کھڑکی کا کلرڈ شیشہ آہستہ آہستہ نیچے ہونے لگا۔ اندر بیٹھی ہوئی بیگم دردانہ کا چہرہ نظر آنے لگا۔ وہ ادھیڑ عمر کی ایک خوش شکل خاتون تھی بڑی باوقار لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر رعب اور دبدبہ طاری تھا۔ اس نے جیسے غراتے ہوئے ان تینوں کو دیکھا پھر سخت لہجے میں پوچھا ''وہ کہاں ہے؟''

ایک نے آگے بڑھ کر دروازے کے قریب ہو کر کہا ''میڈم، ہم اسے تلاش کر رہے ہیں۔ پتا نہیں وہ اچانک کہاں گم ہو گئی ہے۔''

''وہ اندھی ہے اور تم آنکھ والے ہو۔ وہ اکیلی ہے اور تم تین ہو پھر بھی کتوں کی طرح اس کے پیچھے دوڑ رہے ہو اور ہانپ رہے ہو۔ کیسے شکاری کتے ہو کہ اپنے شکار تک نہیں پہنچ رہے ہو۔''

''میڈم، ہم اسے جانے نہیں دیں گے۔ وہ ان اطراف میں کہیں بھٹک رہی ہے۔ ہم ابھی اسے پکڑ کر لے آئیں گے۔''

دردانہ بیگم نے ایک جھٹکے سے دروازے کو اس طرح کھولا کہ دروازہ اس کے منہ پر لگا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے کھڑے ہوئے دو بدمعاشوں پر گرا۔ وہ تینوں اپنا توازن سنبھال نہ سکے اور زمین پر گر پڑے۔ وہ ایک جھٹکے سے دروازہ بند کرتے ہوئے بولی ''اگر اس اندھی کو پکڑ کر نہ لائے تو میں تمہاری آنکھیں نکلوا سکتی ہوں۔ تمہیں دی ہوئی رقم واپس لے سکتی ہوں۔''

یہ کہہ کر اس نے کار اسٹارٹ کی اور تیزی سے ڈرائیو کرتی ہوئی ایک سمت جانے لگی۔ کچے راستے پر چلتے چلتے پختہ سڑک پر آ گئی۔ ہیڈ لائٹس کی روشنی میں وہ سڑک دور تک ویران دکھائی دے رہی تھی۔ وہ آرام سے ڈرائیو کرتی ہوئی سوچنے لگی ''عینی بڑی مقدر والی ہے۔ یقین نہیں آ رہا ہے کہ وہ اندھی لڑکی اس ویرانے میں تین چھٹے ہوئے بدمعاشوں کو اپنے پیچھے دوڑا رہی ہے اور ان کے ہاتھ نہیں آ رہی ہے۔''

وہ عینی کو مقدر والی کہہ رہی تھی۔ کوئی عینی سے پوچھتا تو خود کو انتہائی بدنصیب کہتی اور یہ سچ بھی ہوتا کیونکہ وہ رات تاریکی میں اور اس ویرانے میں تنہا بھٹک رہی تھی۔ اس کی بدنصیبی یہ تھی کہ آنکھوں سے تقریباً اندھی تھی۔ کچھ کچھ نظر آتا تھا مگر تاریکی میں تو جیسے سب کچھ اندھیرے میں ڈوب جاتا تھا۔

بعض حالات میں انسان بیک وقت خوش نصیب بھی ہے اور بدنصیب بھی...... اس وقت اس کی خوش نصیبی یہی تھی کہ تنہا بھٹکتے رہنے کے باوجود اب تک دشمنوں سے محفوظ تھی

دردانہ بیگم خوش نصیب تھی کہ اس کا کوئی دشمن نہیں تھا۔ وہ اپنے دشمنوں کو خرید کر دوسروں سے دشمنی کر سکتی تھی۔

خوش نصیبی یہ تھی کہ وہ عینی کے مرحوم باپ کی بیوہ رہ چکی تھی۔ اس حوالے سے اسے مرحوم کی وصیت کے مطابق بیس کروڑ روپے مل چکے تھے۔ یہ رقم ساری زندگی عیش و آرام سے گزارنے کے لیے کافی تھی لیکن انسان کا مزاج...... بہتے دریا کی طرح ہے۔ وہ کسی ایک جگہ نہیں ٹھہرتا۔ بہتے بہتے خواہشات کے سمندر میں جا گرتا ہے۔

اور یہی بات دردانہ بیگم کے ساتھ تھی۔ بیس کروڑ کافی نہیں تھے۔ وہ عینی کی تمام دولت حاصل کر لینا چاہتی تھی اور اس کا نہایت ہی آسان طریقہ یہ تھا کہ عینی کی شادی اس کے اپنے بیٹے جواد سے ہو جاتی۔

دردانہ بیگم جب اٹھارہ برس کی الہڑ دوشیزہ تھی۔ اس وقت سیٹھ ہاشمی سے اس کی شادی ہوئی تھی۔ وہ شروع سے ہی شاندار مستقبل بنانے کے لیے زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کرنے کے خواب دیکھتی رہی تھی اور اس کے خوابوں کی تعبیر سیٹھ ہاشمی تھا۔ بہت ہی معروف جیولر تھا۔ دولت اتنی تھی کہ وہ دونوں ہاتھوں سے لٹاتی رہتی تب بھی ختم نہ ہوتی۔

ایسے میں سیٹھ ہاشمی کی زندگی کا اختتام ہو گیا۔ اس کی تمام دولت اور جائیداد دردانہ بیگم کے حصے میں آ گئی۔ سیٹھ ہاشمی سے اس کا ایک بیٹا جواد تھا۔ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ ساری زندگی عیش و آرام سے گزار سکتی تھی لیکن وہ پارے کی طرح تڑپنے والی عورت تھی۔ ایک جگہ ٹھہر نہیں سکتی تھی۔

پھر اس کی زندگی میں فلک سکندر حیات آ گیا۔ وہ ایک کروڑ پتی تاجر تھا۔ بھلا وہ ایسے تاجر کو کبھی چھوڑ سکتی تھی؟ اس نے اس کے ساتھ نکاح پڑھوا لیا۔

فلک سکندر حیات کی بیوی عینی کو جنم دینے کے بعد اللہ کو پیاری ہو گئی تھی۔ سکندر حیات نے تقریباً آٹھ برس تک اس کی خاطر شادی نہیں کی اور نہ ہی آئندہ کرنا چاہتا تھا لیکن دردانہ کی عشوہ طرازی اور ناز و انداز ایسے تھے کہ سکندر حیات نے ہزار جان سے عاشق ہو کر اس سے شادی کر لی۔

شادی کے بعد ایک عرصے تک دردانہ کا جادو اس پر چلتا رہا لیکن فلک سکندر حیات پکا بزنس مین تھا۔ بڑی عملی زندگی گزارنے والا تھا۔ رفتہ رفتہ سمجھ گیا کہ یہ عورت لالچی ہے۔ اس کی تمام دولت و جائیداد پر اور کاروبار پر قبضہ جمانے کے طریقے اختیار کر رہی ہے۔

جب عینی چودہ برس کی ہوئی تو دردانہ نے کہا ''ہماری دولت کو پرائے گھر میں نہیں جانا چاہیے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو میرے جواد سے عینی کی شادی ہو سکتی ہے۔''

فلک سکندر حیات نے کہا ''اگر میری عینی کی شادی تمہارے جواد سے نہ ہو تب بھی میری دولت گھر سے باہر نہیں جائے گی۔ میرے بھائی کے دو بیٹے ہیں اور میری بہن فلک ناز کا ایک بیٹا ہے۔ ان کے علاوہ عینی کے کتنے ہی ماموں زاد اور خالہ زاد ہیں۔ سب ہی خاندان کے افراد ہیں۔ عینی کی شادی ہو گی تو خاندان کے انہی لڑکوں میں سے کسی سے ہو گی۔''

وہ بولی ''میرے بیٹے میں ایسی کیا خامی ہے کہ آپ انکار کر رہے ہیں؟''

''صرف اس لیے کہ تمہارا بیٹا، تمہارے پہلے شوہر سے ہے اور اس کا خاندان ہم سے مختلف ہے۔ عینی کی شادی اس سے ہو گی تو میری دولت خاندان سے باہر چلی جائے گی۔ تم الٹی بات کر رہی ہو کہ جواد سے شادی ہونے کے بعد یہ دولت میرے خاندان میں رہے گی۔ تم مجھے کیسی الٹی پٹی پڑھا رہی ہو؟''

اس کے بعد دونوں کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے۔ دردانہ بیگم بڑی نرمی اور محبت سے سمجھاتی رہی۔ عینی کو ایک ماں کا بھرپور پیار دیتی رہی اور اس طرح فلک سکندر حیات کو متاثر کرتی رہی کہ آئندہ بھی وہ اسے بہو بنا کر بھرپور محبتیں دیتی رہے گی۔

لیکن سکندر حیات جھانسے میں آنے والا نہیں تھا۔ اس نے وصیت لکھ دی۔ اس وصیت کے مطابق اس کی موت کے بعد اسے بیس کروڑ اور رہائش کے لیے ایک کوٹھی مل گئی۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں مل سکا۔ باقی تمام کاروبار، دولت اور جائیداد عینی کے نام ہو گئی۔

فلک سکندر حیات سے بس ایک ہی غلطی ہوئی کہ اس نے دردانہ سے شادی کی اور اس طرح عینی کی زندگی میں ایک سوتیلی ماں آ گئی۔ اگرچہ اب اس سے تعلق نہیں رہا تھا۔ سکندر حیات کی موت کے بعد دردانہ بیگم اپنی کوٹھی میں چلی گئی تھی اور وہاں اپنے جوان بیٹے کے ساتھ زندگی گزارتی رہی تھی لیکن سکون سے نہیں تھی۔ دماغ میں کھچڑی پکتی رہتی تھی کہ کس طرح عینی کو حاصل کیا جا سکتا ہے؟

ویسے ایک چالاکی اس کے کام آ رہی تھی، اس نے عینی کو بچپن ہی سے اتنی محبتیں دی تھیں کہ عینی بھی اسے بہت زیادہ چاہنے لگی تھی۔ اس کی بہت عزت کرتی تھی۔ کبھی اپنی سہیلی عروج کے ساتھ دردانہ کے گھر چلی جایا کرتی تھی اور دردانہ اس کے گھر آ جاتی تھی۔

فلک سکندر حیات کا بڑا بھائی فلک آفتاب حیات، اس کی بیگم اور اس کے تمام خاندان والے دردانہ کو پسند نہیں کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ وہ ان کے گھر نہ آیا کرے لیکن عینی کی وجہ سے خاموش رہتے تھے۔ دبی زبان سے اسے سمجھانے کی کوششیں کرتے تھے کہ سوتیلی ماں ہر حال میں سوتیلی ہوتی ہے۔ اس پر نہ تو زیادہ بھروسا کرنا چاہیے، اور نہ ہی زیادہ میل میلاپ رکھنا چاہیے۔

عروج نے بھی یہی سمجھایا تھا کہ دردانہ بیگم آستین کا سانپ ہے۔ اپنی ممتا نچھاور کر رہی ہے لیکن کسی وقت کسی دن بھی اسے ڈس لے گی۔

عینی کسی کی بات مانے نہ مانے مگر عروج کی بات آنکھیں بند کر کے مان لیا کرتی تھی۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ دردانہ بیگم سے محبت کیا کرے گی لیکن اس پر اعتماد نہیں کرے گی۔

پہلے پہل دردانہ بیگم کو یقین تھا کہ عینی اس کی ممتا کے فریب میں آ کر اس کی بات مان لے گی اور جواد کو اپنا جیون ساتھی بنانے پر راضی ہو جائے گی۔

پھر پتا چلا کہ عینی اس سے محبت تو کرتی ہے اس کی تمام باتیں بھی مانتی رہتی ہے مگر وہ جواد کی طرف مائل نہیں ہے۔ ایک بار اس نے دبی زبان سے کہہ دیا تھا ''ممی! میں ہمیشہ آپ کی بیٹی بن کر رہوں گی لیکن بہو نہیں بننا چاہوں گی۔''

بس یہیں سے دردانہ بیگم کا منصوبہ کمزور پڑ گیا تھا اور اب وہ سازش پر اتر آئی تھی۔ یہ اچھی طرح جانتی تھی کہ عینی کی دولت و جائداد اور تمام کاروبار سیدھے راستے سے حاصل نہیں ہو سکیں گے۔ لہٰذا چور راستے اختیار کرنے ہوں گے اور اب وہ یہی کر رہی تھی۔

اب تک وہ میٹھی چھری بن کر سازشیں کر رہی تھی۔ عینی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا رہی تھی لیکن اب اس نے اسے نقصان پہنچانے والی سازش کی تھی۔ جس کے نتیجے میں وہ (عینی) رات کی تاریکی اور اس ویرانے میں بھٹک رہی تھی۔ ایک جگہ ٹھہر کر سوچ رہی تھی، کیا کرے؟ کہاں جائے؟

جہاں بھی جاتی تھی، راستہ لمبا ہوتا جاتا تھا اور منزل نہیں ملتی تھی۔ وہاں کوئی اس کا ہاتھ تھامنے والا اور اسے راستہ دکھانے والا نہیں تھا۔

وہ زیر لب آیۃ الکرسی پڑھنے لگی۔ جب بھی کوئی مصیبت آتی تھی تو وہ اسی طرح دل ہی دل میں زیر لب اس آیت کا ورد کرتی رہتی تھی۔

وہ دیر تک کھڑی رہی اور آیت کا ورد کرتی رہی پھر اس نے اللہ کا نام لے کر ایک طرف رخ کیا اور ادھر سنبھل سنبھل کر آگے بڑھنے لگی۔

وہ کچھ دور جانے کے بعد رک گئی۔ آگے یوں لگا جیسے چڑھائی ہو۔ اس نے جھک کر دونوں ہاتھوں سے ٹٹولا، گھاس اور مٹی محسوس ہوئی۔ وہ اونچائی کی طرف جا رہی تھی اس کا مطلب یہ تھا کہ آگے راستہ رکا ہوا ہے۔ اسے سمت بدل کر جانا ہوگا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ چڑھائی کتنی اونچی ہے؟ اور اس اونچائی پر پہنچ کر وہ گر بھی سکتی تھی۔ لہٰذا وہ سمت بدل کر جانا چاہتی تھی کہ رک گئی۔ اسے کسی گاڑی کی آواز آئی تھی پھر گاڑی بڑی تیزی کے ساتھ اس کے نزدیک سے گزرتی چلی گئی۔ تب یہ بات اس کی سمجھ میں آئی کہ وہ سڑک کے کنارے پہنچ گئی ہے اور اس چڑھائی کے نیچے کھڑی ہے جو سڑک کے ساتھ ہے۔ یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی کہ وہ اسی راستے پر پہنچ گئی ہے جہاں سے الگ ہونے کے بعد اب تک بھٹکتی رہی تھی۔

وہ اللہ کا نام لے کر دونوں ہاتھ ٹیک کر اس چڑھائی پر چڑھنے لگی۔ اوپر پہنچ کر اس نے ہاتھ بڑھا کر دیکھا تو وہاں پکی سڑک محسوس ہوئی۔ وہ کچھ دیر تک وہاں بیٹھی رہی۔ آسمان پر تارے بکھرے ہوئے تھے۔ ان کی مدھم روشنی میں آس پاس کسی حد تک دیکھا جا سکتا تھا۔

اس کی نظر کمزور تھی۔ اس لیے اسے دیکھنے میں دیر لگی۔ رفتہ رفتہ دھندلا سا دکھائی دینے لگا۔ وہ سڑک بھی چند قدموں کے فاصلے تک نظر آنے لگی۔

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی پھر ایک طرف سڑک کے کنارے چلنے لگی۔ امید تھی کہ پھر کوئی گاڑی گزرے گی تو وہ ہاتھ ہلا کر اور چیخ چیخ کر اس گاڑی کو روک لے گی اور اس طرح لفٹ حاصل کر سکے گی۔

عروج سکون سے بیٹھنے والی نہیں تھی۔ اس کا دل عینی کے لیے تڑپ رہا تھا۔ یہ خیال ستا رہا تھا کہ نہ جانے وہ تنہا اس ویرانے میں کہاں بھٹکتی ہوئی گئی ہے؟ یا پھر وہ لوگ اسے لے گئے ہیں۔ جنہوں نے ڈرائیور کو قتل کیا ہے؟

☆☆☆

عروج اپنے بنگلے میں پہنچی تو اس کے والد سید تراب شاہ بے چینی سے ٹہل رہے تھے۔ اس کی والدہ بیگم شاہ نے پوچھا ''کیا ہوا بیٹی! عینی خیریت سے تو ہے؟''

ماں نے اس کی سہیلی کی خیریت پوچھی تو آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے۔ وہ روتے ہوئے بولی ''کچھ پتا نہیں چل رہا ہے وہ کہاں ہے؟ کس حال میں ہے؟ اتنا تو اندازہ ہو چکا ہے کہ اسے اغوا کیا گیا ہے۔''

بیگم شاہ نے کہا ''خدا خیر کرے۔ اب تو ہم اس کی سلامتی اور خیر خیریت سے اس کی واپسی کی دعائیں ہی مانگ سکتے ہیں۔''

سید تراب علی شاہ نے کہا ''اسے اغوا کرنے والے یہ جانتے ہوں گے کہ وہ انتہائی دولت مند ہے۔ لہٰذا وہ ضرور کوئی رابطہ کریں گے اور بڑی سے بڑی رقم کا مطالبہ کریں گے۔ لہٰذا فون کا انتظار کرنا ہوگا۔ اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے۔''

وہ تڑپ کر بولی ''میں سکون سے نہیں بیٹھ سکتی۔ میں بیان نہیں کر سکتی کہ میری کیا حالت ہے؟ میں اندر سے بکھر گئی ہوں۔ خود کو سمیٹ نہیں پا رہی ہوں۔ میں پھر وہاں جاؤں گی اسے تلاش کروں گی۔''

''تم ابھی وہاں سے آ رہی ہو۔ کیا اسے آس پاس کے علاقوں میں تلاش نہیں کیا تھا؟''

''وہاں تاریکی تھی، ہمارے پاس ٹارچ نہیں تھی۔ میں نے ہیڈ لائٹس کی روشنی میں دور تک دیکھا تھا۔ اسے آوازیں بھی دیتی رہی تھی مگر اس کا کچھ پتا نہ چل سکا۔ اب میں کچھ لوگوں کو ساتھ لے جاؤں گی۔ ٹارچ بھی ساتھ ہو گی تو اسے تلاش کرنے میں آسانی ہو جائے گی۔ وہاں تھوڑی بہت آبادی بھی ہے۔ ہم وہاں جائیں گے ہو سکتا ہے وہ کسی کے یہاں پناہ لے رہی ہو۔''

بیگم شاہ نے کہا ''بیٹی! ابھی تو تم نے کہا ہے اسے اغوا کیا گیا ہے پھر وہ وہاں کسی بستی میں کیسے ملے گی؟''

''ممی! اغوا کی بات ہم اندازاً کہہ رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے ایسا نہ ہوا ہو۔ وہ وہیں کہیں چھپی ہوئی ہو۔ میں وہاں ضرور جاؤں گی۔''

تراب علی شاہ نے اپنے بیٹے کو آواز دی ''حشمت......! کہاں ہو؟ فوراً آؤ......''

ایک ملازم دوڑتا ہوا آیا پھر بولا ''جی حضور! کیا حکم ہے؟''

تراب علی نے اسے گھور کر دیکھا پھر پوچھا ''کیا تمہارا نام حشمت ہے؟ کہاں ہے حشمت؟''

''میں ابھی جا کر دیکھتا ہوں۔''

ملازم واپس جانے لگا۔ تراب علی نے کہا ''ٹھہرو......گھر میں دو ملازم اور ہیں۔ انہیں بھی بلاؤ اور ابھی عروج بی بی کے ساتھ عینی کو تلاش کرنے جاؤ۔''

وہ چلا گیا۔ کچھ دیر بعد حشمت نے آ کر پوچھا ''یس ڈیڈ! کیا بات ہے؟''

''بیٹے! عینی کسی پرابلم میں ہے۔ اسے اغوا کیا گیا ہے لیکن عروج کا خیال ہے کہ وہ جہاں سے گم ہوئی ہے۔ وہیں کے کسی علاقے میں مل سکتی ہے۔ یہ اسے تلاش کرنے جا رہی ہے تم اس کے ساتھ جاؤ۔''

حشمت ایک قد آور جوان تھا۔ اسے خوبصورت کہا جا سکتا تھا لیکن خوب سیرت نہیں کہا جا سکتا تھا۔ وہ ایک خود غرض اور موقع شناس شخص تھا۔ عینی پر اس کی نیت تھی۔ اس نے کئی بار اس سے لفٹ لینے کی کوشش کی تھی مگر ناکام رہا تھا۔

عینی نے عروج سے شکایت کی تھی۔ عروج نے پہلے تو اپنے بھائی کو سمجھایا۔ جب وہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا تو پھر اس نے ماں باپ سے شکایت کی۔

باپ نے بیٹے کو سمجھایا ''دونوں سہیلیوں میں بہت محبت ہے۔ اس محبت کو نفرت میں یا عداوت میں نہ بدلو۔''

حشمت نے کہا تھا ''ڈیڈ! میں نفرت نہیں......محبت پیدا کر رہا ہوں۔ میں تو ان کی محبت کو اور مستحکم کرنا چاہتا ہوں۔ عینی یہاں بہو بن کر آئے گی تو ساری زندگی عروج کے قریب رہ سکے گی۔ دونوں کے درمیان محبتیں مزید بڑھتی رہیں گی۔''

بیگم شاہ نے بیٹے کی حمایت کرتے ہوئے کہا ''میرا بیٹا کتنی عقل کی بات کر رہا ہے؟ ان کی محبت میں اضافہ کرنے کا ایک ایسا راستہ دکھا رہا ہے جو جائز ہے اور ہماری پسند کے مطابق بھی ہے۔ میں بھی عینی کو اپنی بہو بنانا چاہتی ہوں۔''

عروج نے کہا ''سوری ممی! آپ یہ بھول رہی ہیں کہ عینی اگر یہاں بہو بن کر آئے گی تو میں بھی کسی کی بہو بن کر یہاں سے چلی جاؤں گی اور عینی سے دور ہو جاؤں گی۔''

''وہ تو ہونا ہی ہے۔ ایک دن تمہیں بھی شادی کرنی ہے اور عینی کو بھی کہیں نہ کہیں شادی کرنی ہے۔ دونوں کو جدا ہونا ہے۔''

''ہم ایسی جگہ شادی کریں گے۔ جہاں دو بھائی ہوں یا دو دوست ہوں مگر ایک ساتھ رہتے ہوں۔ ہم دونوں سہیلیاں شادی کے بعد بھی ایک ہی چھت کے نیچے رہنا چاہتی ہیں۔''

''کیوں نادان بچوں جیسی باتیں کر رہی ہو؟ ایسے بے تکے خواب کبھی پورے نہیں ہوتے۔ یہ سب جذباتی باتیں ہیں۔ جب پیا گھر جانے کا وقت آتا ہے تو لڑکیاں سہیلیاں تو کیا ماں باپ کو بھی بھول جاتی ہیں۔''

''سب لڑکیاں ایسی نہیں ہوتیں۔ ہم ایک بات جانتی ہیں کہ ہم نے جو سوچا ہے ہمیں وہی کرنا ہے اور ایک دن ہم ایسا کر دکھائیں گے۔''

گھر میں اکثر ایسی بحث ہوتی رہتی تھی۔ جب بھی عروج یا اس کے بھائی حشمت کی شادی کے سلسلے میں کوئی بات نکلتی

تھی تو عروج یہی دعویٰ کیا کرتی تھی۔

بیگم شاہ ناگواری سے کہتی تھی ”جب سے تم اسپتال میں جاب کرنے لگی ہو، بہت بے لگام ہو گئی ہو۔ اپنی شادی کے بارے میں یوں خود ہی فیصلے کرنے لگی ہو۔“

وہ کہتی تھی ”ہمارا جو بھی فیصلہ ہوگا، عزت و آبرو سے ہوگا۔ آپ لوگوں کے سر نہیں جھکیں گے۔“

بیگم شاہ کے دل میں یہ بات چبھی تھی کہ بیٹا عینی کو چاہتا ہے مگر عروج اس کے معاملے میں رکاوٹ بن رہی ہے۔ وہ ایک بار عینی کے گھر جا کر اس کا رشتہ مانگنا چاہتی تھی لیکن عروج نے صاف انکار کر دیا تھا۔ ”آپ وہاں جائیں گی تو اپنا سا منہ لے کر واپس آئیں گی۔ بہتر ہے وہاں نہ جائیں۔“

سید تراب علی شاہ نے بیٹی کی تائید کرتے ہوئے کہا ”عروج درست کہہ رہی ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہاں دولت کی جنگ چھڑی رہتی ہے۔ عینی کے کتنے ہی چچازاد، خالہ زاد، ماموں زاد اور پھوپی زاد وہاں موجود ہیں۔ سب ہی اسے حاصل کرنے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے ہیں۔ ایسے میں تم پرائے خاندان سے جاؤ گی تو تمہاری کوئی آؤ بھگت نہیں ہوگی۔ جب پہلے سے معلوم ہو کہ فلاں کام کا نتیجہ توقع کے خلاف ہوگا تو پھر وہ کام نہیں کرنا چاہیے۔“

بیگم شاہ اپنے بیٹے کے لیے قسمت آزمانا چاہتی تھی لیکن تراب علی کی مدلل گفتگو نے اس کے بڑھتے ہوئے قدم روک دیئے۔ وہ دل پر پتھر رکھ کر چپ ہو گئی لیکن بیٹے کی محرومی برداشت نہیں ہوتی تھی۔ وہ سوچتی تھی کہ کسی طرح اس کے لیے آسمان سے تارے توڑ لائے؟

شاید وہ بیٹے کے لیے تارے توڑ لاتی لیکن عینی آسمان سے بھی اونچی ہو گئی تھی۔

عروج نے ملازموں کو آواز دی ”تم سب کہاں رہ گئے ہو؟ وہاں عینی پتا نہیں کس حال میں ہوگی؟ بھائی جان! آپ میرے ساتھ چلیں۔ آپ ٹارچ لے لیں۔ وہاں اندھیرا بہت ہے۔“

حشمت نے ناگواری سے کہا ”میں کیوں تمہارے ساتھ جاؤں؟ کیوں اسے تلاش کروں؟ وہ میری کون ہوتی ہے؟“

”وہ آپ کی کوئی نہیں ہوتی مگر میں تو آپ کی بہن ہوں۔ میں رات کو اس ویرانے میں اس کو ڈھونڈنے جا رہی ہوں۔ کیا آپ بہن کو تنہا چھوڑ دیں گے؟“

ایسے ہی وقت تین ملازم ہاتھ میں لاٹھیاں اور ٹارچ لے کر وہاں پہنچ گئے۔ حشمت نے کہا ”تم تنہا نہیں جاؤ گی۔ یہ سب تمہارے ساتھ ہوں گے لیکن مجھ سے ایسی کوئی توقع نہ رکھو۔ اس نے ایک بار مجھے نظر انداز کیا ہے۔ میں عمر بھر اس پر تھوکنا بھی نہیں چاہوں گا۔“

وہ اس کی بات سنتے ہی ایک دم سے بپھر گئی۔ اپنی سہیلی کی توہین برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ تلملا کر بولی ”آپ اس پر کیا تھوکیں گے؟ اس کا اللہ اور مقدر اس کے ساتھ ہے وہی سب پر تھوک کر گزر جاتی ہے اور اس کے پیچھے تھوک چاٹنے والے رہ جاتے ہیں۔“

حشمت نے غصے سے آگے بڑھ کر ہاتھ اٹھایا۔ باپ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا ”خبردار! جوان بہن پر ہاتھ اٹھاؤ گے تو میں تمہارے ہاتھ توڑ دوں گا۔ بوڑھا ہوں اگر ہاتھ نہ توڑ سکا تو تمہیں اس گھر سے باہر نکال دوں گا۔ تہذیب کے دائرے میں رہ کر گفتگو کرو۔“

بیگم شاہ نے کہا ”کیا یہی تہذیب ہے کہ یہ بھائی کو ذلیل کر رہی ہے۔ عینی کے سامنے اسے کمتر بنا رہی ہے اور آپ اسے ڈانٹنے کے بجائے بیٹے کو تہذیب سکھا رہے ہیں۔“

تراب علی نے کہا ”پہلے حشمت نے ذلت آمیز گفتگو کی ہے۔ انصاف کی باتیں کیا کرو۔ جاؤ بیٹی۔ ان ملازموں کو ساتھ لے جاؤ۔ میں عینی کے لیے دعائیں کرتا رہوں گا۔“

عروج نے ناگواری سے حشمت کو دیکھا پھر تینوں ملازموں کے ساتھ وہاں سے چلی گئی۔

☆☆☆

عینی بڑی دیر تک بھٹکتے رہنے کے بعد آخر اسی سڑک پر پہنچ گئی تھی اور اب کنارے کنارے چل رہی تھی۔ اسے کچھ فاصلے تک سڑک دکھائی دے رہی تھی۔ باقی چاروں طرف گھپ اندھیرا سا تھا۔ بینائی پوری طرح درست ہوتی تو و ستاروں کی روشنی میں بہت دور تک دیکھ سکتی تھی۔ آس پاس کے درخت بھی نظر آ سکتے تھے۔ مقدر نے اسے نیم اندھی بنا رکھا تھا۔

یہ الزام مجھ پر آ رہا تھا لیکن میں کیا کر سکتا تھا؟ اس کے ہاتھ کی لکیریں ہی یہ کہہ رہی تھیں کہ ابھی اسے ایک مدت تک ان تاریکیوں میں بھٹکنا ہے۔

رات کی تاریکی سے نکلے گی تو دن کے اجالے میں بھ اس کے لیے اندھیرا ہی اندھیرا ہوگا۔

ویسے وہ بالکل ہی بدنصیب نہیں تھی۔ اس کی ہتھیلی پر مقد کی لکیر کہتی تھی کہ وہ کانٹوں پر چلتے رہنے کے باوجود سلام رہے گی۔ ناکامیوں سے گزرتے رہنے کے باوجود بھی کبھ کامیابیاں بھی حاصل کرتی رہے گی۔

اور ایسا تو ہر انسان کے ساتھ ہوتا ہے۔ میں کسی

ساتھ اگر زیادتی کرتا ہوں، اسے مصائب میں مبتلا کرتا ہوں تو اسے مصائب سے نکالنے کے راستے بھی ہموار کرتا جاتا ہوں۔

دور بہت دور سے ایک کار کی ہیڈ لائٹس نظر آ رہی تھی۔ وہ کار اسی کی طرف چلی آ رہی تھی پھر وہ ایک جگہ رک گئی۔ اس کار کی ہیڈ لائٹس کی روشنی عینی تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ اگر پہنچتی تو عروج اسے دیکھ لیتی۔ اس نے وہاں اپنی کار روکی تھی۔ جہاں ڈرائیور کو قتل کیا گیا تھا اور عینی کو اغوا کرنے کی کوششیں کی گئی تھیں۔

وہ اپنی کار کا دروازہ کھول کر باہر نکلتے ہوئے بولی ”اسے یہیں تلاش کرنا ہے۔“

تینوں ملازم کار کی پچھلی سیٹ سے باہر آ گئے۔ ان سب کے ہاتھوں میں ٹارچ اور لاٹھیاں تھیں۔ عروج نے دو ملازموں سے کہا کہ وہ سڑک کے اس پار جائیں پھر وہ خود ایک ملازم کے ساتھ ڈھلان سے اتر کر دوسری جانب جانے لگی۔ وہاں کچھ قمقمے جلتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ بہت دور تھے مگر اب وہ ایک ملازم کے ساتھ وہاں تک جا سکتی تھی۔

عینی سڑک کے کنارے آہستہ آہستہ چلتی جا رہی تھی۔ اسے بہت دور کار کی ہیڈ لائٹس روشنی کے دھبوں کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔

وہ سنبھل سنبھل کر جلدی جلدی قدم بڑھانے لگی۔ اس کار کے قریب پہنچنے لگی پھر اس نے آواز دی ”یہاں کوئی ہے؟ میری مدد کریں۔ پلیز...... کوئی ہے تو مجھے آواز دیں۔“

وہ یہ کہتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی اور عروج اس کی آواز سے بہت دور اس بستی کی طرف جا رہی تھی۔ دوسری طرف دو ملازم بھی بہت دور نکل گئے تھے اور عینی کی آواز ان تک بھی نہیں پہنچ رہی تھی۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی گاڑی کے قریب پہنچی تو اس کے نمبر پڑھتے ہی خوشی سے کھل گئی۔

وہ نمبر پڑھے بغیر عروج کی کار کو پہچان سکتی تھی لیکن ہیڈ لائٹس کے پیچھے اندھیرا تھا۔ اس لیے گاڑی پوری طرح دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ نمبر پڑھ کر وہ فوراً ہی آگے بڑھی۔ اسٹیئرنگ سیٹ کی کھڑکی میں آ کر اس نے اندر جھانکا۔ وہاں ننھا سا بلب روشن تھا۔ اس کی روشنی میں بھی اس کار کا اندرونی منظر سایہ سایہ سا دکھائی دے رہا تھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔

وہ پلٹ کر اندھیرے میں دور دور تک دیکھنے لگی۔ عروج کو پکارنے لگی ”عروج...... عروج!...... تم کہاں ہو؟ میں یہاں آ گئی ہوں۔ تمہاری گاڑی کے قریب ہوں۔ فوراً چلی آؤ۔“

اب تو کوئی بات نہیں رہی تھی۔ بلا ٹل رہی تھی۔ وہ عروج کے ساتھ اپنے گھر پہنچنے والی تھی لیکن بلائیں اتنی آسانی سے کہاں ٹلتی ہیں؟ میں ابھی ایسا نہیں چاہتا تھا۔ میں ایسے تماشے نہیں دکھاؤں گا تو لوگ مجھے کب مانیں گے؟

یہ دنیا، دھوپ اور چھاؤں، نرمی اور گرمی، غم اور خوشی، کامیابی اور ناکامی کے تضاد سے نہیں گزرے گی تو پھر اسے دنیا کون کہے گا؟

وہ تینوں بدمعاش ایک طرف چلتے چلتے ٹھٹھک گئے۔ انہیں عینی کی آواز سنائی دی۔ انہوں نے کان لگا کر سنا پھر ایک نے ہاتھ کے اشارے سے کہا ”وہ...... ادھر سے آواز آ رہی ہے۔ چلو......“

وہ تینوں دوڑتے ہوئے اس طرف جانے لگے۔ وہ بار بار عروج کو پکار رہی تھی اور پریشان ہو رہی تھی۔ جواب میں نہ عروج کی آواز سنائی دے رہی تھی اور نہ ہی کوئی اس کی مدد کے لیے آ رہا تھا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ عروج اپنی کار اس ویرانے میں چھوڑ کر کہاں چلی گئی تھی؟

اور اگر گئی ہے تو کتنی دور گئی ہوگی کہ اس کی آواز بھی نہیں سن رہی ہے۔ یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ انسان جسے پکارے اسی تک اس کی آواز پہنچے۔ یہ تو میں زیادہ سمجھتا ہوں کہ آواز کو کہاں سے کہاں پہنچنا چاہیے؟

لہٰذا جہاں میں نے آواز پہنچائی۔ وہاں وہ تینوں سڑک کے کنارے پہنچ گئے پھر دور ایک کار کی روشن ہیڈ لائٹس کو دیکھ کر ٹھٹھک گئے۔ ان کی روشنی کے سامنے عینی کھڑی ہوئی تھی۔ وہ دائیں بائیں آگے پیچھے گھوم گھوم کر عروج کو آوازیں دے رہی تھی۔

ایک نے کہا ”معلوم ہوتا ہے۔ اس کی مدد کے لیے کچھ لوگ آ پہنچے ہیں۔“

دوسرے نے کہا ”اگر آ پہنچے ہیں تو کہاں ہیں؟ وہ کیوں کسی کو آوازیں دے رہی ہے؟“

”معلوم ہوتا ہے۔ کچھ لوگ اسے تلاش کرتے ہوئے دور چلے گئے ہیں اور یہ یہاں تنہا رہ گئی ہے۔“

”اور یہی موقع ہے۔ کسی کے یہاں آنے سے پہلے ہی اسے اٹھا کر لے جانا چاہیے۔“

وہ تینوں پھر ڈھلان میں اتر گئے اور کار کی سمت دوڑنے لگے۔ ڈھلان میں اترنے کا مقصد یہ تھا کہ عینی کی مدد کو آنے والے انہیں تاریکی میں نہیں دیکھ سکتے تھے۔ وہ قریب پہنچ کر حالات کا جائزہ لینا چاہتے تھے کہ عینی وہاں تنہا کیوں ہے؟ اور اس کی مدد کرنے والے کہاں گئے ہوئے ہیں؟

وہ تینوں چھپتے چھپاتے کار کے قریب پہنچ گئے۔ وہ عینی سے تقریباً دس گز کے فاصلے پر تھے۔ جو شکار ہاتھ سے نکل گیا تھا وہ پھر ہاتھ آنے والا تھا۔ اس کے آس پاس کوئی اس کی مدد کرنے والا نظر نہیں آ رہا تھا۔

میں ان تینوں کو منزل کے قریب لے آیا تھا۔ کامیابی یقینی تھی۔ وہ تینوں خوش تھے کہ مقدر ان کا ساتھ دے رہا ہے لیکن میری تو عجب عادتیں ہیں۔ میں ساتھ دیتے دیتے منہ پھیر لیا کرتا ہوں۔ عین کامیابی کے لمحات میں ناکام بنا دیا کرتا ہوں۔

کسی انسان کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ کامیابی کی دہلیز پر پہنچنے والے کو وہ ناکام بنا دے۔ یہ تو صرف میں ہی کر سکتا ہوں۔ کوئی سمجھ نہیں پاتا کہ ناکام ہونے والا عین موقع پر کس طرح کامیاب ہو جاتا ہے؟ اور کامیاب ہونے والا کس طرح ناکامی کا منہ دیکھتا ہے؟

وہ تینوں، چاروں ہاتھ پاؤں سے رینگتے ہوئے ڈھلان پر چڑھنے لگے۔ عینی، عروج کو پکارتے پکارتے ہلکان ہو گئی تھی مگر اسے کوئی جواب موصول نہیں ہو رہا تھا۔

وہ تینوں رینگتے ہوئے کار کی پچھلی طرف سے سڑک پر آ گئے۔ اس طرف تاریکی تھی۔ عینی انہیں دیکھ نہیں سکتی تھی۔ اگر کوئی آس پاس ہوتا تو وہ بھی ان تینوں کو نہ دیکھ پاتا۔

وہ کار کے پیچھے پہنچ کر زمین پر گھٹنے ٹیک کر ارد گرد کا جائزہ لے رہے تھے۔ جب انہیں یقین ہو گیا کہ آس پاس کوئی نہیں ہے تو وہ تینوں دوڑتے آگے کی طرف آنے لگے۔

قدموں کی آواز سنتے ہی عینی نے گھبرا کر پوچھا ''کون ہے......؟ یہاں کون ہے؟''

اس کی بات ختم ہوتے ہی وہ ہیڈ لائٹس کے سامنے پہنچ گئے۔ ایک نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا۔ دوسرے نے اسے کاندھے پر اٹھایا پھر وہ کار کے پیچھے تاریکی میں جانے لگے۔

ایسے ہی وقت میں ان کے سامنے آ گیا۔ میں نے ایک چٹکی بجائی۔ اچانک ہی دور سے پولیس موبائل کا سائرن سناٹے کو چیرنے لگا۔ وہ تینوں گھبرا گئے۔ وہ فوراً ڈھلان سے اتر کر تاریکی میں گم ہو جانا چاہتے تھے مگر اس سے پہلے ہی پولیس وین کی ہیڈ لائٹس اندھیرے کو چیرتی ہوئی ان کو روشن کرنے لگیں۔

وہ واردات کرنے والے پولیس کو اپنے پیچھے نہیں لگانا چاہتے تھے اور نہ عینی کا بوجھ اٹھا کر دوڑ سکتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے عینی کو سڑک پر ہی چھوڑ دیا اور خود ڈھلان سے اتر کر دوڑتے ہوئے تاریکی میں گم ہو گئے۔

پولیس وین عینی کے قریب آ کر رک گئی۔ ایک انسپکٹر اور دو سپاہی باہر آئے۔ انسپکٹر نے پوچھا ''تم کون ہو اور تنہا یہاں کیا کر رہی ہو؟''

وہ تکلیف سے کراہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ انسپکٹر اسے سر سے پاؤں تک دیکھ رہا تھا۔ دل ہی دل میں کہہ رہا تھا۔ ''حسین بھی ہے، پرشباب بھی ہے اور شاید تنہا بھی ہے۔ یقیناً تنہا ہے...... اسی لیے کچھ بدمعاش اسے اٹھا کر لے جاتے ہوئے دکھائی دیئے تھے۔''

وہ آنے والوں کو دیکھ رہی تھی۔ دو سپاہی اور انسپکٹر دھندلے دھندلے سے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ پلکیں جھپکتے ہوئے بولی ''چند دشمن میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ مجھے کافی دیر سے پریشان کر رہے ہیں۔ یہ میری سہیلی عروج کی گاڑی ہے۔ یہ یہاں مجھے ڈھونڈنے آئی ہے۔ پتا نہیں کہاں بھٹکتی پھر رہی ہے۔ یقیناً واپس آئے گی۔''

انسپکٹر نے پھر اسے سر سے پاؤں تک للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر کہا ''تم کہتی ہو یہاں کافی دیر سے بھٹک رہی ہو اور دشمن تمہیں پریشان کر رہے ہیں۔ تمہاری سہیلی تمہیں تلاش کر رہی ہے۔ تو اب تک وہ واپس کیوں نہیں آئی؟''

وہ پریشان ہو کر بولی ''یہی بات تو میری سمجھ میں بھی نہیں آ رہی ہے کہ وہ مجھے تلاش کرتے کرتے کہاں گم ہو گئی ہے؟''

''کیا تمہاری سہیلی کے پاس فون ہے؟''

''ہاں...... اس کے پاس موبائل فون ہے۔ میں اس کا نمبر بتا سکتی ہے۔ کیا آپ کے پاس فون ہے؟''

انسپکٹر نے اپنی جیب پر ہاتھ رکھا۔ اس کے پاس بھی موبائل فون تھا لیکن اس نے کہا ''سوری! اس وقت تو فون نہیں ہے تم میرے ساتھ تھانے چلو۔ میں وہاں سے تمہاری سہیلی کو فون پر اطلاع دوں گا۔ کہ وہ پریشان نہ ہو اور تھانے آ کر تمہیں لے جائے۔''

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے عروج کی گاڑی کو دیکھنے لگی پھر بولی ''پلیز! آپ کچھ دیر انتظار کر لیں۔ وہ آتی ہی ہو گی۔''

''جب وہ کئی گھنٹوں سے نہیں آئی تو اب کیا آئے گی؟ اور وہ بدمعاش جو یہاں سے فرار ہو گئے ہیں۔ وہ مسلح ہو کر واپس آ سکتے ہیں۔ میرے پاس ایک ہی ریوالور ہے۔ میں جوابی فائرنگ زیادہ دیر تک نہیں کر سکوں گا۔ ہم میں سے کسی کی بھی جان جا سکتی ہے۔''

وہ پریشان ہو کر انسپکٹر کا منہ تک رہی تھی۔ اس نے پوچھا ''کیا تم کوئی خطرہ مول لینا چاہو گی؟ مگر ہم تو ایسا نہیں چاہیں گے لہٰذا تم ہمارے ساتھ تھانے چلو...... یہ ہماری ڈیوٹی ہے کہ

ہم تمہیں یہاں تنہا نہ چھوڑیں۔''

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اگلی سیٹ کی طرف لے آیا پھر دروازے کو کھول کر بولا ''آرام سے یہاں بیٹھ جاؤ۔ اب تم بالکل محفوظ ہو۔ تمہاری سہیلی جلد ہی تمہارے پاس پہنچ جائے گی۔''

وہ اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ دروازہ بند ہو گیا۔ سپاہی پچھلی سیٹوں پر آ گئے اور انسپکٹر اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولا ''تمہارے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے تم اس ویرانے میں تنہا آئی تھیں۔ دشمن تمہیں پریشان کر رہے تھے پھر کسی طرح تمہاری سہیلی کو معلوم ہوا تو وہ تمہیں تلاش کرنے یہاں آئی ہے۔''

اس نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی پھر تیزی سے ڈرائیونگ کرنے لگا۔ عینی اسے بتانے لگی کہ وہ اپنی سہیلی عروج سے مل کر آ رہی تھی۔ راستے میں گاڑی خراب ہو گئی تھی۔ ایسے میں چند افراد نے اس کے ڈرائیور پر حملہ کیا۔ تو وہ اپنی جان بچا کر دوسری طرف بھاگ گئی پھر اس وقت سے مسلسل بھٹکتی رہی ہے۔

وہ بول رہی تھی اور انسپکٹر کن انکھیوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ نظریں ونڈ اسکرین کے پار راستے کو بھی دیکھ رہی تھیں اور پہلو میں بیٹھے سلگتے حسن پر بھی بھٹک رہی تھیں۔

اس نے اس کے ہاتھ کو تھپکتے ہوئے کہا ''فکر نہ کرو۔ اب تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ تم میری پناہ میں ہو اور میں تمہیں ایسی پناہ دوں گا کہ ساری زندگی مجھے یاد کرتی رہو گی۔''

یہ کہہ کر اس نے عینی کا ہاتھ اپنی گرفت میں لے لیا۔ وہ فوراً ہی اپنا ہاتھ کھینچ کر ایک طرف ہو گئی۔ سمٹ کر بیٹھ گئی۔ وہ دل ہی دل میں مسکرانے لگا۔ ہرنی اس طرح بدکتی ہے۔ شکاری سے دور بھاگتی ہے لیکن ہوس کے جنگل سے باہر نکل نہیں پاتی آخر شکاری کے ہاتھ لگ ہی جاتی ہے۔

☆☆☆

عروج نے ایک بستی میں پہنچ کر گھر گھر دروازے پر دستک دی اور عینی کے بارے میں پوچھا لیکن ہر جگہ مایوسی ہوئی۔ آخر وہ تھک ہار کر اپنی کار کے پاس واپس آ گئی۔

دو ملازم سڑک کے دوسری طرف دور تک اسے تلاش کرنے گئے تھے۔ وہ بھی ناکام واپس آ گئے تھے۔ وہ اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ کر رونے لگی۔ زیر لب بڑبڑانے لگی۔ ''عینی! تم کہاں ہو؟ کہاں کھو گئی ہو؟ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔ کہاں ہو تم......؟ چلی آؤ...... کہیں سے آواز دو...... میں دوڑی چلی آؤں گی۔''

اسے کیا معلوم تھا کہ عینی نے اسے کتنی آوازیں دی تھیں؟ اس کی کار کے پاس پہنچ کر اس کا انتظار کرتی رہی تھی۔ آخر میں نے ایسے حالات پیدا کر دیے تھے کہ وہ ملتے ملتے بھی جدا ہو گئی تھی۔

وہ تینوں ملازم پچھلی سیٹ پر آ کر بیٹھ گئے۔ وہ کار اسٹارٹ کر کے، اسے ایک یوٹرن دے کر وہاں سے واپس جانے لگی۔ ایسے ہی وقت اس نے اچانک بریک لگائی۔ ہیڈ لائٹس کی روشنی میں کوئی چیز سڑک پر چمکتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

وہ فوراً ہی کار سے اتر کر تیزی سے چلتی ہوئی قریب آئی تو دل دھک سے رہ گیا۔ وہ عینی کے کان کا ایک بُندہ تھا۔ اس بندے میں ہیرے کی کنی جڑی ہوئی تھی۔ جو دور ہی سے چمک رہی تھی۔

اس نے جھک کر اسے اٹھایا پھر اس نے دھڑکتے ہوئے سینے سے لگا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ ملازموں سے کہنے لگی ''وہ یہاں تھی...... یہاں آئی تھی پھر نہ جانے کہاں چلی گئی ہے؟ جاؤ...... آس پاس دیکھو...... اسے آوازیں دو۔ وہ یہیں کہیں ہو گی۔''

وہ تینوں تین سمتوں میں دوڑتے ہوئے جانے لگے۔ اسے آوازیں دینے لگے۔ عروج تیزی سے سوچ رہی تھی کہ عینی کے ساتھ یہ کیا ہو رہا ہے؟ اسے یاد آیا۔ جب وہ پہلی بار یہاں آئی تھی اور فلک آفتاب بھی اپنے بیٹے اور بیوی کے ساتھ یہاں آیا تھا تو اس وقت کسی کی نظر عینی کے اس بندے پر نہیں پڑی تھی۔

پولیس والے بھی وہاں آئے تھے اور اس ڈرائیور کی لاش بھی اٹھا کر لے گئے تھے۔ انہوں نے بھی اسے نہیں دیکھا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس وقت یہ بندہ نہیں گرا تھا۔

وہ کار کے پاس آ کر اس سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ موجودہ حالات کا جائزہ لینے لگی۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ عینی یہاں دوبارہ آئی تھی۔ پہلی بار اس کا یہ بندہ اس کے کان میں تھا لیکن دوسری بار جب وہ یہاں آئی تو کسی وجہ سے یہ یہاں گر پڑا اور وہ بندہ گرا کر جانے والی نہ جانے کہاں چلی گئی تھی؟

عروج بے قراری سے سوچنے لگی ''جب وہ یہاں آئی تھی، تو اس نے میرا انتظار کیوں نہیں کیا؟ کیا اسے پہلی بار اغوا نہیں کیا گیا تھا؟ وہ یہاں میری کار کے پاس آ چکی تھی۔ تب شاید اسے اغوا کیا گیا ہے۔ ایسے وقت اس نے خود کو بچانے کی کوششیں کی ہوں گی۔ ایسی جدوجہد کے دوران یہ بُندہ گر گیا

ہوگا۔"

عروج ہر پہلو پر غور کر رہی تھی۔ یہی بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ اس بار یقینی طور پر عینی کو اغوا کیا گیا ہے۔ ایسے وقت یہ سوال پیدا ہو رہا تھا کہ اسے کس نے اغوا کیا ہوگا؟

جواب یہی تھا کہ یا تو پیشہ ور مجرم اسے اغوا کر کے تاوان وصول کرنا چاہتے تھے یا پھر اپنے ہی خاندان کے لالچی رشتہ داروں نے یہ حرکت کی ہے۔ ایسا کرنے والے اس سے جبراً شادی کر کے اس کے تمام کاروبار، دولت اور جائیداد پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔

اس طرح کی کئی باتیں اس کے دماغ میں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔ جہاں تک اپنوں پر شبہ کرنے والی بات تھی تو عروج کا ذہن سیدھا دردانہ بیگم کی طرف جا رہا تھا۔

اس نے کئی بار عینی سے کہا تھا کہ وہ اپنی سوتیلی ماں پر بھروسا نہ کرے۔ وہ میٹھی چھری ہے۔ گلا کاٹے گی تو کسی کو خبر بھی نہیں ہو سکے گی۔ کوئی اسے الزام نہیں دے سکے گا۔

اور اب وہ اس طرح گلا کاٹ رہی تھی اور اسے اغوا کرا رہی تھی کہ کوئی واقعی اسے الزام نہیں دے سکتا تھا۔ اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں تھا۔ اس کے برعکس سب ہی اس کی حمایت میں یہ کہنے پر مجبور ہوتے کہ وہ عینی کو ایک ماں کی بھرپور ممتا دیتی رہی ہے۔

عینی کا ایک ماموں تھا۔ سب اسے ہادی میاں کہتے تھے۔ اس کے ہاتھ میں ہمیشہ ایک تسبیح رہا کرتی تھی اور اس کے دانوں پر اس کی انگلیاں چلتی رہتی تھیں۔ سر پر ٹوپی رکھے۔ وہ ہر وقت اللہ ہی اللہ کرتا رہتا تھا۔

ایسے لوگ جب تولتے نہیں صرف بولتے ہیں تو فوراً ہی پہچان لیے جاتے ہیں کہ ان کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ ہے۔

ہادی میاں عینی کا ماموں تھا۔ اس کے مرحوم باپ فلک سکندر حیات کا سالا تھا۔ سکندر حیات نے اسے کچھ عرصے تک اپنے کاروبار میں ساتھ رکھا تھا۔ وہاں کے چند انتظامی امور اس کے حوالے کیے تھے۔ ایسے وقت اس نے بڑی ہیرا پھیری کی تھی اور لاکھوں روپے اپنے بینک اکاؤنٹ میں پہنچا دیے تھے۔ تب سکندر حیات نے انہیں کاروبار سے الگ کر دیا تھا۔ رشتہ داری قائم تھی۔ گھر میں آنا جانا تھا لیکن کاروبار میں ہادی میاں کا عمل دخل ختم ہو چکا تھا۔

فلک سکندر حیات گاہے بگاہے اپنی بیٹی کو سمجھایا کرتا تھا کہ کون سا رشتہ دار کیسا ہے؟ کسی کو اس کی باتوں اور اس کے دوغلے عمل سے کس طرح پہچانا جا سکتا ہے؟ اور جب ایک بار پہچان لو تو پھر کبھی اس پر اعتماد نہ کرو۔

عروج اس ویرانے میں اپنی کار کے پاس کھڑی سوچ رہی تھی کہ اپنوں میں دردانہ بیگم اور ہادی میاں جیسے شر پسند اور سازشی ذہن رکھنے والے افراد ہیں "کیا ان میں سے کسی نے عینی کو اغوا کرایا ہے؟"

اس نے موبائل فون نکال کر نمبر پنچ کیے پھر رابطہ ہونے پر کہا "ہادی ماموں! میں عروج بول رہی ہوں۔"

دوسری طرف سے ہادی میاں نے کہا "ہاں بیٹی! بولو...... بڑے دنوں بعد یاد کیا ہے؟ خیریت تو ہے؟"

"خیریت ہوتی تو آپ کو یاد نہ کرتی۔"

"کیا مطلب......؟"

"عینی کہیں گم ہو گئی ہے اور یہ یقین کیا جا رہا ہے اسے کسی نے اغوا کیا ہے۔ اگر وہ آپ کے پاس ہے تو بتا دیں......؟"

وہ ایک دم سے بھڑک کر بولا "کیا......؟ کیا تم سمجھتی ہو کہ میں نے اسے اغوا کیا ہے؟ تم اتنی بڑی بات میرے منہ پر کیسے کہہ رہی ہو؟"

"آپ تو خواہ مخواہ ناراض ہو رہے ہیں۔ میں نے پوچھا ہے، کیا وہ آپ کے پاس ہے؟ ہو سکتا ہے، ہمارا اندیشہ غلط ہو۔ اسے اغوا نہ کیا گیا ہو...... وہ آپ سے ملنے آئی ہو؟"

وہ ذرا شانت ہو کر بولا "اچھا اچھا...... تو یوں کہو ناں...... مگر وہ میرے پاس تو نہیں آئی۔ میں تو بس یوں سمجھو کہ روزہ کھولنے کے بعد سے عبادت میں مصروف ہوں۔ ایسے میں تمہارا فون آیا۔ مجھے کچھ علم نہیں کہ عینی کہاں ہے؟ ویسے تم نے میری نیند اڑا دی ہے۔ اب میں اسے تلاش کرنے کے لیے پورے شہر میں گھومتا رہوں گا۔ تم تو جانتی ہو۔ وہ میری مرحوم بہن کی اکلوتی نشانی ہے۔ میں اسے دیکھ دیکھ کر جیتا ہوں۔ تمام عمر اپنے کلیجے سے لگا کر رکھنے کے لیے اسے اپنی بہو بنا کر لانا چاہتا ہوں۔ میرا بیٹا صداقت علی اسے دل و جان سے چاہتا ہے۔"

عروج ایک ہاتھ سے سر تھامے اور دوسرے ہاتھ میں فون تھامے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ فون کر کے بری طرح پچھتا رہی تھی۔ اس کی نن اسٹاپ گفتگو سے سر دکھنے لگا تھا۔ وہ بولا

"تم تو جانتی ہو۔ عینی کی ماں کے رشتے سے ہم سب سگے ہیں......"

عروج نے خاموشی سے موبائل فون کان سے ہٹایا اور اس کا ایک بٹن دبا کر اسے آف کر دیا۔ وہ جانتی تھی کہ اب ہادی میاں عینی سے بھرپور محبت جتانے کے لیے بولتے چلے جائیں گے۔ وہ اپنی باتوں سے یہ ثابت کرنا چاہیں گے کہ عینی

کو اس دنیا میں ان سے زیادہ اور کوئی نہیں چاہتا ہے۔

تمام رشتہ داروں کا یہی حال تھا۔ وہ سب بھی عینی سے محبت کرنے اور اس کا اعتماد حاصل کرنے کے سلسلے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے تھے۔

اس نے موبائل پر دردانہ بیگم کے نمبر پنچ کیے پھر اسے کان سے لگایا۔ رابطہ ہونے پر کہا "ہیلو...... ممی! میں عروج بول رہی ہوں۔"

وہ بڑے ہی ممتا بھرے لہجے میں بولی "ہاں بیٹی! بولو...... سب خیریت تو ہے؟"

"نہیں ممی! خیریت نہیں ہے۔ عینی کہیں گم ہو گئی ہے اور یہ یقین سے کہا جا رہا ہے کہ اسے اغوا کیا گیا ہے۔"

دردانہ جیسے ایک دم سے چونک گئی تھی۔ اس نے پوچھا "یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ اسے کون اغوا کر سکتا ہے؟ ایسا کب ہوا اور کہاں ہوا؟ مجھے فوراً بتاؤ۔"

عروج اسے تفصیل سے بتانے لگی۔ دردانہ بیگم نے تمام باتیں سن کر پوچھا "تم اس وقت کہاں ہو؟"

"میں اسی جگہ ہوں جہاں سے عینی غائب ہوئی ہے۔ میں نے اسے دور اور نزدیک کی کئی بستیوں میں تلاش کیا ہے مگر وہ کہیں دکھائی نہیں دے رہی ہے۔"

"اور بیٹی! اس کے رشتے دار کیا کر رہے ہیں؟ فلک آفتاب اس کے تایا ابو ہیں۔ کیا وہ گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں؟"

اس نے طنزیہ انداز میں پوچھا تو عروج نے کہا "وہ آنٹی اور بابر کے ساتھ آئے تھے۔ پولیس والوں کے ساتھ باتیں کرتے رہے تھے پھر ان کے ساتھ ہی چلے گئے تھے۔"

"وہ چلے گئے اور تم اب تک اسی ویرانے میں ہو؟ واقعی تم دیوانگی کی حد سے زیادہ میری بیٹی کو چاہتی ہو۔"

"ممی! ایسی چاہت اور دیوانگی کا کیا فائدہ کہ میری عینی مجھے واپس نہ مل سکے۔"

"حوصلہ رکھو...... اگر کسی نے اسے اغوا کیا ہے تو وہ یقیناً تاوان کے طور پر بڑی سے بڑی رقم مانگے گا۔ ہم وہ رقم اس کے منہ پر مار کر اپنی عینی کو لے آئیں گے۔ اب تو یہی ایک راستہ رہ گیا ہے کہ اس اغوا کرنے والے کے فون کا انتظار کریں۔ ورنہ تم ہی بتاؤ کہ اتنے بڑے شہر میں ہم اسے کہاں تلاش کرتے پھریں گے؟ اس کا کوئی تو سراغ ملنا چاہیے۔ تب ہی ہم کچھ کر سکیں گے۔"

"میں یہی سوچ کر تو پریشان ہوں کہ اسے ڈھونڈنے کا کوئی راستہ سجھائی نہیں دے رہا ہے۔"

"تم تنہا پریشان ہوتی رہو گی۔ بہتر ہے، میرے پاس چلی آؤ۔ ہم اسے ڈھونڈ نکالنے کی کچھ تدبیریں کریں گے۔"

عروج نے کہا "ابھی تو میں تایا ابو کے پاس جا رہی ہوں۔ وہاں اغوا کرنے والے کا فون آ سکتا ہے۔ عینی کے بارے میں کسی وقت بھی کوئی اطلاع مل سکتی ہے۔"

اس نے تھوڑی دیر تک فون پر باتیں کیں پھر اسے بند کر دیا۔ وہ ملازم اسے تلاش کرنے کے بعد ناکام ہو کر واپس آ گئے تھے۔ وہ دلبرداشتہ ہو کر اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ وہ تینوں پچھلی سیٹ پر آ گئے۔

اس کا محبت کرنے والا دل اس ویران علاقے کی طرح عینی کے وجود سے خالی ہو گیا تھا۔

اس نے کار اسٹارٹ کی پھر وہاں سے چل پڑی۔

☆☆☆

عینی پولیس وین کی اگلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ انسپکٹر ڈرائیونگ کے دوران اس سے باتیں کر رہا تھا۔ عینی نے پوچھا "اور کتنی دور جانا ہے؟"

"بس اب ہم پہنچنے ہی والے ہیں۔ ویسے تمہیں دیکھنے سے یقین نہیں ہو رہا ہے کہ تمہاری نظر کمزور ہے۔"

"آپ کو کیوں یقین نہیں ہو رہا ہے؟"

وہ بولا "تم نے جو روداد سنائی ہے اسے سن کر حیران ہوں۔ جب تمہیں صحیح طور پر دکھائی نہیں دیتا تو پھر تم تاریکی میں کس طرح بھٹکتی رہی ہو؟ تمہارے بدن پر کوئی خراش بھی نہیں ہے۔ اس کا مطلب تم ٹھوکریں بھی نہیں کھاتی رہی ہو۔"

وہ مسکرا کر بولی "اچھی طرح دیکھ کر چلنے والے بھی ٹھوکریں کھا کر گر جاتے ہیں پھر سنبھلتے ہیں۔ میں بھی گرتی اور سنبھلتی رہی تھی۔"

"لیکن تاریکی میں تم آگے کیسے بڑھتی تھیں؟"

"خدا کے سہارے...... خدا کے بعد مقدر کے سہارے......"

وہ مسکرا کر بولا "مقدر تو ٹھوکریں مارتا ہے۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی "ہاں...... مگر جب انسان مجبور ہو جاتا ہے تو مقدر پر ہی بھروسا کرتا ہے۔ اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیتا ہے۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "میں مقدر کو نہیں مانتا۔"

"نہیں مانتے تو مجھے دیکھ کر مان لیں۔ کہ میں کس طرح تاریکی میں بھٹکتی ہوئی محفوظ مقام تک پہنچ گئی ہوں؟"

اس نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر عینی کو دیکھا پھر کہا "تم یہاں تک مقدر کے سہارے نہیں پہنچی ہو۔ تمہارا حوصلہ اور مستقل مزاجی تمہیں یہاں تک لائی ہے اور اب تم میرے رحم و

کرم پر ہو۔ اگر میں تمہیں گھر تک نہ پہنچاؤں۔ تمہیں پھر ادھر سے ادھر بھٹکا دوں تو کیا تمہارا مقدر تمہیں گھر تک پہنچا دے گا؟“

وہ اس کی باتیں سن کر ایک دم سے چونک گئی پریشان ہو کر بولی ”آپ یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ آپ مجھے گھر کیوں نہیں پہنچائیں گے؟ ایک پولیس افسر ہونے کے ناطے شہریوں کی حفاظت کرنا آپ کا فرض ہے۔“

وہ بڑی خباثت سے مسکرایا پھر بولا ”بے شک...... میں ایک سرکاری افسر ہوں اور اپنے فرائض کو بھی خوب جانتا ہوں مگر کچھ لوگ اس ہاتھ لیتے ہیں اس ہاتھ دیتے ہیں۔ خود منافع حاصل کرنے کے بعد دوسرے کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔“

”آپ کو میری ذات سے بہت فائدہ پہنچے گا۔ میں بتا چکی ہوں کہ غریب نہیں ہوں۔ آپ کا جو بھی مطالبہ ہوگا۔ وہ میں پورا کر دوں گی۔

وہ اسے سر سے پاؤں تک للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا پھر گیئر بدلتے ہوئے بولا ”ہاں...... بس میں یہی چاہتا ہوں کہ جو میرا مطالبہ ہو وہ تم پورا کر دو۔ اس کے بعد تمہاری چھٹی ہی چھٹی......“

اس نے گاڑی ایک مکان کے سامنے روک دی۔ عینی نے ونڈ اسکرین کے پار اور کھڑکی سے باہر دیکھا۔ نیم تاریکی میں کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ایک سپاہی آ کر سامنے کھڑا ہوا تو وہ بھی دھندلا سا دکھائی دے رہا تھا۔

عینی نے پوچھا ”کیا ہم تھانے پہنچ گئے ہیں؟“

”ہاں...... پہنچ گئے ہیں۔“

اس نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیا پھر سپاہیوں سے کہا ”گاڑی لے جاؤ۔ میں فون پر تمہیں بتاؤں گا کہ کیا کرنا ہے؟“

وہ اس کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے بولی ”تھانے میں اندھیرا کیوں ہے؟“

”ادھر ایک کمرے میں بلب جل رہا ہے۔ باہر سے ہلکی سی روشنی دکھائی دے رہی ہے مگر تم دیکھ نہیں پا رہی ہو۔“

وہ اس کے ساتھ برآمدے کا زینہ چڑھتی ہوئی دروازے کے پاس آئی۔ انسپکٹر نے دروازہ کھول کر کہا ”اندر آ جاؤ۔“

عینی نے پوچھا ”کیا اندر روشنی نہیں ہو سکتی؟“

”تم اندر آؤ تو سہی پھر میں لائٹ آن کرتا ہوں۔“

وہ اندر آ گئی۔ اس نے دروازے کو بند کر کے سوئچ آن کیا تو اسے روشنی میں کچھ کچھ دکھائی دینے لگا۔ فرش پر قالین بچھا ہوا تھا۔ صوفے وغیرہ دکھائی دے رہے تھے۔ وہ پلٹ کر بولی ”یہ تو رہائشی مکان ہے؟“

”ہاں...... یہ میرا گھر ہے۔ میں یہاں رہتا ہوں۔“

عینی نے پوچھا ”مگر آپ نے تو کہا تھا کہ یہ تھانہ ہے؟“

وہ ہنسنے لگا پھر بولا ”اگر میں ایسا نہ کہتا تو تم یہاں تک کبھی نہ آتیں۔“

وہ پیچھے ہٹ کر پریشانی سے بولی ”آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ کیا آپ مجھے دھوکے سے یہاں لائے ہیں؟“

وہ بولا ”تعجب ہے...... میری بات اب تک تمہاری سمجھ میں نہیں آئی؟“

وہ پریشان ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ دھندلا سا دکھائی دے رہا تھا اور دروازے کے پاس ہی کھڑا تھا۔ وہ بولی ”سامنے سے ہٹ جاؤ۔ مجھے جانے دو۔“

”کیسے جاؤ گی؟“ دروازے کی چٹخنی چڑھی ہوئی ہے۔ اسے میں ہی کھول سکتا ہوں اور میں ہی تمہیں باہر لے جا سکتا ہوں۔“

”تو پھر دروازہ کھولو اور مجھے باہر لے جاؤ۔“

”تم نے کہا تھا، میرا ہر مطالبہ پورا کرو گی۔“

وہ بولی ”میں نے ہر مطالبے کی بات نہیں کی تھی۔“

وہ ایک ذرا لاپرواہی سے بولا ”کوئی بات نہیں...... اب بات کرو۔“

”تم جتنی رقم مانگو گے میں دوں گی۔ دس ہزار، پچیس ہزار، پچاس ہزار، ایک لاکھ......“

وہ ہنسنے لگا پھر بولا ”میں جانتا ہوں، پچاس لاکھ بھی مانگوں گا تو تم دو گی لیکن میں جلد باز نہیں ہوں۔ پہلے اصل خزانہ وصول کروں گا پھر اس کے بعد سود وصول کرتا رہوں گا۔“

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا۔ عینی بچاؤ کے لیے صوفے کے پیچھے آ گئی پھر بولی ”کیا تمہیں اس بات کا ڈر نہیں ہے کہ جب میں یہاں سے واپس جاؤں گی تو تمہارے خلاف کوئی کارروائی کروں گی؟“

وہ پھر ہنسنے لگا۔ بڑی بے رحمی سے بولا ”واپس جاؤ گی تو کوئی کارروائی کرو گی نا......“

وہ دہشت کے مارے لرز گئی۔ یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ وہ عزت سے بھی جائے گی اور جان سے بھی جائے گی۔ وہ اس کی عزت سے کھیلنے کے بعد اسے جان سے مار دے گا۔ ایسے میں اسے اس درندے سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ وہ چیختی رہے گی، چلاتی رہے گی لیکن اس مکان کی چار دیواری سے باہر

نہیں جا سکے گی اور نہ ہی وہ اسے جانے دے گا۔

وہ فرار کا دوسرا راستہ ڈھونڈنے کے لیے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ یہ اس کی بدنصیبی تھی کہ وہ دور تک نہیں دیکھ سکتی تھی۔ کچھ فاصلے کے بعد ہی ہر چیز دھندلی سی ہو جاتی تھی۔ صاف طور پر دکھائی نہیں دیتی تھی۔

ایسی حالت میں دو ہی باتیں سمجھ میں آ رہی تھیں۔ یا تو اسے غیبی امداد حاصل ہوگی یا پھر اسے چیخنا چلانا چاہیے۔ شاید آس پاس سے کوئی اس کی مدد کے لیے آ جائے۔

وہ اچانک ہی زور زور سے چیخنے لگی۔ ”بچاؤ...... بچاؤ...... یہاں کوئی ہے۔ خدا کے لیے یہاں آؤ اور میری جان بچاؤ......“

وہ ایک دم سے چپ ہو گئی۔ ٹھائیں کی زوردار آواز سنائی دی تھی۔ گولی چلی تھی پھر اس نے دیکھا انسپکٹر کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ وہ بولا ”ادھر دیکھو...... تم قریب سے تو دیکھ سکتی ہو...... یہ میرے ہاتھ میں کیا ہے؟“

وہ سہم کر ریوالور کو دیکھنے لگی وہ بولا ”میری پہلی گولی ضائع ہو گئی، دوسری نہیں ہوگی۔ وہ تمہارے سینے کے آر پار ہو جائے گی۔ کیوں حرام موت مرنا چاہتی ہو؟ میری بات مانتی ہو...... تمہاری سلامتی اسی میں ہے۔ اس طرح تم زندہ واپس جا سکو گی۔“

وہ تھوک نگل کر بولی ”کیا سچ کہہ رہے ہو؟ تم مجھے جانے دو گے؟ میں...... میں تمہیں منہ مانگی رقم دوں گی۔“

وہ مسکرا کر بولا ”یہ تو میں جانتا ہوں تم ضرور دو گی لیکن میری بات ماننے کے بعد......“

”میں ایسی کوئی بات نہیں مانوں گی جو میری شرم و حیا کے خلاف ہو۔“

”تمہاری شرم و حیا کو میں نہیں سمجھتا۔ میں صرف اپنی ہوس کو جانتا ہوں اور ہوس پوری کرنا چاہتا ہوں۔ یقین کرو، اس کے بعد میں تم پر کوئی ظلم نہیں کروں گا۔ تمہیں بڑے آرام سے یہاں رکھوں گا اور تمہارے گھر والوں سے تاوان کے طور پر کم از کم پچاس لاکھ روپے حاصل کروں گا پھر تمہیں ان کے حوالے کر دوں گا۔“

وہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر بولی ”تم جھوٹ کہہ رہے ہو۔ دھوکا دے رہے ہو۔ انسپکٹر ہوتے ہوئے مجرمانہ باتیں کر رہے ہو۔“

وہ قہقہہ مار کر ہنسنے لگا پھر بولا ”ایک بات کہوں؟ میں کوئی انسپکٹر نہیں ہوں اور نہ ہی تم کسی پولیس وین میں بیٹھ کر آئی ہو۔“

وہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔ وہ بولا ”میں ایک اسمگلر ہوں۔ اکثر اس ویران راستے سے گزرتا ہوں۔ میری گاڑی میں پولیس موبائل کا سائرن لگا ہوا ہے۔ آڑے وقت میں وہ میرا بچاؤ کرتا ہے۔ اس وقت بھی جب میں نے دور سے دیکھا کہ ویرانے میں گاڑی کھڑی ہوئی ہے اور ایک لڑکی چند بدمعاشوں کے ساتھ ہے۔ تو میں نے سوچا، پتا نہیں کیا معاملہ ہے؟ تب میں نے فوراً ہی پولیس موبائل کا سائرن آن کر دیا۔ اس آواز کو سنتے ہی وہ بدمعاش بھاگ گئے اور تم اکیلی رہ گئیں۔ تب سے میں خود کو پولیس والا ثابت کر کے تمہیں بے وقوف بنا رہا ہوں۔ تمہارا اندھا پن میرے کام آ رہا ہے۔“

اس کی باتیں سن کر عینی کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ بڑی خباثت سے مسکرایا پھر ایک ہاتھ سے اشارہ کر کے اسے چمکارتے ہوئے بولا ”آ جاؤ میری جان! آ جاؤ...... پریشان مت ہو۔ میں قانون سے دن رات اسی طرح کھیلتا رہتا ہوں۔ کبھی کبھی تمہارے جیسے حسن و شباب کا چٹخارہ بھی لے لیا کرتا ہوں۔ آؤ...... میرے پاس آ جاؤ۔“

وہ پیچھے ہٹ گئی۔ دیوار سے جا کر لگ گئی پھر ایک طرف کھسکتی ہوئی جانے لگی۔ ایسے ہی وقت ایک گلدان سے ٹکرا گئی۔ وہ ایک زوردار آواز کے ساتھ گرتے ہی کرچی کرچی ہو گیا۔ وہ مزید سہم گئی۔

وہ بولا ”نو پرابلم...... جہاں جانا چاہتی ہو...... جاؤ جس سے ٹکرانا چاہتی ہو...... ٹکراؤ...... آخر میں تو تمہیں مجھ سے ہی ٹکرانا ہے۔ یہ پورا گھر تمہارا ہے۔ تم ہر جگہ جا سکتی ہو لیکن شور مچاؤ گی تو گولی مار دوں گا۔“

عینی مارے دہشت کے جیسے بولنا ہی بھول گئی۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے...... کیا نہ کرے؟ وہ اس کی طرف بڑھ رہا تھا اور وہ دھیرے دھیرے سرک رہی تھی۔

وہ بولا ”دیکھو! کیسے عجیب حالات ہوتے ہیں؟ تم کئی گھنٹوں تک تاریکی میں بھٹکتی رہیں، کسی نے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا۔ یہاں روشنی میں تم سنبھل سکتی ہو، فرار کا راستہ نکال سکتی ہو مگر نہیں نکال سکتیں۔“

یہ کہہ کر اس نے اچانک ہی چھلانگ لگائی اور اسے دونوں بازوؤں میں دبوچ لیا۔ وہ کسمسانے لگی۔ چیخنا چاہتی تھی مگر ریوالور پر نظر پڑتے ہی بے بس ہو گئی۔ وہ احمقانہ انداز میں بولا ”جو راضی نہیں ہوتی اس پر جھپٹنے کا مزہ آتا ہے۔ میں شکاری ہوں۔ شکار بار بار ہاتھ سے نکلتا رہے تو بار بار لپک کر اسے دبوچنے کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔“

یہ کہہ کر اس نے عینی کو چھوڑ دیا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے گئی پھر

سنبھل کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ وہ مسکرا کر بولا ''اب میں پھر آؤں گا۔ تم بچنے کی کوشش کرو۔ دیکھو...... یہ کھیل کتنا اچھا لگ رہا ہے نا......؟''

جب کوئی راستہ بجھائی نہ دیتا تو وہ آیۃ الکرسی کا ورد شروع کر دیتی تھی۔ اس وقت بھی وہ زیرلب اس آیت کو پڑھنے لگی۔

وہ طنزیہ انداز میں قہقہہ لگا کر بولا ''اچھا...... تو اللہ میاں کو بلا رہی ہو؟ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جب عورت پر مصیبت آتی ہے تو ایسے وقت خدا بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ اگر وہ ساتھ دیتا تو پھر عورتوں پر مصیبتیں ہی کیوں آتیں؟''

اس نے پھر چھلانگ لگا کر اس کو دبوچنا چاہا مگر اس بار وہ ہاتھ نہ آئی۔ بچ کر نکل گئی۔ وہ بڑی ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے بولا ''ہاں...... کبھی کبھی اس طرح بھی ہوتا ہے۔ شکار ریت کی طرح ہاتھ سے نکل جاتا ہے مگر ہاتھ ضرور آتا ہے۔ چلو...... پھر بچنے کی کوشش کرو۔''

وہ اندر سے بالکل ٹوٹ گئی تھی۔ اسے کوئی امید نظر نہیں آ رہی تھی۔ بچاؤ کی کوئی صورت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اس نے کہا ''یا اللہ! بس تیرا ہی آسرا ہے۔ میں اس ویرانے کی تاریکی میں تنہا بھٹکتی رہی، میرا مقدر ساتھ دیتا رہا اور میں عزت آبرو سے یہاں تک پہنچ گئی۔ میرے مالک! اسی طرح اب عزت و آبرو سے مجھے گھر تک بھی پہنچا دے۔''

وہ ہنستے ہوئے بولا ''ایسے وقت مقدر بھی ساتھ نہیں دیتا۔ صرف تدبیر آزمائی جاتی ہے اور یہاں تو تدبیر آزمانے کی بھی کوئی صورت نہیں ہے پھر بھلا مقدر تمہارا کیا ساتھ دے گا؟''

اس کی بات ختم ہوتے ہی میں عینی کے سامنے ڈھال بن کر پہنچ گیا۔ میں نے ایک چٹکی بجائی۔ دوسرے ہی لمحے میں بجلی چلی گئی۔ گھپ اندھیرا چھا گیا۔

ایسے وقت انسان کی عقل کام نہیں آتی۔ مقدر کام آتا ہے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کے بچاؤ کے لیے بجلی جا سکتی ہے۔ تاریکی ہو سکتی ہے اور اس تاریکی سے وہ فائدہ اٹھا سکتی ہے۔

کوئی اپنا پرایا اس کی مدد کو نہ آتا۔ اس کے باوجود مقدر اسے بچا لیتا اور میں اسے بچا رہا تھا۔ ایسی مصیبت کی گھڑی میں جبکہ بچاؤ کی کوئی صورت نہیں تھی۔ وہاں نہ کسی ہیرو کی ضرورت پیش آئی اور نہ کسی سیکورٹی گارڈ کی۔

ایسے وقت ایسے قدرتی حالات پیش آ جاتے ہیں جن کی پہلے سے توقع نہیں کی جا سکتی۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اپنے ہی مکان کے اندر۔ اپنے ہی دیکھے بھالے کمرے کے اندر وہ ٹھوکریں بھی کھا سکتا ہے۔

اندھیرا ہونے سے پہلے عینی جہاں تھی وہ اسی طرف بڑھ[illegible] چاہتا تھا مگر سینٹر ٹیبل سے ٹکرا کر اوندھے منہ گر پڑا۔ ایسے م[illegible] اس کا سر صوفے کی ہتھی سے ٹکرا گیا۔ تو آنکھوں کے سا[illegible] تارے ناچنے لگے۔

کیا وہ پہلے کبھی سوچ سکتا تھا کہ شہزور ہونے کے باوجو[د] اس کا مقدر اسے کس طرح کمزور بنا دے گا؟''

اس کا سر اچکرا رہا تھا۔ وہ اوندھے منہ فرش پر پڑا کراہ ر[ہا] تھا۔ چکراتے ہوئے دماغ میں صرف ایک ہی بات گونج رہ[ی] تھی کہ وہ ہاتھ سے نکل رہی ہے۔ دروازے کی طرف جا ر[ہی] ہے۔ چٹخنی نیچے گرا کر دروازہ کھول کر باہر جانے والی ہے اسے روکنا ہوگا...... اسے زخمی کرنا ہوگا۔''

ریوالور والا ہاتھ اس کے وجود کے نیچے دبا ہوا تھا اور ا[س] وقت اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ تاریکی میں اٹھ کر کھڑا ہو[ئی] ہے اور اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا ہے۔ اس نے فوراً ہی ٹر[یگر] دبا یا۔ ٹھائیں سے آواز کے ساتھ عینی کی چیخ بھی کمرے [میں] گونج اٹھی۔ دوسری طرف اس شکاری کے حلق سے ایک [چیخ] نکلی۔ وہ ریوالور اس کے نیچے دبا ہوا تھا۔ گولی چلی تو اس [کی] ران کے آر پار ہو گئی۔

شکار خود شکار ہو گیا تھا اور چڑیا پنجرے سے نکل چکی تھی۔

☆☆☆

دردانہ بیگم فون پر گرج رہی تھی، برس رہی تھی۔ ان تی[نوں] بدمعاشوں کو گالیاں دے رہی تھیں۔ ''تم سب بڑ حرام ہو[۔] بڑی بڑی رقمیں ہضم کرنا جانتے ہو لیکن کام کرنا نہیں جا[نتے۔] ایک نیم اندھی لڑکی کو اپنے قابو میں نہ کر سکے۔ اسے پولیس کے حوالے کر کے چلے آئے؟''

دوسری طرف سے اس بدمعاش نے کہا ''میڈم! [ہم] بہت مجبور ہو گئے تھے۔ اسے لے جانے ہی والے تھے کہ عی[ن] موقع پر پولیس وین وہاں پہنچ گئی۔ اگر ہم اسے چھوڑ کر بھاگتے تو ہم پر فائرنگ شروع ہو جاتی اور وہ ہمیں چاروں طرف سے گھیر کر گرفتار کر لیتے۔''

''اور تم گرفتاری کے ڈر سے فرار ہو گئے؟ کیا پولیس [کا] مقابلہ نہیں کر سکتے تھے؟''

''ہم بہت کچھ کر سکتے تھے لیکن ہم میں سے ایک مارے جاتے اور ایک بھی گرفتار ہو جاتا تو آپ جانتی ہیں پولیس کیسی تھرڈ ڈگری استعمال کرتی ہیں؟ اور فولاد کا لہجہ ر[کھنے] والے مجرموں سے بھی حقیقت اگلوا لیتے ہیں۔ ہم اس و[قت] مجبور ہو جاتے۔ یہ حقیقت اگل دیتے کہ ہم آپ کے لیے کر رہے ہیں اور آپ ہی کی خاطر ہم نے عینی کے ڈرائیو[ر]

[illegible] کیا ہے۔ ایسے حالات میں آپ قانون کی گرفت میں آ [illegible]''

[illegible] اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اسے غصہ تو بہت آ رہا تھا مگر اس [illegible] کرنے والے کی یہ بات بھی درست تھی کہ اس نے [illegible] بیگم کو قانون کی نظروں سے محفوظ کرنے کے لیے فرار [illegible] کیا تھا۔ یہ بات خود اس نے تینوں کو سمجھائی تھی کہ عینی کو [illegible] کے ایک خفیہ اڈے میں پہنچانے تک وہ پولیس والوں [illegible] سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہیں۔

عینی کے ڈرائیور نے پچیس ہزار روپے لے کر وفاداری [illegible] اور دردانہ بیگم کے لیے کام کر رہا تھا لیکن دردانہ اس پر [illegible] نہیں کر سکتی تھی۔ جو پچیس ہزار میں خود کو بیچ سکتا تھا۔ وہ [illegible] ہزار میں فروخت ہو کر اس کے خلاف گواہی بھی دے [illegible] تھا۔

لہٰذا اس نے ان تینوں غنڈوں کو سمجھا دیا تھا کہ ڈرائیور کو [illegible] واپس نہ جانے دیں۔ ان تینوں نے اس کے حکم کے تعمیل [illegible] اس لیے وہ ان پر زیادہ غصہ نہیں دکھا سکتی تھی۔

وہ بے چینی سے ٹہلنے لگی۔ پریشان ہو کر سوچنے لگی ''اچھی [illegible] پلاننگ کرنے اور بھرپور رقم خرچ کرنے کے باوجود وہ [illegible] نہیں آئی۔ مقدر نے اس کا ساتھ دیا۔ میرا ساتھ کیوں نہیں [illegible]''

میں سازش کرنے والے شر پسندوں کا بھی ساتھ دیتا [illegible] ان کی ہاتھ کی لکیریں بھی مجھے مجبور کرتی ہیں کہ میں ان [illegible] پر ان کے ساتھ چلتا رہوں۔ اس طرح وہ اپنے [illegible] ارادوں میں کامیاب ہوتے رہتے ہیں لیکن میں سچائی [اور] ایمانداری پر بھی قائم رہتا ہوں۔ مجھے جیسے ہی موقع ملتا ہے [میں] ان شر پسندوں کو ان کے برے انجام تک ضرور پہنچاتا [illegible]۔

قدرت کا یہ اصول ہے کہ جو لوگ نیک نیت اور دیانتدار [illegible] ہیں انہیں ان کی نیکی اور دیانتداری کا انعام دیر سے سہی [illegible] ملتا ضرور ہے۔

عینی کانٹوں کے درمیان پھول کی طرح تھی۔ اپنی خوشبو [illegible] پر لٹاتی رہتی تھی لیکن کانٹے تو کانٹے ہی ہوتے ہیں۔ میں [illegible] کے ہاتھوں کی لکیروں پر چل کر عینی کو مصیبتوں میں مبتلا [illegible] دیکھتا رہتا تھا اور جب بھی موقع ملتا تھا میں اسے دلدل [illegible] کھینچ لاتا تھا۔ یہ محض اس لیے کہ وہ نیک نیت تھی، دیانتدار [illegible]، کسی کو نقصان نہیں پہنچاتی تھی۔ وہ صرف محبت کرنا جانتی [illegible] مگر بھری دنیا میں ایک عروج ہی تھی جسے وہ ٹوٹ کر چاہتی [illegible]۔

میں ایسے لوگوں کا ساتھ دیتا ہوں جو محبت کرتے ہیں اور اپنی ذات سے کسی کو نقصان نہیں پہنچنے دیتے۔ اگرچہ میں مسلسل ان کی حمایت نہیں کر سکتا، ان کے کام نہیں آ سکتا لیکن جیسے ہی موقع ملتا ہے میں ان کے کام ضرور آتا ہوں۔ انہیں مصائب سے ضرور نکالتا ہوں۔

دردانہ بیگم کے جوان بیٹے جواد ہاشمی نے آ کر کہا ''ممی! کیا ہوا! کیا وہ ہاتھ نہیں لگی؟''

وہ پریشان ہو کر بولی ''میں نے بڑی ٹھوس پلاننگ کی تھی مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ ناکامی کیسے ہو گئی؟ وہ اندھی تاریکیوں میں بھٹکنے کے باوجود اپنی منزل تک پہنچ رہی ہے۔''

اس نے حیرت سے پوچھا ''کیا......؟ وہ بخیریت اپنے گھر پہنچ گئی ہے؟''

''اب تک تو یہی معلوم ہوا ہے کہ پولیس والے اسے اپنی پناہ میں لے گئے ہیں۔ جب وہ قانون کے محافظوں کی پناہ میں پہنچ گئی ہے تو پھر گھر بھی پہنچ جائے گی۔''

''آپ معلوم تو کریں کہ وہ گھر آ چکی ہے یا نہیں؟ کم از کم آپ خوشی کا اظہار کر سکتی ہیں۔ مبارکباد دے سکتی ہیں۔ اسے جا کر گلے لگا سکتی ہیں۔ یہ دکھاوا تو بہت ضروری ہے۔''

وہ تائید میں سر ہلانے لگی پھر فون کی طرف جاتے ہوئے بولی ''ہاں...... دکھاوا ضروری ہے۔ اب تک میٹھی چھری بن کر کام نکالتی رہی ہوں۔ ذرا زہریلی چھری بنی تو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑ رہا ہے۔ ویسے وہ ہے بڑی مقدر والی......''

وہ ریسیو کان سے لگا کر نمبر پنچ کرنے لگی۔ اس وقت عینی کی کوٹھی میں تمام افراد جاگ رہے تھے۔ سب عینی کے لیے ہی فکرمند تھے اور اس کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔

فلک آفتاب حیات اپنی بیگم کے ساتھ بیڈروم میں تھا۔ اس کی بیٹی نمرہ، چھوٹا بیٹا بابر اور بڑا بیٹا ذیشان اور اس کی بیوی سب ہی اپنے اپنے کمروں میں تھے۔

صرف فلک ناز اور اس کا بیٹا عدنان وہ دونوں ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایسے وقت فون کی گھنٹی سنائی دی۔

عدنان نے کہا ''اماں مما! میں فون اٹینڈ کروں؟''

فلک ناز نے کہا ''رہنے دو۔ تمہیں کتنی بار سمجھایا ہے صرف عینی کو اٹینڈ کیا کرو۔ وہ لاپتہ ہو گئی ہے۔ سب اسے تلاش کرتے کرتے تھک ہار کر بیٹھ گئے ہیں مگر تمہیں نہیں بیٹھنا چاہیے۔''

فلک ناز نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے کہا ''ہیلو......؟''

دوسری طرف سے دردانہ بیگم نے کہا ''ہیلو...... میں بول

رہی ہوں۔"

فلک ناز طنزیہ انداز میں بولی "اوہ...... دردانہ بھابی! یہاں کس کی یاد میں فون کیا ہے؟"

"تم میری آواز ہی سن کر جل بھن جاتی ہو۔ میں اپنی بیٹی عینی سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ اس کے فون پر رابطہ نہیں ہو رہا ہے۔"

"اوہو...... سوتیلی ماں کو سوتیلی بیٹی پر بڑا پیار آ رہا ہے؟"

دردانہ نے ناگواری سے کہا "تم تو ایسی ہی طنزیہ باتیں کرو گی۔ میں سوتیلی ضرور ہوں مگر جنم دینے والی ماں سے زیادہ اسے چاہتی ہوں۔"

پھر وہ بڑے ہی معنی خیز انداز میں بولی "جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ میری چاہت کیا رنگ لانے والی ہے؟"

فلک ناز نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر عدنان سے کہا "یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ عینی کو تلاش کرنے جاؤ۔"

عدنان نے بے بسی سے کہا "میں اسے کہاں تلاش کرنے جاؤں۔"

"ارے کہیں بھی جا کر گھومتے پھرتے رہو لیکن واپس آ کر سب کے سامنے یہی کہنا کہ تم صبح تک عینی کے لیے بھٹکتے رہے ہو۔"

وہ خوش ہو کر بولا "ہاں...... یہ ٹھیک ہے۔ میں اپنے ایک دوست کے گھر جا کر سو جاؤں گا۔ صبح اٹھ کر آؤں گا تو سب سے یہی کہوں گا کہ نہ جانے وہ کہاں گم ہو گئی ہے؟ میں ساری رات اسے تلاش کرتا رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے...... مگر آنے سے پہلے مجھے فون کر لینا۔"

وہ تائید میں سر ہلاتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ فلک ناز نے ماؤتھ پیس پر سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا "ہاں بھابی جان! میں ذرا عدنان سے باتوں میں الجھ گئی تھی۔ آپ ابھی فرما رہی تھیں کہ آپ کی چاہت کچھ رنگ لانے والی ہے۔ اس کا مطلب کیا ہوا؟"

وہ مسکرا کر بولی "میں عینی کو بھرپور ممتا دے رہی ہوں، تم اسے پھوپی کا پیار دے رہی ہو اور ہمارے بھائی صاحب فلک آفتاب اسے بڑے ابو کا پیار دیتے رہتے ہیں۔ سب ہی اس پر اپنی اپنی چاہت کا رنگ چڑھا رہے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کس کا رنگ پکا ہو گا؟"

"اس پر ہمارا رنگ چڑھے گا اور وہی پکا ہو گا۔ کیونکہ ہم اس کے ہیں۔ ہمارا اس سے خون کا سچا رشتہ ہے۔ تم سوتیلی ہو مگر سگی ماں بننے کا ڈھونگ رچاتی ہو۔ دودھ میں پانی ملا دو تو پھر دودھ دودھ نہیں رہتا۔ اگر آپ خود کو سگی ماں ثابت کرنا چاہتی ہیں تو اس کا ایک ہی راستہ ہے۔"

وہ طنزیہ انداز میں بولی "اچھا...... تو تم اب مجھے راستہ دکھاؤ گی؟ ذرا سنوں تو۔ بھلا وہ کیا راستہ ہے؟ جس پر چل کر میں سب پر یہ ثابت کر سکتی ہوں کہ میرے پیار میں کوئی کمی نہیں ہے۔"

فلک ناز نے کہا "عینی کا آپ کے ساتھ دودھ کا رشتہ نہیں ہے آپ نے اسے دودھ نہیں پلایا ہے پھر بھی آپ کا دودھ کا رشتہ ہو سکتا ہے۔"

"بھلا وہ کیسے؟ تم تو ناممکن کو ممکن بنانے والی بات کر رہی ہو۔ جب میں نے اسے دودھ نہیں پلایا تو پھر دودھ کا رشتہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"بس عقل کی ضرورت ہوتی ہے۔ ذرا سمجھداری سے کام لیں گی تو دنیا والوں پر یہ ثابت کر سکیں گی کہ عینی آپ کی دودھ پیتی بیٹی ہے۔"

وہ ذرا الجھ کر بولی "بھئی تم مجھے تجسس میں مبتلا کر رہی ہو۔ کھل کر بات کرو۔"

فلک ناز منہ بنا کر مسکرانے لگی پھر بولی "بہت ہی سادہ سا طریقہ ہے۔ ایک کٹورے میں گائے کا دودھ لو۔ اپنے بیٹے جواد کو آمنے سامنے بٹھاؤ۔ دونوں اس ایک کٹورے میں ایک دوسرے کا جھوٹا دودھ پئیں گے۔ تو جواد عینی کا دودھ شریک بھائی اور عینی جواد کی دودھ بہن بن جائے گی۔ اس طرح دونوں لوگوں کے درمیان دودھ کا رشتہ قائم ہو جائے گا۔"

وہ تڑخ کر بولی "تم بہت چالاک بننے کی کوشش کر رہی ہو۔ یہی مشورہ اب میں تمہیں دیتی ہوں کہ اپنے بیٹے عدنان اور عینی کو ایک پیالے میں دودھ پلاؤ اور انہیں بھائی بہن بنا دو۔ کیا تم ایسا کرو گی؟"

"مجھے ایسا کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جبکہ ہمارے درمیان خون کا سگا رشتہ ہے۔ یہ مشورہ آپ کے لیے ہے۔ کیونکہ آپ نہ تو گھر کی ہیں نہ گھاٹ کی...... نہ خون کا رشتہ ہے، نہ دودھ کا...... میں جو کہہ رہی ہوں، آپ کے لیے مناسب ہے۔"

اس نے ذرا خاموش ہو کر جواب کا انتظار کیا تو معلوم ہوا کہ دردانہ بیگم نے فون بند کر دیا ہے۔ دوسری طرف بیڈ روم میں فلک آفتاب ریسیور کان سے لگائے لیٹا ہوا تھا۔ اس نے ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے بولا "دردانہ نے فون بند کر دیا ہے۔ یہ میری بہن فلک ناز بہت تیز طرار ہے۔ اس نے دردانہ کو سگی ماں بننے کا ایسا مشورہ دیا ہے کہ وہ کبھی اس مشورے پر عمل نہیں کرے گی۔"

بیگم آفتاب نے کہا "دردانہ بیگم گھاٹے کا سودا کرنے والی عورت نہیں ہے۔ وہ کبھی ایک پیالے میں دودھ پلا کر اپنے بیٹے کو عینی کا بھائی نہیں بننے دے گی۔ وہ تو بڑے اونچے خواب دیکھ رہی ہے۔"

"خواب تو عینی کے ماموں ہادی میاں بھی دیکھ رہے ہیں۔ کم بخت...... بڑی اونچی چھلانگ لگانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

بیگم نے پوچھا "اونچی چھلانگ سے کیا مطلب؟ کیا کوئی بات معلوم ہوئی ہے؟"

"ہاں...... ہادی میاں آج کل عینی کے وکیل اخلاق احمد سے بڑی دوستی کر رہا ہے۔ پہلے تو اس کے آفس جایا کرتا تھا۔ اب اس کے گھر جانے لگا ہے۔ تم سمجھ سکتی ہو کہ وہ کتنی گہری چال چل رہا ہے۔"

بیگم سوچتی ہوئی نظروں سے فلک آفتاب کو دیکھ رہی تھی پھر اس کی تائید میں سر ہلا کر بولی "ہاں...... سمجھ تو رہی ہوں۔ عینی اپنے وکیل اخلاق احمد کی ہر بات مانتی ہے۔ اسی کے مشوروں پر عمل کرتی ہے۔ ہادی میاں کی کوشش ہو گی کہ اخلاق عینی کو اس کے بیٹے کی طرف مائل کرے۔"

"ویسے اخلاق احمد بظاہر تو زندہ دل اور نرم دل ہے لیکن اندر سے بڑا سخت ہے۔ بڑا کائیاں ہے۔ ہم میں سے ایک ایک کے چہرے کو اور ہر ایک کے مزاج کو پڑھتا رہتا ہے۔ وہ ہادی میاں کے جھانسے میں نہیں آئے گا۔"

"آپ ذیشان کو بلا کر پوچھیں۔ وہ پولیس افسر ہو کر آخر کیا کر رہا ہے؟ اسے عینی کو تلاش کرنے کے لیے گھر سے جانا چاہیے۔ دوسروں کو معلوم تو ہونا چاہیے کہ ہم عینی کو کیسی سرگرمی سے تلاش کر رہے ہیں؟"

وہ بولا "ذیشان ابھی ایک گھنٹا پہلے ہی یہاں آیا ہے۔ ہوا ہے، کہہ رہا تھا کہ عینی کی تصویریں تمام تھانوں میں پہنچا دی گئی ہیں اور پولیس والے اسے تلاش کر رہے ہیں۔ اللہ نے چاہا تو وہ صبح سے پہلے ہی مل جائے گی۔"

"بات تو تب ہو گی، جب ذیشان اسے اپنی گاڑی میں بٹھا کر یہاں لائے اور دنیا دیکھے پھر تو سب ہی کہیں گے کہ عینی کو ہم نے تلاش کیا ہے۔ فلک ناز نے اپنے بیٹے عدنان کو باہر بھیجا ہوا ہے۔ نہ جانے وہ اسے تلاش بھی کر رہا ہے یا کہیں سیر و تفریح میں مگن ہے؟ کچھ بھی ہو مگر یہاں آ کر یہی دعویٰ کرے گا کہ وہ اسے تلاش کر رہا تھا پھر ہادی میاں بھی اپنے بیٹے کے ساتھ اسے ڈھونڈ رہے ہوں گے۔"

فلک آفتاب نے بیزار ہو کر کہا "میرے سامنے دوسروں کا ذکر نہ کرو۔ میں یہ سن سن کر تنگ آ گیا ہوں کہ کون کون عینی کو کہاں کہاں تلاش کر رہا ہے؟ کس قدر چالیں چل رہا ہے؟ اور ہمیں اس کے مقابلے میں کیا کرنا چاہیے؟ ان باتوں سے مجھے بیزاری ہونے لگی ہے۔"

"آپ تو بس یونہی بیزار ہو جاتے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ ہم نے عینی کے معاملے میں ذرا بھی ڈھیل دی تو دوسرے ہم پر سبقت لے جائیں گے۔"

"پھر وہی مرغی کی ایک ٹانگ...... اب اگر تم نے ایسی کوئی بات چھیڑی تو میں اٹھ کر چلا جاؤں گا۔"

وہ جھنجلا کر بولی "آپ کیا چاہتے ہیں، میں عینی کا ذکر نہ کروں۔ نہ جانے وہ کہاں گم ہو گئی ہے؟ کیا اسے نظر انداز کر کے سو جاؤں؟"

"تم سو جاؤ تو بہتر ہے۔ تمہارے جاگنے سے وہ واپس نہیں آ جائے گی۔"

بیگم آفتاب منہ پھلا کر بیڈ پر آئی پھر دوسری طرف منہ پھیر کر لیٹ گئی۔

ذیشان اپنے کمرے میں آئینے کے سامنے کھڑا سر سے پاؤں تک اپنا جائزہ لے رہا تھا۔ اسما نے پوچھا "کیا اتنی رات کو بن سنور کر جانا بہت ضروری ہے؟"

ذیشان نے پلٹ کر اسے دیکھا پھر مسکرا کر کہا "مرد سلیقے سے لباس پہن لے تو یہ بھی بیوی کو برا لگتا ہے۔ فوراً شبہ ہوتا ہے کہ پتا نہیں کہاں رات رنگین کرنے جا رہے ہیں؟"

"کیا شبہ نہیں کرنا چاہیے؟ ابھی تو آپ ڈیوٹی سے آئے ہیں...... وردی اتار کر یہ لباس پہن لیا ہے۔"

"ہماری ڈیوٹی ایسی ہے کہ ہم سارے لباس میں بھی اپنے فرائض انجام دیتے ہیں پھر یہ تو ہمارے اپنے ہی گھر کا معاملہ ہے۔ کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں عینی کو تلاش نہ کروں؟ اسے دشمنوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دوں؟"

وہ بولی "اس کے لیے جو جدوجہد کرنی تھی وہ آپ کر چکے۔ اس کی تصویریں تمام تھانوں میں پہنچا چکے ہیں۔ کتنے ہی سپاہی اسے تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ ایسے میں آپ کا جانا ضروری تو نہیں ہے۔"

وہ لباس پر پرفیوم اسپرے کرتے ہوئے بولا "بہت ضروری ہے۔ وہ میری کزن ہے۔ میرے چچا کی بیٹی ہے۔"

"آج کہیں جانے کے لیے عینی کا بہانہ مل گیا ہے۔ ورنہ آپ تو روز ہی رات کے دو تین بجے واپس آتے ہیں۔"

وہ اپنے کف درست کرتے ہوئے بولا "میں کسی

سرکاری دفتر میں کام نہیں کرتا ہوں۔ جو صبح جاؤں اور شام پانچ بجے واپس آ جاؤں۔ پولیس ڈیوٹی ایسی ہی ہوتی ہے۔ کوئی نہ کوئی واردات ہو جاتی ہے اور ہماری مصروفیت بڑھ جاتی ہے۔"

پھر وہ اسما کے قریب آ کر اسے بازوؤں میں بھرتے ہوئے بولا "میں جانتا ہوں کہ تمہارے دل میں شک وشبہات کیوں جنم لیتے ہیں؟ تم یہی سوچتی ہو کہ میں اولاد کی خاطر دوسری شادی کرلوں گا۔"

وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولی "آپ کی ممی تو یہی چاہتی ہیں۔ ڈنکے کی چوٹ پر کہتی رہتی ہیں کہ جلد ہی دوسری بہو لے آئیں گے تو اس سے پوتی پوتے پیدا ہوں گے۔ اس گھر میں پھول کھلیں گے۔"

"ممی تو کہتی رہتی ہیں۔ میں ایک کان سے سنتا ہوں اور دوسرے کان سے نکال دیتا ہوں۔ یہ تو تم بھی دیکھتی ہو... کہ میں تمہارا دیوانہ ہوں۔ تمہیں کس قدر چاہتا ہوں؟ یہ اپنے دل میں جھانک کر اپنی دھڑکنوں سے پوچھو۔"

وہ اس بات پر فخر کرتی تھی کہ ذیشان اسے دل و جان سے چاہتا ہے۔ اس کا دیوانہ ہے پھر بھی نہ جانے دل کو کیوں دھڑکا سا لگا رہتا تھا... کہ کسی وقت بھی اس کا یہ محبوب شوہر بہک سکتا ہے۔ بھٹک سکتا ہے اسے بہکانے والی اس کی اپنی ماں تھی اور پھر باہر نہ جانے کیسی کیسی منہ زور حسینائیں ہوں گی؟ ایسے میں شوہر کو اپنے آنچل سے باندھ کر رکھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

وہ اس کے بازوؤں میں قید ہو گئی تھی۔ سر اٹھا کر کچھ کہنا چاہتی تھی۔ اس سے پہلے ہی ذیشان نے چپ کی مہر لگا دی۔

☆☆☆

عینی دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ کمرے کے اندر فائر ہوا تھا اور اس نے یہی سمجھا تھا کہ وہ شکاری اسے گولی مار رہا ہے لیکن وہ زندہ سلامت تھی۔ گولی اسے نہیں لگی تھی اور وہ دروازہ کھول کر باہر چلی آئی تھی۔ اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ اندھیرے کے باعث کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اس نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھ ٹٹولنے کے انداز میں پھیلائے پھر سنبھل سنبھل کر چلنے لگی۔ کمرے کے باہر برآمدہ تھا۔ اسے یاد آیا کہ یہاں تک پہنچنے کے لیے اس نے دو چار سیڑھیاں چڑھی تھیں۔ وہ دونوں ہاتھ پھیلائے آگے بڑھ رہی تھی۔ ایسے ہی وقت ایک ستون سے ٹکرا گئی اس نے سنبھل کر ایک قدم آگے بڑھایا تو یوں لگا جیسے فرش آدھا فٹ ہے۔ وہ فوراً ہی سمجھ گئی کہ زینہ آ گیا ہے۔ وہ ناپ نار اٹھانے لگی اور سیڑھیاں اترنے لگی۔

آنگن میں پہنچ کر اس نے یاد کیا کہ وہ مین گ داخل ہو کر ناک کی سیدھ میں ہی چلے تھے اور کمرے تھے۔ وہ پھر سنبھل سنبھل کر چلنے لگی۔ آنگن عبور کر گیٹ سے باہر نکلتی چلی گئی۔

اس نے دیدے پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھا۔ کہیں ک دکھائی دے رہی تھی۔ اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ بعد دوسرا گھر اچھے خاصے فاصلے پر بنا ہوا ہے۔ فا آواز سن کر اب تک وہاں کوئی نہیں پہنچا تھا۔ اس ک شاید یہ ہو کہ وہ ایک اسمگلر کا گھر تھا اور ہو سکتا ہے ایسی وارداتیں ہوتی رہتی ہوں۔

اس بار پہلے جیسی تاریکی نہیں تھی۔ پہلے ستاروا روشنی تھی۔ اب چاند نکل آیا تھا۔ چاندنی میں وہ ک دیکھ سکتی تھی۔ راستہ دھندلا سا دکھائی دے رہا تھا تیزی سے قدم اٹھانے لگی۔ وہ بہت جلد اس شکاری دور ہو جانا چاہتی تھی۔

وہ تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی مگر یہ نہیں جا اسے آگے گھر کا راستہ ملے گا یا نہیں؟ وہ دور دور۔ مکانات میں کسی دروازے پر دستک نہیں دینا چاہتی یہ سمجھا رہی تھی کہ جو لوگ فائرنگ کی آواز سن کر نہیں ہیں وہ اس کی مدد بھی نہیں کریں گے۔ ایسا کرنے ممکن تھا کہ وہ کسی نئی مصیبت کا شکار ہو جاتی۔

وہ دل ہی دل میں خدا سے اپنی سلامتی کی دعا ہوئی آگے بڑھنے لگی۔ کچھ دور جانے کے بعد رک ایک چھوٹے سے کیفے ٹیریا کے سامنے ایک گاڑی تھی۔ قریب جانے پر پتا چلا کہ وہ ایک ٹیکسی ہے۔

پتا نہیں کتنی رات گزر چکی تھی۔ کیفے کے باہر نوجوان کرسی پر بیٹھا چائے پی رہا تھا اور کیفے والا ا کر رہا تھا۔ اس جوان نے ٹیکسی کے پاس عینی کو حیرت سے سوچنے لگا کہ اتنی رات گئے ایک تنہا لڑ کر رہی ہے؟

وہ چائے کے پیسے دے کر اپنی جگہ سے اٹھا اور چلتا ہوا اس کے پاس آیا پھر بولا "یس میڈم! ہے؟"

وہ اس کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ کر رو۔

ن بولا "ارے ارے...... یہ کیا کر رہی ہو؟ بات کیا ہے۔ ں رو رہی ہو؟"

وہ روتے ہوئے بولی "میں شام سے بھٹک رہی ہوں۔ یہ انجانے دشمن مجھے پریشان کر رہے ہیں۔ مجھے گھر تک پہنچنے نہیں دے رہے ہیں۔ کیا تم مجھ پر مہربانی کرو گے؟ مجھے میرے گھر تک پہنچا دو...... پلیز...... پلیز......"

اس نوجوان نے دور تک نظریں دوڑائیں پھر پوچھا کہاں ہیں تمہارے دشمن؟ یہاں تو دور دور تک کوئی نظر نہیں آ رہا ہے؟"

وہ اپنے آنچل سے آنسوؤں کو پونچھتی ہوئے بولی "خدا شکر ہے، میرا پیچھا کرنے والے بہت پیچھے رہ جاتے ہیں اور ں آگے نکل جاتی ہوں لیکن پھر کسی نئی مصیبت میں پھنس جاتی ں۔ میں تمہاری ٹیکسی میں بیٹھ کر جاؤں گی تو کیا تم بھی رے لیے مصیبت بن جاؤ گے؟"

وہ آگے بڑھ کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے بولا "پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ تم اس وقت مصیبت میں ۔ یہاں کوئی تمہاری مدد کرنے والا نہیں ہے۔ لہٰذا تمہیں مجھ بھروسا کرنا ہی ہو گا۔ ورنہ یہاں کب تک بھٹکتی رہو گی؟ لو...... بیٹھ جاؤ۔"

اس نے ایک نظر اس نوجوان پر ڈالی پھر اللہ کا نام لے کر یکسی میں بیٹھ گئی۔ وہ دوسری طرف سے گھوم کر اسٹیئرنگ سیٹ بیٹھ گیا پھر ٹیکسی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھنے لگا۔

وہ اندیشوں میں گھری ہوئی تھی۔ دروازے سے لگی سمٹی سکڑی بیٹھی ہوئی تھی۔ شام سے اب تک کی ٹھوکروں نے سمجھا یا تھا کہ اسے کسی پر بھروسا نہیں کرنا ہے۔ اگر وہ ٹیکسی ڈرائیور بھی اچانک دشمنی پر اتر آئے گا تو وہ دروازہ کھول کر باہر پھلانگ لگا دے گی۔

وہ کبھی کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھی اور کبھی کن انکھیوں سے ڈرائیور کو دیکھ رہی تھی۔ باہر چاندنی سفید دھند کی طرح دکھائی دے رہی تھی اور اس دھند میں اسے قریب سے گزرتے ہوئے درخت سایہ سایہ سے دکھائی دے رہے تھے۔ اندر ٹیکسی کے ننھے سے بلب میں ڈرائیور بھی دھندلا سا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ایک ہاتھ اٹھا کر عقب نما آئینے کا زاویہ بدل رہا تھا۔

پھر ڈرائیور نے آئینے میں عینی کو دیکھ کر کہا "تم اس طرح سہمی ہوئی کیوں بیٹھی ہو؟ ذرا کھل کر آرام سے بیٹھو۔"

"نہیں...... میں یہاں ٹھیک ہوں۔"

"میں تمہاری حالت کو کسی حد تک سمجھ رہا ہوں۔ تم خوفزدہ ہو، مجھ پر بھروسا نہیں کر رہی ہو۔ کوئی بات نہیں۔ میں شہر کی طرف جا رہا ہوں، یہ بتاؤ تمہیں کہاں جانا ہے؟ وہاں پہنچ کر ہی تمہاری جان میں جان آئے گی۔"

اس نے کچھ سوچ کر کہا "مجھے جناح اسپتال پہنچا دو۔"

وہ جانتی تھی کہ عروج اس کی تلاش میں بھٹکتے رہنے بعد ناکام ہو کر اسپتال کے کوارٹر میں گئی ہو گی۔ وہ اکثر ڈیوٹی کرتی تھی وہ کوارٹر اس کے نام الاٹ کیا گیا تھا۔

عینی کبھی کبھی وہاں آ کر اس سے ملاقات کیا کرتی وہ عروج کے مزاج کو اچھی طرح سمجھتی تھی اور اسے یقین وہ اس وقت بھی اسپتال کے اسی کوارٹر میں ہو گی۔

ڈرائیور نے کہا "میں کبھی دن کے وقت اور کے وقت ٹیکسی چلاتا ہوں۔ میری گاڑی میں طرح لوگ آ کر بیٹھتے ہیں۔ میں طرح طرح کے تجربات رہتا ہوں۔ آج پہلی بار تمہارے جیسی خوبصورت اور تنہا اس ویران علاقے میں دیکھ رہا ہوں۔ وہاں ایک مکان ایک اسمگلر بھی رہتا ہے۔"

عینی نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ صرف اس کی پشت اور سر کا پچھلا حصہ دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے سہم کر پوچھا "کیا تم اس اسمگلر کو جانتے ہو؟"

وہ مسکرا کر بولا "میں اس شہر کے چھٹے ہوئے بدمعاشوں کو بھی جانتا ہوں اور ان شریف لوگوں کو بھی...... جو رات کی تاریکی میں چھپ کر گناہوں کی بستیوں میں جاتے ہیں۔ تم اپنی سناؤ۔ اس علاقے میں کیا کر رہی تھیں؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی "میرا بگڑا مقدر مجھے وہاں لے گیا تھا اور پھر اسی مقدر نے مجھے اس اسمگلر سے بچا کر یہاں تمہاری ٹیکسی تک پہنچا دیا۔"

ڈرائیور نے چونک کر پوچھا "تم اس اسمگلر کے ہتھے کیسے چڑھ گئیں؟"

وہ ایک اجنبی ڈرائیور کو تمام تفصیلات نہیں بتانا چاہتی تھی۔ وہ ناگواری سے بولی "تم کوئی پولیس افسر تو نہیں ہو۔ بے جا باتیں نہ کرو۔ خاموشی سے ڈرائیونگ کرتے رہو۔"

"انسان خاموش رہے تو اس کے دماغ میں شیطان گھس جاتا ہے اور اسے بہکاتا رہتا ہے۔ بھڑکاتا رہتا ہے۔ تم خاموش رہو گی تو میں یہی سمجھوں گا کہ تم کوئی غلط لڑکی ہو۔ اس شہر میں تمہارے جیسی بہت سی لڑکیاں بھٹکتی رہتی ہیں۔"

وہ سخت لہجے میں بولی "یو شٹ اپ...... تم بہت زیادہ بول رہے ہو۔ میں کیسی ہوں؟ یہ میرا خدا جانتا ہے۔ میں

تمہارے سامنے اپنی صفائی پیش نہیں کروں گی۔“
اس نے ایک جھٹکے سے ٹیکسی روک دی۔ اس نے سہم کر پوچھا ”تم نے گاڑی کیوں روک دی؟“
وہ خاموش رہا۔ وہ بولی ”گاڑی چلاؤ ورنہ میں چیخنے لگوں گی۔“
”چیخنے کی حسرت پوری کرلو اور دیکھو...... ایک طرف سمندر ہے اور دوسری طرف ویران علاقہ ہے۔ سمندر کی لہریں دور تک ہیں اور تمہاری چیخیں سن کر واپس چلی جائیں گی۔“
اس نے کھڑکی سے باہر چاندنی میں سفید دھند دکھائی دیتی رہی۔ ابھی تک اس نے دھیان نہیں دیا تھا کہ ٹیکسی کس راستے سے کہاں جا رہی ہے؟ اب اس نے بغور سنا تو سمندر کی لہروں کا شور پیدا ہو رہا تھا۔
وہ ذرا پریشان ہو کر بولی ”تم اس ویران راستے سے کیوں آئے ہو؟“
”میں نے کہا تھا نا......؟ میری ٹیکسی میں طرح طرح کے لوگ بیٹھتے ہیں اور میں مختلف تجربات حاصل کرتا رہتا ہوں۔ تمہارے بارے میں بھی میرے اندر تجسس پیدا ہو رہا ہے۔ تم کون ہو؟ کہاں سے آئی ہو؟ خود کو شریف زادی کہتی ہو تو اس بدنام علاقے میں اتنی رات کو کیا کر رہی تھیں؟“
وہ ایک دم سے رو پڑی پھر بولی ”یا خدا! مجھ سے کون سا گناہ سرزد ہوا ہے۔ جس کی یہ سزا مل رہی ہے؟ جہاں جاتی ہوں، دشمن ہی دشمن ملتے ہیں۔“
اس نے سر گھما کر عینی کو دیکھا پھر کہا ”کبھی کبھی انسان اپنے عمل سے دوسروں کو دشمن بنا لیتا ہے۔ جیسا کہ تم مجھے بنا رہی ہو۔ جبکہ میں دوست بن کر تمہیں تمہاری منزل تک پہنچانا چاہتا ہوں۔“
”اگر پہنچانا چاہتے ہو تو یہاں کیوں رک گئے ہو؟ گاڑی چلاؤ۔“
”چلاؤں گا، پہلے اپنے بارے میں مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو، کیا دھندہ کرتی ہو؟“
وہ ایک دم بھر گئی، حلق پھاڑ کر چیختے ہوئے بولی ”بکواس نہ کرو۔ تم سوچے سمجھے بغیر دھندہ جیسا گھٹیا لفظ میرے لیے استعمال کر رہے ہو۔ میں ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتی ہوں۔ میرے پاس مال و زر کی کمی نہیں ہے۔ میں ابھی گھر پہنچ کر تمہیں لاکھوں روپے دے سکتی ہوں۔ خدا کے لیے...... مجھے میرے گھر پہنچا دو۔“
”ابھی تو تم اسپتال جانے کی بات کر رہی تھیں؟“
وہ الجھ کر بولی ”میں کیا کروں؟ تمہیں بڑی رقم دینے کے لیے مجھے گھر جانا ہوگا۔ ورنہ میں تو اپنی سہیلی کے پاس اسپتال ہی جانا چاہتی تھی۔“
”تم اتنی باتیں کر رہی ہو مگر یہ نہیں بتا رہی ہو کہ اس ویرانے میں کیوں پہنچی ہوئی تھیں؟ کس کے ساتھ گئی تھیں؟ کوئی تمہیں لے گیا تھا تو کیوں لے گیا تھا؟ اور اگر تنہا گئی تھیں تو کیوں گئی تھیں؟“
اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے ڈرائیور کو دیکھا پھر کہا ”تمہارے سب سوالوں کا ایک ہی جواب ہے کہ میں اندھی ہوں۔ اچھی طرح دیکھ نہیں پاتی۔ یہی میری بدنصیبی ہے۔ جو شام سے اب تک مجھے بھٹکا رہی ہے۔“
اس نے حیرت سے عینی کو دیکھا پھر بے یقینی سے پوچھا ”کیا کہا تم نے...... تم اندھی ہو......؟“
وہ اثبات میں سر ہلا کر افسردگی سے بولی ”ہاں...... تقریباً اندھی ہوں۔ اس وقت تم مجھے دھندلے سے دکھائی دے رہے ہو۔ میں تمہارا چہرہ صاف طور سے نہیں دیکھ پا رہی ہوں۔“
”تعجب ہے، تم مجھے تو اندھی نہیں لگ رہی ہو؟ کیا مجھے بنا رہی ہو؟“
”اگر تم میرے بارے میں اطمینان حاصل کرنا چاہتے ہو تو گاڑی آگے بڑھاؤ پھر کسی پی سی او کے سامنے رکو۔ ٹیلی فون کے ذریعہ اپنے بزرگوں سے باتیں کروں گی تمہاری بھی ان سے بات کراؤں گی۔ تب تمہیں یقین ہوگا کہ میں اپنے بارے میں سچ بول رہی ہوں۔“
ڈرائیور نے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا پھر کہا ”میں گاڑی چلاؤں گا مگر ایک شرط پر۔“
”میں تمہاری تمام شرائط پوری کر دوں گی۔ خدا کے لیے...... یہاں سے چلو......“
اس نے ٹیکسی اسٹارٹ کی پھر اسے آگے بڑھاتے ہوئے بولا ”تمہارا نام کیا ہے؟“
عینی نے ناگواری سے کہا ”ایکس وائی زیڈ...... کچھ بھی سمجھ لو۔ نام پوچھنا ضروری ہے؟“
”میں پھر گاڑی روک دوں گا۔“
وہ بے بسی سے بولی ”دھمکیاں نہ دو...... میرا نام عینی ہے۔“
”آدھا نام نہ بتاؤ۔“
”میرا پورا نام قرۃ العین ہے۔“
”اور میرا نام سلامت پاشا ہے۔ سب مجھے پاشا جانی کہتے ہیں۔“
”تمہارا نام سلامت پاشا ہے۔ مجھے سلامتی سے گھر پہنچا دو۔ پلیز...... فضول باتیں کر کے مجھے پریشان نہ کرو۔ گھر پہنچتے ہی میں تمہیں ایک لاکھ روپے دوں گی۔“
وہ ایک ذرا بے پروائی سے بولا ”یقین تو نہیں آتا کہ تمہارے پاس ایک لاکھ روپے ہوں گے۔ بہرحال جہاں کہو گی، میں تمہیں وہاں پہنچا دوں گا۔“
وہ کیسے پہنچا سکتا تھا؟
یہ تو مقدر پہنچاتا ہے اور مقدر نہ چاہے تو کوئی اپنی منزل تک نہیں پہنچ پاتا۔ روز صبح ڈیوٹی پر جانے والے یقین سے کہتے ہیں کہ شام کو گھر لوٹ آئیں گے لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔ کبھی کسی کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آ جاتا ہے، کبھی ایسی رکاوٹ سامنے آ جاتی ہے کہ وہ اپنے ارادے کے مطابق صحیح وقت پر گھر نہیں پہنچ پاتا۔ یا تو اسپتال پہنچ جاتا ہے یا پھر آخری کال کوٹھری اس کا مقدر بن جاتی ہے۔
میں دردانہ بیگم کے بیٹے جواد ہاشمی کے پاس آ گیا۔ اس کے ہاتھ کی ایک لکیر کہہ رہی تھی کہ میں اسے عینی تک پہنچا دوں۔ وہ کار ڈرائیو کرتا ہوا اسی راستے سے گزر رہا تھا۔ وہ ٹیکسی اس سے ذرا آگے جا رہی تھی۔
جواد تیز رفتاری سے ڈرائیونگ کرتا ہوا اس سے اوورٹیک کرنے لگا۔ ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر ایک لڑکی دکھائی دے رہی تھی۔ جب لڑکی کا صرف خاکہ دکھائی دے تو اس کی صورت دیکھنے کو دل مچلنے لگتا ہے۔ صورت نظر آ جائے تو سر سے پاؤں تک جائزہ لینے کو جی چاہتا ہے۔
اس نے اوورٹیک کرتے وقت سر گھما کر ٹیکسی میں جھانکا تو ایک دم سے چونک گیا پھر ونڈ اسکرین کے پار دیکھ کر سوچنے لگا۔
”کیا میری آنکھیں دھوکا کھا رہی ہیں؟“
ٹیکسی پیچھے رہ گئی تھی اور دھیرے دھیرے اس کے برابر آ رہی تھی۔ اس نے پھر سر گھما کر ٹیکسی کی پچھلی سیٹ کی طرف دیکھا تو واقعی وہاں عینی بیٹھی ہوئی تھی۔
اس نے کھڑکی سے ہاتھ نکال کر اسے لہراتے ہوئے ڈرائیور سے کہا ”اے! ٹیکسی روکو...... ٹیکسی روکو......“
اس نے اپنی کار کی رفتار تیز کی پھر ذرا آگے جا کر ٹیکسی کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ پاشا جانی نے فوراً ہی بریک لگائی پھر کھڑکی سے باہر نکل کر پوچھا ”کیا بات ہے؟ کیوں ہمارا راستہ روک رہے ہو؟ کون ہو تم؟“
جواد کار سے اتر کر تیزی سے چلتا ہوا ٹیکسی کی پچھلی سیٹ کی طرف آیا پھر کھڑکی پر جھک کر بولا ”عینی! تم یہاں ہو؟ اور ہم تمہاری تلاش میں نہ جانے کہاں کہاں بھٹک رہے ہیں؟“

داستان گوئی میں ایک نئی طرز کا آغاز
مداری
۴ حصے شائع ہو گئے ہیں
قیمت فی حصہ 60 روپے
احمد اقبال کے شعلہ بار قلم سے وطن کے پرآشوب حالات کے پس منظر میں لکھی جانے والی ہوشربا داستان
○ اس شہید کا قصہ جس نے اپنی لاش اپنے ہاتھوں دفن کی تھی۔
○ اسے اس ملک کی اعلیٰ ترین کرسی کی خواہش تھی اور اسے حاصل کرنے کیلئے وہ کسی بھی حد سے گزرنے کو تیار تھا۔
○ خواہشوں کا مداری ڈگڈگی بجا رہا تھا اور وہ اس کی تال پر بندر کی طرح ناچ رہا تھا۔
○ چہرہ پر چہرہ چڑھائے اور بیک وقت کئی کئی زندگیاں گزارنے والوں کے فسانے۔
○ دنیا کے سٹیج پر آتے جاتے رہنے والے کرداروں کی داستان ہوشربا۔
اسٹاکسٹ
علی بکسٹال
نسبت روڈ
چوک میو ہسپتال، لاہور

پاشا جانی نے ان دونوں کو دیکھا پھر پوچھا ''عینی! یہ تمہارا نام لے رہا ہے۔ یعنی یہ تمہیں جانتا ہے۔ کیا تم اسے پہچانتی ہو؟''

عینی کھڑکی سے ذرا دور ہٹ گئی تھی۔ جواد کو دیکھ کر انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولی ''نہیں...... میں انہیں نہیں پہچانتی۔''

جواد پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بولا ''یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ چلو میرے ساتھ......''

پاشا جانی فوراً ہی اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر آیا پھر بولا ''اے بڑے بھائی! ذرا آرام سے۔ یہ میری ٹیکسی ہے۔ تمہارے باپ کی گاڑی نہیں ہے۔''

جواد نے بھنا کر کہا ''خبردار! باپ کا نام نہ لینا۔''

وہ اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولا ''کیوں نہ لوں؟ کیا تمہارے باپ کا نام شرمناک ہے؟''

جواد نے گھور کر اسے دیکھا پھر عینی سے کہا ''یہ تم کیا تماشے کر رہی ہو؟ مجھے پہچاننے سے انکار کیوں کر رہی ہو؟''

پھر وہ سر گھما کر پاشا جانی سے بولا ''کیا تم نہیں جانتے کہ یہ تقریباً اندھی ہے؟ اسے بہت ہی دھندلا سا نظر آتا ہے۔ یہ چہروں کو نہیں پہچانتی ہے۔''

وہ پھر عینی کو مخاطب کرتے ہوئے بولا ''بے شک میں تمہیں دھندلا سا نظر آ رہا ہوں۔ اسی لیے تم مجھے پہچاننے سے انکار کر رہی ہو لیکن میری آواز کو تو پہچان رہی ہو گی۔''

وہ سیٹ پر پیچھے کی طرف کھسکتے ہوئے بولی ''ہاں پہچان رہی ہوں لیکن میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ ڈرائیور! گاڑی چلاؤ۔''

پاشا جانی نے جواد کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا ''بڑے بھائی! سن لیا تم نے؟ یہ لڑکی کیا کہہ رہی ہے؟ اب تم اپنی گاڑی میں بیٹھو اور یہاں سے جاؤ۔''

جواد ہاشمی نے سوچتی ہوئی نظروں سے عینی کو دیکھا وہ گم ہونے کے بعد مقدر سے اس کے ہاتھ آ رہی تھی اور وہ یہ موقع کھونا نہیں چاہتا تھا۔

اس نے پاشا کے ہاتھ کو تھام کر کہا ''میں ابھی چلا جاؤں گا لیکن میری ایک بات سن لو۔''

''ہاں...... فرماؤ......''

''یہاں نہیں...... میری کار کی طرف چلو۔''

''ٹھیک ہے...... آؤ......''

وہ جواد کے ساتھ چلتا ہوا کار کی اگلی سیٹ کی طرف آیا۔

جواد نے کہا ''تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ اسے نظر نہیں آتا۔ اس کے علاوہ یہ ایب نارمل بھی ہے۔ اس کا دماغ ذرا کھسکا ہوا ہے۔ میں اسے بحفاظت گھر لے جانا چاہتا ہوں۔''

''میں بھی اسے حفاظت سے گھر پہنچانے جا رہا ہوں۔''

جواد نے ایک گہری سانس لی پھر کہا ''کھڑکی کے اندر ہاتھ ڈالو اور ڈیش بورڈ کا خانہ کھولو۔''

''میں تمہارا مقدر سنوارنا چاہتا ہوں۔''

وہ طنزیہ انداز میں بولا ''اچھا تو میں ڈیش بورڈ کا خانہ کھولوں گا تو کیا میرے نام لاٹری نکلے گی؟''

جواد نے کہا ''ہاں...... یہی سمجھو۔''

پاشا جانی نے کچھ سوچا پھر کھڑکی کے اندر ہاتھ ڈال کر ڈیش بورڈ کے خانے کو کھولا تو ٹھٹک گیا۔ وہاں بڑے بڑے نوٹوں کی گڈیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے دیدے پھاڑ کر ان گڈیوں کو دیکھا پھر کہا ''ارے واہ...... یہاں تو قارون کا خزانہ چھپا ہوا ہے۔''

یہ کہہ کر وہ جواد کی طرف پلٹا تو ایک دم سے چونک گیا۔ جواد کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور وہ بڑی سفاکی سے کہہ رہا تھا۔ ''میں خون خرابا اور شور شرابے کو پسند نہیں کرتا۔ اگر بات بڑھاؤ گے تو یہ رقم تمہیں نہیں ملے گی اور وہ لڑکی میرے ہاتھ نہیں آئے گی۔ اس طرح دونوں نقصان میں رہیں گے۔ بولو! موت چاہتے ہو یا دولت......؟''

وہ ہنستے ہوئے بولا ''میں کیا پاگل کا بچہ ہوں؟ جو دولت کو چھوڑ کر موت کو گلے لگاؤں گا۔ بڑے بھائی! ریوالور کو جیب میں رکھ لو اور مجھے یہ بتاؤ کہ میں اس میں سے کتنی رقم لے سکتا ہوں؟''

''یہ ایک ایک لاکھ کی گڈیاں ہیں۔ بس...... ایک گڈی اٹھالو......''

معاملات طے ہو گئے۔ ان دونوں نے عینی کے مقدر کا فیصلہ کر دیا۔

واہ...... مقدر میں ہوں اور فیصلہ وہ کر رہے ہیں۔
انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں ایک بازی گر ہوں۔
دوست بھی ہوں
اور دشمن بھی ہوں
اے لوگو!
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں
تمہارے ساتھ ہی مرجاتا ہوں
میں مقدر ہوں
ایک بازی گر ہوں......

رات بڑی مہربان ہوتی ہے۔ اپنے سیاہ آنچل میں گناہوں کو اور جرائم کو چھپا لیتی ہے۔ وہ دونوں بھی ایک جرم کے سلسلے میں ساز باز کر رہے تھے۔ ان سے ذرا دور ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر عینی بیٹھی ہوئی تھی۔ ہیڈ لائٹس کی روشنی میں وہ دونوں دھندلے دھندلے سے دکھائی دے رہے تھے۔

وہ اتنی دور سے یہ نہیں دیکھ سکتی تھی کہ جواد ہاشمی کے ہاتھ میں ریوالور ہے اور وہ ریوالور کے بل پر پاشا جانی سے عینی کا سودا کر چکا ہے اور اب وہ ڈرائیور اسے جواد کے حوالے کر کے جانے والا ہے۔

وہ سڑک دور تک ویران تھی۔ کبھی کبھی ایک آدھ گاڑی ان کے قریب سے گزرتی تھی لیکن تیز رفتاری سے جانے والے یہ نہیں دیکھ پاتے تھے کہ ایک کے ہاتھ میں ریوالور ہے اور دوسرا نوٹوں کو دیکھ کر اپنا ایمان کھو رہا ہے۔

جواد ہاشمی نے اس سے کہا ''دیر نہ کرو۔ ڈیش بورڈ کے خانے سے ایک گڈی اٹھاؤ۔ پھر میں عینی کو گن پوائنٹ پر رکھ کر اپنی گاڑی میں لے آؤں گا۔''

پاشا جانی نے کھڑکی کے اندر ہاتھ ڈال کر ڈیش بورڈ کے خانے سے ایک گڈی اٹھانی چاہی تو دوسری گڈیاں نیچے گر پڑیں۔ وہ بولا ''سوری بڑے بھائی! میں ابھی انہیں اٹھا کر رکھتا ہوں۔''

انہیں سیٹ کے نیچے سے اٹھانے کے لیے دروازہ کھولنا ضروری تھا۔ اس نے دروازے کو ایک زوردار جھٹکے سے اس طرح کھولا کہ وہ کھلتے ہی جواد سے جا ٹکرایا۔ وہ اس اچانک افتاد کے لیے تیار نہ تھا۔ ایکدم سے ڈگمگاتا ہوا پیچھے کی طرف گیا۔

دوسرے ہی لمحے میں اس کے ہاتھ پر ایک لات پڑی۔ ریوالور چھوٹ کر فضا میں اچھلا پھر اس سے پہلے کہ وہ ریوالور زمین تک آتا۔ پاشا جانی نے ایک قلانچ بھر کر فوراً ہی اسے کیچ کر لیا۔

جواد اس کی طرح پھرتیلا نہیں تھا۔ کار کے دروازے سے ٹکراتا ہوا بونٹ کی طرف آیا تھا۔ پھر اس نے پلٹ کر دیکھا تو بازی پلٹ چکی تھی۔ اس کا ریوالور اب اس ڈرائیور کے ہاتھ میں دکھائی دے رہا تھا۔

پاشا نے پوچھا ''کیا خیال ہے بڑے بھائی!''

جواد سہم کر تھوک نگلتے ہوئے اس ریوالور کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر بولا ''اسے سامنے سے ہٹاؤ۔ گولی چل جائے گی۔''

''مجھ پر بھی گولی چل سکتی تھی۔ لیکن میں نے تم سے رحم کی بھیک نہیں مانگی تھی۔''

اس نے دور ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی عینی کی طرف دیکھا پھر کہا ''دیکھو! سودا طے کر لو...... ایک لاکھ کے بجائے دو لاکھ لے لو۔''

وہ مسکرا کر بولا ''میں نے تمہارے جیسا گدھا نہیں دیکھا۔ جب ہتھیار میرے پاس ہے، طاقت میرے پاس ہے، تو لڑکی بھی میری ہے اور تمہاری ساری دولت بھی میری ہے۔ تم مجھے کیا دو گے؟ اب تو سب کچھ میرا ہے۔''

وہ بولا ''دیکھو! مجھ سے دشمنی نہ کرو۔ تم نہیں جانتے کہ میری پہنچ کتنی اوپر تک ہے؟''

''اور تم یہ بھول رہے ہو کہ اسی ریوالور سے چلنے والی ایک گولی تمہیں بہت اوپر پہنچا دے گی۔''

عینی آگے کی طرف جھک کر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ونڈ اسکرین کے پار دیکھ رہی تھی۔ اس نے پریشان ہو کر سوچا ''پتا نہیں یہ دونوں کیا سازش کر رہے ہیں کاش! میری آنکھیں ٹھیک ہوتیں تو میں اس ویران علاقے میں کسی جگہ جا کر چھپ جاتی۔ اس اسمگلر نے ایسا خوفزدہ کیا ہے کہ اب تنہا ویران راستوں پر بھٹکنے کا سوچ کر ہی جھرجھری سی آ رہی ہے۔ یا خدایا میری مدد فرما......''

وہ دیکھ رہی تھی۔ ان میں سے ایک ہیولا دروازے سے ٹکرا کر پیچھے کی طرف گیا تھا اور دوسرا ہیولا ایک دم سے اچھل پڑا تھا۔ جیسے کرکٹ کا کھلاڑی گیند کو کیچ کر رہا ہو۔

عینی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے؟ اس سے پہلے اس نے اپنے ڈرائیور کو تین غنڈوں سے لڑتے جھگڑتے دیکھا تھا۔ اسے وہی منظر یاد آنے لگا۔ اس نے گھبرا کر سوچا۔ دور دور تک ویرانہ تھا۔ سمندر کی لہروں کے علاوہ کوئی دوسری آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ چاہتے ہوئے بھی ٹیکسی سے نہ اتر سکی۔ دل ہی دل میں مختلف آیتوں کا ورد کرنے لگی۔

پاشا جانی نے جواد سے کہا ''تم نے ریوالور سے میرا نشانہ لیا تھا۔ اور پوچھا تھا کہ میں موت چاہتا ہوں یا دولت......؟ تم اچھی طرح جانتے تھے، میں اپنی جان بچانے کے لیے دولت کو ترجیح دوں گا۔ مگر یہ نہیں جانتے تھے کہ ہماری دنیا میں سب بے ایمان اور لالچی نہیں ہوتے۔ اگر مجھے حرام کھانے کی لت ہوتی تو میں ایک لاکھ روپے لے کر فوراً ہی لڑکی کو تمہارے حوالے کر دیتا۔ اب میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔ بولو! موت چاہتے ہو یا اپنی سلامتی......؟''

وہ سہم کر عاجزی سے بولا ''میں...... میں سلامتی چاہتا ہوں، پلیز...... مجھے یہاں سے جانے دو۔''

''ہاں...... اسی میں تمہاری خیریت ہے۔ چپ چاپ

اپنی گاڑی میں بیٹھو اور یہاں سے جاؤ۔"

وہ تو جیسے اپنی جان چھڑانا چاہتا تھا۔ فوراً ہی تیزی سے چلتا ہوا اسٹیئرنگ سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ اسے اسٹارٹ کر کے آگے جانا ہی چاہتا تھا کہ پاشا جانی نے ایک فائر کیا۔ ٹھائیں کی آواز کے ساتھ ہی اس کی کار کا ایک پہیہ پنکچر ہو گیا۔

عینی فائر کی آواز پر چونک گئی۔ ایک دم سہم کر دل ہی دل میں گڑگڑانے لگی "یا خدا! یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ ایک مصیبت سے نکلتی ہوں تو دوسری مصیبت میں پھنس جاتی ہوں۔ میرے مالک! مجھ پر رحم فرما۔ مجھے کسی طرح عروج کے پاس پہنچا دے۔"

ادھر جواد نے خوفزدہ ہو کر پاشا جانی سے پوچھا "یہ...... یہ تم کیا کر رہے ہو؟"

وہ بولا "تمہیں بے کار کر رہا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ تم میری ٹیکسی کا پیچھا کرو۔"

"میں تمہارا پیچھا نہیں کروں گا۔ میں اپنی ممی کی قسم کھا کر کہتا ہوں پلیز...... مجھ پر گولی نہ چلانا۔ میں چپ چاپ یہاں بیٹھا رہوں گا۔ تم عینی کو لے جاؤ۔"

وہ اسے گن پوائنٹ پر رکھ کر الٹے قدموں چلتا ہوا ٹیکسی کی اسٹیئرنگ سیٹ پر آ گیا۔ عینی نے پوچھا "یہ...... یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ گولی کس نے چلائی تھی؟"

وہ ٹیکسی اسٹارٹ کر کے اسے آگے بڑھاتے ہوئے بولا "یہ تمہاری بدنصیبی ہے۔ تم دیکھتے ہوئے بھی دیکھ نہیں پاتیں کہ تمہارے خلاف کیا کچھ ہوتا رہا تھا؟ بہرحال تمہارا مقدر اچھا ہے۔ میں تمہیں اسپتال پہنچا رہا ہوں۔"

وہ خوف سے لرزتے ہوئے بولی "کیا تم نے جواد کو قتل کر دیا ہے؟"

"نہیں...... صرف اس کی گاڑی کا ایک پہیہ پنکچر کیا ہے۔ تاکہ وہ تمہارا پیچھا نہ کر سکے۔"

"میں کیسے یقین کروں کہ تم نے اسے قتل نہیں کیا ہے؟ تم ٹیکسی چلاتے ہو اور اپنے ساتھ ریوالور بھی رکھتے ہو؟"

وہ عقب نما آئینے میں اسے دیکھتے ہوئے بولا "یہ ریوالور میرا نہیں...... جواد کا ہے۔ وہ مجھے گن پوائنٹ پر رکھ کر مجبور کر رہا تھا کہ میں اس سے ایک لاکھ روپے لے لوں اور تمہیں اس کے حوالے کر دوں۔ اس کی کار میں لاکھوں روپے کی گڈیاں رکھی ہوئی تھیں۔ میں چاہتا ابھی تمہارا سودا کر سکتا تھا۔"

وہ بول رہا تھا لیکن عینی یقین نہیں کر سکتی تھی کہ ایک معمولی ٹیکسی ڈرائیور لاکھوں روپے چھوڑ کر ایک تنِ تنہا لڑکی کی حفاظت کرے گا۔ اور خالی ہاتھ رہے گا۔ اس کے دماغ میں خطرے کی گھنٹیاں بج رہی تھیں۔

اس نے سوچا "پتا نہیں...... یہ مجھے کہاں لے جا رہا ہے؟ اس کے پاس ریوالور بھی ہے۔ میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکوں گی۔ چیخنا چاہوں گی تو یہ مجھے گولی مار دے گا۔"

وہ سوچ رہی تھی اور بار بار کھڑکی کے باہر دیکھ رہی تھی۔ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ وہ کس راستے سے گزر رہی ہے؟ چاندنی میں گزرتے ہوئے مناظر سمجھ نہیں آ رہے تھے۔

وہ پریشان ہو کر بولی "تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟ کتنی دیر سے گاڑی چلا رہے ہو۔ ابھی تک اسپتال کیوں نہیں آیا؟"

"اسپتال چل کر تمہارے پاس نہیں آئے گا۔ وہ جہاں ہے وہیں رہے گا۔ تم اسپتال پہنچنے والی ہو۔"

"لیکن تم کس راستے سے گزر رہے ہو۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔"

"اس وقت ہم ہوٹل میٹروپول سے آگے نکل چکے ہیں اور اب ایئرپورٹ روڈ پر پہنچنے والے ہیں۔ اسپتال زیادہ دور نہیں ہے۔"

وہ کھڑکی سے باہر دیکھتی ہوئی بے یقینی سے بولی "نہیں...... تم جھوٹ بول رہے ہو۔ باتیں بنا رہے ہو۔"

ٹیکسی اچانک ہی ایک جھٹکے سے رک گئی۔ اس نے سہم کر پوچھا "یہ تم نے گاڑی کیوں روک دی؟ میں باہر نہیں نکلوں گی۔ گاڑی چلاؤ۔"

ڈرائیور نے پلٹ کر کہا "ادھر دیکھو......"

اس نے دیکھا۔ وہ ہاتھ بڑھا کر اسے ریوالور دکھا رہا تھا۔ وہ دہشت زدہ سی ہو کر پیچھے کھسک گئی۔ ٹیکسی کے ننھے سے بلب میں ریوالور دھندلا دھندلا سا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ بولا "ڈرو مت...... میں یہ ریوالور تمہیں دے رہا ہوں۔ تاکہ تم اپنی حفاظت کر سکو۔"

اس نے بے یقینی سے پاشا جانی کو دیکھا پھر فوراً ہی لپک کر اس کے ہاتھ سے ریوالور لے لیا۔ پاشا نے پوچھا "کیا تم اسے چلانا جانتی ہو؟"

وہ ریوالور کا چیمبر چیک کر رہی تھی پھر بولی "ہاں...... جہاں دولت ہوتی ہے، وہاں ان ہتھیاروں کا استعمال سیکھ پڑتا ہے۔"

"یہ پوری طرح لوڈ ہے۔ میں نے صرف ایک گولی چلائی تھی۔ کیا اب تم مطمئن ہو؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی "ہاں...... اب گاڑی چلاؤ اور شارٹ کٹ راستہ اختیار کرو۔"

وہ گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاتے ہوئے بولا "کوئی شارٹ کٹ راستہ نہیں ہے۔ تم چاہو تو مجھے گولی مار سکتی ہو۔ مگر اسپتال پہنچنے کے بعد ایسا کرنا۔ اس سے پہلے مجھے مارو گی تو تمہیں وہاں تک پہنچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔ ہو سکتا ہے، بہت سے مدد کے لیے آئیں۔ لیکن تم آزما چکی ہو کہ مدد کو آنے والے کیسے کیسے گل کھلاتے ہیں؟"

اب اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ وہ مطمئن تھی۔ اگر وہ اسے بھٹکانا چاہتا تو وہ کسی وقت بھی اس سے پیچھا چھڑا سکتی تھی۔

وہ بولی "ایک بات بتاؤ، تم نے یہ ریوالور اپنی حفاظت کے لیے رکھا ہے پھر اسے میرے حوالے کیوں کر دیا؟"

"اب میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں؟ یہ ریوالور میرا نہیں ہے۔ اسی جواد کا ہے۔ جو تمہیں جبراً لے جانا چاہتا تھا۔ کیا وہ تمہارا کوئی رشتہ دار ہے؟"

"ہاں...... وہ میرا سوتیلا بھائی ہے۔"

وہ بولا "تو پھر گھر پہنچ کر یہ ریوالور اس کے حوالے کر دینا پھر تمہیں یقین ہو جائے گا کہ یہ میرا نہیں ہے۔ اور نہ ہی میں ایسی خطرناک چیزیں پالتا ہوں۔"

عینی جواد کے بارے میں سوچنے لگی کہ وہ اسے جبراً اپنے ساتھ کیوں لے جانا چاہتا تھا۔ پاشا جانی کے بیان کے مطابق جواد نے اسے گن پوائنٹ پر رکھا تھا لیکن پاشا نے اس سے ریوالور چھین لیا تھا۔ اس کی کار کے ایک پہیے کو پنکچر کر دیا تھا۔

پاشا جانی کا یہ بیان جھوٹا ہو سکتا تھا۔ لیکن جواد کا ریوالور اس وقت عینی کے ہاتھ میں تھا۔ اور یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ جواد نے یقیناً پاشا جانی کو گن پوائنٹ پر رکھا ہوگا۔ اور ایک نیم اندھی لڑکی کا سودا کرنا چاہا ہوگا۔

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے پاشا جانی کو دیکھنے لگی۔ وہ ونڈ اسکرین پر نظریں جمائے ٹیکسی ڈرائیو کر رہا تھا۔ عینی کو صرف اس کی پشت نظر آ رہی تھی۔ اس نے بڑے اعتماد سے ریوالور اس کے حوالے کیا تھا۔ اس بات کا خوف نہیں تھا کہ وہ اسے گولی مار سکتی ہے۔ اس کا یہ اعتماد عینی کو متاثر کر رہا تھا۔

وہ ٹیکسی کی رفتار سست کرتے ہوئے بولا "یہ لو...... تم اسپتال کے احاطے میں داخل ہو چکی ہو۔ اب بتاؤ، کس طرف جانا ہے؟"

"یہاں ایک پی سی او ہے، وہاں چلو۔"

اس نے پی سی او کے سامنے ٹیکسی روک دی۔ وہ ٹیکسی سے اترنے لگی تو پاشا نے کہا "ریوالور کو آنچل میں چھپا لو۔"

عینی نے اترتے وقت ریوالور کو آنچل میں چھپا لیا۔ پھر پی سی او کے کمرے میں آ کر عروج کے موبائل پر رابطہ کیا۔ وہ عینی کی آواز سنتے ہی ایک دم سے اچھل پڑی۔ پھر بولی "تو کہاں ہے؟ خیریت سے تو ہے ناں......؟"

"بالکل خیریت سے ہوں اور اس وقت تیرے اسپتال کے احاطے میں ہوں۔ پی سی او سے بول رہی ہوں۔ فوراً یہاں آ جا۔"

"بس ابھی آئی......"

عینی نے پی سی او سے باہر آ کر پاشا جانی کو احسان مندی سے دیکھا پھر کہا "سوری! میں تم پر شبہ کر رہی تھی۔"

"سوری نہ کہو۔ تم جن حالات سے گزرتی آ رہی ہو۔ ان کے نتیجے میں شبہ کرنا ہی تھا۔ میں کون سا تمہارا سگا ہوں۔ جو تم مجھ پر اعتماد کر لیتیں" "میرے جو سگے ہیں وہ قابلِ اعتماد نہیں ہیں۔ میں فی الحال جس دنیا میں سانس لے رہی ہوں اس مختصر سی دنیا میں میرا کوئی اپنا نہیں ہے۔ کوئی قابلِ اعتماد نہیں ہے۔"

وہ بولا "ایسا نہ کہو۔ یہ سہیلی ضرور قابلِ اعتماد ہے اسی لیے تم سب سے پہلے اس کے پاس آئی ہو۔"

وہ مسکرا کر بولی "ہاں...... تم درست کہتے ہو۔ بس یہی ایک سہیلی ہے۔ جسے میں ٹوٹ کر چاہتی ہوں۔ اور اس پر اندھا اعتماد کرتی ہوں۔"

"کیا یہ اسپتال میں ملازمت کرتی ہے؟"

"ہاں...... اس کا نام ڈاکٹر عروج ہے۔ اس کے والد سید تراب علی شاہ ایک اچھے بزنس مین ہیں۔ ان کے پاس مال و دولت کی کمی نہیں ہے پھر بھی یہ یہاں ملازمت کرتی ہے۔ اس کے اندر دکھی انسانیت کے کام آنے کا جذبہ ہے اور یہ یہاں اپنے جذبے کی تسکین کرتی رہتی ہے۔"

وہ عروج کا نام سنتے ہی چونک گیا۔ ایسے ہی وقت اسے عروج کی آواز سنائی دی۔ وہ دور ہی سے چیختی چلاتی ہوئی آ رہی تھی۔ "عینی...... ! میری جان! تو آ گئی؟"

دونوں سہیلیاں ایک دوسرے سے لپٹ گئیں۔ پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ پاشا جانی ایک طرف کھڑا انہیں دیکھ رہا تھا اور انتظار کر رہا تھا کہ عروج اسے بھی مخاطب کرے گی۔

عینی رو رو کر کہہ رہی تھی "پتا نہیں...... مجھے کس گناہ کی سزا مل رہی تھی؟ میں شام سے بھٹک رہی تھی۔ تاریکی میں ویرانے میں اپنوں کو پکارتی رہی تھی مگر کہیں سے کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ اگر کوئی آتا بھی تھا تو وہ دشمن ہوتا تھا۔ میری سمجھ میں

نہیں آ رہا تھا کہ میں کس طرح دلدل میں دھنستی جا رہی ہوں؟ یوں لگ رہا تھا جیسے میں کبھی اس ویرانے سے نکل نہیں پاؤں گی۔"

وہ بولتی جا رہی تھی اور روتی جا رہی تھی۔ عروج نے اسے تھپکتے ہوئے کہا "چپ ہو جا۔ بس آنسو پونچھ لے۔ پہلے کمرے میں چل کر آرام سے بیٹھ۔ میں تیرے لیے کھانے کا انتظام کرتی ہوں تو شام سے بھوکی ہوگی۔"

پاشا جانی ایک طرف کھڑا عروج کو دیکھ رہا تھا۔ ان لمحات میں اس کی نظریں عروج پر جم گئی تھیں۔ اس کا انتظار انتظار ہی رہ گیا۔

ایسے وقت عروج نے اسے دیکھا پھر عینی سے کہا "ہمیں چلنا چاہیے۔ اس بے چارے ڈرائیور کو تو رخصت کر دو۔"

عینی نے کہا "میں تو خالی ہاتھ بھٹکتی ہوئی یہاں تک آئی ہوں۔"

عروج نے پاشا جانی کو دیکھا پھر کہا "تم ذرا انتظار کرو۔ میں پیسے لے کر آتی ہوں۔"

وہ ہاتھ اٹھا کر بولا "نہیں۔ مجھے کرایہ مل چکا ہے۔"

عینی نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا پھر پوچھا "تمہیں کس نے کرایہ دیا ہے؟ جھوٹ کیوں بول رہے ہو؟"

"میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔ زندگی میں کبھی کبھی کسی کے ساتھ نیکی کرنے کا موقع ملتا ہے تو میں ایسے وقت نیکی کر کے دریا میں ڈال دیتا ہوں۔"

وہ پلٹ کر ٹیکسی میں بیٹھنا چاہتا تھا۔ عروج نے آگے بڑھ کر کہا "رک جاؤ......"

پاشا کو اس کا اپنی طرف آنا اور رکنے کے لیے کہنا بہت اچھا لگا۔ یوں لگا جیسے، زندگی اسے اپنی طرف بلا رہی ہو۔ وہ قریب آ کر بولی "رات کے دو بج رہے ہیں۔ تم بڑی حفاظت سے میری محبت کو میرے پاس لے آئے ہو۔ تمہیں کرایہ لینا ہوگا۔"

وہ اسے بڑی لگن سے دیکھتے ہوئے بولا "ہاں۔ میں یہی محسوس کر رہا ہوں کہ میں محبت کو محبت کے پاس لے آیا ہوں۔ میرا مقدر مجھے محبت کرنا سکھا رہا ہے اور محبت سیکھنے کی نہ فیس لی جاتی ہے، نہ دی جاتی ہے۔"

اس نے اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ کر دروازے کو بند کیا۔ عینی نے آگے بڑھ کر کہا "پاشا جانی! تم بہت اچھے ہو۔ میں تم سے پھر ملاقات کرنا چاہوں گی۔ آج دشمنوں کے ہجوم میں تم اپنے اپنے سے لگے ہو۔ کیا پھر ملو گے؟"

اس نے عروج کی طرف دیکھا پھر کہا "اگر تم چاہتی ہو تو میں تم دونوں سے ملوں گا۔"

عروج نے پوچھا "تمہارے پاس کاغذ قلم ہے؟ میرا فون نمبر نوٹ کرو۔"

اس نے ڈیش بورڈ کے خانے سے کاغذ اور قلم نکالا پھر عروج کے اسپتال کا اور موبائل کا نمبر لکھنے لگا۔ اس کے بعد بولا "میں کل کسی وقت عینی کی خیریت معلوم کرنے آؤں گا۔"

"آنے سے پہلے فون کر لینا۔ تاکہ معلوم ہو سکے، ہم یہاں اسپتال میں ہیں یا گھر میں......؟"

پاشا جانی ٹیکسی ڈرائیو کرتا ہوا واپسی کے لیے مڑ گیا۔ وہ دونوں کھڑی ہوئی اسے دیکھ رہی تھیں۔ پاشا نے عقب نما آئینے کو ایسے زاویے پر رکھا کہ دور تک جانے کے بعد بھی عروج نظر آتی رہے۔

وہ آہستہ آہستہ ٹیکسی چلا رہا تھا۔ اسٹریٹ لائٹ کی روشنی میں کھڑی ہوئی عروج دکھائی دے رہی تھی۔ آگے جا کر اسے مین سڑک پر مڑنا پڑا۔ ایسے وقت وہ حسین نظارہ عقب نما آئینے سے غائب ہو گیا۔ وہ ایک گہری سانس لے کر وہاں سے دور ہوتا چلا گیا۔

وہ دونوں اسپتال کے احاطے میں آ گئیں۔ عینی نے کمرے میں آتے ہی دوپٹے میں چھپے ہوئے ریوالور کو نکالا۔ عروج نے اسے دیکھتے ہی چونک کر پوچھا "یہ ریوالور تیرے پاس کہاں سے آ گیا؟"

وہ بولی "یہ میرے سوتیلے بھائی جواد ہاشمی کا ریوالور ہے۔ وہ اس ریوالور کے بل پر مجھے جبراً لے جانا چاہتا تھا۔ اگر یہ ٹیکسی ڈرائیور پاشا جانی نہ ہوتا تو پتا نہیں وہ مجھے کہاں لے جاتا؟"

"آرام سے بیٹھ کر باتیں کر۔ میں تیرے لیے کھانا گرم کرتی ہوں۔"

وہ کھانا گرم کرنے لگی اور وہ اسے اپنی روداد سنانے لگی۔ کھانے کے دوران بھی اس کی روداد جاری رہی۔ عروج بڑے دکھ سے اور بڑی محبت سے اس کی تمام باتیں سنتی رہی پھر اس نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس کی پیشانی کو چوم کر کہا "میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تجھ پر ایسی مصیبتیں نازل ہوں گی۔ نہ جانے کیوں تیرے مقدر میں یہ مصیبتیں لکھی ہوئی تھیں؟ خدا کا شکر ہے کہ تو خیر خیریت سے واپس آ گئی ہے۔"

وہ بولی "یوں دیکھا جائے تو جو مقدر بگڑ گیا تھا۔ وہی مجھے بہ حفاظت تیرے پاس لے آیا ہے۔"

"سمجھ نہیں آتی کہ کون تجھ سے دشمنی کر رہا ہے؟ تیری روداد سننے کے بعد یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ تیرا سوتیلا بھائی

جواد ہی ایسا کر رہا ہے۔ اسی نے وہ غنڈے تیرے پیچھے لگائے تھے جو تجھے اغوا کرنا چاہتے تھے۔ آخر میں بھی وہی ریوالور لے کر آیا تھا اور تجھے جبراً اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔"

عینی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کسی سوچ میں گم ہو گئی تھی۔ عروج نے پوچھا "کیا سوچ رہی ہے؟"

وہ چونک کر بولی "وہ...... میں اس ڈرائیور کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔ اگر وہ نہ ہوتا تو کیا ہوتا؟"

عروج کو وہ قد آور جوان یاد آیا۔ اس نے اسے محض ایک ڈرائیور سمجھ کر نظر انداز کیا تھا لیکن عینی کی روداد سننے کے بعد اس کی اہمیت کا احساس ہونے لگا۔ وہ بولی "وہ ایک ٹیکسی ڈرائیور ہے مگر نہایت ہی دلیر اور ایمان دار ہے۔ یقین نہیں آتا کہ اس نے تیری خاطر لاکھوں روپے چھوڑ دیئے۔ یہ ریوالور جواد کے پاس تھا۔ اس نے کتنی دلیری سے مقابلہ کر کے یہ ریوالور اس سے چھینا ہوگا؟ تو تو وہاں موجود تھی۔ انہیں لڑتے جھگڑتے دیکھ رہی ہوگی؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی "میں کچھ فاصلے پر تھی۔ ہیڈ لائٹس کی روشنی میں وہ بہت دھندلے دھندلے سے دکھائی دے رہے تھے۔ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے؟"

عروج نے پوچھا "تو نے اس کا کوئی نام لیا تھا۔"

"ہاں اس نے اپنا نام سلامت پاشا بتایا تھا۔ کہہ رہا تھا۔ سب اسے پاشا جانی کہتے ہیں۔ اس کی جواں مردی اور فرض شناسی نے تجھے متاثر کیا ہے۔ ویسے یہ بتا، وہ دیکھنے میں کیسا ہے؟ میں نے تو جب بھی دیکھا وہ دھندلا دھندلا سا دکھائی دیا۔"

وہ جیسے عروج کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے توجہ سے پاشا جانی کو نہیں دیکھا تھا۔ بس اس حد تک یاد آیا کہ وہ ایک خوب رو جوان تھا۔

عروج نے کہا "میں نے اسے توجہ سے نہیں دیکھا تھا۔ تجھے پا لینے کی خوشی ایسی تھی کہ میں کسی دوسری طرف دھیان دے ہی نہیں سکتی تھی۔"

وہ دونوں تھوڑی دیر کے لیے چپ ہو گئیں۔ عینی اپنے تصور میں اس دھندلے دھندلے سے نوجوان کو دیکھ رہی تھی اور عروج سوچ رہی تھی کہ اس نے اسے توجہ سے کیوں نہیں دیکھا تھا؟ اور جب توجہ سے دیکھا ہی نہیں تھا تو اب وہ کیوں متاثر کر رہا تھا؟ کیا اس لیے کہ اس نے اس کی جان سے زیادہ عزیز سہیلی کی جان بچائی ہے۔ اسے بہ حفاظت اس کے پاس پہنچایا ہے؟ یا اور کوئی بات تھی جو اس وقت سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

☆☆☆

داؤد سبحانی پچاس برس کا ایک صحت مند بوڑھا تھا۔ اسے دیکھنے والے بوڑھا نہیں کہتے تھے لیکن جوان بھی نہیں کہہ سکتے تھے۔ یعنی وہ ابھی جوانی اور بڑھاپے کے درمیان سانسیں لے رہا تھا۔ بظاہر امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس کرتا تھا لیکن درپردہ انڈر ورلڈ کے چار گاڈ فادر میں سے ایک تھا۔ ملک کے سیاست دانوں کی کمزوریوں سے کھیلتا رہتا تھا اور انہیں بلیک میل کر کے اپنا الو سیدھا کرتا رہتا تھا۔

وہ دردانہ بیگم کے دور کے رشتے کا بھائی تھا۔ اسے چھوٹی بہن کی طرح چاہتا تھا اور اس کے اچھے برے وقت میں کام آتا رہتا تھا۔ عینی کے معاملے میں بھی اس کے کام آ رہا تھا۔ یہ جانتا تھا کہ دردانہ بیگم ہر حال میں عینی کو اپنی بہو بنا لینا چاہتی ہے۔ یہ رشتا قائم ہونے کے بعد عینی کے باپ فلک سکندر حیات کے تمام کاروبار پر قبضہ جما سکتی تھی اور تمام دولت و جائیداد پر بھی ہاتھ صاف کر سکتی تھی۔

اس نے داؤد سبحانی سے کہا "بھائی! گھی سیدھی انگلی سے نہیں نکل رہا ہے۔ میں اس نیم اندھی لڑکی کو بھرپور ممتا دے رہی ہوں۔ کسی بات کی کمی نہیں کر رہی ہوں۔ پھر بھی وہ میرے بیٹے جواد کی طرف مائل نہیں ہو رہی ہے اب تو ایک ہی راستہ رہ گیا ہے کہ میں جبراً اس کی شادی اپنے بیٹے سے کراؤں۔ جب میرا بیٹا اسے زیر کرے گا، اسے اپنے بچے کی ماں بنائے گا تب وہ ٹھنڈی پڑ جائے گی اور حالات کے سامنے سر جھکا لے گی۔"

داؤد سبحانی نے تائید کی "ہاں۔ یہ اچھی تدبیر ہے۔ تم اس ارب پتی شہزادی کو اسی طرح اپنے قابو میں کر سکتی ہو۔"

دونوں نے پلاننگ کی پھر داؤد سبحانی نے کہا "میرے پاس کئی خفیہ اڈے ہیں۔ عینی کو اغوا کر کے وہاں پہنچایا جائے گا۔ وہیں جواد سے اس کا نکاح پڑھا دیا جائے گا پھر جواد اس کے ساتھ وہاں ازدواجی زندگی گزارتا رہے گا اور جب تک وہ ماں نہیں بنے گی۔ اس وقت تک کسی کو یہ معلوم نہیں ہو سکے گا کہ ہم نے اسے کہاں چھپا کر رکھا ہے؟"

داؤد سبحانی نے اس منصوبے کے مطابق اپنے تینوں غنڈوں کو حکم دیا کہ وہ عینی کو اغوا کر کے اس کے ایک خفیہ اڈے میں پہنچا دیں۔ ایک نیم اندھی لڑکی کو اغوا کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔

لیکن جب اغوا کی واردات شروع ہوئی تب پتا چلا کہ وہ لڑکی تر نوالہ نہیں ہے۔ آسانی سے حلق میں نہیں اترے گی۔

دردانہ نے آدھی رات کے بعد فون کیا اور داؤد سبحانی کو بتایا کہ اس کے تین حواری ناکام ہو گئے ہیں۔ عینی ہاتھ آتے آتے پولیس کی کسٹڈی میں پہنچ گئی ہے۔

داؤد سبحانی ایک گھنٹے بعد اس سے ملنے کے لیے آیا پھر بولا "پولیس کے محکمے میں میری پہنچ بہت دور تک ہے۔ میں عینی کو پولیس کسٹڈی سے نکال کر اپنے خفیہ اڈے میں پہنچا سکتا ہوں۔"

دردانہ نے کہا "پھر تو آپ کو یہ کام فوراً ہی کرنا چاہیے۔ ورنہ پولیس والے اسے اس کے گھر پہنچا دیں گے۔"

"اب اسے گھر پہنچنے ہی دو۔ میرے لیے مشکل یہ ہے کہ عینی کا چچازاد بھائی ذیشان سپرنٹنڈنٹ آف پولیس ہے۔ اس نے عینی کو اپنی تحویل میں رکھا ہوگا اور شاید اب تک اسے گھر لے گیا ہوگا۔"

وہ بولی "میں حیران ہوں کہ وہ اندھی اس تاریکی میں ان حواریوں کو کس طرح دھوکا دیتی رہی؟ اور ان سے بچ کر کیسے نکل گئی؟"

"اندھی کے لیے تاریکی کیا اور روشنی کیا؟ وہ تاریکی میں اس لیے کامیاب ہوئی کہ ہمارے تین حواری روشنیوں کے عادی تھے۔ اس لیے اندھیرے میں اسے تلاش نہ کر سکے اور بھٹکتے رہے۔ تم فلک آفتاب کو یا ذیشان کو فون کرو۔ معلوم کرو کہ وہ وہاں پہنچ گئی ہے یا نہیں؟"

وہ ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کرنا چاہتی تھی۔ اسی وقت جواد ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ دردانہ نے پوچھا "تم اتنی رات کو کہاں سے آ رہے ہو؟"

"کچھ نہ پوچھیں کہ کہاں سے آ رہا ہوں؟ اس اندھی نے بہت خوار کیا ہے۔ ہاتھ آتے آتے پھر سے نکل گئی ہے۔"

دردانہ نے چونک کر پوچھا "کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تم عینی تک پہنچ گئے تھے؟"

وہ ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا "ہاں۔ میں نے ابھی ایک گھنٹا پہلے اسے ایک ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ دیکھا تھا۔ میں نے اس ٹیکسی والے کو روک کر عینی سے کہا کہ وہ میرے ساتھ چلے لیکن اس نے انکار کر دیا۔ وہ مجھ پر بھروسا کرنے کے بجائے اس ٹیکسی والے پر بھروسا کر رہی تھی۔"

پھر وہ دردانہ بیگم اور داؤد سبحانی کو تمام تفصیلات بتانے لگا کہ وہ ٹیکسی والا نہ تو لاکھوں روپے کے لالچ میں آیا اور نہ ہی ریوالور کی دھونس میں۔ وہ بڑا جیدار تھا۔ اس کا ریوالور بھی چھین کر لے گیا۔

داؤد سبحانی نے غصے سے کہا "تمہیں شرم نہیں آتی۔ وہ نہتا تھا اور تمہارے پاس ریوالور تھا پھر بھی تم اس سے مات کھا گئے اور عینی کو اس کے ساتھ روانہ کر کے یہاں آ گئے۔"

"انکل! میں بزدل اور کمزور نہیں ہوں۔ اس نے اچانک ہی ایسی چال چلی تھی، جس کی میں توقع نہیں کر سکتا تھا۔ اسی لیے وہ مجھ سے بازی لے گیا اور جاتے جاتے میری کار کا ایک پہیہ بھی پنکچر کر گیا تھا۔ میں بڑی مشکلوں سے دھکیل چینج کرنے کے بعد یہاں پہنچا ہوں۔"

دردانہ بیگم نے ناگواری سے کہا "لعنت بھیجو۔ اس ڈرائیور پر۔ میں تو یہ سوچ رہی ہوں کہ آخر وہ ٹیکسی میں بیٹھ کر کہاں گئی ہے؟ کیا اپنے گھر پہنچ گئی ہے؟"

جواد نے کہا "میں یقین سے کہتا ہوں۔ وہ گھر نہیں جائے گی۔ اسی ڈرائیور کے ساتھ رنگ رلیاں مناتی رہے گی۔"

دردانہ نے اسے ڈانٹ کر کہا "کیا بکواس کر رہے ہو؟ وہ اپنے معیار سے نیچے گرنے والی لڑکی نہیں ہے۔"

"ممی! وہ گر چکی ہے۔ یقین نہ آئے تو گھر فون کر کے معلوم کر لیں۔ وہ یقیناً وہاں نہیں ہوگی۔"

دردانہ نے سوچتی ہوئی نظروں سے بیٹے کو دیکھا پھر داؤد سبحانی سے کہا "آپ کے حواریوں نے کہا تھا کہ وہ پولیس کسٹڈی میں پہنچ گئی ہے، جب وہاں پہنچی ہے تو ذیشان تک پہنچی ہوگی۔ کیا ذیشان اسے گھر نہیں لے گیا ہے؟ کیا وہ پولیس کسٹڈی سے نکل کر اس ٹیکسی والے کے ساتھ گھومتی پھر رہی ہے؟"

داؤد سبحانی نے کہا "تم فون کرو۔ ابھی معلوم ہو جائے گا۔"

اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کیے۔ رابطہ ہونے پر فلک آفتاب کی آواز سنائی دی "ہیلو......! کون......؟"

"میں دردانہ بول رہی ہوں۔"

"خیریت تو ہے؟ اتنی رات کو فون کر رہی ہو؟ صبح کا انتظار کر لیتیں۔"

وہ بولی "صبح بہت دور ہے اور ممکن ہے صبح نہ ہو۔ آج رات ہی قیامت آ جائے۔"

اس نے چونک کر پوچھا "تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"میں ابھی اپنی بات کی وضاحت کروں گی۔ پہلے میرے سوال کا ہاں یا ناں میں جواب دیں۔ کیا عینی گھر پہنچ گئی ہے؟"

"نہیں...... لیکن تمہیں عینی کی فکر ہم سے زیادہ کیوں ہے؟"

وہ بولی "آپ لاکھ مجھے اس کی سوتیلی ماں سمجھیں، لیکن تو میں ہی کروں گی۔ ماں آخر ماں ہوتی ہے۔"

وہ چڑ کر بولا "تم فضول بکواس کر رہی ہو۔ کوئی کام کی ت ہو تو کرو۔ ورنہ میں ریسیور رکھ دیتا ہوں۔"

"کام کی بات یہ ہے کہ عینی ایک ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ ا رات کو سڑکوں پر گھومتی پھر رہی ہے لیکن گھر نہیں آ رہی ہے۔ آخر کیوں؟ آپ اس کے بڑے ابو ہیں۔ اس کے پرست ہیں۔ ذمہ دار ہیں اس کے...... آپ کو جواب دینا ہیے۔"

"میں فضول باتوں کا جواب نہیں دیتا۔ تم خوامخواہ عینی پر رام لگا رہی ہو کہ وہ ایک ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ گھوم رہی ہے۔ تمہاری یہ بات کوئی نہیں مانے گا۔"

وہ ایک ذرا بے پروائی سے بولی "نہ مانیں...... مگر حقیقت ہے۔ آپ کسی بھی طرح میری بات کی تصدیق کر سکتے ۔"

دردانہ نے ریسیور رکھ کر داؤد سبحانی کو دیکھا، پھر کہا نی گھر نہیں پہنچی ہے۔ جواد صحیح کہہ رہا ہے۔ وہ ضرور اس ئیور کے ساتھ گھوم پھر رہی ہوگی۔ وہ ایسی تو نہیں تھی، پھر کیوں کر رہی ہے؟"

داؤد نے کہا "تم نے بتایا تھا کہ عینی اپنی ایک سہیلی عروج بہت زیادہ چاہتی ہے۔ کیا اس کا کوئی فون نمبر تمہارے ہے؟"

"ہاں۔ میرے پاس اس کا موبائل نمبر بھی ہے اسپتال کا بھی۔ میں دونوں پر ٹرائی کرتی ہوں۔"

اس نے ایک بار پھر ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کیے۔ کچھ دیر ی عروج کی آواز سنائی دی "ہیلو آنٹی! آپ یقیناً عینی بارے میں پوچھنا چاہیں گی۔"

وہ لہجے کو افسردہ بنا کر بولی "ہاں بیٹی! میں اس کے لیے ت پریشان ہوں۔"

"پریشان تو ہونا ہی چاہیے۔ میری عینی پارے کی طرح ہے۔ کسی کے ہاتھ آتی ہے اور کسی کے ہاتھ سے پھسل جاتی ہے۔"

"تمہارے لہجے سے بہت اطمینان جھلک رہا ہے۔ اس مطلب ہے، عینی تمہارے پاس پہنچی ہوئی ہے؟"

"جی ہاں۔ آپ کا اندازہ درست ہے۔ وہ میرے پاس ہے اور آپ کا بیٹا نامراد ہو کر آپ کے پاس پہنچ چکا ہوگا۔"

"میں پہلی بار تمہارے لہجے میں طنز اور گستاخی محسوس رہی ہوں۔"

وہ عینی کی زبانی جواد کی ذلالت سن چکی تھی۔ طنزیہ لہجے میں بولی "اگر میں گستاخ ہوں تو آپ کا بیٹا کیا ہے؟ چور...... بدمعاش...... مجرم اور اٹھائی گیر......"

دردانہ نے غصے سے بھر کر کہا "یوشٹ آپ...... سوچے سمجھے بغیر ایسی باتیں نہ کرو۔ تم خوامخواہ میرے بیٹے کو الزام دے رہی ہو۔"

"میں ثبوت کے ساتھ الزام دے رہی ہوں۔ آپ کے بیٹے کا ریوالور اس وقت ہمارے پاس موجود ہے۔"

کچھ دیر کے لیے دردانہ کو چپ سی لگ گئی۔ اس نے گھور کر جواد کو دیکھا پھر فون پر باتیں بناتے ہوئے کہا "اگر میرے بیٹے کا ریوالور عینی کے پاس ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میرا بیٹا مجرم ہے۔ وہ ٹیکسی ڈرائیور کو ریوالور دکھا کر عینی کو اپنے ساتھ یہاں لانا چاہتا تھا...... یا گھر پہنچانا چاہتا تھا۔ کیا ایسا کرنا جرم ہے؟"

"اگر کوئی ساتھ نہ جانا چاہتا ہو اور اسے جبراً لے جانے کی کوشش کی جائے تو اسے اغوا کی واردات کہا جاتا ہے اور یہ جرم ہے۔"

وہ جل کر بولی "میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتی۔ عینی کو فون دو۔"

"وہ تھکی ہاری میرے پاس آئی ہے۔ اس وقت گہری نیند میں ہے۔ کسی سے بات نہیں کرے گی۔ کل دن میں کسی وقت آپ اسی نمبر پر اس سے بات کر سکتی ہیں۔"

اس نے فون بند کر دیا۔ دردانہ نے غصے سے اپنے ریسیور کو دیکھا پھر اسے کریڈل پر پٹخ کر جواد سے کہا "تم کیسی حماقتیں کرتے ہو؟ وہ ریوالور عینی کے پاس ہے۔ تمہارے خلاف کھلا ثبوت ہے کہ تم اسے ریوالور کے ذریعے دھمکا رہے تھے اور اغوا کرنا چاہتے تھے۔ اب تو وہ تم پر طرح طرح کے الزامات عائد کریں گے۔"

وہ دانت پیس کر بولا "وہ بہت بول رہی ہے۔ میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا ہے۔ غلطی سے میرا ریوالور اس کے ہاتھ لگ گیا ہے تو اب میں کیا کر سکتا ہوں؟ اس کم بخت ڈرائیور نے اسے وہ ریوالور دیا ہے۔ میں کب سے کہتا آ رہا ہوں کہ عینی اس دو ٹکے کے ڈرائیور پر مرمٹی ہے اور وہ بھی موقع شناس ہے۔ وہ میری ایک لاکھ روپے کی آفر ٹھکرا کر ایک امیرزادی کا اعتماد حاصل کر رہا ہے۔"

وہ اس کی باتیں سننے کے بعد سر ہلا کر بولی "ہوں...... اس ٹیکسی ڈرائیور کا مقدر جاگ رہا ہے اور ہمارا مقدر سو رہا ہے۔"

داؤد سبحانی نے کہا "میرے سامنے مقدر کی باتیں نہ کرو۔ میں پریکٹیکل آدمی ہوں۔ تدبیر سے تقدیر بدلنا جانتا ہوں۔"

وہ بولی "بھائی! ہم آج شام سے تقدیر بدلنے کے لیے تدبیریں کر رہے ہیں لیکن مسلسل ناکام ہو رہے ہیں۔"

"ناکامی کی وجوہات ہوتی ہیں مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان ناکام ہو کر تقدیر کے رحم و کرم پر بیٹھ جائے۔ کبھی کبھی مخالفین کا منصوبہ ہمارے منصوبے سے زیادہ پاورفل ہوتا ہے اور وہ ہم پر سبقت لے جاتے ہیں۔ تو ایسے وقت ہم کہتے ہیں کہ ان کا مقدر اچھا ہے۔"

وہ بولی "تقدیر اور تدبیر کی بات چھوڑیں۔ یہ بتائیں، اب کیا ہوگا؟"

وہ ایک ذرا سوچنے کے بعد بولا "بات بگڑ چکی ہے۔ پہلے تمہارا پلڑا کسی حد تک اس لیے بھاری تھا کہ تم بڑی مکاری سے ایک سگی ماں کا رول پلے کر رہی تھیں۔ اسے اپنی ممتا سے متاثر کر رہی تھیں لیکن اب جواد کی ایک غلطی سے تمہاری ممتا کا طلسم ٹوٹ چکا ہے۔ اب وہ نیم اندھی لڑکی تم ماں بیٹے پر بھروسا نہیں کرے گی۔"

وہ پُرعزم لہجے میں بولی "یہ کروڑوں اور اربوں روپے کی بازی ہے میں آسانی سے مات نہیں کھاؤں گی۔ ایک بار پھر عینی کا اعتماد حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کروں گی۔"

جواد نے مداخلت کی "انکل! آپ یہ تو معلوم کریں کہ وہ کم بخت ٹیکسی والا کون ہے؟ کہاں رہتا ہے؟ آپ تو اسے ایک چٹکی میں مسل سکتے ہیں۔"

وہ بڑی سفاکی سے بولا "میرے اشارے پر کہیں سے بھی ایک اندھی گولی چلے گی اور اس کی زندگی کو چاٹ جائے گی۔ تم بتاؤ، کیا تمہیں اس ٹیکسی کا نمبر یاد ہے؟"

جواد نے ذرا سوچنے کے بعد کہا "نہیں انکل! مجھے نمبر پڑھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔"

داؤد نے مسکرا کر کہا "کوئی بات نہیں۔ میرے آدمی اسے زمین کی تہ سے بھی نکال لائیں گے۔ تم فکر نہ کرو۔"

دردانہ بیگم کو ٹیکسی ڈرائیور سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ ان دونوں کی باتوں سے بے نیاز کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کے کانوں میں داؤد سبحانی کا یہ جملہ گونج رہا تھا کہ کبھی کبھی مخالفین کا منصوبہ ہمارے منصوبے سے زیادہ پاورفل ہوتا ہے اور وہ ہم پر سبقت لے جاتے ہیں۔

دردانہ بیگم نے بڑے اعتماد سے ایک گہری سانس لی۔ جیسے اپنی ناکامی کو پھونک میں اڑا رہی ہو پھر زیرِ لب کہا "گرتے ہیں شہسوار ہی میدانِ جنگ میں......"

☆☆☆

فلک آفتاب کو دردانہ بیگم کی اس بات نے پریشان کر دیا تھا کہ عینی کسی ٹیکسی والے کے ساتھ دیکھی گئی ہے۔ وہ اس کے ساتھ کہیں گھوم پھر رہی ہے اور گھر واپس نہیں آ رہی ہے۔

دردانہ کی یہ بات ماننے والی نہیں تھی۔ ایک خیال آ رہا تھا کہ وہ اپنی سوتیلی بیٹی پر خوامخواہ کیچڑ اچھال رہی ہے۔ پھر دوسری بات یہ بھی سمجھ میں آ رہی تھی کہ اس نے آج تک عینی پر کیچڑ نہیں اچھالی تھی۔ وہ فراڈ ہی سہی مگر بڑی مکاری سے اس پر اپنی ممتا کی چھاپ لگاتی رہی ہے۔ اس کے بارے میں یہ بات ماننے والی تھی کہ وہ عینی کے خلاف نہ کبھی کوئی بات کہتی تھی، نہ کسی کی کوئی بات سن سکتی تھی۔

اب وہ اسے کسی ڈرائیور سے منسوب کر رہی تھی تو آفتاب کے لیے یہ بات قابلِ غور تھی۔ وہ بڑی سنجیدگی سے سوچ رہا تھا پھر اس نے فون کے ذریعے اپنے بڑے بیٹے ذیشان سے رابطہ کیا اور پوچھا "ذیشان! تم کہاں ہو؟ رات ہو گئی ہے اور تم اب تک واپس کیوں نہیں آئے؟"

وہ بولا "ڈیڈ! میں کیسے واپس آ سکتا ہوں؟ عینی کا اب تک کوئی سراغ نہیں مل سکا ہے۔"

"ابھی دردانہ فون پر کہہ رہی تھی کہ جواد نے عینی کو ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ دیکھا ہے۔"

"اچھا......؟ تو پھر جواد اسے گھر کیوں نہیں لایا؟"

"وہ کہتی ہے کہ عینی نے جواد کے ساتھ آنے سے انکار کر دیا تھا اور وہ اس ٹیکسی والے کے ساتھ بڑی بے تکلفی سے اتنی رات گئے سڑکوں پر گھوم رہی ہے۔"

ذیشان نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "نہیں ڈیڈ! عینی ایسی نہیں ہے۔ دردانہ بیگم بکواس کر رہی ہیں۔ جب تک عینی واپس نہیں آئے گی، اور بھٹکتی رہے گی۔ اس وقت تک سب ہی اس کے بارے میں الٹی سیدھی باتیں بناتے رہیں گے۔"

"کیا تم نے عروج کو فون کیا تھا؟ شاید اسے عینی کے بارے میں کچھ معلوم ہوا ہو؟"

"میں نے دو گھنٹے پہلے فون پر اس سے بات کی تھی۔ وہ بھی پریشان ہے اور اس کی واپسی کا انتظار کر رہی ہے۔"

"میں تو کسی کڈنیپر کے فون کا انتظار کر رہا ہوں۔ اس کی واپسی کے لیے بڑی سے بڑی رقم کا مطالبہ کرے گا۔ تعجب ہے۔ اب تک ایسا کوئی فون نہیں آ رہا ہے۔ اس سے سوچنے کے بعد یقین کرنا پڑ رہا ہے کہ دردانہ درست کہہ رہی ہے۔ عینی کچھ بے لگام ہو گئی ہے۔"

"نو ڈیڈ! آپ اس کے بارے میں ایسی رائے قائم نہ کریں۔ وہ بہت سلجھی ہوئی لڑکی ہے۔ وہ کبھی اپنے معیار سے نیچے آ کر کسی ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ کوئی اسکینڈل نہیں بنائے گی۔"

"تم کب تک گھر آ رہے ہو؟"

"شاید صبح تک آ جاؤں۔ میں اس کوشش میں ہوں کہ اس کی کچھ سن گن مل جائے تو میں فوراً ہی اسے اغوا کرنے والوں سے چھین لاؤں گا۔"

فلک آفتاب فون کا رابطہ ختم کر کے سوچنے لگا۔ یہ سوچ کر مایوسی ہوتی تھی کہ عینی دن بدن آزاد اور خودسر ہوتی جا رہی ہے۔ پہلے وہ عروج سے بھی ملنے جاتی تھی تو اپنے بڑے ابو اور بڑی امی سے اجازت لیتی تھی یا انہیں مطلع ضرور کرتی تھی کہ وہ فلاں جگہ جا رہی ہے۔

لیکن اب تو ڈرائیور کو حکم دیتی تھی کہ وہ گاڑی نکالے اور پھر پرس اٹھا کر چلی جاتی تھی۔

فلک سکندر حیات نے اس کے بڑے ابو یعنی فلک آفتاب حیات کو اس کا سرپرست بنایا تھا لیکن اس کی سرپرستی صرف گھر کی چار دیواری تک ہی محدود تھی۔ بزنس اور جائیداد کی دیکھ بھال کے سلسلے میں مرحوم نے اپنے وکیل اخلاق احمد کو ٹرسٹی بنایا تھا۔ عینی بائیس برس کی تھی۔ وہ اپنے باپ کا کاروبار سنبھال سکتی تھی۔ دولت اور جائیداد کی دیکھ بھال بھی کر سکتی تھی لیکن آنکھوں کی وجہ سے مجبور تھی پھر بھی عروج کی مدد سے کسی حد تک اپنے کاروبار اور دوسرے اہم معاملات کی دیکھ بھال کر رہی تھی اور زیادہ تر اخلاق احمد پر بھروسا کرتی تھی۔

اخلاق احمد مرحوم فلک سکندر حیات کا بہت گہرا اور بچپن کا دوست تھا۔ بہت ہی قابلِ اعتماد تھا۔ عینی کو بیٹی کی طرح چاہتا تھا اور بڑی دیانت داری سے اس کے کاروبار کی نگرانی کر رہا تھا۔

فلک آفتاب کو اپنے مرحوم بھائی سے یہ شکایت رہی تھی کہ اس نے اس پر بھروسا نہیں کیا۔ اسے صرف عینی کا سرپرست بنایا ہے۔ یہ بھی غنیمت ہی تھا کہ سرپرستی کے صلے میں اسے ماہانہ ایک لاکھ روپے ملتے تھے۔ تاکہ وہ عینی کے تمام اخراجات پورے کرتا رہے۔

فلک آفتاب ایک ناکام بزنس مین تھا۔ اس لیے وہ سکندر حیات کی طرح اپنے کاروبار کو اوورسیز تک نہ پھیلا سکا۔ اب جو بھی کاروبار رہ گیا تھا اسے اس کا چھوٹا بیٹا بابر سنبھال رہا تھا۔ بڑے بیٹے ذیشان کو کاروبار سے دلچسپی نہیں تھی۔ وہ بچپن ہی سے پولیس افسر بننے کے خواب دیکھتا رہا تھا۔

ذیشان نے تعلیم حاصل کرنے کے بعد باقاعدہ ٹریننگ حاصل کی تھی اور اب پولیس کے شعبے میں ترقی حاصل کرتے کرتے سپرنٹنڈنٹ آف پولیس بن گیا تھا۔

فلک آفتاب کے دونوں بیٹے اپنے بل پر اچھا کمانے اور کھانے والا مزاج رکھتے تھے، لالچی نہیں تھے مگر آفتاب عینی کے سلسلے میں آنے والے ماہانہ ایک لاکھ روپے کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتا تھا پھر اس کی اور بیگم کی یہ کوشش تھی کہ کسی طرح بابر کا عینی سے رشتا ہو جائے تو پھر سب ہی کچھ ان کا اپنا ہو جائے گا۔

فلک آفتاب اور بیگم آفتاب اسی لالچ میں عینی کے سرپرست بنے ہوئے تھے اور بزرگ بننے کے بجائے اس کی جی حضوری میں لگے رہتے تھے۔ وہ شام سے لاپتا تھی اور انہیں یوں لگ رہا تھا جیسے ان کی زندگی کا تمام سرمایہ کوئی ان سے چھین کر لے گیا ہے۔ کسی ٹیکسی والے کا سننے کے بعد تو یقین سا ہو گیا تھا۔

رات کے دو بج چکے تھے اور آنکھوں سے نیند اڑی ہوئی تھی۔ بیگم آفتاب بھی بیڈ پر تھی مگر کروٹیں بدل رہی تھی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر عروج کے نمبر پنچ کیے رابطہ ہونے پر اس کی آواز سنائی دی "ہیلو......! انکل! آپ ہیں یا آنٹی؟"

وہ بولا "بیٹی! میں بول رہا ہوں۔ ہم سب پریشان ہیں۔ اب تک عینی کا کوئی سراغ نہیں مل سکا ہے۔"

"آپ پریشان نہ ہوں۔ عینی میرے پاس خیریت سے ہے۔"

وہ خوشی سے اچھل پڑا پھر بولا "کیا......؟ کیا تم سچ کہہ رہی ہو؟ وہ...... وہ تمہارے پاس ہے؟ کہاں ہے؟ کیا تمہارے گھر میں ہے؟"

"نہیں۔ ہم اس وقت اسپتال والے کوارٹر میں ہیں۔"

عینی کے بارے میں یہ سن کر کہ وہ عروج کے پاس خیریت سے ہے کروٹیں بدلنے والی بیگم آفتاب بھی اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ ذرا سرک کر شوہر سے لگ کر دوسری طرف کی باتیں سننے کی کوشش کر رہی تھی۔

آفتاب نے فون پر کہا "بیٹی! عینی سے بات کراؤ۔"

"سوری انکل! وہ بہت تھکی ہوئی تھی۔ یہاں آتے ہی سو گئی ہے۔ اب کل صبح دس بجے تک آپ اس سے بات کر سکیں گے۔ میں چاہتی ہوں، وہ آرام سے سوتی رہے۔"

"بیٹی! جب وہ تمہارے پاس آئی تھی تو تم نے فوراً ہمیں اطلاع کیوں نہیں دی؟"

وہ بولی ”میں کیا اطلاع دیتی؟ وہ بہت پریشان تھی، رو رہی تھی۔ اپنی روداد سنا رہی تھی۔ میں اسے سمجھاتی رہی۔ وہ ابھی تھوڑا بہت کھا پی کر سوئی ہے۔ اس کے بعد میں نے سوچا کہ اب آپ کو فون کروں تو ایسے ہی وقت آپ نے فون کرلیا۔“

وہ بولا ”بیٹی! ذرا ایک منٹ...... میں ابھی تم سے بات کرتا ہوں۔“

بیگم آفتاب بار بار ہاتھ کے اشارے سے کہہ رہی تھی کہ وہ بھی عینی سے بات کرنا چاہتی ہے۔ فلک آفتاب نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر جھنجلاتے ہوئے کہا ”کیوں پریشان کر رہی ہو؟ عینی سو رہی ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسے نیند سے جگایا جائے تم اس شہزادی کا مزاج تو سمجھتی ہی ہو۔ وہ شاید ہم سے کترا رہی ہے۔ میں ابھی بات بناتا ہوں۔“

پھر اس نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر سے ہاتھ ہٹا کر کہا ”بیٹی عروج! تمہاری آنٹی اس سے ملنے کے لیے بہت بے چین ہیں۔ جب سے وہ گم ہوئی تھی، تب سے تڑپ رہی ہیں۔ اب تک بھوکی بیٹھی ہیں۔ وہ ابھی عینی سے ملنے آ رہی ہیں۔“

عروج نے پریشان ہو کر عینی کو دیکھا پھر فون پر کہا ”انکل! میں نے ابھی کہا ہے کہ وہ سو رہی ہے۔ کیا آنٹی اسے نیند سے جگانا چاہتی ہیں؟“

”نہیں بیٹی! وہ سو رہی ہے۔ سوتی رہے گی۔ وہ تو صرف اسے دیکھ کر اپنے کلیجے کو ٹھنڈک پہنچانا چاہتی ہیں۔ وہ اسے نہیں جگائیں گی بلکہ صبح تک وہاں رہ کر اس کے جاگنے کا انتظار کرتی رہیں گی۔“

عروج نے ناگواری سے منہ بنایا پھر کہا ”انکل! آپ تو جانتے ہیں، یہاں ہم ڈاکٹرز کے لیے ایک کمرے کا کوارٹر ہے۔ زیادہ افراد کی گنجائش نہیں ہے۔ آنٹی یہاں آ کر خوامخواہ پریشان ہوں گی۔ آپ انہیں سمجھائیں، وہ کل صبح فون پر عینی سے باتیں کر سکتی ہیں۔ بہت رات ہو چکی ہے۔ میں بھی سونے جا رہی ہوں۔ صبح مجھے ڈیوٹی پر جانا ہے۔ شب بخیر......“

اس نے فون بند کر دیا۔ فلک آفتاب نے چونک کر اپنے ریسیور کو دیکھا پھر ناگواری سے اسے کریڈل پر پٹختے ہوئے کہا ”اس نے فون بند کر دیا ہے۔ یہ سراسر ہماری انسلٹ ہے۔“

بیگم آفتاب نے کہا ”میں یقین سے کہتی ہوں، عینی سوئی نہیں ہے۔ جاگ رہی ہے اور عروج اس کے سامنے بیٹھی ہماری توہین کر رہی ہے۔ میں تو شروع سے ہی کہہ رہی ہوں کہ وہ اپنے بھائی حشمت سے عینی کو منسوب کرنا چاہتی ہے۔“

فلک آفتاب سوچتی ہوئی نظروں سے بیگم کو دیکھنے لگا۔ وہ بولی ”اب وہ چاہتی ہے کہ ہم سب عینی سے ذرا دور دور رہیں۔ وہ فاصلہ رکھ کر اس کے دل سے ہماری محبت کم کرنا چاہتی ہے۔ اسی لیے تو عینی سیدھی ادھر گئی ہے۔ ہمارے پاس نہیں آئی۔ وہ ہماری محبت، ہمارے خلوص اور ہماری بزرگی کو نظرانداز کر رہی ہے۔“

”ہوں...... سب اپنے اپنے طور پر چالیں چل رہے ہیں مگر محبت سے چل رہے ہیں۔ ادھر دردانہ بیگم اس پر ممتا نچھاور کرتی آ رہی ہے اور اب عروج کے تیور بھی سمجھ میں آ رہے ہیں۔ پتا نہیں عینی کو کسی نے اغوا کیا بھی تھا یا نہیں؟ مجھے تو لگتا ہے کہ عروج نے ہی اسے شام سے غائب کر رکھا تھا۔“

بیگم نے پوچھا ”کیا ابھی ہمیں وہاں چلنا چاہیے؟“

”اگر وہ واقعی سو رہی ہوگی تو ہمارے وہاں جانے پر مانے گی۔ بیدار ہو کر جھنجلا جائے گی۔ ہمیں اسے جھنجلاہٹ میں مبتلا نہیں کرنا چاہیے۔ صبح تک صبر کرو۔“

اس عالیشان محل نما کوٹھی میں ایک ہی ٹیلی فون تھا۔ اس فون کے کنکشن دوسرے تمام کمروں میں پہنچے ہوئے تھے جنہیں ذاتی یا پرائیویٹ گفتگو کرنی ہوتی تھی وہ اپنا موبائل فون استعمال کرتے تھے۔ ورنہ عام دوست احباب اور رشتے داروں سے گفتگو کرنے کے لیے گھر کا وہ واحد فون ہی استعمال ہوتا تھا۔

ایسے وقت جب فلک آفتاب عروج سے باتیں کر رہا تھا تو فلک ناز اپنے کمرے میں ریسیور کان سے لگائے ان باتیں سن رہی تھی۔ اس طرح اسے بھی معلوم ہو گیا کہ عینی عروج کے اسپتال والے کوارٹر میں پہنچی ہوئی ہے۔

اس نے یہ بھی سنا کہ عینی ابھی سو رہی ہے۔ وہ کسی سے نہیں ملنا چاہے گی۔ کل صبح سب سے ملاقات کرے گی۔

فلک ناز نے یہ بھی سنا کہ اس کا بھائی فلک آفتاب اس کی بھابی ابھی وہاں جانے کی ضد کر رہے تھے لیکن عروج نے انہیں ٹال دیا تھا۔ بلکہ فون ہی بند کر دیا تھا۔

وہ سوچنے لگی ”عینی خود انہیں ٹال رہی ہے۔ ورنہ عروج کی کیا مجال تھی کہ وہ اس کے بڑے ابو اور بڑی امی کو وہاں جانے سے روکتی؟ میں اچانک ہی وہاں پہنچوں گی۔ عینی ضرور جاگ رہی ہوگی۔ وہ مجھ سے ملاقات کرنے سے انکار نہیں کرے گی۔ وہ گستاخ نہیں ہے اور میری تو بہت عزت کرتی ہے۔ مجھے بہت چاہتی ہے، میرے عدنان کو بھی بہت چاہتی ہے۔“

یہ سوچتے ہی اس نے فوراً لباس بدلا، پھر اپنا پرس اٹھا کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

بیگم آفتاب نے دوسری طرف کروٹ بدلتے ہوئے کہا ”لائٹ آف کر دیں وہ شہزادی صاحبہ کل کسی وقت ہم سے ملاقات کرنا چاہیں گی تو ہم مل سکیں گے پھر ابھی اپنی نیند کیوں حرام کریں؟“

فلک آفتاب نے کہا ”لائٹ آف کر دینے سے تمہیں نیند نہیں آئے گی۔ اس وقت تم انگاروں پر لوٹ رہی ہو۔“

”تو آپ کیا پھولوں کی سیج پر ہیں؟“

”نہیں۔ عروج اس وقت کانٹے کی طرح کھٹک رہی ہے......“

وہ آگے بھی کچھ کہنا چاہتا تھا پھر ٹھٹک گیا، سر اٹھا کر آواز سننے لگا۔ بیگم آفتاب بھی کروٹ بدل کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ بولا ”گاڑی کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ کوئی گھر سے جا رہا ہے۔“

بیگم نے کہا ”شاید بابر کہیں جا رہا ہے۔“

”اتنی رات کو وہ کہاں جائے گا؟“

فلک آفتاب نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا پھر نمبر پنچ کر کے نائٹ چوکیدار سے رابطہ کیا۔ وہ بولا ”حکم بڑے صاحب!“

فلک آفتاب نے پوچھا ”ابھی یہاں سے کون گیا ہے؟“

”صاحب! آپ کی سسٹر گئی ہیں۔“

اس نے تعجب سے پوچھا ”فلک ناز......؟ مگر وہ اس وقت کہاں گئی ہے کیا تمہیں کچھ بتایا ہے؟“

وہ بولا ”نہیں صاحب جی! کوئی ہمیں بتا کر کہیں نہیں جاتا۔ ہم تو ملازم ہیں۔ آپ لوگوں کے لیے دروازہ کھولتے ہیں یا بند کرتے ہیں۔“

اس نے ریسیور رکھ کر بیگم کو دیکھا پھر ناگواری سے کہا ”ناز کہیں باہر گئی ہے۔“

وہ بولی ”ذرا گھڑی دیکھیں۔ اتنی رات کو وہ کہاں جائے گی؟ اسے معلوم ہو چکا ہے کہ عینی عروج کے پاس پہنچ گئی ہے۔ وہ اسی سے ملنے گئی ہوگی۔“

بیگم آفتاب اٹھ کر بیٹھ گئی پھر بولی ”ابھی آپ نے عروج سے فون پر باتیں کی تھیں۔ ناز نے وہ تمام باتیں سن لی ہیں۔ اس کی تو عادت ہے۔ وہ گھر میں بیٹھے بیٹھے ہمارے خلاف جاسوسی کرتی رہتی ہے۔ آپ کو موبائل پر بات کرنی چاہیے تھی۔“

وہ بیڈ سے اتر کر الماری کے پاس آئی پھر اسے کھول کر ایک لباس نکالنے لگی۔ فلک آفتاب نے پوچھا ”کیا کر رہی ہو؟“

”اور کیا کروں گی؟ کیا آپ کی بہن سے پیچھے رہوں گی؟ ہمیں ابھی عینی کے پاس جانا چاہیے۔“

وہ بیزار ہو کر بولا ”کیا مصیبت ہے؟ میں تو پریشان ہو گیا ہوں۔ اتنی رات کو کیا ضروری ہے کہ ہم وہاں جائیں۔ جب عینی ملنا نہیں چاہتی وہ عروج کے ذریعے کہہ چکی ہے کہ کل صبح ملے گی تو بے چینی کس بات کی ہے؟“

”بے چینی کیوں نہ ہو؟ ناز وہاں ہم سے پہلے پہنچ رہی ہے۔ یہ تاثر دینا چاہتی ہے کہ اس کی خاطر وہ اتنی رات کو بھی جاگ رہی ہے اور اس کی تلاش میں بھٹک رہی ہے۔“

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا ”ہوں...... اس وقت نند اور بھاوج کا روایتی جھگڑا ہے۔ میں سمجھاؤں گا تو میری بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔ اس لیے بابر کو ساتھ لے جاؤ۔“

”وہ تو ساتھ جائے گا ہی...... مگر آپ بھی چلیں۔ آپ اس خاندان کے بڑے ہیں۔ عینی کے سرپرست ہیں۔ آپ جائیں گے تو وہ زیادہ متاثر ہوگی۔ ناز کے مقابلے میں آپ کا پلڑا بھاری ہوگا۔“

پھر وہ دروازے کے پاس جاتے ہوئے بولی ”آپ ڈرائیور کو گاڑی نکالنے کے لیے کہیں۔ میں بابر کو جگاتی ہوں۔“

فلک آفتاب نے گھڑی دیکھی۔ تین بج کر پندرہ منٹ ہو چکے تھے۔ اس وقت بستر پر گر کر سو جانے کو جی چاہ رہا تھا لیکن عینی کی وجہ سے جبراً جاگنا پڑ رہا تھا۔ کبھی کبھی تو اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ اس کی سرپرستی سے باز آ جائے۔ وکیل اخلاق احمد سے کہہ دے کہ اب وہ اپنی امیر کبیر بھتیجی کے ناز نخرے برداشت نہیں کر سکتا ہے۔ اس لیے اس کی سرپرستی سے دستبردار ہو رہا ہے۔

لیکن ماہانہ ایک لاکھ روپے کی آمدنی کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ وہ پچاس ساٹھ ہزار روپے سے گھر کے تمام اخراجات پورے کرتا تھا اور چالیس ہزار بچا کر اپنے اکاؤنٹ میں جمع کر دیتا تھا۔ گھر میں بیٹھے بٹھائے اتنی بڑی رقم جمع ہو رہی تھی۔ اس لیے دودھ دینے والی گائے کی لاتیں برداشت ہو جاتی تھیں۔

اس نے دراز کھول کر گاڑی کی چابی نکالنی چاہی تو یاد آیا کہ چابی ڈرائیور کے پاس ہی ہے۔ وہ کمرے سے نکل کر کوٹھی کے باہر جانے لگا۔

دوسری طرف بیگم نے بابر کے دروازے پر دستک دی۔

رات کا سہ پہر تھا۔ ایسے وقت سب ہی گہری نیند میں ہوتے ہیں۔ وہ بھی سو رہا تھا۔ دروازے پر مسلسل دستک ہونے کے باعث وہ آنکھیں ملتا ہوا بیڈ سے اتر کر دروازے کے پاس آیا۔ کھول کر دیکھا تو ماں سامنے دکھائی دی۔ اس نے بیزار ہو کر پوچھا "کیا بات ہے ممی! اتنی رات کو کیوں جگا رہی ہیں؟"

وہ بولی "بیٹا! فوراً تیار ہو جاؤ۔ عینی کے پاس جانا ہے۔"

"اتنی رات کو کہاں جانا ہے؟ کہاں ہے عینی......؟"

"وہ عروج کے پاس اسپتال میں ہے۔"

"خیریت تو ہے؟ کیا عینی زخمی ہو گئی ہے؟"

"وہ بیمار نہیں ہے۔ اپنی سہیلی عروج کے پاس اس کے کوارٹر میں ہے۔"

وہ بیزاری سے بولا "تو اسے وہاں رہنے دیں۔ کل صبح واپس آ جائے گی۔"

وہ الجھ کر بولی "بے وقوف! وہ خود واپس آئے گی تو اسے کیسے معلوم ہوگا کہ ہم تمام رات اس کے لیے کس قدر پریشان رہے ہیں؟ ہم اسے لینے جائیں گے تو وہ بڑے جذبے سے سوچے گی اور یقین کرے گی کہ ہم دل و جان سے چاہتے ہیں اور اس کے لیے پریشان رہتے ہیں۔"

"سوری ممی! میں اسے چاہنے یا چاہے جانے کا سرٹیفکیٹ حاصل نہیں کرنا چاہتا۔ میری نیند خراب نہ کریں۔ پلیز جائیں۔ مجھے سونے دیں۔"

وہ دروازہ بند کرنا چاہتا تھا مگر وہ جبراً اسے دھکیلتی ہوئی اندر آ کر غصے سے بولی "بکواس مت کرو۔ تم واپس آ کر بھی نیند پوری کر سکتے ہو۔ کیا ایک رات اس کی خاطر جاگ نہیں سکتے؟"

"ممی! یہ کیا زبردستی ہے؟ ایک تو آپ ڈیڈی سے جبراً اپنی باتیں منواتی رہتی ہیں اور میرے ساتھ بھی یہی سلوک کرتی ہیں۔ خدا کے لیے چلی جائیں۔ میں نہیں جاؤں گا۔"

"کیسے نہیں جاؤ گے؟ جب میں نے کہہ دیا ہے تو تم تو کیا تمہارے باپ کو بھی جانا پڑے گا۔"

ڈیڈی تو ضرور جائیں گے یہ میں جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ میں نہیں جاؤں گا۔"

وہ بیڈ پر جا کر لیٹ گیا۔ بیگم آفتاب نے اسے غصے سے دیکھا پھر پاؤں پٹختی ہوئی کوٹھی کے باہر آ گئی۔ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے آفتاب سے بولی "گاڑی کہاں ہے؟"

"اور کہاں ہوگی؟ ناز ہماری گاڑی لے گئی ہے۔"

وہ غصے سے تلملا کر بولی "کیا......؟ وہ ہماری گاڑی کیوں لے گئی ہے؟ کیسے لے گئی ہے؟ آپ نے اسے چابی کیوں دی تھی؟"

"بھئی میں نے اسے چابی نہیں دی تھی۔ وہ ڈرائیور کے پاس ہی تھی اور ناز ڈرائیور سمیت ہماری گاڑی لے گئی ہے۔"

"اس کی اپنی گاڑی کیا ہوئی؟"

وہ جھنجلا کر بولا "سیدھی سی بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس کی گاڑی عدنان لے گیا ہے اور وہ ہماری گاڑی لے گئی ہے اب خواہ مخواہ جھگڑا نہ کرو۔ میں نے نائٹ چوکیدار سے کہا ہے۔ وہ ٹیکسی لینے گیا ہے۔"

"وہ وہاں پہلے پہنچ کر اپنا مقدر بنا رہی ہے۔"

"اس میں مقدر بنانے کی کیا بات ہے؟ جب عینی کو معلوم ہوگا کہ وہ ہماری گاڑی چھین کر ہمیں وہاں جانے سے روک رہی تھی تو خود ہی اس کی سبکی ہوگی اور تم جو یہ مقدر بنانے والی بات کہہ رہی ہو تو ایک بات اچھی طرح سمجھ لو اگر ہمارا مقدر اچھا ہوگا تو ہم اس سے پہلے پہنچ جائیں گے۔"

"ہم بھلا اس سے پہلے کیسے پہنچیں گے؟ جبکہ وہ نکل چکی ہے۔"

وہ مسکرا کر بولا "تم مقدر کے تماشے کیا جانو؟ کبھی اپنے اور کبھی دوسروں کے حالات پر توجہ دیا کرو۔ ذرا غور کرو گی تو پتا چلے گا کہ مقدر کس طرح بنتا اور بگڑتا ہے؟ وہ جو ہم سے آگے نکل گئی ہے۔ اس کی گاڑی خراب ہو سکتی ہے۔ اسے کوئی حادثہ پیش آ سکتا ہے۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اس طرح اسے دیر ہو سکتی ہے اور ہم اس سے پہلے عینی کے پاس پہنچ سکتے ہیں۔"

بیگم آفتاب اس کی باتیں سن رہی تھی پھر منہ بنا کر بولی "یہ تو آپ میرا دل بہلانے والی باتیں کر رہے ہیں۔"

ایسے ہی وقت ٹیکسی آ گئی۔ وہ دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے پھر وہاں سے جانے لگے۔

فلک آفتاب میرے بارے میں درست کہہ رہا تھا۔ میں عجب تماشے دکھاتا ہوں۔ کبھی آگے جانے والوں کو پیچھے کر دیتا ہوں اور کبھی پیچھے جانے والوں کو آگے کر دیتا ہوں۔ یہ ایک عام سی بات ہے۔ جو سب کی سمجھ میں آ سکتی ہے لیکن جو سب کی سمجھ میں نہیں آتیں، میں ایسی چالیں بھی چلتا ہوں پھر بعد میں پتا چلتا ہے کہ سوچا تھا کیا مگر کیا ہو گیا؟

ادھر عینی اور عروج یہ اچھی طرح سمجھ رہی تھیں کہ رشتے دار آج ضرور آئیں گے اتنی رات گئے اپنی محبتیں نچھاور کر کے اسے پریشان کریں گے۔ عینی نے کہا "عروج! کوئی تدبیر کر، میں ابھی کسی سے نہیں ملنا چاہوں گی، بہت تھک گئی ہوں۔"

وہ بولی "دیکھا جائے تو تیرے رشتے دار تجھ پر احسان نہیں کر رہے ہیں تیری دولت تجھے پریشان کر رہی ہے۔ یہ نہ ہوتی تو آج تجھے کوئی نہ پوچھتا......"

عینی نے ذرا سوچنے کے بعد کہا "کیوں نہ ہم کسی ہوٹل میں جا کر رہیں؟"

"ہم دو جوان لڑکیاں ہوٹل میں کمرا کرائے پر لیں گی اور رہیں گی تو تماشا بن جائیں گی۔ پولیس والے انکوائری کے لیے چلے آئیں گے۔ وہاں بھی ہمیں ملنے ملانے والوں سے اور محاسبہ کرنے والوں سے نجات نہیں ملے گی۔"

"ہم لڑکیوں کے لیے بڑی مشکل ہے۔ لڑکوں کی طرح آزادی سے کہیں جا نہیں سکتیں۔ کہیں پناہ نہیں لے سکتیں۔ کاش! ہم میں سے ایک لڑکا ہوتا۔"

عروج فوراً ہی اس سے لپٹ کر بولی "ہائے میری جان! میں لڑکا ہوتی تو تجھے بھگا کر لے جاتی۔"

وہ خود کو چھڑا کر بولی "نہیں۔ لڑکا میں ہوتی۔ تجھے کیا پتا کہ تو کتنی حسین اور پرکشش ہے؟ تجھے دیکھ دیکھ کر میں جیتی رہتی۔ تجھے اتنی محبتیں دیتی۔ اتنی محبتیں دیتی کہ عشق و محبت کے پچھلے تمام ریکارڈز توڑ دیتی۔"

"تو تو الٹی باتیں کرتی ہے مجھ سے زیادہ کشش تو تجھ میں ہے۔"

عینی نے سر ہلا کر کہا "میں مانتی ہوں کہ مجھ میں زیادہ کشش ہے لیکن وہ دولت کی مصنوعی کشش ہے...... مگر تیرے اندر ایک قدرتی کشش ہے۔ جسے تو نہیں سمجھتی ہے۔ میں اکثر یہ بات نوٹ کرتی رہتی ہوں کہ ہمارے قریب سے گزرنے والے تجھے زیادہ دیکھتے ہیں، تجھ سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔"

"یہ تو کہاں کی باتیں لے بیٹھی ہے؟ ابھی اپنا مسئلہ حل کر تیرے رشتے دار آنے والے ہیں۔ ان سے کیسے نجات حاصل کرے گی؟"

وہ پریشان ہو کر بولی "میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔"

عروج نے کہا "میری سمجھ میں آ گیا ہے۔ ہم نے فون تو بند کر رکھا ہے اب ایسا کرتے ہیں کہ دروازے کھڑکیاں بند کر کے کمرے میں اندھیرا کر دیتے ہیں اور بیرونی دروازے پر باہر سے تالا ڈال دیتے ہیں پھر جو بھی آئے گا وہ تالا دیکھ کر چلا جائے گا۔"

عینی خوش ہو کر بولی "یہ بہت اچھی تدبیر ہے مگر باہر تالا ڈال کر اندر کیسے آئیں گے؟"

"بھئی یہاں نائٹ چوکیدار ہوتا ہے۔ میں ابھی اسے بلاتی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھی پھر تالا چابی لے کر باہر آ گئی۔ نائٹ چوکیدار کونے والے کوارٹر کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ عروج نے اسے پکارا تو وہ دوڑتا ہوا اس کے قریب آ کر بولا "جی بی بی جی!"

وہ بولی "دیکھو! میں آرام سے سونا چاہتی ہوں، میں نہیں چاہتی کہ کوئی مجھے ڈسٹرب کرے۔ تم یہ تالا باہر سے لگا دو۔ کوئی بھی مجھ سے ملنے آئے تو کہہ دینا کہ میں یہاں موجود نہیں ہوں۔ کہیں چلی گئی ہوں۔"

"جی بی بی جی! میں یہی کہوں گا۔"

"میرے سگے رشتے دار بھی آ جائیں اور وہ کتنی ہی ایمرجنسی ظاہر کریں۔ تب بھی انہیں یہ نہ بتانا کہ میں اندر موجود ہوں۔"

وہ اس سے تالا لیتے ہوئے بولا "جی میں اچھی طرح سمجھ گیا۔ میں ابھی تالا لگا دیتا ہوں۔"

"تمہاری ڈیوٹی صبح چھ بجے ختم ہو جائے گی؟"

"جی بی بی جی!"

"تمہارے بعد قادر بخش ڈیوٹی پر آئے گا، اس سے کہہ دینا کہ وہ صبح دس بجے کال بیل کا بٹن دبا کر مجھے جگا دے۔ میں اسے چابی دوں گی تو وہ باہر سے تالا کھول دے گا۔"

"جی! میں قادر بخش کو سمجھا دوں گا۔"

وہ اندر چلی گئی۔ نائٹ چوکیدار نے دروازہ بند کر کے تالا ڈال دیا۔ وہ دروازہ مقفل ہو گیا۔ اس کوارٹر میں دو کھڑکیاں تھیں۔ انہیں اندر سے بند کر دیا گیا پھر عروج نے ایک ایک کر کے تمام لائٹس آف کر دیں۔ صرف بیڈ روم میں ایک زیرو پاور کے بلب کو روشن رہنے دیا۔ کھڑکیوں اور دروازوں پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ اس لیے اس ننھے بلب کی مدھم روشنی باہر سے دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

وہ دونوں یہ نہیں جانتی تھیں کہ واقعی عینی کے رشتے دار دندناتے ہوئے چلے آ رہے ہیں۔ انہوں نے تو احتیاطاً یہ تدبیر کی تھی اور اکثر تدبیر سے ہی تقدیر بدلا کرتی ہے۔

فلک آفتاب اور اس کی بیگم ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ٹیکسی اسپتال کی طرف رواں دواں تھی۔ فلک آفتاب نے کہا "تم عینی کو بابر سے منسوب کرنے کے خواب دیکھ رہی ہو اور بابر ہے کہ عینی میں کوئی دلچسپی ہی نہیں لیتا ہے۔ ہمارے کہنے پر اس کے پیچھے جاتا ہے، پھر پلٹ کر چلا آتا ہے۔"

وہ ناگواری سے بولی "پتا نہیں کیسے مزاج کا لڑکا ہے؟

کسی لڑکی میں دلچسپی نہیں لیتا ہے۔ میں نے آج تک اس کے بارے میں کوئی اسکینڈل نہیں سنا......"

"تم نے دراصل ذیشان پر تکیہ کیا ہوا ہے۔ یہ سوچ کر بیٹھی ہوئی ہو کہ بابر شادی کے لیے راضی نہ ہوا تو عینی کی شادی ذیشان سے کرادی جائے گی۔"

"ظاہر ہے۔ یہی کرنا ہوگا۔ پانچ برس سے اوپر ہوگئے ہیں اور اب تک اولاد کا دور دور تک پتا نہیں ہے۔ اسما بانجھ ہے۔ اس کی گود کبھی ہری نہیں ہوگی۔ خاندان کو آگے بڑھانے کے لئے اپنی نسل چلانے کے لیے ہمیں ہی کچھ کرنا ہوگا۔"

"تم کیا سمجھتی ہو؟ عینی ایک شادی شدہ لڑکے سے شادی کرنے پر راضی ہوجائے گی۔ کیا اسما کی سوکن بننا پسند کرے گی؟"

"میں نہیں جانتی کہ کیا ہوگا؟ لیکن ابھی آپ نے کہا تھا کہ تقدیر کے تماشے عجیب ہوتے ہیں۔ جو ہم سوچ بھی نہیں سکتے، وہ ہوجاتا ہے۔ اللہ کرے وہ ہوجائے جس کے بارے میں ہمیں یقین نہیں ہے۔ عینی کا مقدر بدلے گا تو وہ ضرور ذیشان سے شادی کرنے پر راضی ہوجائے گی۔"

فلک آفتاب کھڑکی کے باہر دور دیکھتے ہوئے ایک دم سے چونک گیا پھر بیگم سے بولا "وہ...... ادھر دیکھو۔ وہاں ہماری گاڑی ہے۔ شاید خرابی پیدا ہوگئی ہے۔ ڈرائیور اسے درست کررہا ہے۔"

بیگم نے خوش ہوکر کہا "خدا کا شکر ہے۔ دیکھیں! ٹیکسی نہ روکیں۔ اپنی بہن سے ہمدردی نہ کریں۔ سیدھے اسپتال چلیں......"

پھر وہ ڈرائیور سے بولی "گاڑی ذرا تیز چلاؤ۔"

ڈرائیور نے گاڑی کی رفتار تیز کردی۔ انہوں نے اپنی کار کے قریب سے گزرتے ہوئے دیکھا۔ ناز پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی اور ڈرائیور بونٹ اٹھائے خرابی دور کررہا تھا۔ وہاں سے گزر کر ذرا دور نکل جانے کے بعد بیگم آفتاب نے اپنے میاں کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "آپ نے درست کہا تھا۔ مقدر عجیب تماشے دکھاتا ہے۔ وہ ہم سے بہت پہلے نکل چکی تھی مگر پیچھے رہ گئی ہے۔ اب ہم آگے جارہے ہیں۔"

میں انسانوں کی ایسی باتوں پر اور خوش فہمیوں پر مسکراتا ہوں۔ وہ ایک ذرا سی کامیابی پر خوش ہوجاتے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ آگے ناکامی کا سامنا ہوسکتا ہے۔

فلک ناز نے انہیں اپنے قریب سے گزرتے نہیں دیکھا تھا۔ ویسے ان کے گزرتے ہی گاڑی ٹھیک ہوگئی۔ ڈرائیور اسے اسٹارٹ کرکے اسپتال کی طرف جانے لگا۔ وہ دو اسپتال کے احاطے میں پہنچ گئے۔ ڈرائیور نے ٹیکسی ایک روک دی۔ فلک آفتاب کرایہ ادا کرکے باہر آیا۔ بیگم آ نے پوچھا "کیا آپ جانتے ہیں، عروج کا کوارٹر کس ط ہے؟"

وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا "جانتا تو نہیں ہو پوچھنے سے معلوم ہوجائے گا۔"

وہ اسپتال کی عمارت کی طرف بڑھنے لگے۔ اُ وقت فلک ناز ان کی کار میں وہاں پہنچ گئی۔ وہ دونوں دیکھ کر رک گئے۔ بیگم نے اسے دیکھ کر ناگواری سے منہ فلک ناز کار سے اترتے ہوئے انہیں وہاں دیکھ کر چونک بیگم آفتاب نے پوچھا "تم اجازت کے بغیر گاڑی لے کر کیوں آئی ہو؟"

"بھابی جان! ناراض نہ ہوں۔ میں نے سوچا ہوں گی۔ میرا یہاں آنا ضروری تھا۔ یہ گاڑی پورچ میں ہوئی تھی، چابی بھی ڈرائیور کے پاس تھی۔ اس لیے ا لینے کی نوبت نہیں آئی اور ویسے بھی یہ میرے بھائی ہے۔ اسے استعمال کرنے کے لیے آپ سے اجاز ضروری نہیں ہے۔"

فلک آفتاب نے کہا "خدا کے لیے۔ تم دونو جھگڑا شروع نہ کردینا۔ میری عزت کا ہی خیال کرو عروج کی طرف چلو۔ میں معلوم کرتا ہوں کہ اس کا کوار ہے؟"

فلک ناز نے کہا "میں ایک بار یہاں آچکی ہوں میرے ساتھ چلیں۔"

وہ تینوں کوارٹر کی طرف جانے لگے۔ بیگم آفتاب "دیکھو ناز! تمہاری یہ بات اچھی نہیں ہے کہ تم صرف غرض کو دیکھتی ہو۔ جب یہ معلوم ہوچکا تھا کہ عینی یہاں ہے تو تم ہمیں بھی نیند سے جگا سکتی تھیں اور ہمارے یہاں آسکتی تھیں۔ جبکہ ہم جاگ رہے تھے۔"

فلک ناز نے مصلحتاً نرم ہوکر کہا "بھابی جان! مجھ ہوگئی۔ میں سمجھ رہی تھی، آپ سورہی ہیں۔ بہرحال ایسی غلطی نہیں ہوگی۔"

وہ نند بھاوج لڑتی بھی تھیں، جھگڑتی بھی تھیں صلح بھی کرلیا کرتی تھیں۔ وہ سب عینی تک پہنچنے کے دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوششیں کرتے رہے اب ایک ساتھ وہاں پہنچ رہے تھے۔

جب اتنی جدوجہد کے بعد اس کوارٹر کے سامنے

دروازے پر تالا دیکھ کر انہیں اللہ تعالیٰ یاد آ گیا۔

وہ تینوں جیسے جھاگ کی طرح بیٹھ گئے۔ انہوں نے ایک دوسرے کو مایوسی سے دیکھا۔ فلک ناز نے آگے بڑھ کر کال بیل کے بٹن کو دبایا۔ بیگم آفتاب نے کہا "گھنٹی بجانے کا کیا فائدہ ہے؟ جب دروازے پر تالا لگا ہوا ہے تو اندر کون ہوگا؟"

وہ دونوں اندر سونے ہی والی تھیں۔ ایسے وقت کال بیل کی آواز سن کر چونک گئیں۔ عروج نے اس کے کان میں سرگوشی کی "آفت کے فرشتے آگئے۔"

عینی نے بھی سرگوشی میں کہا "یہ زیرو پاور والا بلب بھی بجھادو۔ میں نہیں چاہتی کہ انہیں کسی بھی طرح کا کوئی شبہ ہو۔"

عروج اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی "میرے ساتھ بیڈ سے اتر اور دروازے تک چل۔ ذرا دیکھتے ہیں، سنتے ہیں، وہ کب تک وہاں کھڑے رہیں گے؟"

وہ اس کا ہاتھ تھام کر بیڈ سے اتر گئی۔ دونوں ہی ننگے پاؤں چلتی ہوئی سوئچ بورڈ کے پاس آئیں۔ عروج نے زیرو پاور کے بلب کو آف کردیا پھر وہ کوریڈور میں آئیں تو وہاں گہری تاریکی تھی۔ عروج اندازے کے مطابق چلتی ہوئی عینی کو لے کر دروازے تک پہنچ گئی۔

باہر بیگم آفتاب کہہ رہی تھی "ابھی ایک گھنٹا پہلے عروج نے کہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ اس کوارٹر میں ہے پھر وہ یہاں سے کہاں چلی جائے گی؟"

فلک ناز کی آواز سنائی دی "صرف عینی ہی نہیں، عروج بھی یہاں سے چلی گئی ہے۔"

فلک آفتاب نے پریشان ہوکر کہا "آخر یہ دونوں کہاں جاسکتی ہیں؟"

بیگم آفتاب نے کہا "یہ عروج بڑی مکار ہے۔ عینی کو ہم سے دور کررہی ہے اور کہاں جائے گی؟ ضرور اسے اپنے گھر لے گئی ہے۔"

فلک ناز نے کہا "عینی بھی کوئی دودھ پیتی بچی نہیں ہے۔ آخر عروج کے بہکاوے میں کیوں آجاتی ہے؟"

فلک آفتاب نے کہا "عینی کے پاس فون نہیں ہے اور عروج کا موبائل بند ہے۔ ہمیں اس کے گھر میں فون کرنا چاہیے مگر یہاں سے چلو۔"

بیگم آفتاب نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میرا دل نہیں کہتا کہ یہاں سے جاؤں۔ ایسا لگتا ہے، جیسے اس بند دروازے کے پیچھے عینی کو قید کرکے رکھا گیا ہے۔"

فلک ناز نے تائید میں کہا "میرا دل بھی یہی کہتا ہے۔ ہوسکتا ہے۔ عروج نائٹ ڈیوٹی کے لیے اسپتال میں گئی ہو اور باہر سے تالا لگادیا ہو۔ عینی اندر ہوسکتی ہے۔"

بیگم آفتاب دروازے کے قریب آکر کال بیل کے بٹن کو دبانے لگی۔ ایک بار...... دوبار وہ وقفے وقفے سے بٹن دباتی رہی اور انتظار کرتی رہی۔

فلک آفتاب نے بیزار ہوکر کہا "یہ تم لوگوں کا وہم ہے۔ عینی اندر نہیں ہے۔ چلو یہاں سے......"

"یہاں نہیں ہے تو کہاں ہے؟ آپ ابھی عروج کے گھر فون کریں۔ اس کے گھر والوں سے پوچھیں کہ عینی عروج کے ساتھ وہاں پہنچی ہے یا نہیں......؟"

فلک آفتاب نے موبائل فون نکال کر نمبر پنچ کیے پھر اسے کان سے لگا کر انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد سید تراب علی شاہ کی نیند بھری آواز سنائی دی "اتنی رات کو کون ہے بھئی؟ ذرا گھڑی دیکھو......!"

وہ بولا "معافی چاہتا ہوں شاہ جی! میں فلک آفتاب بول رہا ہوں۔"

وہ خوش دلی سے بولا "اوہو...... آپ ہیں؟ میں سمجھ گیا، آپ عینی کے لیے پریشان ہیں۔ کیا وہ ابھی تک گھر نہیں پہنچی ہے؟"

"نہیں۔ وہ گھر تو نہیں پہنچی ہے مگر اتنا معلوم ہوا تھا کہ وہ عروج کے پاس اسپتال پہنچی تھی ابھی ہم اسپتال والے کوارٹر کے سامنے ہیں لیکن یہاں دروازے پر تالا پڑا ہوا ہے۔ کیا یہ دونوں آپ کے پاس نہیں ہیں؟"

"نہیں آفتاب بھائی! اگر عینی یہاں آتی تو میں سب سے پہلے آپ کو اطلاع دیتا۔"

آفتاب نے کوارٹر کے مقفل دروازے کو دیکھتے ہوئے پریشانی سے کہا "تو پھر عروج عینی کو لے کر کہاں چلی گئی ہے؟"

"عروج اسے کہیں کیوں لے جائے گی؟"

"دو گھنٹے پہلے اس سے فون پر بات ہوئی تھی۔ اس نے خود ہمیں بتایا تھا کہ عینی اس کے پاس پہنچ گئی ہے مگر ہم یہاں آئے ہیں تو دیکھ رہے ہیں کہ دروازے پر تالا پڑا ہوا ہے اور اندر تاریکی ہے۔ کئی بار کال بیل کا بٹن دبا چکے ہیں لیکن کوئی جواب نہیں مل رہا ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ دونوں اس کوارٹر میں نہیں ہیں۔ اسپتال میں بھی نہیں ہیں، آپ کے گھر میں بھی نہیں ہیں پھر یہ کہاں چلی گئی ہیں؟"

تراب علی نے کہا "آپ کے یہ تمام سوالات مجھے پریشان کررہے ہیں، فکر میں مبتلا کررہے ہیں۔ مجھے بھی سوچنا ہوگا کہ یہ دونوں لڑکیاں آخر کہاں چلی گئی ہیں؟"

فلک آفتاب نے کہا ''آپ بھی اپنی جگہ سوچیں۔ ہم بھی سوچ رہے ہیں۔ پہلے تو صرف عینی کو تلاش کرنے کی بات تھی۔ اب عروج کو بھی تلاش کرنا ہے۔''

عروج اور عینی دیوار سے لگی ان کی باتیں سن رہی تھیں اور منہ دبا کر ہنس رہی تھیں۔ فلک آفتاب نے رابطہ ختم کر کے اپنی بیگم سے کہا ''سنا تم نے......؟ وہ دونوں وہاں بھی نہیں ہیں۔''

''آپ مانیں یا نہ مانیں......مگر میرا دل کہہ رہا ہے کہ عینی اسی کوارٹر میں ہے۔ عروج نے ہمیں دھوکا دینے کے لیے یہ تالا لگایا ہوا ہے۔''

فلک ناز نے کہا ''ہمیں ابھی اسپتال میں جا کر معلوم کرنا چاہیے کہ عروج ڈیوٹی پر ہے یا نہیں......؟''

اسی وقت چوکیدار نے آ کر پوچھا ''آپ لوگ کون ہیں اور یہاں کیا کر رہے ہیں؟''

فلک آفتاب نے کہا ''ہم عروج کے رشتے دار ہیں۔ اس سے ملنے آئے ہیں۔''

''چوکیدار نے کہا ''آپ دیکھ رہے ہیں، دروازے پر تالا لگا ہوا ہے۔ وہ یہاں نہیں ہیں۔''

''تمہیں تو معلوم ہوگا، وہ کہاں گئی ہے؟''

''ہم نوکر لوگ ہیں۔ مالکان بھی نوکروں کو بتا کر نہیں جاتے کہ وہ کہاں جا رہے ہیں؟''

''تم نے یہ تو دیکھا ہوگا کہ ڈاکٹر عروج کے ساتھ کوئی لڑکی بھی تھی۔''

وہ بولا ''میں نے تو ڈاکٹر صاحبہ کو یہاں سے جاتے ہی نہیں دیکھا ہے۔''

فلک ناز نے پوچھا ''کیا تمہاری ڈاکٹر صاحبہ اس وقت اسپتال میں ڈیوٹی پر ہوں گی؟''

وہ بولا ''میں یہاں کسی کی ڈیوٹی کے بارے میں نہیں جانتا۔ صرف اپنی ڈیوٹی انجام دیتا ہوں، آپ کہتے ہیں کہ آپ سب ڈاکٹر صاحبہ کے رشتے دار ہیں تو میں آپ کو یہاں سے جانے کے لیے بھی نہیں کہہ سکتا لیکن جب تک آپ کھڑے رہیں گے تب تک مجھے بھی یہاں رہنا ہوگا۔''

فلک آفتاب نے اپنی بیگم کو اور فلک ناز کو دیکھا پھر کہا ''چلو یہاں سے......''

وہ تینوں وہاں سے مایوس ہو کر جانے لگے، نائٹ چوکیدار بھی ان کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ جب وہ کار میں بیٹھ کر وہاں سے چلے گئے تو چوکیدار پھر عروج کے کوارٹر کے سامنے آ گیا۔ دروازے پر دستک دے کر بولا ''بی بی جی! وہ لوگ جا چکے ہیں۔''

عروج نے کہا ''تم کھڑکی کے قریب آؤ۔''

وہ کھڑکی کے پاس گیا تو عروج نے اس کا ایک پٹ کھول کر ایک لال نوٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا ''اسے رکھ لو۔ اب میں سونے جا رہی ہوں۔ صبح دس بجے قادر بخش سے کہنا کہ وہ مجھے جگا دے۔''

یہ کہہ کر اس نے کھڑکی بند کر لی پھر عینی کا ہاتھ تھام کر بیڈ روم میں آ گئی۔ وہاں زیرو پاور کے بلب کو آن کیا تو کمرے کی تاریکی کسی حد تک کم ہو گئی۔ عینی کا ہاتھ مسلسل اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ اسے لے کر بیڈ پر آ گئی۔

عینی نے پاؤں پھیلاتے ہوئے کہا ''اف......میرا تو جوڑ جوڑ دکھ رہا ہے۔ شام سے ویرانے میں بھٹکتی رہی ہوں اور اب ذرا سکون ملا تو رشتے دار پریشان کر رہے ہیں۔''

عروج نے اس کے ہاتھ کو دباتے ہوئے کہا ''بے فکر ہو جا! اب یہاں کوئی نہیں آئے گا۔ آرام سے سو جا۔ مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔''

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف کروٹ لی پھر ایک دوسرے پر ہاتھ رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ سونے کی کوشش کرنے لگیں۔

عروج کو بستر پر لیٹتے ہی سو جانے کی عادت تھی لیکن وہ بری طرح تھک جانے کے باوجود جاگ رہی تھی۔ بند آنکھوں کے پیچھے دھندلا دھندلا سا پاشا جانی دکھائی دے رہا تھا۔ زندگی میں پہلی بار کوئی اس کے خیالوں میں آ رہا تھا اور اب شاید خوابوں میں بھی آنے والا تھا۔

☆☆☆

اچانک کسی سے نظریں چار ہونا اور محبت میں مبتلا ہو جانا، اچانک بچھڑ جانا، اچانک مر جانا اور اچانک ہی مرتے مرتے جی اٹھنا۔ ایسا اکثر ہماری دنیا میں ہوتا رہتا ہے۔ ایسے وقت کہا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ اتفاقاً ہو گیا ہے۔ یہ اتفاقات ہیں زمانے کے......

لیکن نہیں۔ ایسا اتفاقاً نہیں ہوتا۔ ایسا مقدر سے ہوتا ہے۔ میری مرضی سے ہوتا ہے۔ میں بھی انسانوں کی زندگی میں قبرستان کی سی خاموشی پیدا کرنے اور کبھی ہلچل پیدا کرنے کے لیے کسی کو کسی سے ملا دیتا ہوں یا کسی کو کسی سے جدا کر دیتا ہوں۔

میں نے ایسا ذیشان کے ساتھ بھی کیا۔ وہ عینی کو تلاش کرنے کے سلسلے میں آدھی رات کے بعد گھر سے نکلا ہوا تھا۔ کار ڈرائیو کرتا ہوا اپنے دفتر کی طرف آ رہا تھا۔ ایسے ہی وقت

اسے اچانک بریک لگانا پڑا۔ کار ایک جھٹکے سے رک گئی۔ ونڈ اسکرین کے پار ایک عورت چادر میں لپٹی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ اگر وہ فوراً ہی بریک نہ لگاتا تو کار کے سامنے آنے والی گاڑی سے ٹکرا جاتی اور شاید دوسری دنیا میں پہنچ جاتی۔

دفتر ذرا فاصلے پر تھا۔ کتنے ہی سپاہی بریک کی آواز سن کر اور ذیشان کی گاڑی کو دیکھ کر دوڑتے ہوئے وہاں چلے آئے تھے اور اس عورت کو لعنت و ملامت کر رہے تھے۔

ذیشان نے کھڑکی سے جھانکتے ہوئے کہا ''اسے کچھ نہ کہو۔ پہلے یہ معلوم کرو کہ یہ کون ہے جو آدھی رات کو سڑک پر چہل قدمی کر رہی ہے۔''

وہ کار سے نہیں ٹکرائی تھی۔ ٹکرانے سے پہلے ہی دہشت زدہ ہو کر سڑک کے کنارے گر پڑی تھی۔ ذیشان کے ایک ماتحت نے آگے بڑھ کر کڑک دار لہجے میں پوچھا ''اے! کون ہو تم......؟''

وہ کراہتے ہوئے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ چادر سر سے ڈھلک گئی تھی۔ اس نے گھوم کر سپاہیوں کی طرف دیکھا۔ ہیڈ لائٹس کی روشنی میں اس کا چہرہ دیکھ کر سب کو چپ سی لگ گئی۔

وہ ملک کی مشہور گلوکارہ گل خانم تھی۔

حیرانی اس بات پر تھی کہ وہ کبھی بے پردہ ہو کر اپنی کوٹھی سے نہیں نکلتی تھی۔ شاپنگ کے لیے بھی اپنے شوہر کے ساتھ برقع پہن کر نکلا کرتی تھی۔ صرف ٹی وی اسکرین پر ہی وہ بے پردہ دکھائی دیتی تھی۔ گیت گاتی تھی اور گیت کے بول کے مطابق ایسی ایسی ادائیں دکھاتی تھی کہ دیکھنے اور سننے والے اسے دل و جان سے پسند کرتے تھے۔ ایک آئیڈیل محبوبہ کی طرح اس کی تمنا بھی کرتے تھے۔

دوسری حیرانی کی بات یہ تھی کہ وہ ذیشان کی کار سے ٹکرائی نہیں تھی پھر بھی لہولہان تھی۔ اس کی پیشانی سے خون بہہ رہا تھا۔ بھرے بھرے بازوؤں کی ایک آستین پھٹی ہوئی تھی۔ وہاں سے بھی خون جھلک رہا تھا۔

چادر درست کرتے ہوئے بولی ''میں ایس پی صاحب سے ملنا چاہتی ہوں۔''

ذیشان نے ایک ماتحت سے کہا ''انہیں میرے کمرے میں لے چلو اور فوراً ڈاکٹر کو بلاؤ۔''

وہ دو سپاہیوں کے ساتھ وہاں سے جانے لگی۔ ذیشان اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا پھر اپنی کار سے اتر کر ایک ماتحت سے بولا ''یہ چابی لو......اور کار کو پارک کر دو۔''

سپاہی اس سے چابی لے کر کار کی طرف بڑھ گیا۔ گل خانم دو سپاہیوں کے ساتھ تھانے کی عمارت میں داخل ہو رہی تھی۔ ذیشان بھی تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس طرف جانے لگا۔

گل خانم کو ذیشان کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ جب وہ وہاں آیا تو وہ کرسی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی وہ اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا ''آرام سے بیٹھی رہو۔''

وہ بیٹھ گئی۔ ذیشان نے اپنی ریوالونگ چیئر پر بیٹھتے ہوئے کہا ''اس وقت رات کے دو بج رہے ہیں اور میں تمہیں اس حالت میں دیکھ کر شدید حیران ہو رہا ہوں۔''

وہ بڑی افسردگی سے بولی ''جب حالات بگڑتے ہیں تو انسان کی حالت اس سے بھی ابتر ہو جاتی ہے۔''

''ابھی ڈاکٹر آ رہا ہے۔ تمہاری مرہم پٹی کرے گا۔ ویسے میں یہ زخم دیکھ کر کہہ سکتا ہوں کہ یہ حادثاتی زخم نہیں ہیں۔ کسی نے تم پر حملہ کیا ہے۔''

''آپ زخم دیکھتے ہیں اور پہچان لیتے ہیں۔ آپ کو زخم کھانے والوں کا تجربہ ہے اور مجھے زخم کھانے کا تجربہ ہے۔''

''تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ اب سے پہلے بھی زخم کھاتی رہی ہو؟''

وہ طنزیہ انداز میں مسکرائی پھر بولی ''میرا نام گل ہے اور میری زندگی میں زخموں کے گل کھلتے ہی رہتے ہیں۔ جو بدن پر کھلتے ہیں، وہ دکھائی دیتے ہیں لیکن جو دل پر لگتے ہیں انہیں کوئی نہیں دیکھ پاتا۔''

''تعجب ہے۔ ٹی وی اسکرین پر تمہارے گیت، تمہاری ادائیں، تمہارے ناز و انداز دیکھ کر سب یہی سمجھتے ہیں کہ تم بہت خوش نصیب ہو اور ایک خوش حال زندگی گزار رہی ہو...... مگر اس وقت تمہاری آواز، تمہارا لہجہ، تمہارا چہرہ اور تمہارا وجود زخموں سے چور چور دکھائی دے رہا ہے۔ کوئی سنے گا، دیکھے گا، تب بھی یقین نہیں کرے گا کہ تم اس قدر برے حالات سے گزرتی رہتی ہو۔''

ڈاکٹر آ گیا۔ اس کے زخموں کی مرہم پٹی کرنے لگا۔ تھوڑی دیر تک کمرے میں خاموشی رہی ڈاکٹر اپنی کارروائی مکمل کر کے اور انجکشن لگا کر چلا گیا۔

ذیشان نے کہا ''میں ابھی محرر کو بلا کر تمہارا بیان لکھواؤں گا۔ اس سے پہلے چائے پینا پسند کرو گی؟''

وہ تلخ لہجے میں بولی ''زہر مل جائے تو اچھا ہے۔ میں اس زندگی سے تنگ آ چکی ہوں، مرجانا چاہتی ہوں لیکن یہ زندگی بھی عجیب ہوتی ہے۔ جتنی تلخ ہوتی ہے، اتنی ہی میٹھی بھی ہوتی ہے۔ بڑی دلفریب دکھائی دیتی ہے۔ اسے خوب انجوائے کرنے کا جی چاہتا ہے لیکن مقدر بگڑ جائے تو زندگی کی صورت

بھی بگڑ جاتی ہے۔ میری عجیب حالت ہے، میں مرنا بھی چاہتی ہوں اور جینا بھی چاہتی ہوں۔"

ذیشان کے اندر تجسس کروٹیں لینے لگا۔ وہ بولا "میں تمہاری مکمل روداد سننا چاہوں گا۔ اس سے پہلے اگر کسی کے خلاف رپورٹ لکھوانا چاہتی ہو تو بتاؤ۔ تاکہ فوری طور پر اس کے خلاف ایکشن لیا جاسکے۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی "ہاں۔ میں اس کے خلاف جلد سے جلد ایکشن لینا چاہتی تھی۔ گھر سے یہاں تک کوئی ٹیکسی نہیں ملی تھی۔ یہاں آنے میں اتنی دیر ہوچکی ہے کہ اب شاید اس کے خلاف ایکشن لینے سے میرا کچھ بھلا نہیں ہوگا۔"

"تم اس کا نام اور پتہ بتاؤ، ہوسکتا ہے، تمہارا بھلا ہوجائے۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی "نہیں۔ وہ میرے بچے کو مار ڈالنا چاہتا تھا۔ اس نے میرے سامنے ہی اس کا گلا دبوچنے کی کوشش کی تھی مگر میں بار بار اپنے بچے کے آگے ڈھال بنی رہی تھی، اس دحشی سے اسے بچاتی رہی تھی۔ جب اس نے مجھے یہ زخم پہنچائے تو میں مجبور ہوگئی۔ وہاں سے بھاگ کر یہاں آگئی۔ میرے اندر کی ممتا چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی کہ شاید میں پولیس کی مدد سے اپنے بچے کو بچاسکوں گی۔"

"تم عجیب عورت ہو، تمہارے بچے کی جان خطرے میں ہے اور تم یہاں اتنی دیر سے باتیں کررہی ہو۔"

"اس لیے کہ مجھے یقین ہے، میرا بچہ اب اس دنیا میں نہیں رہا ہوگا وہ بہت ظالم انسان ہے جو کہتا ہے، اسے کر گزرتا ہے۔"

ذیشان نے پوچھا "آخر وہ دشمن کون ہے جو تمہیں اور تمہارے بچے کو نقصان پہنچا رہا ہے؟"

گل خانم کی آنکھوں سے آنسو نکل کر رخساروں پر پھسلنے لگے۔ وہ سسکیوں کو روکتے ہوئے بڑی مشکل سے بولی "وہ وحشی میرے بچے کا باپ اور میرا شوہر ہے۔"

اتنا کہہ کر وہ چادر میں منہ چھپا کر رونے لگی۔ ذیشان بھی چونک گیا تھا یقین نہیں ہورہا تھا کہ ایک باپ اپنے بچے کی جان لینے کے درپے بھی ہوسکتا ہے۔ اس نے کہا "حوصلہ کرو۔ ہوسکتا ہے، جو تم سوچ رہی ہو، وہاں ویسا نہ ہوا ہو۔ شاید اس کے اندر باپ کی شفقت جاگ گئی ہو۔ تم مجھے اپنی کوٹھی کا ایڈریس بتاؤ۔ میں ابھی سپاہیوں کو وہاں بھیجوں گا۔"

وہ اسے ایڈریس بتانے لگی۔ ذیشان نے اسے ایک کاغذ پر نوٹ کیا پھر سپاہیوں کو بلا کر وہ کاغذ دیتے ہوئے کہا "اس کوٹھی میں گل خانم کا شوہر یاور خان موجود ہوگا۔ اسے حراست میں لے کر یہاں لے آؤ۔ اس کے ساتھ ایک بچہ بھی ہوگا۔"

اس نے گل خانم سے پوچھا "بچے کی عمر کیا ہے؟"

وہ بھیگی ہوئی آواز میں بولی "ایک ماہ......"

ذیشان نے ایک سپاہی سے کہا "یہ اندیشہ ہے کہ اس بچے کو نقصان پہنچایا ہوگا۔ اگر بچہ صحیح سلامت ہو تو اسے بحفاظت یہاں لے آنا۔"

"اگر" کا لفظ سنتے ہی گل خانم ہچکیاں لے لے کر رونے لگی۔ وہ بہت سخت جان تھی لیکن بچے کے صحیح سلامت ہونے نہ ہونے کی بات نے اسے رلا دیا تھا۔

سپاہی چلے گئے۔ ذیشان اسے تسلی دیتے ہوئے بولا "ملک کے بے شمار ناظرین تمہارے فین ہیں، میں بھی تمہیں اور تمہاری آواز کو پسند کرتا ہوں۔ تمہارے فن کی قدر کرتا ہوں اور تمہارے کام آنا چاہتا ہوں۔ ہوسکے تو مجھے اپنے حالات بتاؤ اپنی پوری روداد سناؤ۔"

وہ بولی "میں اس وقت بہت ٹوٹی ہوئی ہوں۔ بکھر ہوئی ہوں۔ اپنی مکمل روداد نہیں سنا سکوں گی۔ بس اتنا ہے میں نے یاور خان کو ٹوٹ کر چاہا تھا، وہ بھی میرا دیوانہ تھا دیوانہ ہے۔ میں نے اس کی خاطر اپنے ماں باپ اور ا خاندان والوں سے بغاوت کی تھی۔ ان دنوں میں بی، اے طالبہ تھی۔ سخت پردہ داری کے باوجود میرے گھر والوں مجھے ٹی، وی پر گانے کی اجازت دے دی تھی اور یہ سختی سے دیا تھا کہ ٹی وی کے علاوہ میں کہیں بے پردہ نہیں رہوں گی گھر کی دہلیز کے باہر ہمیشہ چہرہ ڈھانپ کر نکلوں گی۔"

وہ توجہ سے سن رہا تھا۔ وہ ایک ذرا توقف کے بعد بو "میں آج بھی ان ہدایات پر عمل کرتی ہوں۔ دراصل ہم بچ ہی سے اپنے رسم و رواج کے پابند رہنے کے عادی ہو ہیں۔ تعلیم حاصل کرنے کے باوجود ہمیں پردہ داری ا خاندانی سخت اصول بہت اچھے لگتے ہیں۔"

وہ بولتے بولتے ذرا رکی پھر ایک گہری سانس لے دوبارہ بولنے لگی "ہم عورتیں جب اپنے محبوب کو یا اپنے شو اپنی دنیا بنالیتی ہیں تو پھر ہمیں دنیا کے دوسرے معاملات کوئی دلچسپی نہیں رہتی۔ ہمارا پہننا، اوڑھنا، ہمارا بناؤ سنگھ سب اپنے شوہر کے لیے ہوتا ہے۔ اس لیے ہم اپنی محدود میں مست رہتی ہیں یہی وجہ ہے کہ میں نے توقع سے زیا شہرت حاصل کرنے کے باوجود اپنے یاور خان کی مرضی مطابق خود کو چار دیواری میں محدود کررکھا ہے۔ اس کی ہر با میں خوش دلی سے مانتی ہوں۔ وہ اٹھنے کے لیے کہتا ہے تو اٹھ

بیٹھنے کے لیے کہتا ہے، تو بیٹھتی ہوں۔ اپنے شوہر کے حکم کی تعمیل کرنے کا نشہ ہی کچھ عجیب ہوتا ہے۔ جسے ہم جیسی وفا شعار عورتیں ہی سمجھتی ہیں۔"

ذیشان نے پوچھا "جب تم اتنی فرماں بردار ہو تو پھر اس نے تم پر ظلم کیوں کیا ہے؟"

وہ بازو پر بندھی پٹیوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے طنزیہ انداز میں مسکرائی پھر بولی "ایسی مار پیٹ تو وہ کرتا ہی رہتا ہے۔ بہت غصے والا ہے۔ اپنے مزاج کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کرسکتا۔ پریس والے انٹرویو لیتے ہیں۔ تصویریں اتارتے ہیں تو اعتراض کرتا ہے۔ اشتہاری فلموں والے آکر لاکھوں روپے کا کنٹریکٹ کرتے ہیں تو وہ اس پر بھی خوش نہیں ہوتا۔ بس اسے یہ شکایت ہوتی ہے کہ میں کیوں ان سے ہنس کر بات کرتی ہوں؟"

"وہ کرتا کیا ہے؟"

"کوئی خاص روزگار نہیں ہے۔ اس نے بی، اے تک تعلیم حاصل کی ہے۔ کوششیں کرتا رہتا ہے۔ کوئی نوکری نہیں ملتی مگر بدحرام نہیں ہے۔ کہیں نہ کہیں سے کچھ نہ کچھ کرکے لے ہی آتا ہے پھر کھاتے وقت فخر سے کہتا ہے کہ وہ میری نہیں اپنی کمائی کھا رہا ہے لیکن میرے لیے سب سے زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ وہ مجھے ٹی وی اسکرین پر اور اشتہاری فلموں میں آنے سے منع نہیں کرتا ہے، میرے شوق کو سمجھتا ہے۔ میں محبت سے مناتی ہوں تو مان لیتا ہے۔"

ذیشان نے پوچھا "پھر اس قدر جھگڑا کیوں بڑھا کہ اس نے تمہیں لہولہان کردیا۔ جب وہ تمہیں اتنا چاہتا ہے تو تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ اس نے بچے کو مار ڈالا ہوگا۔ اسے تم نے جنم دیا ہے۔ وہ اسے اتنا ہی عزیز ہوگا جتنی کہ تم اسے عزیز ہو۔ کیا وہ تم سے اولاد نہیں چاہتا تھا؟"

"جب میں نے بیٹے کو جنم دیا تو وہ بہت خوش ہوا تھا اور بڑا فخر کررہا تھا پھر نہ جانے اچانک کیا ہوا کہ وہ میرے گانے کے سلسلے میں میری مخالفت کرنے لگا۔ اس نے حکم دیا کہ آئندہ میں ٹی وی کے کسی پروگرام میں حصہ نہ لوں اور نہ ہی کسی اشتہاری فلم کے لیے کوئی کنٹریکٹ سائن کروں۔ کسی حاکم کو ایسا حکم نہیں دینا چاہیے جس کی تعمیل نہ ہوسکے۔ یہ میرے لیے ایسی ہی بات تھی جیسے وہ مجھے بلندی پر جانے کے بعد نیچے پھینک رہا ہو۔ ایک تو وہ لاکھوں روپے کا نقصان کرنا چاہتا تھا۔ دوسرا یہ کہ جو عزت اور شہرت مجھے حاصل ہوئی تھی اسے ڈبو دینا چاہتا تھا۔"

ذیشان نے پوچھا "لیکن اس نے ایسا حکم کیوں دیا؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی "میں نے بھی اس سے یہ سوال کیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ مرد ہے، کمانا اس کا کام ہے گھر والی کا کام صرف کھانا ہے۔ وہ جو کماتا ہے مجھے اسی میں گزارا کرنا ہے۔ آئندہ عزت آبرو سے زندگی گزارنے کے لیے اس نے کہا کہ میں شوبز کو خیرباد کہہ دوں۔ اس حکم پر میں نے جل کر کہا۔ کیا میں اب تک عزت آبرو سے نہیں ہوں؟ کیا میں بے حیائی سے دولت کمارہی ہوں؟ اگر تم نے مجھ میں ذرا سی بھی بے حیائی دیکھی ہو تو بتاؤ۔ میری اس بات پر اس نے کہا کہ دیکھی نہیں ہے مگر آثار بتارہے ہیں کہ تم ان راستوں پر چل پڑو گی۔ غیر نامحرم مرد یہاں آتے ہیں۔ تم ان سے ہنستی بولتی ہو۔"

وہ اتنا کہہ کر خاموش ہوگئی۔ شاید ماضی میں جھانکتے رہنے سے اسے تکلیف ہونے لگی تھی پھر وہ بڑے ٹھہرے ہوئے انداز میں بولی "اس نے کہا تھا، وہ صرف ایک بات جانتا ہے کہ میں اس کی شریکِ حیات ہوں۔ مجھے صرف اس کے ساتھ ہنسنا بولنا چاہیے۔ صرف اس کے ساتھ زندگی گزارنی ہے کسی غیر کے سامنے نہیں جانا ہے۔ کوئی میرا چہرہ بھی نہیں دیکھے گا۔"

وہ ایک ذرا رکی پھر ایک گہری سانس لے کر بولی "اپنے مرد کی جو پابندیاں مجھے بہت اچھی لگتی تھیں اب وہ بوجھ لگنے لگیں۔ میں نے اسے محبت سے، منت سماجت سے سمجھایا لیکن وہ اپنی ضد پر اڑا رہا۔ اس طرح ہمارا جھگڑا بڑھتا گیا۔ نوبت مار پیٹ تک آگئی...... پھر یہ لڑائی جھگڑے آج انتہا کو پہنچ گئے۔"

ذیشان نے پوچھا "آج کیا ہوا تھا؟"

"آج اس نے کہا۔ اگر میں شوبز کی دنیا نہیں چھوڑوں گی تو وہ مجھے چھوڑ دے گا۔ طلاق دے گا اور میرے بچے کو جان سے مار ڈالے گا۔"

"وہ بچے کو کیوں مارنا چاہتا ہے جبکہ وہ اس کا اپنا بیٹا ہے؟"

"وہ کہہ رہا تھا کہ وہ اپنے خون اور اپنی نسل کو مجھ جیسی عورت کے سائے میں پرورش پانے نہیں دے گا۔ وہ یہ قانونی نقطہ سمجھتا تھا کہ بچہ کم از کم چھ برس تک تو میرے ہی پاس پرورش پائے گا اور وہ ایسا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے صاف کہہ دیا کہ میں اپنے بیٹے کا شان دار مستقبل بنانا چاہتی ہوں اور ایسا صرف میری بھرپور کمائی سے ہی ہوسکتا ہے۔ اس کی محدود آمدنی سے بیٹے کا مستقبل نہیں سنور سکے گا۔"

وہ ایک ذرا توقف کے بعد بولی "اس بات پر اس نے

مجھے مارنا شروع کر دیا۔ کیونکہ میں اپنی آمدنی کے مقابلے میں اسے کم تر کہہ رہی تھی اور یہ بات اس سے برداشت نہ ہو سکی۔ میں نے بھی اپنا بچاؤ کرتے ہوئے یہ فیصلہ سنا دیا کہ میں شو بز کی دنیا میں رہ کر اپنے بچے کو اپنے ساتھ رکھوں گی اور اس کی محدود آمدنی پر بھروسا نہیں کروں گی۔"

پھر وہ ایک آہ بھر کر بولی "آہ......! پھر اس نے مجھے مارتے ہوئے غصے میں تین طلاقیں دے دیں۔ کچھ دیر کے لیے میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ غصے میں اس حد سے گزر جائے گا۔"

گل خانم مضبوط ارادوں والی عورت تھی پھر بھی اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ انہیں پونچھتے ہوئے بولی "طلاق دینے کے بعد وہ مجھے دھکے دے کر کمرے سے نکالنا چاہتا تھا۔ میرے بچے کو مار ڈالنا چاہتا تھا۔ میں فوراً ہی پلٹ کر اپنے بیٹے کے پاس آ گئی اور اس کے سامنے ڈھال بن گئی۔ وہ مجھے مارنے لگا۔ میرے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر مجھے کھینچتا ہوا کمرے سے باہر لے گیا پھر ایک طرف دھکا دے کر کمرے کے اندر چلا گیا۔ جب تک میں نے خود کو سنبھالا۔ اس دوران میں اس نے کمرے کے اندر جا کر دروازہ بند کر لیا تھا۔ میں دروازے کو پیٹتی رہی چیخ چیخ کر کہتی رہی۔ میرے بچے کو ہاتھ نہ لگانا۔ مجھ سے جو قیمت چاہے لے لو۔ چاہے تو میری جان لے لو...... مگر میرے بچے کو نقصان نہ پہنچاؤ۔"

وہ کہتے کہتے ایک دم سے چپ ہو گئی۔ شاید آنسوؤں کے طوفان کو روکنے کے لیے صبر کا بند باندھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ذیشان اسے بڑے دکھ سے دیکھ رہا تھا۔ آج گل خانم ایک نئے روپ میں نظر آ رہی تھی۔ وہ اس ممتا کی ماری کے دکھ کو سمجھ رہا تھا۔ وہ جیسے سکتے میں آ گئی تھی۔ ذیشان نے گلا کھنکارتے ہوئے پوچھا "پھر اس نے دروازہ کھولا......؟"

وہ انکار میں سر ہلاتے ہوئے کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولی "نہیں...... اندر سے کوئی جواب نہیں ملا۔ وہ خاموش تھا۔ میرا بچہ بھی خاموش تھا اور بچے کی خاموشی میرا دل دہلا رہی تھی۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ میں فوراً ہی وہاں سے پلٹ کر یہاں چلی آئی۔"

یہ کہہ کر اس نے بھیگی ہوئی آنکھوں سے ذیشان کو دیکھا۔ وہ ہمدردی کی مستحق تھی۔ وہ بولا "خدا پر بھروسا رکھو۔ اگر بچے کے مقدر میں زندگی ہو گی تو وہ ابھی تمہاری گود میں آ جائے گا۔"

ایسے وقت اس کے ماتحت نے آ کر سلیوٹ کیا پھر کہا "سر! ہم نے یادر خان کو گرفتار کر لیا ہے۔ اسے باہر بٹھایا گیا ہے۔"

گل خانم نے بے چینی سے پوچھا "اور میرا بچہ......؟"

ماتحت نے ہچکچا کر گل خانم کو اور پھر ذیشان کو دیکھا اس کے بعد کہا "ہم نے بچے کی لاش اسپتال پہنچا دی ہے۔ پوسٹ مارٹم ہو رہا ہے۔"

گل خانم کرسی سے اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ چیختے ہوئے کہنے لگی "نہیں۔ نہیں۔ میرا بچہ نہیں مر سکتا۔"

وہ چیختی چلاتی تیزی سے چلتی ہوئی کمرے سے باہر آ گئی۔ ذیشان وغیرہ بھی اس کے پیچھے پیچھے باہر آ گئے۔ وہاں ایک دفتری کمرے میں یادر خان زمین پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں۔ گل خانم تیزی سے چلتی ہوئی اس کے قریب آئی پھر اس کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے بولی "تو انسان نہیں، درندہ ہے۔ ایسا درندہ جس نے اپنے ہی بچے کو کھا لیا۔ تو نے ایسا کیوں کیا...... بول......! کیوں کیا......؟"

وہ دونوں ہاتھوں سے اسے مارنے لگی۔ وہ غصے سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ایک عورت سے مار کھانے کی توہین برداشت نہ کر سکا۔ اس پر حملہ کرنا چاہتا تھا لیکن تین سپاہیوں نے اسے چاروں طرف سے جکڑ کر بے بس کر دیا۔

ذیشان نے گل خانم کا بازو پکڑ کر اسے پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا "تم غصے میں بھول رہی ہو کہ یہ تمہیں طلاق دے چکا ہے۔ یہ نامحرم ہے، تمہیں اس سے پردہ کرنا چاہیے۔"

گل خانم جیسے چونک گئی۔ فوراً ہی دوسری طرف منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔ چادر کو گھونگھٹ بناتے ہوئے بولی "خدا کے لیے مجھے میرے بچے کے پاس لے چلیں۔ میں اسے دیکھنا چاہتی ہوں۔ میں اپنے بچے کا انتقام اس درندے سے ضرور لوں گی۔ اگر مجھے عدالت سے انصاف نہ ملا تو میں اسے اپنے ہاتھوں سے گولی مار دوں گی۔"

یادر خان نے غصے سے تلملا کر کہا "تو مجھے کیا مارے گی میں ہی تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ یہ پولیس والے جھوٹ بول رہے ہیں۔ میں نے اپنے بیٹے کو قتل نہیں کیا ہے اور...... یہ کیا کہہ رہا ہے؟ کیا میں نے تجھے طلاق دی ہے؟ کیا اس نے اپنے کانوں سے طلاق کا لفظ سنا ہے؟"

ذیشان نے گل خانم کو دیکھا۔ وہ بولی "انہوں نے نہیں سنا...... کسی نے نہیں سنا۔ میں نے سنا ہے اور میں اس بات کی گواہ ہوں کہ تو نے مجھے تین طلاقیں دی ہیں۔"

وہ دہاڑا "بکواس مت کر...... غصے میں اگر میں طلاق کا لفظ استعمال کر لیا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوا کہ تو میرے نکاح سے خارج ہو گئی ہے۔ تو میری بیوی ہے اور رہے گی۔"

ذیشان نے مداخلت کی "تم خر دماغ ہو۔ دینِ اسلام کے اصولوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے ہو۔ علمائے دین سے پوچھو گے تو وہ فتویٰ دے دیں گے کہ طلاق ہو چکی ہے۔"

گل خانم دہرے صدمات سے گزر رہی تھی۔ بری طرح ٹوٹنے کے باوجود خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس نے ذیشان سے کہا "آپ اس بدبخت سے کہہ دیں کہ یہ میری کوٹھی کے احاطے میں قدم نہ رکھے۔"

"یہ تو جیل سے باہر قدم نہیں نکال سکے گا پھر تمہاری کوٹھی تک کیسے پہنچے گا؟ ایک معصوم بچے کو ہلاک کرنے کے جرم میں نہ جانے اسے کتنی لمبی سزا ملے گی؟"

یادر خان کو سزا پانے کا خوف نہیں تھا۔ وہ ذرا پریشان سا ہو کر چادر میں چھپی گل خانم کو دیکھ رہا تھا۔ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ غصے سے طلاق دے گا تو وہ سچ مچ کی طلاق ہو جائے گی اور اس کی محبوبہ جیسی بیوی بیگانی ہو جائے گی۔

یادر نے ایک دم سے چونک کر ذیشان سے کہا "یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ انسان غصے میں طلاق کہے گا تو طلاق ہو جائے گی؟ غصے میں کسی کو گالیاں دے گا تو وہ گالیاں اسے لگ جائیں گی؟ غصے میں قتل کرنے کو کہے گا تو کیا وہ قاتل بن جائے گا؟"

"ہاں...... تم نے غصے میں یہی کیا ہے۔ اپنے بیٹے کو ہلاک کر دیا ہے۔"

"میں اتنا ظالم نہیں ہوں کہ اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھوں سے ہلاک کر دوں۔ مجھے جھوٹا الزام نہ دو۔"

ذیشان نے پوچھا "اگر تم نے اسے نہیں مارا ہے تو وہ کیسے مر گیا؟ کیا تم نے اس کا گلا نہیں دبایا تھا؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا "نہیں۔ میں نے اس کا گلا نہیں دبایا تھا۔"

"کیا تم نے اس کے منہ پر ہاتھ نہیں رکھا تھا؟"

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے ذیشان کو دیکھنے لگا پھر گل خانم کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "ہاں۔ جب میں نے اسے کمرے سے باہر نکال کر دروازے کو اندر سے بند کیا تھا تو یہ دروازے کو پیٹنے لگی تھی۔ ایسے میں بچہ زور زور سے رونے لگا تھا۔ تو میں نے اس کا منہ دبایا تھا تاکہ اس کا رونا بند ہو جائے۔"

گل خانم یہ باتیں سن کر صدمے سے چور ہو رہی تھی۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ذیشان نے ناگواری سے یادر کو دیکھا پھر کہا "تم نے بچے کا منہ اس وقت تک دبائے رکھا۔ جب تک گل خانم دروازہ پیٹتی رہی پھر اس کے جانے کے بعد تم نے بچے کے منہ پر سے ہاتھ ہٹایا؟"

یادر خان نے سر کو جھکا لیا پھر کہا "خدا گواہ ہے، میں نے جان بوجھ کر اسے ہلاک نہیں کیا ہے۔ اگر وہ ایسے مر گیا ہے تو خدا مجھے معاف کرے۔"

گل خانم نے تڑپ کر کہا "خدا تجھے معاف نہیں کرے گا۔ میں بھی معاف نہیں کروں گی۔ میرے بیٹے کی طرح تو بھی مارا جائے گا اور بہت جلد مارا جائے گا۔"

میز پر رکھے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ماتحت نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا پھر دوسری طرف کی باتیں سننے کے بعد کہا "ذرا ایک منٹ......"

اس نے ذیشان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "سر! پوسٹ مارٹم ہو چکا ہے۔ کیا بچے کی لاش یہاں منگوائی جائے؟"

گل خانم نے تڑپ کر ماتحت کو دیکھا۔ ذیشان نے کہا "نہیں۔ اسے کوٹھی میں لے جاؤ۔ گل خانم وہیں جا رہی ہیں۔"

گل خانم دونوں ہاتھوں سے چہرے کو ڈھانپ کر رونے لگی۔ اس ماں نے نو ماہ تک اس بچے کو اپنی کوکھ میں رکھا تھا۔ بڑے چاؤ سے اس کی آمد کا انتظار کرتی رہی تھی اور جب وہ اس دنیا میں آیا تو اس کے سفاک اور سنگ دل باپ نے اسے ہلاک کر ڈالا۔

اس ماں نے ناقابلِ بیان تکالیف سے گزر کر موت سے لڑتے ہوئے اس بچے کو جنم دیا تھا۔ درندے ممتا کے کرب کو نہیں سمجھتے۔ ایک چٹکی میں اس کی تخلیق کو مسل ڈالتے ہیں۔

☆☆☆

ٹینی تمام معاملات سے نمٹ کر بڑے سکون سے عروج کے ساتھ سو رہی تھی۔ اس کی کوٹھی میں سب ہی جاگ رہے تھے۔ فلک ناز، بیگم آفتاب، اور فلک آفتاب اسپتال تک بھٹکتے رہنے کے بعد واپس آ گئے تھے اور اب ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر عروج کو کوس رہے تھے۔

ادھر اسما اپنے بیڈ روم میں جاگ رہی تھی۔ ذیشان کا انتظار کر رہی تھی۔ صبح کے پانچ بجنے والے تھے اور وہ اب تک واپس نہیں آیا تھا۔

پولیس والوں کی ڈیوٹی اکثر ایسی ہی ہوا کرتی ہے۔ وہ راتوں کو گھر واپس نہیں آتے۔ وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتی تھی پھر بھی دل کو دھڑکا سا لگا رہتا تھا۔ یہ اندیشہ ستاتا رہتا تھا کہ میاں صاحب رات کی تاریکی میں کسی سے نیا رشتا جوڑنے

جاتے ہوں گے۔

وہ کبھی کبھی ڈیوٹی پر جاتے وقت بہترین سادہ لباس پہن کر جاتا تھا آج بھی وہ اسی طرح گیا تھا۔

اس نے پھر گھڑی کی طرف دیکھا۔ اب اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ وہ بیڈ سے اتر کر تیزی سے چلتی ہوئی کمرے سے باہر آگئی پھر بابر والے کمرے کے دروازے پر دستک دینے لگی۔

دوسری تیسری دستک کے بعد بابر کی نیند بھری آواز سنائی دی۔ ''کیا مصیبت ہے؟ اب کون ہے؟ اس گھر میں سکون سے کوئی سو بھی نہیں سکتا۔''

بیگم آفتاب نے سر اٹھا کر اوپری منزل کی طرف دیکھا پھر کہا ''یہ کس کے دروازے پر دستک ہو رہی ہے؟ وہاں کون ہے؟''

فلک ناز نے ناگواری سے کہا ''اوپر تو صرف دو ہی ہیں۔ بابر اور ہماری بہو رانی۔ ذیشان تو اپنی ڈیوٹی پر ہے۔''

بیگم آفتاب نے کہا ''مگر اتنی رات کو کیا ہو رہا ہے؟''

وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اوپر جانا چاہتی تھی۔ فلک آفتاب نے پوچھا ''تم کہاں جا رہی ہو؟ کیا بہو کے خلاف جاسوسی کرو گی؟ یہ سوچو کہ وہ تمہارے بیٹے کے ساتھ ہے۔ بہو پر نہ سہی مگر اپنے بیٹے کے کریکٹر پر تو بھروسا کرو۔''

''مجھے اپنے بابر پر بھروسا ہے لیکن معلوم تو ہو وہ اتنی رات کو کیوں جاگ رہے ہیں؟''

''ہم کیوں جاگ رہے ہیں؟ اسی طرح وہ بھی جاگ رہے ہیں یہاں چپ چاپ بیٹھ جاؤ۔''

بیگم نے بے بسی سے شوہر کو دیکھا پھر منہ بنا کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ ادھر بابر نے نیند میں آنکھیں ملتے ہوئے دروازے کے پاس آ کر جھنجلاتے ہوئے اسے کھولا تو اسما کو دیکھتے ہی ایک دم سے نرم پڑ گیا۔ پریشان ہو کر بولا ''بھابی جان! آپ......؟ اتنی رات کو؟ آیئے اندر آ جایئے......''

اس نے دروازے کو پوری طرح کھولا۔ وہ اندر آ کر بیڈ کے سرے پر بیٹھ گئی۔ بابر نے اس کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا ''کیا بھائی جان نہیں ہیں؟''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی ''صبح کے پانچ بج رہے ہیں۔ وہ رات کے گئے ہوئے ہیں۔ اب تک واپس نہیں آئے۔''

''اوہ...... بھابی جان! آپ تو جانتی ہیں کہ عینی نے سب کو پریشان کر رکھا ہے۔ سب اسی کی تلاش میں بھٹک رہے ہیں۔ بھائی جان پولیس افسر ہیں۔ وہ اسے ڈھونڈ نکالنے کے لیے اپنے تمام ذرائع استعمال کر رہے ہیں۔ انہیں آنے میں دیر تو ہوگی۔''

''کیا کسی کو تلاش کرنے یا کسی مجرم کو گرفتار کرنے کے لیے لباس پر پرفیوم اسپرے کر کے جایا جاتا ہے؟''

بابر نے اسے مسکرا کر دیکھا پھر کہا ''آپ بھائی جان کی عادت جانتی ہیں۔ جب وہ سادے لباس میں باہر جاتے ہیں پرفیوم وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ کیا آپ نے کبھی انہیں وردی پر پرفیوم اسپرے کرتے دیکھا ہے؟''

وہ ایک ذرا خفگی سے بولی ''تم تو بھائی کی حمایت میں ضرور بولو گے۔ میرے اندیشوں کو کبھی نہیں سمجھو گے۔''

''بھابی جان! اس گھر میں جتنا میں آپ کو سمجھتا ہوں اور جتنی محبتیں میں دیتا ہوں۔ اتنا آپ کو نہ تو کوئی سمجھ سکتا ہے اور نہ ہی محبتیں دے سکتا ہے۔ آپ کی میڈیکل رپورٹ نیگیٹو ہے اور بھائی جان کی پوزیٹیو ہے۔ بس اسی لیے آپ کے دل میں دھڑکا سا لگا رہتا ہے کہ وہ دوسری شادی کر لیں گے یا کہیں بہک جائیں گے۔''

''تمہاری ممی تو دوسری شادی کے لیے پورا زور لگا رہی ہیں۔ آخر ذیشان کب تک انکار کرتے رہیں گے؟''

''میں بھائی جان کے مزاج کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ بچپن سے دیکھتا آیا ہوں اور آپ بھی یہ اچھی طرح جانتی ہیں کہ بھائی جان رومانٹک نہیں ہیں۔ کبھی کسی عورت کو نظر بھر کر نہیں دیکھتے ہیں۔ پولیس والے کی نظروں سے ایسے دیکھتے ہیں جیسے گولی مار رہے ہوں۔ ان میں دلچسپی لینے والیاں بھی سہم جاتی ہیں۔''

پھر اس نے اسما کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا ''بھابی جان! نہیں جانتیں کہ بھائی جان آپ کو کس قدر چاہتے ہیں؟ وہ تو ممی کی زبان سے آپ کے خلاف ایک لفظ سننا بھی پسند نہیں کرتے۔''

''یہ تو میں جانتی ہوں کہ وہ مجھے دل و جان سے چاہتے ہیں اور یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ خود نہیں بہکیں گے لیکن بہکانے والیاں بہکا دیتی ہیں اور پھر ممی کا پریشر ان پر پڑتا رہتا ہے۔ آخر وہ کب تک دوسری شادی سے کتراتے رہیں گے؟''

وہ ہنستے ہوئے بولا ''شک کا علاج تو حکیم لقمان کے پاس بھی نہیں تھا۔ اگر آپ کے پاس کوئی علاج ہے تو مجھے بتائیں۔''

وہ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگی پھر بولی ''ہاں...... ایک راستہ ہے۔''

''اچھا......؟ تو پھر بتائیں۔ ہم ابھی اس راستے پر چلیں گے۔''

''پہلے تو یہ سمجھ لو کہ تمہارے ممی ڈیڈی صرف اس لیے مجھ سے خوش نہیں ہیں کہ میں انہیں ایک پوتی یا پوتے کا تحفہ نہیں دے رہی ہوں۔ اگر اس گھر میں اولاد ہو جائے تو ان کی شکایتیں کسی حد تک دور ہو جائیں گی۔''

''لیکن پوتی یا پوتا آئے گا کہاں سے؟''

''تم چاہو گے تو اس گھر میں بچے ہی بچے کھیلتے کودتے دکھائی دیں گے۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا ''اچھا...... تو آپ مجھے شادی کے جھمیلے میں الجھانا چاہتی ہیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں ڈیڈی کے ڈوبتے ہوئے کاروبار کو سنبھال رہا ہوں اور اسے آگے بڑھانے کی کوششیں کر رہا ہوں میرا سارا دھیان صرف کاروبار کی طرف ہے۔''

''تم کاروبار کی طرف دھیان دیتے ہوئے پاپ سنگنگ کر سکتے ہو، اس کے لیے وقت نکال سکتے ہو لیکن شادی کے لیے نہیں نکال سکتے؟''

وہ مسکرا کر بولا ''گانے بجانے کے شوق سے میں کسی دن بھی چھٹکارا پا سکتا ہوں لیکن بیوی آ گئی تو اس سے کبھی نجات نہیں ملے گی۔ سو طرح کے جھمیلے ہوں گے۔ سو طرح کے مسائل پیدا ہوتے رہیں گے۔''

وہ اسے گھورتے ہوئے بولی ''اس کا مطلب ہے، میں تمہارے بھائی کی زندگی میں آ کر سو طرح کے جھمیلے اور مسائل پیدا کر رہی ہوں؟''

''اس سے بڑا اور کیا مسئلہ ہوگا کہ اولاد نہیں ہو رہی ہے اور اس وجہ سے آپ تنقید کا نشانہ بنتی رہتی ہیں۔ کیا یہ اس گھر کا سب سے بڑا مسئلہ نہیں ہے؟ اگر آپ دلہن بن کر نہیں آتیں تو یہ مسائل بھی پیدا نہیں ہوتے۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی ''شادی سے پہلے یہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ میں بانجھ ہوں۔''

''میں تو کہتا ہوں، شادی کے طور طریقے بدل دیئے جائیں۔ پہلے یہ دیکھ لیا جائے کہ جو لڑکی بیوی بن کر آنے والی ہے وہ ماں بن سکتی ہے یا نہیں اس کی ایک شادی پہلے ہو جائے وہ ماں بن جائے پھر اس کے بعد وہاں سے طلاق لے کر ہماری زندگی میں چلی آئے اور ہمارے گلشن میں ننھے ننھے پھول کھلاتی رہے۔''

وہ اس کے سر پر ہلکی سی چپت مار کر بولی ''کہاں کی باتیں کر رہے ہو ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔''

''ہونے کو تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ یہ جو مقدر ہے نا یہ بہت بڑا بازیگر ہے۔ طرح طرح کے تماشے دکھاتا رہتا ہے۔ ہمارے گھر میں بھی ایسا کوئی تماشا ہو سکتا ہے۔ جس کے متعلق ابھی ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔''

''اچھا زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ میں جو کہہ رہی ہوں وہ کرو۔''

''آپ چاہتی ہیں میں شادی کر لوں۔ ٹھیک ہے کر لوں گا لیکن وہ بھی بانجھ نکلی تو کیا ہوگا؟''

''تم باتیں بنا رہے ہو۔ دنیا کی ساری لڑکیاں بانجھ نہیں ہوتیں۔ تم بہانے نہ کرو۔ شادی کے لیے ہاں کرو۔ تمہارے پہلے بچے کو میں گود لے لوں گی۔ اسے اپنی اولاد بنا کر رکھوں گی۔ اس کے بعد ہونے والے بچوں کو تم اپنی بیوی کے ساتھ سنبھالتے رہنا۔ اس طرح ہمارے بزرگ مطمئن ہو جائیں گے۔ تم چاہو تو مجھے اولاد کی محرومی سے بچا سکتے ہو۔''

''بھابی جان! آپ یہ اچھی طرح جانتی ہیں کہ اس گھر میں میری شادی کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ جب تک عینی راضی نہیں ہوگی۔ تب تک کوئی میری طرف توجہ نہیں دے گا اور نہ ہی مجھے کسی دوسری جگہ شادی کرنے کی اجازت دی جائے گی۔''

وہ پریشان ہو کر اسے دیکھنے لگی پھر چہک کر بولی ''وہ اجازت نہ دیں۔ تم چھپ کر شادی کر لو۔ تم چاہو تو میرے لیے بہت کچھ کر سکتے ہو۔''

''بھابی جان! میں آپ کے لیے جان دے سکتا ہوں لیکن کیا یہ مناسب رہے گا کہ میں چھپ کر شادی کروں اور چھپ کر اولاد پیدا کروں اور پھر اس اولاد کو تو ماں باپ کے سامنے لانا ہی ہوگا۔''

''جب اولاد ہو جائے گی تو تمہارے ممی اور ڈیڈی کو سب سے زیادہ خوشی ہوگی۔ وہ اس بات کو بھول جائیں گے کہ تم نے انہیں دھوکا دے کر کہیں چھپ کر شادی کی تھی۔ وہ اس پھل دینے والی بہو کو بھی قبول کر لیں گے۔''

''ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ عینی کی موجودگی میں وہ کسی دوسری لڑکی کو اس گھر کی بہو نہیں بننے دیں گے۔ آپ اس بات کو سمجھتی کیوں نہیں ہیں؟''

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بولی ''میں سب سمجھتی ہوں مگر کچھ سمجھنا بھی نہیں چاہتی۔ بس ایک بات کہتی ہوں تمہیں میری خاطر شادی کرنی ہوگی۔ میں تمہاری بھابی ہوں تم مجھے ماں کی طرح چاہتے ہو۔ کیا اس ماں کی گود میں ایک اولاد نہیں دے سکتے؟''

یہ کہہ کر وہ کوئی جواب سنے بغیر تیزی سے چلتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔ وہ کھلے ہوئے دروازے کو دیکھنے

لگا۔ وہ اسما کی بہت عزت کرتا تھا۔ اسے دل و جان سے چاہتا تھا اور اس کی محرومیوں کو بھی سمجھتا تھا۔ سنجیدگی سے سوچ رہا تھا کہ وہ اس کے لیے کیا کر سکتا ہے؟

☆☆☆

جوانی میں نیند بھی آتی ہے اور خواب بھی آتے ہیں۔ اگر کوئی چپکے سے دل کی خواب گاہ میں چلا آئے تو پھر نیند نہیں آتی۔ خواب آتے ہیں۔ پاشا جانی اپنے بستر پر ساری رات کروٹیں بدلتا رہا اور خواب میں اسے دیکھتا رہا۔

اب سے پہلے بھی وہ اسے بارہا دیکھ چکا تھا۔ تقریباً آٹھ ماہ پہلے ایک عمر رسیدہ شخص حادثے سے دوچار ہوا تھا۔ سڑک کے کنارے زخمی پڑا ہوا تھا۔ لوگوں کی بھیڑ تھی۔ ایسے وقت وہ بھی اپنی ٹیکسی لے کر وہاں پہنچ گیا تھا۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ وہ اس زخمی کو اپنی ٹیکسی میں ڈال کر اسپتال پہنچا دے پھر دو شخص اسے اٹھا کر ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر لے آئے تھے۔

وہ اسے اسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں لے گیا۔ وہ عمر رسیدہ شخص بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ بہت سارا خون بہہ چکا تھا۔ اسے اٹینڈ کرنے کے لیے لیڈی ڈاکٹر عروج وہاں پہنچی تو پتا چلا کہ وہ زخمی اس کا باپ سید تراب علی شاہ ہے۔ وہ اسے اس حالت میں دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی اور پاشا جانی اسے دیکھ کر دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔ یہ نہیں تھا کہ وہ کوئی حسینہ عالم تھی۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ دل و دماغ کو متاثر کرنے والی لڑکی حسین ترین ہو۔ ایک معمولی شکل و صورت کی لڑکی بھی اپنے اندر بلا کی جاذبیت رکھتی ہے۔

عروج میں بھی ایسی ہی جاذبیت تھی۔ جسے پاشا جانی پہلی نظر میں نہیں سمجھ سکتا تھا لیکن متاثر ہوتا چلا گیا تھا۔

سید تراب علی شاہ کو فوراً ہی آپریشن تھیٹر میں پہنچایا گیا۔ خون زیادہ بہہ جانے کے باعث خون کی دو بوتلوں کی ضرورت تھی۔ عروج اس اسپتال کی مشہور و معروف ڈاکٹر تھی۔ اس کے لیے خون حاصل کرنا کوئی بڑی بات نہیں تھی لیکن مسئلہ یہ تھا کہ تراب علی شاہ کے خون کا گروپ او نیگیٹو تھا اور یہ بلڈ گروپ بڑی مشکل سے دستیاب ہوتا ہے۔

اسے بتایا گیا کہ اسپتال کے اسٹاک میں یہ بلڈ گروپ نہیں ہے۔ عروج نے فوراً ہی بلڈ بینک والوں سے فون پر رابطہ کیا تو دوسری طرف سے کہا گیا "ڈاکٹر صاحبہ! آپ تو جانتی ہیں، یہ گروپ بڑا نایاب ہوتا ہے۔ ابھی ہمارے بلڈ بینک میں او نیگیٹو کی ایک بھی بوتل نہیں ہے۔"

اس خون کی کمیابی نے اسپتال کے ڈاکٹروں کو اور خصوصاً عروج کو پریشان کر دیا تھا۔ آپریشن تھیٹر کا دروازہ کھل رہا تھا، کبھی بند ہو رہا تھا۔ کبھی عروج اور کبھی دوسرے ڈاکٹرز آتے جاتے دکھائی دے رہے تھے۔ شہر میں جتنے بلڈ بینک تھے ان سے رجوع کیا جا رہا تھا لیکن ہر طرف سے مایوسی ہو رہی تھی۔

وہ سب ایک دوسرے سے کہتے پھر رہے تھے کہ او نیگیٹو بلڈ کی ضرورت ہے اور وہ کہیں نہیں مل رہا ہے۔ یہ بات پاشا جانی تک پہنچی تو وہ سیدھا عروج کے چیمبر میں آ گیا۔ وہ وہاں پریشانی سے ٹہل رہی تھی۔ ایک ڈاکٹر بھی وہاں موجود تھا۔ نرسیں سر جھکائے کھڑی ہوئی تھیں۔

پاشا جانی نے اندر آ کر عروج کو دیکھا پھر کہا "ڈاکٹر صاحبہ! میرا بلڈ گروپ او نیگیٹو ہے۔"

عروج نے بے یقینی سے اسے دیکھا پھر آگے بڑھ کر اس کے قریب آ کر کہا "کیا تم اپنا خون دو گے؟"

"جی ہاں۔ میں اسی لیے آیا ہوں۔"

وہ عروج سے متاثر ہوا تھا اور اب اپنے بہترین عمل سے اسے متاثر کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس کے ساتھ چلتا ہوا آپریشن تھیٹر میں آیا۔ اگرچہ وہ اس کے باپ سید تراب علی شاہ کو سڑک کنارے سے اٹھا کر لایا تھا لیکن اب تک اس کی صورت نہ دیکھی تھی۔ دو آدمیوں نے اسے اٹھا کر پچھلی سیٹ پر ڈالا تھا۔ وہ اس کے ساتھ ہی اسپتال تک آئے تھے۔ پاشا جانی اس دوران میں اسٹیئرنگ سیٹ پر ہی بیٹھا رہا تھا۔ ان آدمیوں نے ہی تراب علی شاہ کو ٹیکسی سے نکال کر اسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں پہنچایا تھا۔

وہاں وہ سید تراب علی شاہ کو دیکھ سکتا تھا مگر عروج پر نظر پڑتے ہی کسی دوسری طرف دیکھنا بھول گیا تھا لیکن اب آپریشن تھیٹر میں آ کر اس نے عروج کے باپ کو دیکھا تو چونک گیا۔

اسے دیکھ کر پتہ چلا کہ وہ اپنے دشمن کو خون دینے آیا ہے اور وہ لیڈی ڈاکٹر عروج کوئی اور نہیں، اس کے دشمن کی بیٹی ہے۔ پاشا جانی نے ایک نظر عروج پر ڈالی۔ اس کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ باپ کی زندگی بچ جانے کی امید نے اسے مزید نکھار دیا تھا۔ دشمن کی بیٹی ہونے کے باوجود وہ اس کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔

ایک نرس نے آ کر اسٹریچر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پاشا سے کہا "آپ وہاں لیٹ جائیں۔"

وہ کن انکھیوں سے عروج کو دیکھ رہا تھا۔ نرس کی بات سنتے ہی جیسے چونک گیا۔ ذرا ہچکچا کر بیڈ پر پڑے ہوئے اپنے دشمن کو دیکھنے لگا۔ جو ابھی بے ہوش تھا اور پاشا کا خون نہ ملنے کی صورت میں یہ بے ہوشی اس کی موت بننے والی تھی۔ اس طرح ایک دشمن ختم ہونے والا تھا۔

تدبیر سے تقدیر بدلی جاتی ہے۔ اپنے دشمن کو موت کے گھاٹ اتارنے کا بہترین موقع اس وقت پاشا کے ہاتھ آیا ہوا تھا۔ وہ کسی بھی تدبیر سے کام لے کر موت کو اس کا مقدر بنا سکتا تھا۔

میں دور کھڑا اسے دیکھ رہا تھا اور مسکرا رہا تھا۔ تدبیر دماغ سے لڑائی جاتی ہے مگر وہ تو دل سے سوچ رہا تھا۔ میں تراب علی شاہ کے ساتھ بھی تھا۔ اس کے ہاتھوں کی لکیریں اس کی زندگی کا پتا دے رہی تھیں۔ میں ان پر چل پڑا اور پاشا دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر ہچکچاتے ہوئے اسٹریچر کی طرف بڑھنے لگا۔ مجھے بدلنا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔"

پاشا جانی دھیرے دھیرے چلتا ہوا بیڈ کے سرے پر آ کر بیٹھ گیا عروج نے اس کے قریب آ کر کہا "تم شاید پہلی بار خون دے رہے ہو......؟ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ تم اچھے خاصے صحت مند اور حوصلہ مند دکھائی دیتے ہو۔ تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔"

عروج اس کی ہچکچاہٹ کو نوٹ کر رہی تھی اور یہ سمجھ رہی تھی کہ وہ شاید خوف زدہ ہے۔ پاشا نے کہا "نہیں۔ مجھے کوئی پریشانی نہیں ہے۔ وہ...... دراصل میں یہ پوچھنا چاہ رہا تھا کہ کیا یہ آپ کے والد ہیں؟"

وہ ہاں کے انداز میں سر ہلا کر بولی "میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔"

تصدیق ہو گئی تھی۔ وہ ذرا بجھے ہوئے لہجے میں بولا "نہیں۔ میں کوئی احسان نہیں کر رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ لیٹ گیا۔ ایک ڈاکٹر اس کا خون تراب علی کے جسم میں ٹرانسفر کرنے کے انتظامات کرنے لگا۔ عروج نے کہا "ایک بوتل سے اتنا سہارا تو ملے گا کہ ابو کو بڑی حد تک توانائی حاصل ہو جائے گی لیکن دوسری بوتل بھی ضروری ہے۔"

پھر اس نے ایک اسسٹنٹ سے کہا "تم جاؤ اور پھر معلوم کرو کہ کہیں سے یہ خون دستیاب ہو سکتا ہے یا نہیں......؟ تمام ڈاکٹرز سے کہو کہ وہ اس سلسلے میں اپنے جان پہچان والوں سے رابطہ کریں۔ ہو سکتا ہے، ان کے شناساؤں میں کوئی او نیگیٹو والا مل جائے اور ہماری مدد کے لیے راضی ہو جائے۔"

وہ اسسٹنٹ وہاں سے چلا گیا۔ خون منتقل ہونے کے انتظامات ہو گئے۔ وہ اپنے خون کے ذریعے اپنے ہی دشمن کو توانائی دے رہا تھا۔

جب تک پاشا جانی کا خون تراب علی کے جسم میں منتقل ہوتا رہا تب تک عروج اپنے باپ کے پاس ہی کھڑی رہی۔ اس کا معائنہ کرتی رہی اور پاشا اس کی طرف سر گھمائے بڑی چاہت سے دیکھتا رہا۔

محبت بھی کیا چیز ہے؟ اس کا خون نچوڑا جا رہا تھا اور وہ اس لہو نچوڑنے والی کو بڑے پیار سے دیکھ رہا تھا۔ جذبوں میں ڈوب کر سوچ رہا تھا "میری جان! میں اپنے بدن کا سارا لہو تمہیں دے دوں گا۔ بس اسی طرح میرے سامنے رہو۔ میں تمہیں دیکھتے دیکھتے آنکھیں بند کر لوں اور اپنے لہو کی آخری بوند کے ساتھ اپنی زندگی ہار جاؤں۔ یہ ہار میری بہت بڑی جیت ہو گی۔"

وہ خون دینے کے بعد آپریشن تھیٹر کے باہر آ کر بیٹھ گیا۔ اسے ایک گلاس دودھ پینے کے لیے دیا گیا۔ ایک نرس نے آ کر کہا "ڈاکٹر صاحبہ مصروف ہیں انہوں نے کہا ہے کہ آپ ان کے چیمبر میں انتظار کریں۔ وہ تھوڑی دیر میں آئیں گی۔"

وہ وہاں سے اٹھ کر عروج کے چیمبر میں جانا چاہتا تھا۔ ایسے ہی وقت اس کی ملاقات ایک شناسا سے ہو گئی۔ اس نے کہا "اچھا ہوا پاشا بھائی! جو تم مل گئے۔ میں اپنی ماں کو علاج کے لیے یہاں لایا تھا۔ ابھی اسپتال سے چھٹی ہوئی ہے انہیں گھر لے جانا ہے۔"

ایک دوست کا اور اس کی بیمار ماں کا معاملہ تھا۔ وہ انکار نہ کر سکا۔ انہیں لے کر وہاں سے چلا گیا۔ اس نے راستے میں سوچا کیا ضروری ہے کہ وہ لیڈی ڈاکٹر سے ملاقات کرے؟ اگر اس نے نیکی کی ہے تو اسے دریا میں ڈال دینا چاہیے اس کے صلے میں یہ توقع نہیں کرنی چاہیے کہ ایک معزز لیڈی ڈاکٹر ایک ٹیکسی ڈرائیور کی طرف مائل ہو جائے گی اور اس سے عشق کرنے لگے گی۔ ایسی سوچ محض فلمی یا افسانوی ہوا کرتی ہے۔

وہ اس بیمار عورت کو اس کے گھر پہنچا کر دوسری سواری لے کر دوسرے علاقے میں چلا گیا۔ اس طرح وہ شام تک مصروف رہا۔ دل نہیں مان رہا تھا۔ بار بار عروج کی طرف جانے کو جی چاہ رہا تھا۔

آخر کو اس نے وہاں جانے کے لیے یہ جواز پیدا کیا کہ اس کے باپ کی خیریت معلوم کرنی چاہیے۔ وہ اگرچہ دشمن تھا مگر دل اس کی بیٹی کو دوست مان رہا تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ دشمنی شاید دوستی میں نہ بدلے اس کے باوجود اس کا دل ڈانواڈول تھا۔

وہ رک رک کر اس کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔ وہ اسپتال آیا تو شام کے پانچ بج رہے تھے۔ اس نے ایک نرس سے پوچھا "ڈاکٹر عروج کہاں ہیں؟"

وہ بولی ''ڈاکٹر بہت پریشان ہیں۔ ابھی تک خون کی دوسری بوتل کا انتظام نہیں ہوا ہے۔ وہ میڈیکل بورڈ کے چیئر مین سے ملاقات کرنے گئی ہیں۔''

اس نے پوچھا ''ان کے والد کیسے ہیں؟''

''ہوش میں ہیں لیکن بہت کمزور ہیں۔ انہیں خون کی اشد ضرورت ہے۔''

اس نے پوچھا ''کیا ایک ہی دن میں دو بار خون دیا جاسکتا ہے؟''

''ہاں۔ خون دینے والا صحت مند ہو اور کئی گھنٹوں کے وقفے سے دوبارہ خون لیا جائے تو کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔''

''تو پھر مجھے ڈاکٹر کے پاس لے چلو۔''

یہ بات ڈاکٹر تک پہنچی تو اس نے پاشا کو بلا کر اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے کہا ''تم بہت گریٹ ہو۔ ایسے انسان دوست ہو کہ کوئی تمہارا دشمن نہیں ہوسکتا۔''

اس نے دل میں کہا ''جسے خون دینے جارہا ہوں وہی میرا دشمن ہے۔ میری نیکی کا اتنا صلہ تو ملے کہ اس کی بیٹی میری دوست بن جائے۔''

وہ خون دینے کے بعد تھوڑی دیر تک ڈاکٹر کے پاس بیٹھا رہا۔ ڈاکٹر نے کہا ''ہم نے ڈاکٹر عروج سے رابطہ کرنے کی کوشش کی ہیں مگر ان کا فون شاید آف ہے اور پتا نہیں وہ اس وقت کہاں ہیں؟''

وہ مایوس ہو کر اٹھتے ہوئے بولا ''میں پھر کسی دن آؤں گا۔''

ڈاکٹر نے اپنی جگہ سے اٹھ کر بڑی عقیدت مندی کے ساتھ اس سے مصافحہ کیا پھر وہ وہاں سے چلا آیا۔

میں سب کا مقدر ہوں۔ اس کا بھی مقدر ہوں۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ پھر عروج سے ملاقات کرے۔ ایک دوسرے سے شناسائی حاصل کرنے کا اور ملاقات کرنے کا ایک مناسب وقت ہوتا ہے اور ابھی میں وہ مناسب وقت ان کی زندگی میں نہیں لانا چاہتا تھا۔

پاشا جانی کو لاہور سے اطلاع ملی کہ اس کی ماں کی طبیعت بہت خراب ہے اور اسے اسپتال پہنچایا گیا ہے۔ لہٰذا وہ اسی رات کی ٹرین سے لاہور روانہ ہوگیا۔ وہاں اس کی ماں اتنی سخت بیمار تھی کہ اپنی زندگی کے لیے موت سے نہ لڑ سکی۔ ایک ماہ بعد ہی اس کا انتقال ہوگیا۔

دس برس پہلے باپ کا سایہ سر سے اٹھا تھا اب ماں کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔

ماڈل ٹاؤن کے قریب ہی اس کا اپنا ایک مکان تھا۔ وہ چاہتا تھا اسے فروخت کرنے کے بعد کراچی چلا جائے اور وہاں کوئی کاروبار شروع کرے۔ اس نے بی، اے تک تو حاصل کی تھی۔ کہیں ملازمت نہیں ملتی تھی۔ اس لیے ٹ چلانے پر مجبور ہوگیا تھا اور اب ٹیکسی کے سلسلے میں اتنا تج ہوگیا تھا کہ وہ دو چار ٹیکسیاں خرید کر ان کے ذریعے اپنی آ بڑھا سکتا تھا۔

مکان فروخت ہونے میں کافی وقت لگ گیا۔ تق سات ماہ بعد وہ کراچی واپس آیا تو سب سے پہلے لیڈی ڈ عروج کو دیکھنے کے لیے دل مچلنے لگا۔

وہ ٹرین سے اترنے کے بعد اپنے کرائے کے مکان گیا۔ وہاں سامان رکھ کر فوراً ہی اسپتال پہنچ گیا۔ دن کے بجنے والے تھے۔ عروج اس روز تین مریضوں کے آپ میں مصروف تھی۔

پاشا جانی باہر اسے تلاش کررہا تھا۔ اس نے ایک ڈ سے پوچھا ''آپ بتا سکتے ہیں، ڈاکٹر عروج کہاں ہیں؟''

''وہ آپریشن تھیٹر میں مصروف ہیں۔''

ڈاکٹر اسے نہیں پہچانتا تھا۔ سات ماہ پہلے اس نے اسپتال میں خون کی دو بوتلیں دی تھیں۔ اس وقت یہ ڈاکٹر تھا اور جو ڈاکٹر اس وقت موجود تھا وہ اب دکھائی نہیں دے تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہی عروج آپریشن تھیٹر سے باہر آ اس کے ایک طرف اسسٹنٹ ڈاکٹر تھا اور دوسری طرف نرس تھی۔ وہ دونوں کو کچھ ہدایات دیتی جارہی تھی اور پر دکھائی دے رہی تھی پھر تیزی سے چلتی ہوئی اپنے چیمبر میں گئی۔

پاشا جانی دروازے پر کھڑا ہوا تھا۔ عروج نے سر ا اسے دیکھا تک نہیں۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ اس وقت ذہن پر بہت الجھی ہوئی تھی۔

کچھ دیر بعد اسسٹنٹ اور نرس چیمبر سے باہر آپریشن تھیٹر کی طرف چلے گئے۔ چیمبر کا دروازہ کھلا رہ اور وہ وہاں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ پریشان ہو کر ادھر ادھر ٹہل رہی تھی۔ کچھ سوچ رہی تھی پھر وہ ریسیور اٹھا کر فو کسی سے باتیں کرنے لگی۔ اس دوران میں وہ پیپر پیڈ لکھتی بھی جارہی تھی پھر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کا پیپر پیڈ سے علیحدہ کرکے اسے پڑھتی ہوئی باہر آ گئی۔

پاشا جانی اسے مخاطب کرنا چاہتا تھا مگر نہ کرسکا۔ وہ سے چلتی ہوئی اس کے قریب سے گزرتی چلی گئی تھی۔ پا خود کو سمجھایا ''وہ بہت الجھی ہوئی ہے۔ کیس شاید بہت س

ہے۔ اسی لیے وہ بہت زیادہ پریشان ہے اور آس پاس کے ماحول سے بیگانہ ہے۔ اس کا سارا دھیان اپنے مریض کی طرف ہے۔ ایسے میں اس سے ملاقات کے بارے میں سوچنا فضول ہے۔''

پھر بھی وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس کے چیمبر کے سامنے کوریڈور میں ٹہلنے لگا۔ تقریباً دو گھنٹے بعد وہ آپریشن تھیٹر سے باہر آئی۔ اس کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے نرسیں اور اسسٹنٹ ڈاکٹر وغیرہ تھے۔ وہ سب خوش تھے اور عروج بھی مطمئن نظر آرہی تھی۔ اس سے پتا چلا کہ جو کیس الجھا ہوا تھا وہ سلجھ گیا ہے۔

پاشا جانی دروازے پر آکر کھڑا ہوگیا۔ مسکرا کر اسے دیکھنے لگا۔ عروج نے چیمبر میں داخل ہوتے ہوئے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ انداز ایسا تھا جیسے گزرتے ہوئے یونہی کسی کو دیکھ رہی ہو۔ وہ نرسوں اور ڈاکٹرز کے ساتھ چیمبر میں چلی گئی۔ دروازہ بند ہوگیا اور وہ سوچتا رہ گیا ''کیا بات ہے اس نے مجھے دیکھا ہے لیکن پہچانا نہیں ہے؟ اب تو وہ الجھی ہوئی نہیں تھی۔ مسئلہ حل ہوچکا تھا۔ اس نے مجھے کسی اجنبی کی طرح کیوں دیکھا ہے؟ کیا وہ ایک ٹیکسی ڈرائیور سے راہ و رسم بڑھانا نہیں چاہتی......؟''

اسے یقین نہیں ہورہا تھا کہ عروج ایسی بے مروت ہوسکتی ہے۔ اپنے باپ کی جان بچانے والے کو سات ماہ کے مختصر عرصے میں بھول سکتی ہے۔ پاشا جانی نے اس کی زندگی میں بہت اہم رول ادا کیا تھا۔ اس کے باوجود وہ اپنے ہیرو کو بھول گئی تھی۔

اس نے سوچتے ہوئے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا تو پتا چلا کہ شیو بہت بڑھی ہوئی ہے۔ تب ہی عروج اسے دیکھ کر اس کی طرف نہیں بڑھی تھی۔ وہ کچھ سوچ کر تیزی سے چلتا ہوا پبلک باتھ روم میں آیا۔ وہاں ایک ٹوٹا ہوا آئینہ رکھا تھا۔ اس نے اس آئینے میں اپنے چہرے کو دیکھا تو ایک دم سے یوں لگا جیسے وہ کسی اجنبی کو دیکھ رہا ہو۔

چہرے پر صرف شیو نہیں بڑھی ہوئی تھی بلکہ سفر کی گرد بھی جمی ہوئی تھی۔ عروج سے ملنے کی بے چینی نے اس کی عقل خبط کردی تھی۔ اسے غسل وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد یہاں آنا چاہیے تھا۔

جلد بازی کا نتیجہ سامنے تھا۔ وہ آئینے میں خود کو دیکھ کر کوس رہا تھا۔ اب تو عروج سے ملنے کا راستہ ہموار ہو بھی جاتا تو وہ اس حلیے میں ہرگز اس کے سامنے نہ جاتا۔ وہ فوراً ہی گھر واپس آگیا۔ ملاقات کو اس نے دوسرے دن پر رکھ دیا۔

ایک تو انسان آئندہ کی منصوبہ بندی بہت کرتا ہے۔ اس نے بھی عروج سے ملنے کے لیے دوسرے دن جانے کا ارادہ کیا تھا مگر ارادے سے کیا ہوتا ہے؟ فیصلہ تو مقدر کا ہوتا ہے، میرا ہوتا ہے۔ میں نے اسی رات عروج سے اس کا سامنا کرا دیا۔

وہ اس طرح کہ آدھی رات کے بعد پہلے اسے عینی سے ٹکرایا۔ تاکہ عینی اس سے متاثر ہوجائے۔ دو سہیلیوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ شادی کے بعد ایک ہی چھت کے نیچے رہیں گی لیکن میں انہیں ایک ہی شخص کے سائے میں لا رہا تھا۔

اس رات بھی عروج اسپتال کے احاطے میں عینی سے ملنے آئی تو جذبات سے بھری ہوئی تھی۔ وہ فوراً ہی اس سے لپٹ کر رونے لگی تھی۔ اس وقت عینی اس کے لیے اتنی اہم تھی کہ وہ ایک بار پھر پاشا جانی کی طرف توجہ نہ دے سکی۔

یہ محبت کی آنکھ مچولی تھی کہ وہ اسے سامنے پاکر بھی پہچان نہیں پارہی تھی۔ میں نے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی۔ اسے دوسرے معاملات میں الجھا رہا تھا۔

دن کے وقت وہ آپریشن میں مصروف رہی تھی اور اب رات کو عینی کے ملنے کی خوشی ایسی تھی کہ وہ برداشت نہیں کرپارہی تھی۔ اس سے لپٹ کر خوشی کے آنسو بہا رہی تھی۔

پاشا جانی دوسرے دن صبح سو کر اٹھا تو معمول کے کاموں سے فارغ ہو کر سوچنے لگا ''شاید وہ اسپتال نہ آئے۔ اسے بچھڑی ہوئی سہیلی مل گئی ہے۔ وہ اس کے ساتھ وقت گزار رہی ہوگی۔ لہٰذا پہلے فون پر اس سے بات کرنی چاہیے۔''

اس نے فوراً ہی جیب میں ہاتھ ڈال کر وہ پرچی نکالی جس پر عروج کا موبائل نمبر اور اسپتال کا نمبر لکھا ہوا تھا پھر وہ قریبی پی سی او میں جاکر اسے کال کرنے لگا۔

مقدر کی رکاوٹ بڑی ظالم ہوتی ہے اور وہ مسلسل میرے ظلم کا نشانہ بن رہا تھا۔ وہ پندرہ منٹ تک اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کرتا رہا مگر اس کا نمبر انگیج تھا۔ مسلسل ناکامی نے اسے مایوس کردیا۔ وہ ریسیور پٹخ کر پی سی او سے نکل آیا پھر سوچنے لگا ''وہ بڑے لوگ ہیں۔ لمبی گاڑی میں بیٹھ کر بھی مہنگے فون پر لمبی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ وہ بھی کسی سے کوئی ضروری بات کررہی ہوگی۔ میں ایک دو گھنٹے بعد رابطہ کروں گا۔ پتا نہیں وہ مجھ جیسے ٹیکسی ڈرائیور سے بات بھی کرنا چاہے گی یا نہیں......؟''

یہ سوچ کر اس نے ایک گہری سانس لی۔ ایسے وقت نگاہوں کے سامنے تراب علی شاہ کا چہرہ گھوم گیا۔ وہ حقارت سے سر جھٹک کر اپنے گھر کی طرف بڑھ گیا۔

اس وقت سید تراب علی شاہ کے ڈرائنگ روم میں فلک آفتاب، بیگم آفتاب اور فلک ناز وغیرہ مختلف صوفوں پر براجمان تھے اور عروج کو یہ الزام دے رہے تھے کہ اس نے پچھلی رات سے عینی کو کہیں غائب کر رکھا ہے۔ وہ اسے چھپا کر ہم سے دشمنی کیوں کر رہی ہے؟

عروج کے بھائی حشمت علی نے کہا ''میری بہن آپ لوگوں سے کیوں دشمنی کرے گی؟ عینی خود چھپنا چاہتی ہے۔ وہ آپ سب سے دور بھاگ رہی ہے۔ آپ میں سے کسی سے ملنا نہیں چاہتی تو اس میں عروج کا کیا قصور ہے؟ آپ اسے کیوں الزام دے رہے ہیں؟''

وہ ذرا تیز لہجے میں بول رہا تھا۔ فلک آفتاب نے کہا ''برخوردار! ذرا دھیمے لہجے میں بات کرو۔ پہلے بزرگوں سے بات کرنے کے آداب سیکھو پھر بولو۔''

بیگم آفتاب نے کہا ''یہ کیا آداب سیکھے گا؟ یہ تو اپنے بزرگوں کے طور طریقوں پر چل رہا ہے۔''

عروج کی ممی نے پوچھا ''ہمارے ایسے کون سے طور طریقے ہیں جو آپ کو چبھ رہے ہیں؟''

''کیا یہ کم ہے کہ آپ کی بیٹی ہماری بیٹی کو ہم سے دور کر رہی ہے؟ صاف پتا چل رہا ہے کہ یہ پلاننگ آپ سب گھر والوں کی ملی بھگت ہے۔ آپ سیدھے راستے سے اپنی بہو نہ بنا سکے تو چور راستہ اختیار کر رہے ہیں۔''

حشمت نے کہا ''آپ بہت زیادہ بول رہی ہیں۔ اس وقت ہمارے گھر میں ہیں۔ اس لیے میں لحاظ کر رہا ہوں۔ ورنہ کھری کھری سنا دیتا۔ ویسے آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ مجھے آپ کی نک چڑھی بھتیجی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں آپ کی اس امیر زادی پر تھوکنا بھی گوارہ نہیں کرتا۔''

تراب علی شاہ نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا ''حشمت! چپ ہو جاؤ۔ جاؤ یہاں سے......''

وہ بولا ''جا رہا ہوں...... مگر اتنا کہے دیتا ہوں کہ اگر عینی ہمارے گھر میں آئی تو میں اس کی ٹانگیں توڑ دوں گا۔ اسے گولی مار دوں گا لیکن یہ الزام برداشت نہیں کر پاؤں گا کہ ہم اسے بہکا کر اپنے گھر کی بہو بنانا چاہتے ہیں۔ لعنت ہے اس پر اور ایسا سوچنے والوں پر......''

وہ ایک جھٹکے سے صوفے پر سے اٹھا پھر پاؤں پٹختا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ تراب علی نے کہا ''ہمارے درمیان غلط فہمیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ بہتر ہے کہ ہم پہلے عروج سے فون پر بات کریں اور یہ معلوم کریں کہ وہ عینی کے ساتھ کہاں ہے؟''

اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے پھر رابطہ ہونے پر کہا ''عروج! تم کہاں ہو؟ عینی کہاں ہے؟''

وہ بولی ''عینی میرے پاس خیریت سے ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔''

''پریشان کیسے نہ ہوں؟ یہاں ہم پر اغوا کا الزام لگ رہا ہے۔ یہ کہا جا رہا ہے کہ ہم نے تمہارے ذریعے عینی کو اغوا کیا ہے۔ بیٹا! یہ تم نے کیا مصیبت مول لے لی ہے؟ کہاں ہے عینی......؟''

وہ بولی ''آپ ریسیور عینی کے تایا ابو کو دیں۔ میں ان سے بات کروں گی۔''

عینی اس کی باتیں سن رہی تھی پھر اس کے ہاتھ سے فوراً لیتے ہوئے بولی ''لاؤ فون مجھے دو۔ میں بات کرتی ہوں۔''

اس نے فون لے کر کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے فلک آفتاب کی آواز سنائی دی ''ہیلو...... عروج! میں بول رہا ہوں۔ عینی کہاں ہے؟ صاف اور سیدھا جواب دو۔ کل رات سے تم ہمیں کیوں بھٹکا رہی ہو؟''

وہ ذرا سپاٹ لہجے میں بولی ''میں عروج نہیں...... عینی بول رہی ہوں۔''

وہ ایک دم سے نرم پڑتے ہوئے بولا ''میری بچی! میری جان! تم کہاں ہو؟ تمہیں کیا پتا کہ ہم تمہارے لیے کیسے پاگل ہو رہے ہیں؟ نہ کھانا ہے، نہ پینا ہے، نہ سونا ہے، نہ جاگنا ہے۔ عجیب حالت ہو گئی ہے ہماری......''

وہ ناگواری سے منہ بنا رہی تھی پھر بولی ''جب عروج نے آپ سے کہہ دیا تھا کہ میں اس کے پاس خیریت سے ہوں پھر آپ پریشان کیوں ہو رہے ہیں؟''

''بیٹی! تم کل شام سے بھٹک رہی ہو۔ ہم سے دور رہ کر نہ جانے کن حالات سے گزرتی آ رہی ہو؟ جب تک ہم تم سے ملاقات نہیں کریں گے ہمیں سکون نہیں ملے گا۔''

''اور جب میں بھٹکنے کے بعد عروج کے پاس پہنچی تھی وہاں کچھ دیر سکون سے رہنا چاہتی تھی۔ آرام کرنا چاہتی تھی آپ لوگوں نے مجھے پریشان کرنا شروع کر دیا تھا۔ کیا یہ آپ کی محبت تھی؟ کیا میرے لیے آپ کا یہ رویہ مناسب تھا؟''

باتوں کے دوران میں بیگم آفتاب نے بے چین ہو کر وائڈ اسپیکر آن کر دیا تھا۔ عینی کی آواز سب کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ بیگم آفتاب نے فون کی طرف جھکتے ہوئے بڑے میٹھے لہجے میں کہا ''بیٹی! ہم تو تمہارے آرام و سکون کے لیے اپنی نیندیں حرام کر رہے ہیں۔ تم ہمارے اندر کے جذبوں کو نہیں سمجھ رہی ہو۔ ہم دل سے مجبور ہو کر تمہارے پاس

آ رہے تھے۔ ہمارا مقصد تمہیں پریشان کرنا نہیں تھا۔ آخر یہ عروج تمہیں کہاں لیے پھر رہی ہے؟''

وہ بولی ''میں ننھی بچی نہیں ہوں کہ یہ اپنی انگلی پکڑائے گی اور میں اس کی انگلی پکڑ کر کہیں بھی چلی جاؤں گی۔''

بیگم آفتاب نے کہا ''مگر کل رات تو تم دونوں اس کوارٹر میں نہیں تھیں۔ وہ تمہیں کہاں لے گئی تھی؟''

''میں جانتی تھی کہ میری خیر خیریت معلوم کرنے کے لیے ہمارا خاندان یہاں چلا آئے گا۔ رات سے صبح ہو جائے گی اور مجھے سونے کا موقع نہیں دیا جائے گا۔ اس لیے میں رات گزارنے کے لیے دوسری سہیلی کے گھر چلی گئی تھی۔''

فلک ناز بھی فون کی طرف جھکتے ہوئے بولی ''بیٹی! اگر تمہیں کسی اور سہیلی کے پاس جانا تھا تو کم از کم ہمیں فون پر اطلاع دے دیتیں۔ ہم مطمئن ہو جاتے۔ کل رات سے ایک پل بھی پلک نہیں جھپکائی ہے۔ میرا عدنان تو تمہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر پاگل ہو رہا ہے۔''

بیگم آفتاب نے جل کر کہا ''بس کرو ناز! اب مجھے بھی کچھ بولنے دو۔''

فلک ناز نے کہا ''بھابی جان! آپ بولتی ہیں تو بولتی ہی چلی جاتی ہیں۔''

وہ پھر فون کی طرف جھک کر بولی ''ہاں تو بیٹی! میں کہہ رہی تھی......''

دوسری طرف سے عینی اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی ''پلیز...... آپ کچھ نہ کہیں۔ میں جانتی ہوں۔ آپ مجھے واپس آنے کو کہیں گی...... یا آپ میرے پاس آنا چاہیں گی مگر دونوں ہی باتیں ممکن نہیں ہیں۔''

فلک آفتاب نے پریشان ہو کر کہا ''بیٹی! یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ آخر گھر واپس آنا ممکن کیوں نہیں ہے؟''

عینی نے کہا ''وہ میرا گھر ہے۔ مجھے تو وہاں آنا ہی ہے۔ فی الحال ناممکن ہے۔ وہ اس لیے کہ میں ابھی عروج کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔ یہ میری دیکھ بھال بھی کر رہی ہے اور آئی اسپشلسٹ نے جو دوائیں تجویز کی ہیں۔ وہ باقاعدگی سے مجھے استعمال کرا رہی ہے۔ آپ لوگ مطمئن رہیں۔ میں شام تک واپس آ جاؤں گی۔''

فلک آفتاب نے پوچھا ''کیا تم عروج کے کوارٹر میں ہو؟''

اس نے ایک نظر عروج پر ڈالی پھر فون پر کہا ''جی ہاں۔ آپ کو اطمینان ہونا چاہیے۔''

''بیٹی! ہمیں اطمینان ہے پھر بھی ہم شام کو تمہارے پاس آئیں گے اور تمہیں اپنے ساتھ گھر لے جائیں گے۔''

وہ اپنی جھنجلاہٹ کو ضبط کرتے ہوئے بولی ''تایا ابو! آپ بے وجہ تکلیف کریں گے۔ میں عروج کے ساتھ آ جاؤں گی۔''

''نہیں بیٹی! کل بھی تم وہاں سے تنہا آ رہی تھیں مگر کیسی کیسی مشکلات میں گھر گئی تھیں؟ عروج اپنی ڈیوٹی پر ہوتی ہے۔ اسے ڈیوٹی کرنے دو اور مجھے وہاں آنے دو۔''

وہ ہتھیار ڈالتے ہوئے بولی ''آپ ضد کر رہے ہیں تو یونہی سہی۔ آپ چھ بجے یہاں آ جائیں۔ میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔''

بیگم آفتاب نے یہ سنتے ہی ایک ذرا فخر سے فلک ناز کو دیکھا۔ جیسے آنکھوں کے ذریعے کہہ رہی ہو کہ دیکھ لو۔ جیت ہماری ہی ہوئی ہے۔

فلک ناز کہاں پیچھے رہنے والی تھی؟ فوراً ہی فون پر جھک کر بولی ''بیٹی! میں بھی آؤں گی۔''

بیگم آفتاب محبت جتانے میں کمی گوارہ نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے بھی فون کی طرف منہ کر کے کہا ''یہ بات ہے تو بیٹی! میں بھی آؤں گی۔''

وہ تینوں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر کچھ اور بھی کہنا چاہتے تھے۔ تراب علی نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا ''عینی نے فون بند کر دیا ہے۔''

حشمت ڈرائنگ روم سے باہر تو چلا گیا تھا مگر دروازے پر کھڑا عینی سے فون پر ہونے والی باتیں سن رہا تھا۔ یہ پتا چلا کہ وہ عروج کے ساتھ اس کے کوارٹر میں ہے۔

وہ وہاں سے چلتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا۔ عینی اسے کانٹے کی طرح چبھتی رہتی تھی۔ پہلے تو اس نے بڑی محبت سے اسے اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا۔ بڑے ہی رومانٹک انداز میں اسے اپنے قریب کرنا چاہا تھا مگر وہ طرح دے جاتی تھی۔ اس کے ہاتھ نہیں آتی تھی۔ اسے سمجھاتی تھی کہ وہ اس سے ایسی توقع نہ کرے۔

ایک دن وہ عروج کے ساتھ اس کے کمرے میں تھی۔ عروج واش روم میں گئی ہوئی تھی۔ ایسے وقت حشمت نے آ کر دیکھا تو سمجھا کہ وہ تنہا ہے اس نے آتے ہی اس کے بازو کو تھام لیا پھر کہا ''میں محبت سے تمہیں اپنی طرف مائل کرنا چاہتا ہوں مگر تم نخرے دکھاتی رہتی ہو۔ اگر میں تمہیں جبراً حاصل کر لوں تو پھر کیا کرو گی؟''

یہ کہہ کر وہ اس کا دوسرا بازو پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچنا چاہتا تھا۔ عینی نے ایک جھٹکے سے بازو چھڑا لیا۔ وہ غصے سے

کھول رہی تھی اور اسی غصے میں اس نے ایک زور دار تھپڑ حشمت کے منہ پر جڑ دیا۔

وہ غصے سے تلملا کر رہ گیا۔ ایک لڑکی سے مار کھانے والی توہین برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ آگے بڑھ کر اسے دبوچ لینا چاہتا تھا۔ ایسے ہی وقت عروج واش روم سے باہر آئی اور چیخ کر بولی ''بھائی جان! یہ کیا ہو رہا ہے......؟''

عینی دوڑتی ہوئی آ کر عروج سے لپٹ گئی۔ وہ بولا ''تم نے سنا نہیں......؟ میں سہولت سے بات کر رہا تھا لیکن اس نے میرے منہ پر طمانچہ مار دیا یہ خود کو سمجھتی کیا ہے۔ میں اس تھپڑ کا بدلہ ضرور لوں گا۔''

وہ گرج کر بولی ''آپ نے اسے ہاتھ بھی لگایا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔''

''تم کیا کر لو گی؟''

''میں یہ گھر چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔ نہ میں یہاں رہوں گی اور نہ عینی یہاں آیا کرے گی۔''

پھر وہ عینی کو لے کر اپنے ممی ڈیڈی کے پاس پہنچ گئی اور حشمت کی گھٹیا حرکت کے بارے میں انہیں بتانے لگی۔

حشمت نے آ کر کہا ''یہ بھی بتاؤ کہ اس نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا ہے۔ میں اپنی توہین کبھی نہیں بھولوں گا۔''

تراب علی شاہ نے گھور کر حشمت کو دیکھا پھر کہا ''ایسی گھٹیا حرکت کرنے کے بعد تمہیں تو بولنا ہی نہیں چاہیے۔ عینی تمہاری بہن کو صرف سہیلی ہی نہیں بلکہ اپنی بہن سمجھ کر آتی ہے۔ ان دونوں کے بیچ کتنا پیار ہے؟ یہ ہم سب ہی جانتے ہیں۔ عینی بھی میری بیٹی ہے۔ آئندہ تم نے اسے ہاتھ بھی لگایا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔''

بیگم شاہ نے کہا ''تم سے غلطی ہوگئی ہے تو کوئی بات نہیں سوری کہہ دو۔ معاملہ ختم ہو جائے گا۔ خوامخواہ بات نہ بڑھاؤ۔''

وہ حقارت سے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔ بات تو بڑھ چکی ہے۔ یہ نواب زادی سمجھتی ہے کہ جسے چاہے گی اپنے پیروں تلے کچل کر گزرتی چلی جائے گی اور کوئی اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکے گا۔''

عروج نے کہا ''اگر آپ کو اپنے آپ پر غرور ہے تو اس کے خلاف کوئی حرکت کر کے دیکھیں۔ اس کی حمایت میں بولنے والے اور آپ کو عدالت میں گھسیٹنے والے بہت سے پیدا ہو جائیں گے پھر آپ کو یہاں سے بھاگنا پڑے گا۔''

بیگم شاہ نے گھور کر عروج کو دیکھا۔ حشمت نے کہا ''میں میدان چھوڑ کر بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ جو ہوگا...... وہ دیکھ لوں گا......''

پھر وہ غصے سے پاؤں پٹختا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

اب بدلہ لینے کا وقت آ گیا تھا۔ وہ ڈرائنگ روم سے یہ سن کر اپنے کمرے میں آ گیا تھا کہ عینی عروج کے ساتھ اس کے کوارٹر میں ہے۔ وہ ٹہل رہا تھا اور سوچ رہا تھا ''اگر عروج ڈیوٹی پر جائے گی تو وہ تنہا اس کوارٹر میں رہ جائے گی۔ ایسے میں میں اس سے نمٹ لوں گا۔''

وہ اس پہلو پر پچھلی رات سے غور کر رہا تھا کہ اس نخریلی کو کس نے اغوا کرنے کی کوشش کی ہوگی؟ اور کم بخت نہ جانے کس طرح بچ کر پھر عروج کے پاس آ گئی ہے؟

اس نے سوچا ''وہ امیر زادی ہے۔ تاوان کے طور پر لاکھوں کروڑوں روپے حاصل کرنے کے لیے کوئی بھی اسے اغوا کر سکتا ہے اور اغوا کرنے کے بعد اس کے حسن و شباب کی ایسی کی تیسی بھی کر سکتا ہے۔ اس سے پہلے ہی مجھے بہتی گنگا میں ہاتھ دھو لینا چاہیے۔''

اس نے پلٹ کر قد آدم آئینے میں خود کو دیکھا پھر اپنی مونچھوں کو تاؤ دینے لگا۔ مونچھ والے اور چوٹی والی کی لڑائی کا کیا انجام ہوتا ہے؟ یہ سب ہی جانتے ہیں۔ وہ ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے باوجود بھی بچ نہیں پاتی۔ اسے زیر ہونا ہی پڑتا ہے۔

☆☆☆

عینی نے فون بند کرنے کے بعد عروج کو دیکھا پھر بے بسی سے کہا ''میں ان رشتے داروں سے کیسے پیچھا چھڑاؤں؟ سمجھ میں نہیں آتا۔ تایا ابو ہیں، پھوپی ہیں، ہاری ماموں ہیں۔ سب سے میرا خون کا رشتہ ہے۔ میں ان سے صاف صاف نہیں کہہ سکتی کہ وہ مجھے جتنا پیار کرتے ہیں اتنا ہی میری زندگی میں زہر بھی گھول رہے ہیں۔ وہ بزرگ ہیں۔ مجھے ان کے سامنے اخلاقاً چپ رہنا پڑتا ہے۔''

عروج نے کہا ''تو ان سے کتراتی رہتی ہے۔ یہی بہت ہے۔ رفتہ رفتہ ان کی سمجھ میں یہ آ جائے گا کہ ان میں سے کوئی بھی اپنی چال میں کامیاب نہیں ہو سکے گا اور نہ ہی تجھے اپنی بہو بنا سکے گا۔''

''آج اتنے عرصے بعد سوتیلی ماں کا اصلی چہرہ سامنے آ چکا ہے۔ آئندہ وہ اپنی جھوٹی ممتا سے مجھے فریب نہیں دے سکیں گی۔''

وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی ''رفتہ رفتہ سب کے اصلی چہرے سامنے آ جائیں گے۔ تو ذرا دیکھتی جا۔''

موبائل فون سے بزر کی آواز ابھرنے لگی۔ عینی نے ''ذرا دیکھ تو سہی۔ کس کا نمبر ہے؟''

عروج نے آگے بڑھ کر فون کو اٹھایا پھر نمبر پڑھتے ہوئے کہا ''کوئی نیا نمبر ہے۔ پتا نہیں کس کا ہے؟''

عینی کے دل نے دھڑک کر کہا ''ہو سکتا ہے پاشا جانی نے فون کیا ہو؟''

یہ خیال آتے ہی اس نے عروج سے کہا ''آن کر کے دیکھ......!''

عروج نے اس کا ایک بٹن دبا کر اسے کان سے لگایا پھر کہا ''ہیلو...... عروج علی شاہ ہیئر......''

پاشا جانی کی آواز سنائی دی ''میں پچھلے پون گھنٹے سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن آپ شاید کسی سے باتیں کرنے میں مصروف تھیں؟''

وہ مسکرا کر بولی ''ہاں۔ عینی کے گھر والے اس سے باتیں کر رہے تھے۔ تم وہی ٹیکسی ڈرائیور ہو نا۔ جس نے میری سہیلی کو میرے پاس پہنچایا ہے؟''

عینی ٹیکسی ڈرائیور کا سن کر خوشی سے کھل گئی۔ پاشا نے فون پر کہا ''جی...... میں وہی ہوں۔ ٹیکسی ڈرائیور کسی کو اس کی منزل پر پہنچانے کے بعد پھر اس کی خیریت پوچھنے نہیں آتا پھر بھی میں نے سوچا، مس عینی کی خیریت معلوم کر لوں۔''

''کیوں نہیں؟ تمہیں فون نمبر اسی لیے دیا گیا تھا کہ تم ہمیں فون کرو۔ عینی تم سے بہت متاثر ہے۔ تمہاری احسان مند ہے۔ میں فون اسے دے رہی ہوں اس سے باتیں کرو۔''

وہ فون عینی کی طرف بڑھانا چاہتی تھی۔ وہ جلدی سے بولا ''جسٹ اے منٹ......''

عروج نے پوچھا ''ہاں بولو!''

''عام طور پر ٹیکسی ڈرائیوروں کے بارے میں اچھی رائے قائم نہیں کی جاتی۔ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟''

وہ تھوڑی دیر کے لیے ماضی میں پہنچ گئی۔ اسے وہ ٹیکسی ڈرائیور یاد آیا۔ جس نے اس کے باپ کے لیے خون کی دو بوتلیں دی تھیں پھر اس نے مسکرا کر فون پر کہا ''دنیا کے ہر شعبے میں اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں اور برے بھی ہوتے ہیں۔ میں نے اپنی زندگی میں دو ٹیکسی ڈرائیوروں کو دیکھا ہے اور دونوں کو فرشتہ پایا ہے۔ ایک تو تم ہو۔ تم نے لاکھوں روپے کی رشوت کو ٹھکرا کر میری عینی کو مجھ سے ملایا ہے۔''

''میں نے کوئی احسان نہیں کیا ہے۔ اپنا فرض ادا کیا ہے۔ بائی دا وے۔ وہ دوسرا ٹیکسی ڈرائیور کون ہے؟''

''اس نے مجھ پر اتنا بڑا احسان کیا ہے، جسے میں ساری زندگی بھلا نہیں پاؤں گی۔ میرے ڈیڈی ایک حادثے میں زخمی ہو گئے تھے۔ اس نے اپنے خون سے انہیں نئی زندگی دی تھی۔ میں اس سے بہت متاثر ہوئی تھی اور آج بھی ہوں۔''

پاشا جانی کے جسم میں لہو کی گردش تیز ہو گئی۔ بہت زیادہ خوشی ملے تو آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔ وہ مرد تھا۔ آنسو نہیں بہا سکتا تھا۔ پسینہ بہا رہا تھا پھر آستین سے ماتھے کو اور چہرے کو پونچھتے ہوئے بولا ''پھر تو آپ اسے اچھی طرح جانتی ہوں گی؟ کیا نام ہے اس کا......؟''

عینی اس سے باتیں کرنے کے لیے بے چین ہو رہی تھی مگر عروج سے فون نہیں چھین سکتی تھی۔ بے قرار سی ہو کر ادھر سے ادھر ٹہلنے لگی۔ عروج فون پر کہہ رہی تھی ''اس ڈرائیور نے اپنا نام کمال احمد لکھوایا تھا۔ میں بڑی عقیدت مندی سے اس کا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی لیکن وہ دوبارہ مجھے نظر ہی نہیں آیا۔''

پاشا نے خوشی سے پہلو بدلتے ہوئے پوچھا ''اگر وہ نظر آ جائے تو کیا آپ اسے پہچان لیں گی؟''

''ہاں۔ میں اسے لاکھوں میں پہچان سکتی ہوں مگر یہ بتاؤ، تم مجھ سے ایسے سوالات کیوں کر رہے ہو؟ کیا تم اس کے بارے میں کچھ جانتے ہو؟''

وہ مسکرا کر بولا ''ہاں میں کمال احمد کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں وہ بھی میری طرح بی، اے پاس ہے اور میری طرح ہی بے روزگاری سے مجبور ہو کر ٹیکسی چلاتا ہے۔''

وہ خوش ہو کر بولی ''اچھا۔ کیا اس نے میرے ڈیڈی کو خون دینے کے بارے میں تمہیں کچھ بتایا تھا؟''

''ہاں۔ بتایا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تم دوسری بار ڈاکٹر عروج سے ملنے کیوں نہیں گئے؟''

''مجھے اس سے یہی شکایت ہے۔ اسے میرے پاس آنا چاہیے تھا۔ مجھ سے ملنا چاہیے تھا۔ کم از کم وہ مجھے شکریہ ادا کرنے کا موقع تو دیتا۔''

وہ محظوظ ہوتے ہوئے بولا ''وہ حالات کی وجہ سے مجبور ہو گیا تھا۔ اس کی امی کا انتقال ہو گیا تھا۔ وہ کافی عرصے تک لاہور میں ہی رہا تھا۔''

''یہ سن کر افسوس ہو رہا ہے۔ اللہ اسے صبر کی توفیق دے۔''

''وہ لاہور سے آتے ہی تم سے ملنے کے لیے اسپتال آیا تھا مگر تم نے اسے پہچانا ہی نہیں۔''

وہ چونک کر بولی ''اوہ گاڈ! وہ یہاں آیا تھا؟''

وہ ہنسی کو دباتے ہوئے بولا ''ہاں۔ آپ کسی آپریشن میں مصروف تھیں اور کافی پریشان بھی تھیں۔''

عینی کبھی ٹہل رہی تھی اور کبھی ایک جگہ رک کر اسے دیکھ

رہی تھی۔ عروج نے فون پر ذرا پریشانی سے کہا ''نہ جانے اس نے میرے بارے میں کیا رائے قائم کی ہوگی؟ اس نے تمہیں کچھ بتایا ہوگا؟''

''اس نے تمہارے بارے میں کوئی غلط رائے قائم نہیں کی ہے اسے تمہاری مصروفیت اور پریشانی پر پیار آ رہا تھا۔''

وہ اچانک ہی آپ سے تم پر آ گیا۔ عروج اس تبدیلی پر دھیان دیئے بغیر بولی ''کیا تم اسے میرا پیغام دے سکتے ہو؟''

وہ بے چینی سے پہلو بدل کر بولا ''ہاں...... ہاں ضرور......''

''میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔''

وہ ایک دم سے خوش ہو کر بولا ''تم جب کہو گی وہ تمہارے پاس چلا آئے گا۔''

پھر عروج نے عینی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''عینی تم سے ملنا چاہتی ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم اسے اپنے ساتھ یہاں لے آؤ؟''

عینی صبر کر رہی تھی۔ آخر اس کے قریب آ کر سرگوشی میں بولی ''مجھے بھی دو باتیں کر لینے دو۔''

عروج نے فون پر کہا ''پاشا! یہ عینی تم سے بات کرنا چاہتی ہے۔''

یہ کہہ کر اس نے موبائل فون عینی کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اسے کان سے لگا کر بولی ''ہیلو پاشا......!''

وہ بولا ''ہیلو عینی! خیریت سے ہو؟''

وہ بڑی لگاوٹ سے بولی ''جب تمہارے جیسا محافظ مل جائے تو خیریت ہی خیریت ہوتی ہے۔ تم یہاں آؤ گے؟''

پاشا جانی کے تصور میں عروج آ گئی۔ وہ مسکراتے ہوئے پوچھ رہی تھی ''آؤ گے نا......؟''

وہ سحر زدہ سا ہو کر فون پر بولا ''ضرور آؤں گا۔ بلکہ ابھی آ رہا ہوں۔''

دوسری طرف سے عینی نے چہک کر کہا ''میں انتظار کروں گی...... خدا حافظ......!''

پھر وہ فون بند کر کے مسکراتے ہوئے بولی ''وہ آ رہا ہے۔''

عروج اس کے چہرے کو اپنی ہتھیلیوں میں بھرتے ہوئے بولی ''میں دیکھ رہی ہوں، تو اس سے کچھ زیادہ ہی متاثر ہو گئی ہے۔''

''ہاں۔ میں کل سے اپنے دل کو ٹٹول رہی ہوں، یہ سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں کہ وہ مجھے کیوں اچھا لگ رہا ہے؟ اور کیوں بار بار یاد آ رہا ہے؟''

عروج نے اس کے پہلو میں چٹکی بھرتے ہوئے شوخی سے پوچھا ''بھلا میں بھی تو جانوں...... وہ تجھے کیوں یاد آ رہا ہے؟''

وہ اپنے دل کو کریدنے لگی پھر بولی ''شاید اس لیے کہ اب تک میں نے اپنے آس پاس ایسے چاہنے والوں کی بھیڑ دیکھی ہے جو خود غرض ہیں۔ مطلب پرست ہیں اور صرف میری دولت کی خاطر مجھے سر آنکھوں پر بٹھائے رکھتے ہیں۔ کل رات اس نے میری خاطر ایک لاکھ روپے ٹھکرا دیئے۔ کئی گھنٹوں تک میرے ساتھ رہا مگر ہاتھ لگانا تو درکنار اس نے مجھے میلی نظر سے بھی نہیں دیکھا عزت و آبرو سے تیرے پاس پہنچا دیا۔ متاثر ہونے کی یہی وجہ میری سمجھ میں آ رہی ہے اور یوں بھی کسی سے متاثر ہونے پر انسان کا اختیار نہیں ہوتا۔''

عروج بڑی محبت سے اس کی پیشانی کو چوم کر بولی ''خدا تجھے ایک سچا اور محبت کرنے والا لائف پارٹنر دے۔ کل رات میں نے اسے توجہ سے نہیں دیکھا تھا۔ تو تو بڑی دیر تک اس کے ساتھ رہی تھی۔ کیسا ہے وہ......؟''

عینی ایک دم سے بجھ سی گئی پھر افسردگی سے بولی ''تو مجھ سے پوچھ رہی ہے، یہ جانتی ہے کہ مجھے چہرے صاف طور سے دکھائی نہیں دیتے۔ وہ مجھے دھندلا دھندلا سا نظر آتا رہا تھا۔''

وہ اس کے لہجے کی مایوسی کو سمجھ رہی تھی پھر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی ''میں تو بھول ہی گئی کہ تیری آنکھوں میں دوا ڈالنی ہے۔ چل پاؤں اوپر کر کے لیٹ جا۔ میں دوا لاتی ہوں۔''

وہ اس کے کہنے کے مطابق بیڈ پر نیم دراز ہو گئی۔

حشمت کار سے اتر کر محتاط انداز میں چلتا ہوا عروج کے کوارٹر کی طرف آیا۔ اسپتال کے باہر مرد، عورتوں اور بچوں کا ہجوم تھا۔ اسے ڈر تھا کہ وہاں کوئی شناسا نہ مل جائے اور چوری کرنے سے پہلے ہی اسے جائے واردات پر دیکھ لے۔

وہ چلتے چلتے ایک دیوار کی آڑ میں ہو گیا۔ چوکیدار عروج کے کوارٹر کے قریب سے گزرتا ہوا آ رہا تھا۔ وہ ڈاکٹر عروج کے بھائی کی حیثیت سے اسے پہچانتا تھا۔ جب وہ ٹہلتا ہوا وہاں سے پلٹ کر اسپتال کی طرف جانے لگا۔ تب وہ دیوار کی آڑ سے نکل کر تیزی سے چلتا ہوا عروج کے کوارٹر کے سامنے آ گیا۔

دروازہ بند تھا مگر اندر سے کھلا ہوا تھا۔ اس نے آہستگی سے ہینڈل کو گھما کر ہلکا سا دباؤ ڈالا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ دونوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اس نے دبے قدموں اندر آ کر دروازے کو پہلے کی طرح بند کر دیا۔ وہ حتی الامکان ان

سے چھپنا چاہتا تھا۔

اگر غلطی سے پکڑا جاتا تو یہی کہتا کہ وہ بہن سے ملنے آیا ہے۔

وہ دیوار سے لگ کر ان کی باتیں سننے لگا اور آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ عروج اس کی آنکھوں میں دوا ٹپکاتے ہوئے کہہ رہی تھی ''بس اب آنکھیں نہ کھولنا۔ آرام سے اسی طرح پڑی رہو۔''

عینی نے ایک ہاتھ آگے بڑھا کر ٹٹولتے ہوئے اس کے ہاتھ کو تھام لیا پھر بڑے جذبے سے کہا ''عروج! میں اسے دیکھنا چاہتی ہوں۔ میں نے اب تک اسے دیکھتے ہوئے بھی نہیں دیکھا ہے۔ کیا اس دوا کے اثر سے وہ مجھے صاف طور پر دکھائی دے گا؟''

عروج اسے محبت اور ہمدردی سے دیکھ رہی تھی پھر بولی ''میں تجھے پہلے بھی کہہ چکی ہوں۔ آئی اسپیشلسٹ نے یہ دوائیں تیری موجودہ بینائی کو بحال رکھنے کے لیے تجویز کی ہیں۔ تجھے دھندلا نظر آتا ہے۔ اسی طرح نظر آتا رہے گا۔ ڈاکٹر کوشش کر رہا ہے کہ بینائی اس سے زیادہ خراب نہ ہو۔''

عینی بجھ سی گئی۔ عروج نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا ''خدا نے چاہا تو بہت جلد تجھے آنکھوں کا عطیہ مل جائے گا۔ اس بارے میں مایوس نہ ہوا کر۔ اب چپ کر کے لیٹی رہ۔ میں ذرا واش روم جا رہی ہوں۔''

عینی کی محرومی اسے رلا دیتی تھی مگر یہ اچھا ہی تھا کہ وہ اس کے آنسو نہیں دیکھ پاتی تھی۔ وہ واش روم میں جا کر خوب آنسو بہا کر دل ہلکا کرنا چاہتی تھی۔ بے دھیانی میں اٹھ کر جانے لگی تو ایک چھوٹی سی میز سے ٹکرا گئی اس پر رکھا ہوا گلدان فرش پر گر پڑا۔

عینی نے آنکھیں بند کیے ہوئے چونک کر پوچھا ''کیا ہوا؟''

وہ گلدان کو اٹھاتے ہوئے بولی ''کچھ نہیں۔ یہ شیشے کا گلدان گر گیا تھا۔''

''کیا ٹوٹ گیا ہے؟''

وہ مسکرا کر بولی ''نہیں۔ بڑا مضبوط ہے۔ میری قسمت سے بچ گیا۔ یہ مجھے بہت پسند ہے۔''

وہ گلدان کو پھر اسی جگہ پر رکھ کر واش روم میں چلی گئی۔ وہ دروازے کے پیچھے سے دیکھ رہا تھا۔ جب عروج نے واش روم میں جا کر دروازے کو اندر سے بند کیا تو یہ دبے قدموں چلتا ہوا کمرے میں آ گیا۔

عینی بیڈ پر نیم دراز تھی۔ وہ بند آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ آنکھیں کھلی ہوئی بھی ہوتیں تو وہ آنے والے کو پہچان نہیں پاتی۔ حشمت کو بس یہ اندیشہ تھا کہ وہ آہٹ سن سکتی ہے۔

وہ ذرا رک کر واش روم کے دروازے کو دیکھنے لگا۔ وہ عینی کو آہٹ سن کر چیخنے چلانے سے روک نہیں سکتا تھا۔ اس کی چیخ سن کر عروج باہر آ سکتی تھی۔

پھر وہ کچھ سوچ کر بڑی احتیاط سے واش روم کی طرف بڑھنے لگا۔ ایسے وقت عینی نے کوئی آہٹ سنی مگر وہ آہٹ اسے اپنے تصور میں سنائی دی تھی۔ وہ آ رہا تھا۔ پاشا جانی اس کے قریب آ رہا تھا۔

وہ آنکھیں بند کیے سوچ رہی تھی ''وہ ابھی اور قریب آئے گا اور مجھے چھو لے گا۔''

پھر اس نے چھو لیا۔ وہ خوش ہوئی مگر ایک دم سے چونک

ایم اے راحت
مقدس نشان
قیمت 90 روپے

ایک پراسرار اور خوفناک ناول
راکھشس
ساحر جمیل سیّد
قیمت 125 روپے

ایک خوفناک ناول
راکھ
وجیہہ سحر
قیمت 100 روپے

ڈاک خرچ فی کتاب 30 روپے

تمام کتب منگوانے پر ڈاک خرچ بذمہ ادارہ

اپنے ہاکر یا اپنے شہر کے ہر اچھے بکسٹال سے طلب فرمائیں

ناشر
علی میاں پبلیکیشنز
۲۰۔ عزیز مارکیٹ اُردو بازار لاہور
7247414

اسٹاکسٹ
علی بکسٹال
نسبت روڈ چوک میو ہسپتال، لاہور

گئی۔ خیال آیا کہ وہ تو تصور میں اسے دیکھ رہی تھی پھر اس نے سچ مچ آ کر کیسے چھولیا؟ اس نے گھبرا کر پوچھا "کون ہے؟"

اسے چہرے پر اور گردن پر سانسوں کی آنچ محسوس ہونے لگی پھر اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی، اس کے ہونٹوں پر چپ کی مہر لگا دی گئی وہ کسمسانے لگی۔ اپنے ہونٹوں کو ان اجنبی ہونٹوں کی سختی سے بچانے کی کوشش کرنے لگی۔

اس کا دم گھٹ رہا تھا۔ وہ آنکھیں پھاڑ کر دیکھ رہی تھی۔ کوئی دھندلا سا شخص تھا جو اس پر چھا گیا تھا۔ اسے بری طرح اپنی گرفت میں لے رہا تھا۔

اسے مقدر کی خرابی کہتے ہیں۔ وہ بے چاری واضح طور پر دیکھ نہیں سکتی تھی اور میں اسے دیکھنے نہیں دے رہا تھا۔ بھلا کیسے دیکھنے دیتا؟ اس کی بینائی تو کمزور تھی اور اس دنیا میں کمزوروں کی کمزوری سے شہہ زور فائدہ اٹھایا ہی کرتے ہیں۔

اس کے ہونٹوں کو ایک ذرا سی نجات ملی۔ اس نے ہانپتے ہوئے ایک چیخ ماری "عروج......!"

حشمت نے اس کے منہ پر سختی سے ہاتھ رکھ دیا۔ عروج نے باتھ روم کے اندر سے پوچھا "کیوں چیخ رہی ہو؟ ابھی آتی ہوں۔"

اب وہ جواباً یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ کیوں چیخ رہی تھی؟ شکاری کا ایک ہاتھ سختی سے اس کے منہ پر جما ہوا تھا۔ وہ اس ہاتھ کو ہٹا نہیں پا رہی تھی اور وہ دوسرے ہاتھ سے اس کے بدن کے ہجے کر رہا تھا اور وہ شرم سے پانی پانی ہو کر تڑپ رہی تھی۔

ایک ہاتھ سے اس کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر جھٹکے دے رہی تھی اور دوسرے ہاتھ سے اس کی پیٹھ پر کبھی تھپڑ اور کبھی مکے مار رہی تھی۔

میں اس کے ہاتھوں کی لکیریں پڑھ رہا تھا۔ تحریر کہہ رہی تھی۔

سلامتی ہے،
جان کی سلامتی ہے،
آبرو کی سلامتی ہے،

عروج نے داش روم کے اندر سے پوچھا "عینی! تو چپ کیوں ہو گئی ہے؟ اب آنکھیں کھول دے۔"

اسے کوئی جواب نہ ملا۔ اس نے پریشان ہو کر دروازے کی چٹخنی گرائی۔ ایک جھٹکے سے اسے کھولنا چاہا تو پتا چلا وہ باہر سے بند ہے۔ اس نے حیران ہو کر سوچا "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"
وہ دروازے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولی "عینی! یہ کیا شرارت ہے؟ دروازہ کیوں بند کیا ہے؟ کھول اسے......"

وہ شکاری کے چنگل سے خود کو چھڑا نہیں سکتی تھی تو دروازہ کیسے کھولتی؟ جب اس حشمت نے سنا کہ عروج دروازے کو اندر سے پیٹ رہی ہے اور چیخ رہی ہے تو اس نے سوچا۔ سلامتی اسی میں ہے کہ فوراً عینی کا گلا دبوچے اس کا کام تمام کرے اور یہاں سے چلا جائے۔

میں عینی کا ہاتھ میز پر رکھے ہوئے گلدان کی طرف لے گیا۔ اس نے اسے اپنی گرفت میں لیا۔ وہ گھبرائی ہوئی تھی۔ بری طرح بدحواس تھی۔ ایسے میں گلدان پر اس کی گرفت بہت ڈھیلی تھی۔ وہ اسے اٹھا کر جوابی حملہ نہیں کر پا رہی تھی۔

لیکن میں نے اسے یہ قوت بخشی کیونکہ میں اس کا مقدر ہوں۔ میں اس کی سلامتی چاہتا تھا۔ گلدان اس کی گرفت میں تھا لیکن حملہ میری مرضی سے ہوا اور بڑی قوت سے ہوا۔ وہ گلدان آ کر حشمت کی پیشانی پر ٹکرایا تو اس کے حلق سے ایک کراہ نکلی۔ ضرب ایسی زوردار تھی کہ شیشے کا وہ مضبوط گلدان ٹوٹ گیا۔

وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے کی طرف گیا تو عینی ہانپتے ہوئے اور روتے ہوئے کہنے لگی "عروج......! یہاں کوئی ہے۔ مجھے بچا لے......"

حشمت کا کھیل بگڑ چکا تھا۔ وہ پہلے اپنی ہوس پوری کرنا چاہتا تھا پھر اس کا کام تمام کرنا چاہتا تھا۔ بس اس کی یہی غلطی اسے لے ڈوبی۔ ایک کی غلطی سے ہی دوسرے کا مقدر سنورتا ہے۔

عروج اندر سے چیخ رہی تھی "عینی! وہ کون ہے؟ اسے غور سے دیکھو۔ کسی طرح یہاں آ کر دروازہ کھول دو۔"

وہ فوراً بیڈ سے اتر گئی۔ ڈگمگاتی ہوئی داش روم کے دروازے پر آئی اور دونوں ہاتھوں سے چٹخنی کو ٹٹولنے لگی۔
پھر تھوڑی دیر بعد ہی وہ دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو گئی۔

میں بازیگر ہوں
اور دشمن بھی ہوں
اے لوگو!
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں
تمہارے ساتھ ہی مر جاتا ہوں
میں مقدر ہوں
ایک بازیگر ہوں......!

دروازہ کھلتے ہی عروج باہر آئی۔ عینی روتی ہوئی اس سے لپٹ گئی۔ وہ اسے تھپکتے ہوئے بولی "کون تھا یہاں......؟ کہاں ہے وہ......؟"

وہ کمرے میں اِدھر اُدھر نظریں دوڑا رہی تھی۔ کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ لیکن ٹوٹا ہوا گلدان اور عینی کا پھٹا ہوا لباس ثبوت پیش کر رہا تھا کہ وہاں کوئی آیا تھا اور اس پر ظلم کرتا رہا تھا۔

وہ بولی "معلوم ہوتا ہے، وہ یہاں سے بھاگ گیا ہے، ابھی باہر ہی ہوگا میں دیکھتی ہوں۔"

وہ عینی کو خود سے الگ کر کے جانا چاہتی تھی مگر وہ مسلسل اس سے لپٹی رہی اور بولی "نہیں۔ میں یہاں اکیلی نہیں رہوں گی۔ میں تجھے یہاں سے جانے نہیں دوں گی۔"

"تو بھی میرے ساتھ باہر چل......"

وہ بولتے بولتے رک گئی۔ پھٹے ہوئے لباس کو دیکھ کر بولی "تیری تو حالت بہت خراب ہے۔ باہر کیسے جائے گی؟ وہ جو کوئی بھی تھا یہاں چوری کی نیت سے نہیں آیا تھا۔ ایک کے بعد ایک تیرے دشمن کہاں سے پیدا ہوتے جا رہے ہیں؟"

وہ اسے اپنے ساتھ لے کر بیڈ کے سرے پر آئی۔ پھر بولی "یہاں بیٹھ جا۔ میں اپنا ایک لباس لاتی ہوں۔ اسے پہن لے۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی "نہیں۔ میں تیرے ساتھ ساتھ رہوں گی۔"

عروج بڑی محبت سے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ "میری جان! اتنا نہ ڈر۔ یہ سامنے تو الماری ہے۔ میں اسی کمرے میں تیرے ساتھ ہوں۔ کہیں دور نہیں جا رہی ہوں۔ تجھے حوصلے سے کام لینا چاہیے تیری خاطر میں باہر نہیں گئی۔ پتا نہیں وہ کون کم بخت تھا؟ اسے فرار ہونے کا موقع مل گیا ہے۔"

وہ اب بھی خوفزدہ تھی۔ اس کے ہاتھ کو تھام کر بولی "کمرے کا دروازہ بند کر دے۔ نہیں تو وہ پھر آ جائے گا۔"

وہ اس کے ہاتھ کو تھپکتی ہوئی تائید میں سر ہلا کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اسے کھول کر باہر جھانکنے لگی۔

چھوٹا سا کوریڈور ویران پڑا ہوا تھا۔ آنے والا جا چکا تھا۔

اس نے کوریڈور سے گزر کر پہلے بیرونی دروازے کو بند کیا۔ پھر کمرے میں آ کر اس کے دروازے بھی بند کر دیے۔ عینی آہٹ سن کر ذرا چونک گئی تھی۔ دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک کر پیتا ہے۔ وہ ذرا تیز آواز میں بولی "عروج! یہ تو ہے؟"

وہ مسکرا کر اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولی "تیری نظر اتنی بھی خراب نہیں ہے کہ تو مجھے نہ پہچان سکے۔ ذرا ذہن پر زور ڈال تو نے اسے کسی حد تک تو دیکھا ہوگا؟"

وہ ہاں کے انداز میں سر ہلا کر بولی۔ "ہاں......اتنا دیکھا اور پہچانا تھا کہ وہ کوئی لڑکا تھا اور میرے ساتھ ایسی حرکتیں کر رہا تھا کہ میں شرم سے پانی پانی ہو رہی تھی۔"

"وہ یہاں داخل ہوا تو اس وقت تو نے اسے نہیں دیکھا تھا؟"

"میری آنکھوں میں دوا تھی۔ میں تو آنکھیں بند کیے بڑے آرام سے لیٹی ہوئی تھی۔ وہ کم بخت بہت تیز تھا۔ اس نے کوئی آہٹ بھی پیدا نہیں ہونے دی، ورنہ میں فوراً ہی آنکھیں کھول کر چیخنا چلّانا شروع کر دیتی۔"

باتوں کے دوران عروج بستر کو ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ممکن تھا وہاں اس لٹیرے کو پہچاننے کا کوئی ثبوت مل جاتا۔ ایسے ہی وقت اس کی نظریں بھٹکتی ہوئی فرش پر پڑیں۔ وہاں کئی جگہ خون کے دھبے دکھائی دیے۔ اس نے حیران ہو کر پوچھا "کیا تو نے اس پر حملہ کیا تھا؟"

"ہاں۔ گلدان سے اس کے سر پر ضرب لگائی تھی۔ تب ہی مجھے اس سے نجات ملی تھی۔"

وہ خوش ہو کر بولی "میری جان! تو نے تو کمال کر دیا۔ اتنی دلیری کا مظاہرہ کیا اور اب ڈر رہی ہے۔"

وہ بولی "مگر تیرا وہ گلدان ٹوٹ گیا ہے۔"

عروج اس کے رخسار کو چوم کر بولی "ٹوٹنے کی چیز تھی، ٹوٹ گئی۔ یہ دوسرا بھی آ سکتا ہے۔ مگر آبرو کا کانچ ٹوٹ جاتا تو نہ کبھی جڑتا اور نہ ہی دوسرا آ سکتا تھا۔"

پھر وہ وہاں سے چلتی ہوئی الماری کے پاس آئی اور لباس نکالتے ہوئے کہنے لگی۔ "تو لباس بدلے گی تو میں ذرا باہر جا کر چوکیدار سے معلوم کروں گی۔ شاید اس نے کسی کو یہاں آتے دیکھا ہو۔"

عینی پریشان ہو گئی۔ عروج ایک لباس نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی "سب کھڑکیاں دروازے بند رہیں گے۔ میں ابھی جاؤں گی اور ابھی آ جاؤں گی۔"

وہ بولی "نہیں۔ میں نے کہا نا۔ میں اکیلی نہیں رہوں گی۔"

وہ مسکرا کر بولی "اچھا......لباس بدل لے پھر میرے ساتھ باہر چل۔"

وہاں سے فرار ہونے والے حشمت کی خیریت نہیں تھی

سر پر زخم لگا ہوا تھا۔ خون بند نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے رومال رکھ کر اسے دبا لیا تھا۔ پھر بھی چہرے اور کالر پر خون کے دھبے واضح طور پر دکھائی دے رہے تھے۔

وہ آستین سے چہرے کو پونچھتا ہوا کوارٹر سے باہر آیا تھا اور تیزی سے چلتا ہوا گلی عبور کر رہا تھا۔ اس وقت تک تو خیریت تھی۔ دن کے وقت چوکیدار باقاعدہ ڈیوٹی پر نہیں رہا کرتا تھا۔

ان لمحات میں اسے اپنے زخموں کی تکلیف کا احساس نہیں تھا۔ دل میں یہ خوف سمایا ہوا تھا کہ کوئی بھی اسے اس حالت میں دیکھ کر روک سکتا ہے۔ طرح طرح کے سوالات پوچھ سکتا ہے۔ اسے ایمرجنسی وارڈ میں لے جا سکتا ہے۔

زخم کا تقاضہ تھا کہ فوراً ہی مرہم پٹی ہو جائے۔ خون کی نکاسی کو روکا جائے۔ ورنہ وہ کہیں بھی چکرا کر گر سکتا تھا۔ لیکن اسی ہاسپٹل میں اس کی مرہم پٹی ہوتی تو عروج عینی کے ساتھ وہاں پہنچ سکتی تھی۔ کچھ بھی ہو سکتا تھا اور وہ کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔

وہ تیزی سے چلتا ہوا اپنی کار کی طرف جا رہا تھا۔ ایسے ہی وقت ایک ٹیکسی کار کے قریب آ کر رک گئی۔ اس میں سے پاشا جانی نے اترتے ہوئے حشمت کی طرف دیکھا۔ وہ سر پر خون آلودہ رومال رکھے تیزی سے اپنی کار کی طرف جا رہا تھا۔

پاشا جانی نے فوراً ہی آگے بڑھ کر پوچھا ''اے مسٹر! تمہیں کیا ہوا ہے؟ اس حالت میں ادھر کہاں آ رہے ہو؟ ہاسپٹل تو ادھر ہے۔ چلو۔ ایمرجنسی وارڈ کی طرف چلو۔''

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس سے کترا کر اپنی کار کی طرف جانے لگا۔ پاشا فوراً ہی اس کے آگے آ کر بولا ''اے بھائی! میں تم سے کہہ رہا ہوں۔ اپنی مرہم پٹی کراؤ۔ دیکھو کیسے خون بہہ رہا ہے؟''

وہ اسے سامنے سے ہٹاتے ہوئے بولا ''پلیز۔ مجھے جانے دو۔ میں اپنے کلینک میں جا کر مرہم پٹی کراؤں گا۔''

پاشا نے کہا ''کیا پاگل ہوئے ہو بڑے بھائی؟ چند قدم کے فاصلے پر سہولت ہے اسے چھوڑ کر کہیں اور جا رہے ہو۔ کیا مرنے کا ارادہ ہے؟''

وہ جھنجلا کر بولا ''ہاں۔ میں مرنا چاہتا ہوں۔ تمہیں اس سے کیا؟ جاؤ۔ میرا پیچھا چھوڑ دو۔''

وہ اسے دھکا دے کر کار کا دروازہ کھول کر اسٹیئرنگ سیٹ پر آ گیا اور اسے اسٹارٹ کرنے لگا۔ پاشا جانی نے کھڑکی پر جھک کر کہا ''معلوم ہوتا ہے۔ دشمنوں نے تم پر حملہ کیا ہے اور وہ تمہارا پیچھا کر رہے ہیں۔ مجھے بتاؤ۔ وہ کون ہیں؟ میں تمہاری مدد کروں گا۔''

وہ ایک جھٹکے سے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھ گیا۔ پاشا جانی تعجب سے اسے جاتے دیکھتا رہ گیا۔ احتیاطاً اس گاڑی کا نمبر پڑھنے لگا۔

پھر اس نے پلٹ کر ہاسپٹل کی طرف دور تک دیکھا۔ اس کا خیال تھا کہ ایک یا ایک سے زیادہ دشمنوں نے اس بیچارے پر حملہ کیا ہوگا۔ وہ ضرور اس کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں آئیں گے۔

وہ کچھ دیر تک اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتا رہا۔ مگر کوئی ایک بھی مشتبہ شخص اسے دکھائی نہیں دیا۔ اس نے ٹیکسی کو لاک کیا پھر عروج کے کوارٹر کی طرف جانے لگا۔ وہاں ہر دروازے پر رہائش پذیر ڈاکٹرز کی نیم پلیٹ لگی ہوئی تھی۔ وہ ایک دروازے پر سیّد عروج علی شاہ پڑھ کر رک گیا۔ بڑی محبت اور لگن سے اس تختی کو دیکھنے لگا۔

ایسا لگ رہا تھا، جیسے عروج سامنے چلی آئی ہے۔ وہ بے خیالی میں ہاتھ بڑھا کر انگلیوں سے اسے سہلانے لگا۔ پھر اپنی حماقت پر چونک گیا اس نے ایک گہری سانس لے کر کال بیل کے بٹن کو دبایا۔

بیل کی آواز سنتے ہی عینی نے گھبرا کر عروج کے بازو کو تھام لیا ''پھر وہ۔ وہ پھر آ گیا ہے۔''

وہ اپنا بازو چھڑاتے ہوئے بولی ''پاگل ہوئی ہے؟ آنے والا دشمن کیا گھنٹی بجا کر آئے گا؟ تو آرام سے بیٹھ۔ میں دیکھتی ہوں۔ ہاسپٹل میں اچانک ایمرجنسی ہو تو مجھے بلایا جاتا ہے۔''

وہ اسے تسلی دے کر کمرے سے باہر آئی۔ پھر کوریڈور سے گزر کر بیرونی دروازے کے قریب آ کر بولی ''کون ہے؟''

باہر سے آواز سنائی دی ''جی...... میں ہوں، پاشا جانی......''

اس کی آواز کمرے میں بیٹھی ہوئی عینی کے کانوں تک بھی پہنچی تو وہ ایک دم سے کھل گئی۔ محافظ آ گیا تھا۔ وہ دھڑکتے سینے پر ہاتھ رکھ کر مسکرانے لگی دل کی دھڑکن تیز ہو کر بے ترتیب ہو گئی تھی۔

دوسری طرف عروج کی دھڑکنیں ابھی بے ترتیب نہیں ہوئی تھیں۔ دروازہ بند تھا مگر اسے کھولتے ہی دنگ رہ گئی۔ اس کے سامنے کمال احمد کھڑا ہوا تھا۔ وہی کمال احمد جس نے اس کے ڈیڈی کو خون کی دو بوتلیں دی تھیں۔ اس بار اس کا شیو بڑھا ہوا نہیں تھا۔ حلیہ بگڑا ہوا نہیں تھا۔ بہت خوبرو اور اسمارٹ

دکھائی دے رہا تھا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ ایک ٹیکسی ڈرائیور ہے۔

وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی پھر بولی ''تم......؟ تم تو کمال احمد ہو؟''

وہ مسکرا کر بولا ''ہاں۔ میں کمال احمد ہوں۔''

''لیکن ابھی تو تم نے اپنا نام پاشا جانی بتایا تھا؟''

وہ بدستور مسکراتے ہوئے بولا ''وہ بھی درست تھا۔ میں ٹو اِن وَن ہوں۔''

وہ مسکرا کر بولی ''یعنی بندے ایک ہو اور نام دو ہیں۔''

''نہیں نام بھی ایک ہے۔ میرا اصل نام سلامت پاشا ہے۔ سب مجھے پاشا جانی کہتے ہیں۔''

''اور وہ جو تم نے اپنا نام کمال احمد لکھوایا تھا؟''

''وہ میرا فرضی نام تھا۔ میں اپنا اصل نام بتانا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے ایڈریس بھی فرضی لکھوایا تھا۔''

''تعجب ہے۔ تم نے ایسا کیوں کیا تھا؟''

اسے تراب علی شاہ یاد آ گیا۔ وہ ایک گہری سانس لے کر بولا ''یہ میری ایک مجبوری تھی۔ پھر کسی وقت بتاؤں گا۔ کیا مس عینی یہاں نہیں ہیں؟''

وہ چونک کر بولی۔ ''اوہ...... میں تو دروازے پر ہی باتیں کرنے لگی تمہیں اندر آنے کو بھی نہیں کہا۔ آؤ اندر آ جاؤ......''

وہ ایک طرف ہو کر اسے راستہ دینے لگی۔ عینی سنبھل کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی تھی اور ان کی باتیں سن رہی تھی۔ جب وہ کمرے میں آیا تو دھندلا دھندلا سا دکھائی دیا۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

پاشا نے پوچھا ''کیسی ہو؟''

وہ مسکرا کر بولی ''اچھی ہوں۔ تم نے بہ حفاظت مجھے یہاں تک پہنچایا تھا۔ میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔''

وہ بولا ''احسان کی کوئی بات نہیں ہے۔ جب میں کوئی نیک کام کرتا ہوں تو مجھے ایک روحانی مسرت حاصل ہوتی ہے۔''

عروج نے کہا ''اچھائی تو تم نے میرے ساتھ بھی کی تھی اور پھر ایک دم سے غائب ہو گئے تھے۔''

پھر وہ عینی سے بولی ''تمہارے یہ پاشا صاحب بہروپیے ہیں۔ انہوں نے کمال احمد کے نام سے میرے ڈیڈی کو خون کی دو بوتلیں دی تھیں۔ یہ ان کا مجھ پر اتنا بڑا احسان ہے کہ میں انہیں ساری زندگی بھلا نہیں سکوں گی۔''

اس کے آخری الفاظ پاشا کے دل میں اترتے چلے گئے۔ وہ بولا ''محبت سے کیا جانے والا کام احسان نہیں ہوتا اور پھر میں نے ابھی کیا ہی کیا ہے؟ محبت میں تو لوگ جان دے دیتے ہیں۔''

عروج نے چونک کر اسے دیکھا پھر کہا ''محبت......؟''

وہ ایک دم سے گڑبڑا گیا۔ پھر سنبھل کر بولا ''آں۔ ہاں دشمن نفرت سے خون بہاتے ہیں۔ میں نے محبت سے بہایا ہے۔''

عینی نے پوچھا ''کس کی محبت سے؟''

وہ بولا ''ابھی عروج نے پوچھا تھا کہ میں نے اس وقت اپنا نام کمال احمد کیوں لکھوایا تھا؟ یہ ایسا سوال تھا جس کا جواب میں ابھی نہیں دے سکتا۔ تمہارا سوال بھی ذرا مشکل ہے کہ میں نے کس کی محبت میں خون بہایا تھا؟ اس کا جواب بھی میں ابھی نہیں دے سکوں گا۔''

عینی اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگی۔ عروج نے کہا ''یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ تم نے میرے ڈیڈی کو خون دیا ہے۔ کیا تمہیں میرے ڈیڈی سے محبت ہے؟''

اس نے عروج کو بڑی محبت سے دیکھا۔ وہ ذرا گڑبڑا گئی۔ اس سے نظریں چرانے لگی۔ دل آپ ہی آپ تیزی سے دھڑکنے لگا۔ عینی نے پوچھا ''پاشا! تم نے جواب نہیں دیا؟''

اس نے عروج پر سے نظریں ہٹا کر عینی کو دیکھتے ہوئے کہا ''کچھ سوال ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا جواب زبان سے نہیں نظروں سے دیا جاتا ہے۔''

وہ دھندلے دھندلے سے محبوب کو دیکھتے ہوئے بولی ''تم تو پہیلیاں بجھوا رہے ہو۔''

عروج آہستہ آہستہ چلتی ہوئی عینی کے قریب آ گئی۔ وہ اسے دیکھے جا رہا تھا اور وہ اس سے نظریں چرا رہی تھی۔ وہ بولا۔ ''ہاں...... یہ محبت میرے لیے بھی ایک پہیلی ہے۔ میں بھی اسے بوجھنا چاہتا ہوں۔''

عروج نے بے اختیار نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ نظریں چار ہوئیں پھر فوراً ہی جھک گئیں۔ عینی نے مسکرا کر کہا۔ ''میں سمجھ گئی، تم کسی ایسی لڑکی سے محبت کرتے ہو جس سے اظہار نہیں کر سکتے۔ یہ معلوم نہیں کر سکتے کہ وہ بھی تم سے پیار کرتی ہے یا نہیں۔''

وہ بولا ''تم کسی حد تک درست کہہ رہی ہو۔''

عینی شرمانے لگی۔ اس کے برابر کھڑی ہوئی عروج کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ پاشا کی نظروں کو اپنی طرف آنے سے کیسے روکے؟

ایسی بات نہیں تھی کہ وہ ایک دم سے اس پر عاشق ہوگئی تھی۔ وہ دراصل الجھ گئی تھی۔ اس کی احسان مند تھی، اس طرح دیکھنے پر اسے ٹوک نہیں سکتی تھی۔

وہ محسن تھا، بہت اچھا انسان تھا۔ وہ اسے سمجھا سکتی تھی کہ وہ عشق و محبت کی قائل نہیں ہے۔ ایک پریکٹیکل لائف گزار رہی ہے۔ البتہ اس کی سہیلی اس سے متاثر ہو چکی ہے اور شاید اس سے محبت کرنے لگی ہے۔

لیکن یہ بعد کی باتیں تھیں۔ پہلی ملاقات میں یہ سب کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ عینی نے کہا ''تم ابھی تک کھڑے ہوئے ہو...... بیٹھ جاؤ۔''

پھر وہ عروج سے بولی۔ ''کچھ ٹھنڈا یا گرم منگواؤ۔''

وہ ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا ''کوئی تکلف نہ کریں۔''

پھر وہ عروج پر نظریں جما کر معنی خیز انداز میں بولا۔ ''میں تو بس ملنے اور دیکھنے آیا تھا۔''

جانے کیوں اس کے دیکھنے سے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو جاتی تھیں۔ وہ اس سے کترا کر کمرے سے جاتے ہوئے بولی۔ ''میں ابھی کولڈ ڈرنکس لاتی ہوں۔''

وہ اس کمرے سے نکل کر کچن میں آ گئی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیوں اس کی نظروں کی تاب نہیں لا رہی ہے؟ فریج سے بوتلیں اور گلاس نکالتے وقت بھی اس کی حالت عجیب تھی۔

پاشا جانی نے عینی سے پوچھا۔ ''کیا تمہارا وہ سوتیلا بھائی پھر تمہیں پریشان کرنے آیا تھا؟''

وہ بڑی افسردگی سے مسکرا کر بولی۔ ''نہیں...... اس کا اصلی چہرہ سامنے آ چکا ہے، شاید وہ اب کبھی میرا سامنا نہ کر سکے۔''

''جو دشمن سامنا نہیں کرتے، وہ سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ تمہارا کیا خیال ہے، کیا وہ تمہارے خلاف سازش نہیں کرے گا؟''

وہ سر ہلا کر بولی۔ ''ہاں۔ کرے گا۔ جو بدنیت ہوتے ہیں وہ اپنی بدنیتی سے باز نہیں آتے۔''

پھر وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ ''دشمن بدنیت ہے اور میں بدنصیب ہوں۔ ابھی کچھ دیر پہلے پھر کسی دشمن نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔''

اس نے چونک کر پوچھا۔ ''کیا؟''

عروج ایک ٹرے میں تین گلاس لاتے ہوئے بولی۔ ''یہ درست کہہ رہی ہے۔ پتا نہیں کون یہاں گھس آیا تھا؟ اس وقت میں واش روم میں تھی۔''

وہ ٹرے کو سینٹر ٹیبل پر رکھ کر کرسی کو دیکھنے لگی، وہاں تین کرسیاں تھیں اور وہ خالی کرسی پاشا کے قریب تھی۔ وہ سوچنے لگی، وہاں بیٹھنے سے ہچکچانے لگی۔ عینی نے کہا۔ ''کھڑی کیوں ہو؟ بیٹھ جاؤ۔''

اسے مجبوراً وہاں بیٹھنا پڑا۔ پاشا نے خوش ہو کر اسے دیکھا پھر عینی سے پوچھا۔ ''تم نے اس دشمن کو دیکھا تو ہوگا؟''

وہ گہری افسردگی سے بولی۔ ''یہی میری بدنصیبی ہے، میں دیکھ کر بھی دیکھ نہیں پاتی۔ وہ دھندلا دھندلا سا دکھائی دے رہا تھا۔ میں اس کے حملے سے بدحواس ہو گئی تھی۔ میں نے چیخنا چاہا تو اس نے میرے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ پھر موقع پاتے ہی میں نے عروج کو پکارا۔''

پاشا نے عروج کو دیکھ کر کہا۔ ''پھر تو تم اس کی مدد کے لیے آئی ہوگی؟''

''ہاں۔ میں آنا چاہتی تھی۔ مگر جب میں نے واش روم کے دروازے کو کھولنا چاہا تو وہ باہر سے بند تھا۔''

پھر وہ دونوں اسے تفصیل بتانے لگیں۔ پاشا جانی نے توجہ سے سننے کے بعد کہا۔ ''ہوں۔ میں سمجھ رہا ہوں کہ تم دونوں کیسی مصیبت میں پڑ گئی تھیں۔ یہ بتاؤ، پھر اس سے نجات کیسے حاصل ہوئی؟''

عینی نے کہا۔ ''میرے ہاتھ میں شیشے کا گلدان آ گیا تھا۔ میں نے وہ گلدان اس کے سر پر دے مارا۔ زوردار ضرب نے اسے چکرا دیا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے کی طرف گیا تو میں فوراً ہی بیڈ سے اتر کر واش روم کے دروازے پر پہنچ گئی۔ مگر اسے کھولنے اور عروج کے باہر آنے تک وہ کم بخت جا چکا تھا۔ ویسے میرا خیال ہے کہ وہ بری طرح زخمی ہو چکا تھا۔''

عروج نے تائید میں کہا۔ ''ہاں۔ ادھر دیکھو۔ فرش پر خون کے دھبے ہیں۔''

پاشا ایک دم سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر بولا۔ ''کیا عینی نے اس کے سر پر ضرب لگائی تھی؟''

''ہاں۔ اتنی زور سے مارا تھا کہ گلدان ٹوٹ گیا تھا۔''

وہ جلدی سے بولا ''او گاڈ! میں نے جسے زخمی حالت میں یہاں سے جاتے ہوئے دیکھا ہے وہی تمہارا دشمن ہوگا۔ اس نوجوان کے ماتھے پر زخم تھا۔''

ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر عروج نے کہا۔ ''اگر تم نے ایسے کسی زخمی شخص کو دیکھا ہے تو پھر وہ وہی دشمن ہوگا۔ یہ بتاؤ، وہ کس طرف گیا ہے؟''

''میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ وہ کہاں گیا ہے؟ مگر کسی کلینک میں جا کر مرہم پٹی کرانے کی بات کر رہا تھا۔''

''کیا وہ کسی ٹیکسی میں گیا تھا؟''

''نہیں۔ اس کی اپنی گاڑی تھی۔ ویسے ایک بات سمجھ ں آتی ہے کہ وہ دشمن تمہیں اچھی طرح جانتا ہے، یہ جانتا ہے کہ وہ دن کی روشنی میں تمہارے سامنے آئے گا تب بھی تم سے پہچان نہیں سکو گی۔''

عروج نے سوچتی ہوئی نظروں سے عینی کو دیکھا پھر کہا۔ مجھے تو یہ جواد کی حرکت معلوم ہوتی ہے۔''

پاشا نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''نہیں۔ میں واد کو پہچانتا ہوں وہ جواد نہیں تھا۔ کوئی دوسرا ہی جوان تھا۔''

عینی نے پریشان ہو کر سر جھکا لیا۔ عروج نے کہا۔ ''اب تک ہم ایک ہی دشمن کے بارے میں سوچ رہے ہیں اور کوئی دسرا دشمن ہماری اس نادانی سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔''

پاشا نے کہا ''وہ جو بھی ہے۔ اس کے خلاف رپورٹ رج کرانی چاہیے۔''

عروج نے کہا ''عینی کے کزن سپرنٹنڈنٹ آف پولیس یں۔ میں ان کے نمبر پنچ کرتی ہوں۔ عینی! تم ان سے بات کرو۔''

اس نے موبائل پر نمبر پنچ کر کے اسے عینی کی طرف بڑھا یا۔ وہ اسے کان سے لگا کر رابطہ ہونے کے بعد بولی ''ہیلو۔ یشان بھائی! میں عینی بول رہی ہوں۔''

''ہاں۔ بولو۔ کیسی ہو؟ سنا ہے شام کو گھر آنے والی ہو؟''

''جی آنے والی ہوں۔ مگر اس سے پہلے ایک نئی مصیبت میرے پاس چلی آئی ہے۔''

''کیسی مصیبت......؟''

وہ فون پر اسے تفصیل بتانے لگی۔ ذیشان نے پوچھا ''تم نے اس کا چہرہ تو دیکھا ہوگا؟''

وہ بولی ''آپ تو جانتے ہیں کہ میری بینائی کمزور ہے۔ پھر بھی میں نے اپنا بچاؤ گلدان کے ذریعے کر لیا تھا۔ اس کے ماتھے پر ایسی ضرب لگائی تھی کہ وہ لہولہان ہو کر یہاں سے گیا ہے۔''

''اچھا۔ ماتھے پر زخم کے نشان کے علاوہ اور کوئی نشانی بتا سکتی ہو؟''

عینی نے پاشا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''جس ٹیکسی ڈرائیور نے کل رات مجھے بہ حفاظت یہاں تک پہنچایا تھا۔ اس نے اس دشمن کو ایک کار میں جاتے دیکھا ہے۔''

''کیا وہ اس کا ماڈل اور نمبر بتا سکتا ہے؟''

عینی نے پاشا سے پوچھا ''کیا تم نے کار کا نمبر پڑھا تھا؟''

پاشا نے فون اس سے لے کر اپنے کان سے لگاتے ہوئے کہا ''سر! میں ٹیکسی ڈرائیور بول رہا ہوں۔ میں نے کار کا نمبر پڑھا ہے آپ نوٹ کریں۔ کے۔ ایچ۔ آئی۔ سیون ٹو سیون زیرو ون۔''

یہ سنتے ہی عروج اور عینی اپنی اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑی ہو گئیں۔ پھر عروج نے فوراً ہی موبائل اس سے لے کر اپنے کان سے لگاتے ہوئے کہا۔''

بھائی جان! میں عروج بول رہی ہوں۔ یہ تو میرے بھائی کی کار کا نمبر ہے میں سمجھ گئی، وہی یہاں آئے تھے۔ میں بہن ہو کر ان کے خلاف گواہی دینے کے لیے تیار ہوں۔ آپ فوراً انہیں حراست میں لینے کے انتظامات کریں۔''

عروج نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔ عینی اس سے لپٹ کر رونے لگی۔ کہنے لگی۔ ''یہ تمہارے بھائی جان نے کیا کیا؟''

وہ نفرت سے بولی ''انہوں نے ذلالت کی ہے۔ وہ مجرم ہیں اور مجرم کسی کا بھائی نہیں ہوتا۔ میں تیرے پیار کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ آئندہ کبھی میں انہیں اپنا بھائی نہیں کہوں گی۔''

پاشا ان دونوں سہیلیوں کی محبت دیکھ رہا تھا اور عروج کے پیار کے انداز کو دیکھ کر سوچ رہا تھا ''کیا یہ میرے دل میں گھس آنے والی مجھے بھی ایسا بھرپور پیار دے گی؟ میرے گلے لگ کر میرے غموں کو اپنے گلے لگا لیا کرے گی؟''

یہ حسرتیں بڑی سرکش ہوتی ہیں۔ دور سے دیکھتی ہیں اور قریب پہنچنے کی ضد کرنے لگتی ہیں۔ وہ ان لمحات میں عینی کی جگہ پہنچ گیا تھا اور اسے گلے لگا رہا تھا۔

☆☆☆

ذیشان صبح چھ بجے گھر آیا تھا اور آتے ہی بستر پر گر پڑا تھا۔ اسما کو اپنے قریب کھینچ کر بولا ''کوئی شکایت نہ کرنا۔ میں بہت تھکا ہوا ہوں۔'' مجھے سونے دو۔ سو کر اٹھوں گا تو ہم خوب باتیں کریں گے۔''

وہ اس کے بازوؤں میں آ کر چپ ہو گئی تھی۔ سارے شکوے گلے بھول گئی تھی۔ وہ پانچ گھنٹوں تک ایک ہی کروٹ گہری نیند سوتا رہا اور وہ اپنا سر اس کے سینے سے لگائے اس کی دھڑکنیں سنتی رہی۔ کبھی سوتی رہی، کبھی جاگتی رہی، کبھی سوچتی رہی، کبھی اندیشوں میں مبتلا ہوتی رہی کہ اسے اس قدر چاہنے والا شوہر رات بھر کہاں رہا تھا؟ کسی سوکن کے پاس تو نہیں تھا؟

وہ اس کے اس قدر قریب تھی کہ اس کے بدن سے پرائی مہک کو محسوس کر لینا چاہتی تھی۔ کیا وہ کسی سوکن کی بو تک پہنچ سکتی تھی؟ نہیں۔ کبھی نہیں......

اندیشوں میں مبتلا رہنے والی بیویاں دور تک شوہر کے پیچھے بھاگتی رہتی ہیں۔ انہیں سوکن کا سایہ دکھائی دیتا رہتا ہے۔ لیکن سوکن دکھائی نہیں دیتی۔

اگر اسما کی گود میں کم از کم ایک ہی اولاد آ جاتی تو کم بخت تمام انجانی سوکنوں کو موت آ جاتی اور تمام اندیشے یک لخت ختم ہو جاتے۔

سرہانے رکھے ہوئے فون کا بزر بولنے لگا۔ اس نے چونک کر گھڑی کی طرف دیکھا۔ گیارہ بجنے والے تھے۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ذیشان کی نیند میں خلل پڑے۔ اور وہ بیدار ہو جائے۔ مگر وہ دانستہ فون کو اپنے سرہانے رکھتا تھا تاکہ اگر کوئی ایمرجنسی کال ہو تو فوراً ہی کال کرنے والے کا اس سے رابطہ ہو جائے۔

دوسری ہی بیل پر اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اٹھ کر بیٹھنے لگا وہ بھی اٹھتے ہوئے بولی "کیا مصیبت ہے؟ آپ اپنی نیند بھی پوری نہیں کر پاتے اور کوئی نہ کوئی کال آ جاتی ہے۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولا "تم تو فون کال کو بھی اپنی سوکن سمجھتی ہو یہ جانتی ہو کہ مجھے ایڈونچر لائف پسند ہے۔ پھر بھی......؟

اسما نے ناگواری سے منہ بنایا۔ وہ فون اٹھا کر نمبر پڑھ رہا تھا پھر اسے آن کر کے کان سے لگا کر بولا "ہیلو۔ عروج!"

دوسری طرف عینی تھی۔ وہ اسے بتانے لگی کہ وہ عروج کے پاس ہے اور کسی دشمن نے اس پر حملہ کیا ہے۔ یہ وہی وقت تھا جب پاشا جانی عروج اور عینی کے پاس تھا اور پھر اس نے فون پر ذیشان کو کار کا نمبر بتایا تھا۔ عروج کی گواہی سے ثابت ہوا تھا کہ وہ حشمت کی کار ہے اور اسی نے عینی پر حملہ کیا ہے۔

ذیشان تمام تفصیلات سننے کے بعد فون کو آف کر کے فوراً ہی بیڈ سے اتر گیا۔ اسما نے پوچھا "کیا ہو گیا؟ عینی آخر کہاں بھٹک رہی ہے؟ گھر کیوں نہیں آ رہی ہے؟ اب کس نے اس پر حملہ کیا ہے؟"

اس نے حشمت کے بارے میں بتایا تو وہ تعجب سے بولی۔ "حیرت ہے، اس کی اتنی عزیز ترین سہیلی کے بھائی نے ایسی حرکت کی ہے۔"

"عروج اس کی جتنی بہترین سہیلی ہے اس کا بھائی اتنی ہی بدترین خصلتوں کا مالک ہے۔ بہت ہی آوارہ اور عیاش ہے۔"

ذیشان نے ٹیلی فون کے قریب آ کر ریسیور اٹھایا اور اپنے ایک ماتحت سے رابطہ کرنے لگا۔ اسے حشمت کا پورا نام گھر کا پتا اور اس کی کار کا نمبر نوٹ کرانے لگا۔ پھر بولا "فوراً اس کار کو تلاش کرو۔ وہ زخمی ہے۔ ضرور کسی کلینک یا ہاسپٹل کی طرف گیا ہوگا۔ ایسی جگہوں کو اہمیت دیتے ہوئے اپنا لائن آف ایکشن تیار کرو۔ میں ایک گھنٹے کے اندر آ رہا ہوں۔"

اس نے مزید کچھ ہدایات دے کر فون کو بند کر دیا۔ اسما نے شکایت بھرے لہجے میں کہا "آپ پھر جا رہے ہیں اگرچہ یہ ہماری عینی کا معاملہ ہے پھر بھی آپ یہاں بیٹھے بیٹھے ساری کارروائیاں کر سکتے ہیں۔"

"تمہیں کتنی بار سمجھایا ہے کہ مجھے میرے کام کے طریقے نہ سمجھایا کرو کیا اب میں تمہارے مشوروں پر چل کر مجرموں کا تعاقب کیا کروں گا؟ میری وردی نکالو اور پریس کرو۔ میں غسل کر رہا ہوں۔"

وہ باتھ روم میں جا کر دانتوں کو برش کرنے لگا۔ باتھ روم کا دروازہ آدھا کھلا ہوا تھا۔ وہ الماری سے وردی نکالتے ہوئے بولی "آپ نے کہا تھا، سو کر اٹھیں گے تو باتیں کریں گے۔ کیا یہ باتیں ہو رہی ہیں؟ آنکھ کھلتے ہی پھر بھاگ دوڑ شروع ہو گئی ہے۔"

"بھئی میں ابھی غسل کر رہا ہوں۔ پھر ناشتا کروں گا۔ اس کے بعد کپڑے بدل کر جاؤں گا۔ اس دوران میں تم بہت سی باتیں کر سکتی ہو پہلے ناشتے کے لیے کہہ دو۔"

اس نے انٹرکام کے ذریعے گھر کے خانساماں سے کہا "ٹھیک بیس منٹ کے بعد صاحب کے لیے ناشتا لے آؤ۔"

پھر اس نے ذیشان سے کہا "آدھی رات کے بعد ہی یہ معلوم ہو گیا تھا کہ عینی عروج کے پاس پہنچی ہوئی ہے پھر آپ گھر واپس کیوں نہیں آئے؟"

"اسما! سمجھا کرو۔ دوسرے بھی معاملات ہوتے ہیں۔ ایک ایسا اہم کیس آ گیا تھا، جس سے نمٹنا ضروری تھا۔"

وہ برش کرنے کے بعد لباس اتار کر شاور کے نیچے آ گیا۔ پھر بولا۔ "تم گل خانم کے گانے بہت شوق سے سنتی ہو۔"

وہ استری آن کرتے ہوئے بولی "ہاں...... بہت خوبصورت گلوکارہ ہے۔ اس کے گانے کا انداز سب سے الگ ہے اور وہ خود بھی رنگ و روپ میں یکتا ہے لیکن اس وقت اس کا تذکرہ کہاں سے نکل آیا؟ آپ اپنے کیس کی بات کر رہے تھے۔"

وہ بولا "میں کیس کی ہی بات کر رہا ہوں۔ پچھلی رات وہی میرے آفس میں آئی تھی۔"

اسما نے ایک دم سے چونک کر باتھ روم کی طرف دیکھا. ادھ کھلے دروازے سے ذیشان کی آواز سنائی دے رہی تھی.

ہا تھا "وہ جتنی خوبصورت ہے اتنی ہی بدنصیب ہے۔" "آپ اس بدنصیب کے ساتھ صبح تک کیا کرتے ؟"

ذیشان نے اس کے طنز پر دھیان نہیں دیا۔ بڑی سادگی لا "مقدر بھی کیا چیز ہے؟ کسی کو اولاد سے محروم رکھتا ہے ماں نہیں بن سکتیں اور کسی کو ماں بننے کا موقع دیتا ہے، می دیتا ہے پھر اولاد ہوتے ہی چھین لیتا ہے۔"

اس بات نے اسما کو متاثر کیا۔ وہ بولی "اب آپ گل بات کرتے کرتے کسی اولاد سے محروم ہو جانے والی ذکر کر رہے ہیں۔"

"میں اسی گل خانم کی بات کر رہا ہوں۔ ایک ماہ پہلے اس بچے کو جنم دیا تھا اور پچھلی رات اس کے شوہر نے اس بچے کو ردیا۔"

وہ استری کرتے کرتے ایک دم سے اچھل پڑی۔ پھر سے بولی "نہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کوئی باپ اپنی جان کیسے لے سکتا ہے؟"

"ایسا ہی ہوا ہے۔ تمہیں یقین نہیں آ رہا ہے۔"

"بھلا یہ بھی کوئی یقین کرنے والی بات ہے؟ ہم اولاد یے ترس رہے ہیں اور اس ظالم باپ کی نظروں میں بچے یت ہی نہیں تھی۔ اس بے چاری ماں نے کیسے کیسے ب سے گزر کر اس بچے کو جنم دیا ہوگا اور اس کم بخت نے رڈالا......؟ کیا انسان ایسا ظالم بھی ہو سکتا ہے؟"

"ہاں۔ انسان ہی ظالم ہوتا ہے۔ شیطان تو خواہ مخواہ ہے۔ انسان سے بڑا شیطان اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔"

وہ نہاتا رہا اور اسے گل خانم کے تفصیلی حالات بتاتا رہا۔ اولاد کے لیے ترس رہی تھی۔ اس لیے اسے گل خانم ردی ہو گئی تھی۔ وہ بڑی افسردگی سے اس کے بارے رہی تھی۔ پھر اس نے بڑے دکھ بھرے لہجے میں کہا بچاری۔ اب بچے کے بغیر کیسے زندہ رہے گی؟ میری تو ں ہوئی۔ میں صبر کر رہی ہوں۔ مگر اس کی تو ہو کر مر گئی، صبر کرے گی؟"

باتوں کے دوران میں وہ غسل سے فارغ ہو کر وردی اب ناشتا کر رہا تھا۔ وہ ایک توس پر مکھن لگا کر اس کی بڑھاتے ہوئے بولی۔

"یہ مقدر ایسے تماشے کیوں دکھاتا ہے؟ اب میں بڑی سے سوچتی رہوں گی کہ کاش! وہ بچہ میری گود میں ہوتا، کلیجے سے لگا کر رکھتی۔ پتا نہیں کیوں، مجھے ایسا لگ رہا ہے میرے بچے کو میرے پاس آنے سے پہلے ہی ہلاک کر دیا گیا ہے۔"

اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ ذیشان نے بڑی محبت سے اسے دیکھا۔ پھر اس کے ہاتھ کو تسلی دینے کے انداز میں تھپکنے لگا۔ وہ ایک گہری سانس لے کر بولی "ہم مقدر کے ہاتھوں کس قدر مجبور ہیں! ہماری تقدیر بگڑتی ہے تو سب کچھ بگڑ جاتا ہے۔"

"ہمارا مقدر وہی کرتا ہے جو ہمارے ہاتھوں کی لکیریں کہتی ہیں ہم انہیں اپنے ساتھ لے کر پیدا ہوتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ہم انہیں بدل سکتے ہیں۔ ہماری دنیا میں کتنے ہی حوصلہ مند ایسے ہیں جو واقعی انہیں بدل کر رکھ دیتے ہیں۔ جب لکیریں بدلتی ہیں تو مقدر کی چال بھی بدل جاتی ہے۔"

اس وقت ذیشان درست کہہ رہا تھا۔ میں ان کی باتیں سن رہا تھا۔ ایسا کہنے والا اپنے ہاتھ کی لکیروں کو نہیں جانتا تھا کہ میں اس کے ساتھ کیا کرنے والا ہوں؟"

اسما نے ایک پیالی میں چائے انڈیلتے ہوئے کہا "اب تو وہ بے چاری ماں بھی نہیں بن سکے گی۔ طلاق ہو چکی ہے اور اچھا ہی ہوا کہ ایسا ظالم مرد اس سے چھوٹ گیا۔"

وہ چائے کی پیالی اٹھاتے ہوئے بولا "ماں تو وہ بنے گی اس ظالم سے نجات کے بعد کہیں تو شادی کرے گی۔ اب اس میں ماں بننے کا جذبہ شدت اختیار کر گیا ہوگا۔ اسے شوہر کی آرزو چاہے نہ ہو مگر بچے کی آرزو اسے چین سے نہیں رہنے دے گی۔ وہ مقتول بچہ اس کی کوکھ میں کہتا رہے گا۔ ماں میں آنا چاہتا ہوں، پھر سے آنا چاہتا ہوں۔"

اسما اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے تڑپ کر بولی "بس کریں ایسی باتیں سن کر ایک ماں کا کلیجہ پھٹ پڑتا ہے۔ میں تو کہتی ہوں جب وہ بانجھ نہیں ہے تو اسے ضرور دوسری شادی کر لینی چاہیے۔"

میں نے مسکرا کر اسما کو دیکھا۔ ذیشان نے کہا "ہاں۔ کرنی چاہیے مگر ابھی تو اس کے زخم تازہ ہیں۔ عدت کے ایام گزارنے اور اپنے سابقہ شوہر کو پھانسی کے تختے تک پہنچانے کے بعد ہی اپنے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کرے گی۔ مقدمے کے دوران مجھے معلوم ہوتا رہے گا کہ وہ آئندہ کیا کرنا چاہتی ہے؟ میں اس کے ساتھ رہا کروں گا۔"

اسما نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ چائے کے گھونٹ حلق سے اتار رہا تھا۔ وہ تڑخ کر بولی "آپ اس کے ساتھ کیوں رہیں گے؟"

"یہ میرا کیس ہے۔ میں اسے ہینڈل کر رہا ہوں تو مجھے اس کے ساتھ رہنا ہی ہوگا۔ مقدمہ ختم ہوتے ہی یہ سارا سلسلہ

بھی ختم ہو جائے گا۔"

وہ پیالی رکھ کر آئینے کے سامنے آ گیا۔ وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پیچھے آ کر بولی "کیا ضروری ہے کہ آپ اس کے ساتھ ساتھ رہیں؟ آپ یہ کیس کسی دوسرے افسر کے حوالے بھی تو کر سکتے ہیں۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "ابھی تم اس عورت کی مجروح ممتا پر تڑپ رہی تھیں۔ اس سے گہری ہمدردی کر رہی تھیں اور اب حسد اور جلن سے ایسا کہہ رہی ہو۔"

"آپ کچھ بھی سمجھتے رہیں۔ مگر میری بات مان لیں۔"

وہ پلٹ کر بولا "میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔ میرے دفتری معاملات میں مداخلت نہ کیا کرو۔ یہ نہ سمجھایا کرو کہ مجھے کس کیس میں کس مجرم کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیے؟ مجھے تمہارے ہی مشوروں پر عمل کرنا ہوتا تو میں رسال پور جا کر پولیس ٹریننگ کا کورس مکمل نہ کرتا۔"

پھر وہ جوتے پہن کر جانے لگا۔ تو اسما اس کی گردن میں بانہیں ڈال کر بولی "میں آپ کے دفتری معاملات میں مداخلت نہیں کروں گی۔ لیکن آپ گھریلو معاملات میں تو میری بات مانتے رہیں گے نا؟"

"وہ تو میں مانتا ہوں اور مانتا ہی رہوں گا۔ بولو۔ کیا چاہتی ہو؟"

وہ ذرا اس کے نزدیک ہوتے ہوئے بولی "میں اپنے دل کی تسلی کے لیے ایک بات کہہ رہی ہوں۔ وعدہ کریں، انکار نہیں کریں گے۔"

وہ اسے دونوں بازوؤں میں جکڑ کر بولا "تم جانتی ہو کہ میں تمہیں خوش کرنے کے لیے کیا کچھ نہیں کرتا ہوں۔ اب کہہ بھی دو، کیا چاہتی ہو؟"

وہ اٹکتے ہوئے بولی "وہ۔ آپ۔ میری تسلی کے لیے ایک۔ جھوٹا میڈیکل...... سرٹیفکیٹ حاصل کریں۔"

ذیشان نے ذرا چونک کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ اس کا کالر درست کرتے ہوئے بولی "اس سرٹیفکیٹ سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ آپ بھی بانجھ ہیں۔ کبھی باپ نہیں بن سکیں گے۔"

ذیشان اسے بہت چاہتا تھا۔ مرد کسی حال میں بھی اپنی مردانگی پر حرف نہیں آنے دیتا۔ یہ اسما کے لیے اس کی بھرپور چاہت ہی تھی۔ وہ مسکرا کر بولا "یہ تو کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ میں کل ہی ایک سرٹیفکیٹ بنوا کر لے آؤں گا۔ مگر اس سے کیا ہوگا؟"

وہ ایک دم سے خوش ہو کر بولی "یہ پوچھیں، کیا نہیں ہوگا؟ میں اس سرٹیفکیٹ کو آپ کے ممی اور ڈیڈی کے پیش کروں گی۔ انہیں یقین دلاؤں گی کہ میری طرح یعنی آپ بھی بانجھ ہیں اور جب انہیں یقین ہو جائے بھی آپ کی دوسری شادی کی بات نہیں کریں گے۔"

وہ سنتے ہوئے اسے پیار کرتے ہوئے بولا "یہ آئیڈیا خوب ہے۔ اس طرح کم از کم ممی کی زبان ہو جائے گی۔ یہ ترکیب پہلے تمہارے دماغ میں کیوں آئی؟"

"اب آئی ہے مگر عمل کرنے سے ہی بات بنے گی۔"

وہ اس کی پیشانی کو چوم کر بولا "میری جان تمہارے لیے سب کچھ کروں گا۔ مجھے اولاد کی تمنا ہے لیکن تم میری زندگی کی پہلی اور آخری آرزو ہو۔ میں ہار کر اپنی زندگی کی دوسری کوئی بازی جیتنا نہیں چاہتا۔"

وہ اسے اپنے سینے سے لگا کر پیار دیتا رہا، اعتماد... وہ خوب جانتی تھی کہ میرا یہ چاہنے والا صرف شوہر ہے۔ میرا عاشق بھی ہے، دیوانہ بھی ہے اور یہ کبھی بھٹک کر کسی دوسری طرف نہیں جائے گا۔

پھر وہ دونوں کمرے سے نکل کر باہر آئے۔ ... گاڑی تک چھوڑنے جایا کرتی تھی۔ جب وہ دونوں ... روم میں پہنچے تو پتا چلا کہ عینی عروج کے ساتھ آئی ہوئی اپنے تایا ابو اور تائی امی کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ فلد... وہاں موجود تھی۔

اسما نے اسے دیکھتے ہی گلے سے لگا لیا۔ پھر پیشانی کو چوم کر کہا "خدا کا شکر ہے، تم خیریت سے گھر آ گئی ہو۔ میں تو تمہارے بھائی جان سے کہہ رہی تھی تمہاری سیکورٹی کے انتظامات بہت سخت ہوں تمہیں ... کے ساتھ باہر جانا آنا چاہیے۔"

وہ بولی "میں نے وکیل صاحب کو بلایا ہے۔ مشورہ کروں گی کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

ذیشان نے کہا "تم ان سے مشورہ کرتی رہو۔ ... نے فیصلہ کر لیا ہے۔ آئندہ میرے سپاہی دور ہی تمہاری نگرانی کرتے رہا کریں گے۔"

پھر وہ عروج سے بولا "میری بہن کے لیے تمہارا ... اور جذبہ ہے، میں اس کی قدر کرتا ہوں۔ لیکن تمہار... نے یہ بہت برا کیا ہے۔ اس کا ہاتھ میری بہن کے لباس ... ہے۔ میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گا۔ اسے ننگا ... لٹکا کر ایسی اذیتیں دوں گا کہ دیکھنے والے عبرت حا... گے۔"

...ں کے منہ سے بہن کا لفظ سنتے ہی بیگم آفتاب نے اسے ...سے دیکھا پھر دل ہی دل میں کہا "بے وقوف! رشتا ...یا ...نہیں جانتا۔ میں عینی کو اس کی بیوی بنانے کے لیے سر ...ش کر رہی ہوں اور یہ ہے کہ میری کوششوں پر پانی پھیر ...اسے بہن کہہ رہا ہے۔ اونہہ......!"

...روج نے ذیشان سے کہا "آپ جو سلوک حشمت کے ...رنا چاہیں، کریں میں پہلے ہی کہہ چکی ہوں، مجرم کسی کا ...یں ہوتا۔ اب مجھے ان کے نام سے بھی نفرت ہو گئی ...

...ھر وہ ایک کاغذ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی "یہ ...ی کی رپورٹ ہے۔ اس کے خون کے دھبوں کا تجزیہ کیا ...ے اور رپورٹ میں اس خون کا گروپ بی پوزیٹو آیا ہے۔ ...ت کا بلڈ گروپ ہے۔"

ذیشان نے اس سے وہ کاغذ لے کر کہا "تم واقعی ایک ...دار ڈاکٹر اور بہت محبت کرنے والی سہیلی ہو۔ تم میری ...ں میں عینی سے بھی زیادہ بلند ہو گئی ہو۔"

عینی نے کہا "عروج! بھائی جان کو وہ ریوالور نکال ...۔"

ذیشان نے پوچھا "کیسا ریوالور......؟"

عروج نے اپنے پرس میں سے ریوالور نکال کر اس کی ...بڑھایا وہ اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ عینی نے کہا "یہ ...ا ہے۔ وہ اس کے بل پر جبراً مجھے اپنے ساتھ لے جانا ...تھا۔"

سب ہی نے چونک کر اسے اور اس ریوالور کو دیکھا۔ عینی ...بڑے تلخ لہجے میں کہا "ادھر حشمت...... ادھر جواد...... ...ہی آستین کے سانپ ہیں۔ بھائی جان! آپ کو جواد کا ...محاسبہ کرنا ہوگا۔"

"تم دیکھتی جاؤ کہ میں ان سب کے ساتھ کیسا سلوک ...ہوں؟ پتا نہیں تمہاری آستین کے اور کتنے سانپ ہیں۔ ...ں ان کے برے انجام تک پہنچانا ضروری ہے۔ کہتے ہیں ...ن نصیب ہوتے ہیں، انہیں دولت ملتی ہے۔ لیکن تمہاری ...ت تمہارے لیے عذابِ جان بن گئی ہے۔"

بیگم آفتاب نے جلدی سے آگے بڑھ کر عینی کو چمکارتے ...ئے کہا "میری جان! اب تمہیں فکر نہیں کرنی چاہیے۔ بس ...سمجھو کہ ذیشان تمہارے لیے ہی اتنا بڑا پولیس افسر بنا ہے ...رف تمہاری ہی مدد کرتا رہے گا۔"

بیگم نے اپنی بہو اسما کی طرف طنزیہ نظروں سے دیکھا۔ ...نی سے کہا "یہ ساری زندگی تمہاری حفاظت کرتا رہے گا۔"

اسما بھی پیچھے رہنے والی نہیں تھی۔ فوراً ہی بولی "کیوں نہیں؟ آخر کو بھائی ہیں، اپنی بہن کی حفاظت تو ان کا فرض ہے۔"

ذیشان نے عروج سے پوچھا "کیا حشمت سے اس کے موبائل پر رابطہ ہو سکتا ہے؟"

"میں کئی بار کوششیں کر چکی ہوں۔ اس نے فون آف کر رکھا ہے۔"

"وہ ضرور گھر گیا ہوگا۔ وہاں فون کر کے دیکھو۔"

عروج تائید میں سر ہلا کر فون پر نمبر پنچ کرنے لگی۔ رابطہ ہونے پر اسے اپنے باپ کی آواز سنائی دی۔ وہ بولی "میں اس وقت عینی کے ساتھ ہوں۔ ابھی آپ کے بیٹے حشمت سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

وہ چونک کر بولا "بیٹی! یہ کس انداز میں گفتگو کر رہی ہو؟ تم حشمت کو بھائی جان کہنے کے بجائے اس کا نام لے رہی ہو۔"

وہ سپاٹ لہجے میں بولی "ڈیڈی! میرا کوئی بھائی نہیں ہے اور جو تھا وہ مر چکا ہے۔ اس نے عینی پر ایسا شرم ناک حملہ کیا ہے کہ میں شرم سے پانی پانی ہو رہی ہوں۔"

وہ پریشان ہو کر بولا "یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ وہ ایسی کوئی حرکت کر سکتا ہے۔"

"وہ کر چکا ہے اور میں اس کے خلاف رپورٹ درج کرا چکی ہوں۔ آپ اسے سمجھائیں کہ وہ خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دے۔ اس کی بہتری اسی میں ہے۔"

ذیشان نے اشارے سے فون طلب کیا۔ عروج نے فوراً ہی وہ فون اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے اسے کان سے لگایا۔ تو دوسری طرف سے تراب علی کہہ رہا تھا۔ "میں حشمت کی گمراہیوں کو سمجھتا ہوں۔ پھر بھی بیٹی! ہم اس کی نادانی پر آپس میں سمجھوتہ کر سکتے ہیں۔ اسے گھر کی چار دیواری کے اندر سزا دے سکتے ہیں۔ بات آگے نہیں بڑھانی چاہیے۔"

وہ ذرا طنزیہ لہجے میں بولا "بات تو آگے بڑھ چکی ہے۔ انکل! میں ایس پی ذیشان بول رہا ہوں۔ اس ذلیل کمینے کا ہاتھ میری بہن کے لباس تک پہنچا ہے۔ میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔ آپ دیکھیں گے کہ اس کا کتنا برا انجام ہوتا ہے؟"

وہ عاجزی سے بولا "بیٹے! تمہارا غصہ بجا ہے۔ میں تمہاری ذہنی کیفیت سمجھ رہا ہوں۔ اس وقت تمہیں میری کوئی بات سمجھ نہیں آئے گی۔"

"اگر عینی کے بجائے آپ کی عروج ہوتی اور اس کے

لباس تک کسی کا ہاتھ پہنچتا تو آپ کیا کرتے ؟"

" بیٹے! میں اس بات کا جواب نہیں دے سکوں گا۔ بہت شرمندہ ہوں۔"

" اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا بیٹا زندہ سلامت رہے تو اسے مشورہ دیں کہ وہ خود کو گرفتاری کے لیے پیش کردے۔ ورنہ اگر وہ فرار ہونے کی کوشش کرے گا تو ہم ان کاؤنٹر فائرنگ کا بہانہ کر کے اسے گولی ماردیں گے۔"

وہ پریشان ہو کر بولا" اوگاڈ! تم اتنی دور تک سوچ رہے ہو؟ نہیں بیٹے! ایسی دشمنی نہ کرنا وہ یہاں آئے گا تو میں اسے سمجھاؤں گا۔ میری بات پر بھروسہ کرو اور ابھی اسے گرفتار نہ کرو۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔ اسے لے کر تمہارے پاس حاضر ہو جاؤں گا۔"

" ٹھیک ہے۔ میں اپنے دفتر میں آپ کا انتظار کروں گا۔"

اس نے موبائل کو بند کیا پھر اسے عروج کے حوالے کرتے ہوئے کہا" تم ہمارے ساتھ تعاون کررہی ہو۔ میرا مشورہ ہے، اس وقت گھر جاؤ اور اپنے ماں باپ کو سمجھاؤ کہ اس کی سلامتی اسی میں ہے کہ وہ خود کو ہمارے حوالے کردے۔ ورنہ ہم پولیس والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ کوئی مجرم ہاتھ نہ آئے تو اسے کس طرح ٹھکانے لگایا جاتا ہے؟"

یہ کہہ کر وہ اسما کے ساتھ باہر چلا گیا۔ فلک ناز نے کہا " عروج! تم واقعی عینی کی سہیلی ہونے کا حق ادا کررہی ہو۔ میرا جی چاہتا ہے کہ تمہیں کوئی بہت بڑا انعام دوں۔"

بیگم آفتاب نے کہا" میں تو کہتی ہوں، عینی کروڑوں روپے کی لاگت سے عروج کے لیے ایک ہاسپٹل بنوا سکتی ہے۔"

عینی نے کہا" پلیز بڑی امی! میں عروج کے لیے ایسا کچھ نہیں کرنا چاہتی۔ اس لیے کہ یہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔ محبت کا معاوضہ طلب نہیں کرتی۔"

پھر وہ فلک ناز کی طرف دیکھتے ہوئے بولی" اور نہ ہی یہ کسی بڑے انعام کا لالچ کرتی ہے۔"

عروج نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا" آؤ۔ باہر تک چلو۔ میں گھر جارہی ہوں۔"

وہ دونوں وہاں سے باہر جانے لگیں۔ فلک ناز اور بیگم آفتاب ناگواری سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

☆☆☆

دردانہ بیگم قدِ آدم آئینے کے سامنے ایک خوبصورت سا لباس پہنے کھڑی ہوئی تھی اور مختلف زاویوں سے خود کو دیکھ رہی تھی۔ جواد دروازے کے سامنے سے گزرتے ہو
گیا۔ پھر اندر آ کر بولا" ممی! آپ کہیں جارہی ہیں؟"

" ہاں۔ عینی شام کو گھر آنے والی تھی۔ اب آ
اس سے ملنے جارہی ہوں۔"

" آپ خوہ مخواہ وہاں جارہی ہیں۔ وہ آپ
نہیں کرے گی۔ اسے یقین ہو گیا ہے کہ ہم محبت کی
اس سے دشمنی کررہے ہیں۔"

" فضول باتیں نہ کرو۔ ایسا کچھ نہیں ہوا ہے۔
ذرا شبہ ہو گیا ہوگا۔ میں کسی نہ کسی طرح اس کا شبہ د
گی۔"

وہ مسکرا کر بولا" یہ تو میں نے دیکھا ہے، آپ
ہوئی بازی بھی جیت لیا کرتی ہیں۔ لیکن ممی! یہ معاملہ
ہی بگڑ چکا ہے۔"

وہ معنی خیز انداز میں مسکرائی پھر بولی" تم دیکھ
میں کرتی کیا ہوں؟ بس جو باتیں تمہیں سمجھائی جائیں
رکھنا جب بھی تم پر الزام آئے تو تم وہی جواب دینا ج
تمہیں سمجھایا ہے۔"

وہ آئینے کے سامنے تیار ہو کر پھر اپنا پرس اٹھ
سے جاتے ہوئے بولی" میری واپسی تک تم گھر میں
آ کر تمہیں بتاؤں گی کہ میں نے پھر اسے کیسے شیشے
ہے؟"

دونوں ماں بیٹے وہاں سے چلتے ہوئے ڈرا
میں آئے پھر وہاں سے گزرتے ہوئے باہر جانے
وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی دونوں رک گئے۔ جواد
بڑھ کر سی ایل آئی پر نمبر دیکھا۔ پھر کہا" پتہ نہیں
ہے؟"

دردانہ بیگم نے کہا" اٹینڈ کرو گے تو پتا چلے گا
اٹھاؤ......"

جواد نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگاتے
" ہیلو...... جواد اسپیکنگ......!"

دوسری طرف سے ذیشان نے کہا" اور م
ذیشان بول رہا ہوں۔ تمہیں اپنے آفس میں ط
ہوں۔ فوراً حاضر ہو جاؤ۔"

جواد نے پریشان ہو کر ماں کو دیکھا۔ اشارے
قریب بلاتے ہوئے فون کے وائڈ اسپیکر کو آن کر
کہا" ذیشان بھائی! ہم ایک دوسرے کے عزیز
آپ پولیس افسر کی طرح کیوں بات کررہے ہیں؟"

" تمہارے خلاف رپورٹ ہے اور ثبوت

لہٰذا کوئی سوال نہ کرو۔ فوراً یہاں آ جاؤ۔''

دردانہ نے فون کی طرف جھک کر کہا ''بیٹے ذیشان! ایسی کیا بات ہوگئی ہے کہ تم رشتے داری کا لحاظ نہیں کر رہے ہو؟''

''آپ جاننے کے باوجود انجان بن رہی ہیں۔ پچھلی رات آپ کے صاحبزادے نے عینی کے ساتھ جو حرکت کی ہے، وہ ناقابل معافی ہے۔ وہ اسے اغوا کرنا چاہتا تھا۔''

''بیٹے! تمہیں غلط رپورٹ دی گئی ہے۔ عینی کو غلط فہمی ہوئی ہے میں اسے سمجھاؤں گی وضاحت کروں گی تو بات تمہاری سمجھ میں آ جائے گی اور جب تمہاری سمجھ میں آ جائے گی تو تم عینی کو بھی سمجھا دو گے۔''

وہ بولا ''اگر بات سمجھ میں آ گئی تو جواد کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کروں گا۔ ویسے یہ اچھی طرح سمجھ گیا ہوں کہ ہمارے خاندان میں اور خاندان کے باہر آستین کے سانپ پل رہے ہیں۔ حشمت نے عینی پر حملہ کیا تھا اور میں اس کے خلاف بھی کارروائی کر رہا ہوں۔ میں نے اس کے باپ کو وارننگ دی ہے کہ حشمت جلد ہی خود کو پیش کر دے، ورنہ وہ مفت میں مارا جائے گا اور یہی آپ کے بیٹے کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔''

یہ کہہ کر وہ رابطہ ختم کرنا چاہتا تھا۔ دردانہ نے جلدی سے کہا ''ایک منٹ بیٹے! فون بند نہ کرنا۔ تم ایک بہت بڑے پولیس افسر کی حیثیت سے حکم دے رہے ہو۔ میرا بیٹا اس کی تعمیل کرے گا۔ لیکن ایک ذرا سی مہلت دے دو بس دو گھنٹے کی مہلت دے دو۔ اس کے بعد میں خود اسے لے کر تمہارے آفس میں آ جاؤں گی۔''

''کوئی بات نہیں۔ میں آپ کی بزرگی کا لحاظ کرتے ہوئے یہ چھوٹ دے رہا ہوں۔ دو گھنٹے بعد ہی اسے یہاں لے آئیں۔''

دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا۔ دردانہ نے ریسیور کو دیکھا پھر اسے کریڈل پر پٹختے ہوئے ناگواری سے کہا ''یہ کیا نئی مصیبت آ گئی ہے؟ میں یہ بھول ہی گئی تھی کہ ذیشان ایس پی ہے اور اپنی بہن کی حمایت میں تمہارے خلاف سخت کارروائی کر سکتا ہے۔''

وہ غصے سے دانت پیس کر بولا ''وہ بڑا افسر ہوگا اپنے گھر کا۔ انکل داؤد کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ آپ ابھی انکل کو فون کریں۔''

''وہ تو کرنا ہی ہوگا۔ لیکن یہ مت بھولو کہ یہ بہت کڑک افسر ہے جب کسی کے خلاف قانون کے مطابق کارروائی کرتا ہے تو اپنے اعلیٰ افسران کی طرف سے آنے والی سفارش کو بھی نظر انداز کر دیتا ہے۔ کسی کا لحاظ نہیں کرتا۔''

جواد نے ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کیے پھر رابطہ ہوتے ہ اسے دردانہ کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اسے کان سے لگا کر بو

''ہیلو۔ میں بول رہی ہوں۔ داؤد بھائی! میں بہت مشکل م پڑ گئی ہوں۔''

دوسری طرف سے داؤد سجانی نے پوچھا ''اب کیا ہوا؟''

''وہ ایس پی ذیشان جواد کو گرفتار کرنا چاہتا ہے۔ اس نے ابھی اسے دفتر میں حاضر ہونے کا حکم دیا ہے۔ میں نے بڑی مشکل سے دو گھنٹے کی مہلت لی ہے۔ پلیز۔ کچھ ایسا کر کہ وہ میرے بیٹے کو گرفتار نہ کر سکے۔''

وہ سوچنے کے انداز میں بولا ''ہوں۔ عینی نے جواد ریوالور ذیشان کو دیا ہوگا یہ اس کے خلاف بہت بڑا ثبوت ہے اور اسی کی وجہ سے کیس بہت اسٹرونگ ہوگیا ہے۔''

''اسی لیے تو ہم نے آپ کو فون کیا ہے۔ آپ کسی بھی طرح اسے گرفتاری سے بچائیں۔ میں ہرگز نہیں چاہوں گی کہ میرے بیٹے کو حوالات میں بند کیا جائے۔''

جواد نے مداخلت کرتے ہوئے کہا ''ممی! انکل سے کہیں کہ وہ ضمانت قبل از گرفتاری حاصل کر لیں۔''

یہ بات دردانہ نے فون پر کہی۔ داؤد نے کہا ''کورٹ کچہری کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ فی الحال ضمانت قبل از گرفتاری حاصل نہیں کی جا سکتی۔''

ماں بیٹے نے پریشان ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا پھر دردانہ نے روہانسی لہجے میں فون پر کہا ''میں نہیں جانتی۔ آپ کچھ بھی کریں۔ آپ تو بڑے بڑے جج حضرات کے گھر میں بھی پہنچ جاتے ہیں۔ کیا میرے بیٹے کے لیے ضمانت نا حاصل نہیں کریں گے؟''

''ٹھیک ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں۔ ایک آدھ گھنٹے میں فون پر بتاؤں گا۔''

''آپ وقت کا خیال رکھیں۔ ذیشان بہت ہی مروت ہے وہ رشتے داری کا خیال نہیں کرے گا۔ دو گھنٹے پورے بھی نہیں ہوں گے اور وہ اسے گرفتار کرنے یہاں جائے گا۔''

''ایسا نہیں ہوگا۔ بس میرے فون کا انتظار کرو۔''

رابطہ ختم ہوگیا۔ دردانہ نے ریسیور رکھ کر پریشانی سے بیٹے کو دیکھا پھر پوچھا ''وہ کم بخت ٹیکسی ڈرائیور کون تھا؟ نے اب تک اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کیا۔''

''ممی! اتنے بڑے شہر میں کسی کو تلاش کرنا آسان نہیں ہے انکل نے کہا تھا کہ وہ اسے تلاش کروا کے گو

مار دیں گے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔''

وہ بڑبڑانے لگی ''کوئی نہ کوئی نئی مصیبت سامنے چلی آ رہی ہے۔ میں ابھی عینی کے پاس جا کر اسے شیشے میں اتارنا چاہتی تھی لیکن قسمت ہی خراب ہے۔ کچھ اچھا کرنے سے پہلے ہی برا سامنے آ رہا ہے۔ لگتا ہے، اب وہ لڑکی سیدھے طریقے سے ہاتھ نہیں آئے گی۔ اس نے ایس پی ذیشان کے ساتھ مل کر میرے خلاف محاذ آرائی شروع کر دی ہے۔ اس کی یہ حرکت اسے بہت مہنگی پڑے گی۔''

''ممی! اب محاذ آرائی ہمیں بھی شروع کر دینی چاہیے۔ اس کے دشمنوں کو اپنا دوست بنانا چاہیے۔''

دردانہ نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بولا ''ابھی ذیشان نے فون پر بتایا تھا کہ حشمت نے بھی عینی پر حملہ کیا ہے وہ اس کے خلاف بھی کارروائی کر رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سید تراب علی شاہ کا پورا خاندان اب عینی کے خلاف ہو گیا ہوگا۔ ہمیں اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔''

وہ سوچنے لگی۔ صوفے سے اٹھ کر ٹہلنے لگی پھر بولی ''ہوں..... حشمت ان کا ایک ہی بیٹا ہے۔ وہ ان کے لیے بہت پریشان ہوں گے یہ کبھی نہیں چاہیں گے کہ اس کے خلاف قانونی کارروائی ہو۔ اور اسے سزا ملے۔ ذیشان کیسا سخت افسر ہے یہ سب ہی جانتے ہیں۔ وہ واقعی اسے ان کاؤنٹر فائرنگ میں گولی مار سکتا ہے اور تمہارے ساتھ بھی یہی کر سکتا ہے۔''

جواد نے کہا ''آپ تراب علی سے بات کریں۔''

''میں یہ فون مصروف رکھنا نہیں چاہتی۔ داؤد بھائی کسی وقت بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔''

جواد نے اپنا موبائل فون اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا ''آپ یہ لیں۔ ادھر لوہا گرم ہوگا۔ زبردست ضرب لگائیں۔ وہ ٹیڑھے ہو کر ہماری طرف جھک جائیں گے۔''

اس نے موبائل فون سے رابطہ کیا دوسری طرف سے تراب علی کی آواز سنائی دی۔ ''ہیلو۔ کون؟''

''میں دردانہ بول رہی ہوں اور یہ جانتی ہوں کہ آپ اس وقت بہت پریشان ہیں۔ میں بھی پریشان ہوگئی تھی۔ ذیشان میرے بیٹے کو بھی گرفتار کرنا چاہتا تھا۔ لیکن میں ہرگز ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ ہم پر جھوٹا الزام لگایا جا رہا ہے میں اپنے بیٹے کی بے گناہی ثابت کر دوں گی۔ اسے خواہ مخواہ بدنام کیا جا رہا ہے اور یہی آپ کے بیٹے کے ساتھ بھی ہو رہا ہے۔''

''انہوں نے میرے بیٹے کے خلاف ٹھوس ثبوت حاصل کیے ہیں۔ ابھی میری بیٹی عروج آئی ہوئی ہے۔ یہ خود اپنے بھائی حشمت کے خلاف گواہی دے رہی ہے۔ میری اپنی بیٹی دشمنی کر رہی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا میں کیا کروں؟''

''اگر آپ میرا ساتھ دیں گے تو میں آپ کا ساتھ دوں گی اور آپ کے بیٹے کو گرفتاری سے بچا لوں گی۔''

''تم اسے کس طرح بچا سکتی ہو؟''

''کیا اس وقت عروج آپ کے پاس ہے؟''

تراب علی نے عروج کی طرف دیکھا۔ پھر مختصر سا جواب دیا ''ہاں۔''

''پھر میں ابھی لمبی بات نہیں کروں گی۔ اتنا مشورہ دیتی ہوں کہ کل کچہری کے کھلنے تک آپ اپنے بیٹے کو کہیں چھپا کر رکھیں۔ ذیشان کے ہاتھ نہ لگنے دیں۔ اس کے بعد پھر وہ اسے گرفتار نہیں کر سکے گا۔ میں اس کی ضمانت حاصل کروں گی۔''

''اگر ایسا ہوگیا تو میں زندگی بھر تمہارا یہ احسان نہیں بھولوں گا۔''

''ارے نہیں۔ میں احسان نہیں کر رہی ہوں۔ آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں۔ کیا آپ آئندہ بھی اپنی بیٹی اور عینی کے خلاف میرا ساتھ دے سکیں گے؟''

لوہا گرم تھا، ہر چوٹ پر دردانہ کی طرف جھک رہا تھا۔ تراب نے فوراً کہا ''میں زبان کا دھنی ہوں۔ تمہیں بھی میری طرف سے مایوسی نہیں ہوگی۔''

دردانہ نے ایک آنکھ دبا کر جواد کی طرف دیکھا پھر فون پر کہا ''بس پھر آپ میری یہ بات مانیں کہ کل تک حشمت کہیں روپوش رہے۔ پھر ذیشان جیسا ایس پی آپ کے بیٹے کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔''

رابطہ ختم ہوگیا۔ تراب علی نے ریسیور کو کریڈل پر رکھا عروج بڑی توجہ سے اپنے باپ کی باتیں سنتی رہی تھی۔ اس نے کہا ''آپ مجھے نہیں بتائیں گے کہ دردانہ بیگم سے کیا باتیں ہوئی ہیں لیکن جس حد تک میں نے سنا ہے، وہی میرے سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ آپ ان کا ساتھ صرف اس لیے دے رہے ہیں کہ آپ اپنے مجرم بیٹے کو قانون کی گرفت سے بچانا چاہتے ہیں۔''

بیگم شاہ دوسرے صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ غصے سے بولی ''تو کیا ہم تمہاری اس اندھی سہیلی کی خاطر اپنے بیٹے کو حوالات میں جانے دیں؟ اس پر کیسے ظلم ہوں گے تم جانتی ہو؟ اور ذیشان تو ویسے ہی بہت ظالم ہے۔''

''ممی! عینی کے ساتھ جو کچھ ہوا، وہی میرے ساتھ ہوتا تو کیا آپ اس مجرم کو معاف کر دیتیں؟''

''تمہارے ساتھ کچھ ہوتا تو ہم تمہارا ساتھ دیتے اس مجرم کے خلاف کارروائی کرتے۔ مگر اس وقت معاملہ حشمت کا

ہے۔ہم بیٹی کے سلسلے میں بیٹی کا ساتھ دیتے اور اب بیٹے کے معاملے میں بیٹے کا ساتھ دے رہے ہیں میں تمہارے سامنے مانتی ہوں کہ حشمت سے غلطی ہوئی ہے لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ اس کے خلاف اتنی سخت کارروائی کی جائے؟ تم عینی کو ذرا پیار سے سمجھا سکتی ہو، وہ حشمت کو معاف کر دے گی۔"

"سوری ممی! میں ایسا کچھ نہیں کروں گی۔"

تراب علی نے کہا "بیگم! خاموش ہو جاؤ۔ اس سے کچھ نہ کہو۔ یہ تو اسے بھائی بھی کہنا گوارا نہیں کر رہی ہے۔ یہ اس کے بچاؤ کے لیے کچھ نہیں کرے گی۔ یہ جو کرنا چاہتی ہے اسے کرنے دو۔"

عروج نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا "میں اپنا ضروری سامان لے کر یہاں سے جارہی ہوں۔ جب تک عینی کو انصاف نہیں ملے گا اور اس کے مجرم کو سزا نہیں ملے گی اس وقت تک میں واپس نہیں آؤں گی۔"

وہ ان سے منہ پھیر کر چلی گئی۔ ان دونوں کو اس وقت عروج سے زیادہ حشمت کی فکر تھی۔ یوں بھی وہ خود کفیل تھی۔ لیڈی ڈاکٹر کی حیثیت سے زندگی گزار رہی تھی۔ وہ دونوں ہی جانتے تھے کہ ملّا کی دوڑ مسجد تک۔ وہ یہاں سے نکل کر کوارٹر میں جائے گی۔ لہٰذا انہوں نے اس کے اس طرح جانے پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

☆☆☆

ذیشان اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا۔ دردانہ بیگم نے اس سے دو گھنٹے کی مہلت لی تھی اور سید تراب علی نے وعدہ کیا تھا کہ جیسے ہی حشمت گھر آئے گا تو فوراً ہی اسے لے کر اس کے آفس میں پہنچ جائے گا۔

وہ ان دونوں کا منتظر تھا۔ انتظار کے ان لمحات میں اسے گل خانم یاد آئی تو اس نے انٹرکام کے ذریعے اپنے ماتحت سے کہا "اندر آؤ۔"

ماتحت فوراً ہی دروازہ کھول کر اس کے سامنے حاضر ہو گیا۔ سیلوٹ مارتے ہوئے بولا "یس سر!"

"گل خانم کے پاس گئے تھے؟"

"نو سر! آپ حکم دیں تو ابھی چلا جاتا ہوں۔"

"تمہیں اپنے طور پر بھی وہاں کی خیر خبر رکھنی چاہیے۔"

"آل رائٹ سر! میں ابھی جاتا ہوں۔"

"پہلے گل خانم سے فون پر رابطہ کرو بلکہ میری بات کراؤ۔"

"او کے سر......!"

وہ سیلوٹ کر کے چلا گیا۔ وہ تصور میں اجڑی اجڑی گل خانم کو دیکھنے لگا۔ اسے اس ماں سے ہمدردی تھی جس کے شوہر نے اس کی گود ویران کر دی تھی۔

پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق بچے کا گلا نہیں دبایا گیا تھا۔ یاور خان نے بھی یہی بیان دیا تھا کہ اس نے بچے کا گلا نہیں دبایا تھا۔ اس نے اس کی آواز بند کرنے کے لیے ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا تھا۔ مگر باپ قاتل ثابت نہیں ہو سکا تھا۔

انٹرکام کا بزر سنائی دیا۔ اس نے بٹن دبا کر پوچھا "یس؟"

ماتحت نے کہا "سر! فون ریسیو کریں۔ گل خانم کی سیکریٹری سے بات ہو سکے گی۔"

اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ پھر کہا "ہیلو، ایس پی ذیشان اسپیکنگ۔"

دوسری طرف سے نسوانی آواز سنائی دی "السلام علیکم سر! میں گل کی سیکریٹری بتول بات کر رہی ہوں۔ اسے اپنی بیٹی کی طرح مانتی ہوں۔ میں بظاہر تو ایک سیکریٹری ہوں۔ لیکن ایک ذمے دار خاتون کی حیثیت سے پوری کوٹھی کے انتظامات بھی سنبھالتی ہوں اور گل خانم کا بھی بہت خیال رکھتی ہوں۔ میں کل سے اس کے لیے بہت پریشان ہوں۔ نئی نئی الجھنیں سامنے آرہی ہیں۔"

"کیسی الجھنیں؟"

"جب سے بچے کی تدفین ہوئی ہے۔ تب سے گل خانم بالکل ہی گم صم سی ہو گئی ہے۔ نہ کچھ کھا رہی ہے، نہ پی رہی ہے۔ پچھلی رات میں نے جس صوفے پر اسے بیٹھے دیکھا تھا وہ ابھی تک وہیں بیٹھی ہوئی ہے۔ کل سے اب تک جاگ رہی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا، میں کیا کروں؟ وہ تو نہ کچھ بول رہی ہے، نہ سن رہی ہے۔ بس اتنا کہتی ہے کہ اسے تنہا چھوڑ دوں۔"

ذیشان بڑے دکھ سے سن رہا تھا۔ وہ ایسی عورت تھی جس کی مانگ بھی اجڑ گئی تھی اور گود بھی۔ وہ بولا۔ "میں ان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"آپ ذرا انتظار کریں۔ میں ابھی بات کراتی ہوں۔"

وہ ریسیور کان سے لگائے انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد اس کی مترنم آواز سنائی دی "ہیلو۔ میں بول رہی ہوں۔"

"ہیلو میں ذیشان بات کر رہا ہوں۔ تم جن صدمات سے گزر رہی ہو ان کے پیشِ نظر یہ نہیں پوچھ سکتا کہ خیریت سے ہو یا نہیں؟"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی "آپ درست کہہ رہے ہیں۔

...پاس سب کچھ ہے مگر خیریت نہیں ہے۔"

"تم صبر اور حوصلے سے کام لو گی تو سب کچھ ایک بار پھر نارمل ہو جائے گا اور تم بہتری کی طرف لوٹ آؤ گی مگر تم نے جو نقصان اٹھایا ہے وہ تو کبھی پورا نہیں ہو گا۔ اس کے لیے ...رنا ہی ہو گا۔"

"میں کوشش تو کر رہی ہوں۔"

"تم کوشش نہیں کر رہی ہو، مجھے ابھی معلوم ہوا ہے۔ تم ...لی رات سے گم صم ہو۔ نہ کچھ کھا رہی ہو نہ پی رہی ہو۔ یہ تو ...ظلم کرنے والی بات ہے اور ایسا کرنا دانشمندی نہیں ہے۔"

"آپ اچھی باتیں سمجھا رہے ہیں۔ لیکن میں جن ...لات سے گزر رہی ہوں، ایسے میں کوئی بات سمجھ میں نہیں ...تی۔"

"کیا تم میری بات نہیں مانو گی؟"

"پلیز۔ آپ اپنی کوئی بات نہ منوائیں۔ آپ میرے ...اتھ تعاون کر رہے ہیں۔ میں آپ کی احسان مند ہوں۔ ...پ نے یاور خان کو آہنی سلاخوں کے پیچھے بھیج کر مجھے کسی حد ...ک مطمئن کیا ہے۔"

وہ یاور خان کا ذکر کرتے کرتے ایک دم سے چپ ...ہو گئی۔ ذیشان نے پوچھا "تم خاموش کیوں ہو گئیں؟"

وہ ایک ذرا چونک کر بولی "آں...... میں سوچ رہی تھی ...کہ مرد کتنی ہی محبت کر لے۔ لیکن تین الفاظ کے جوتے کسی بھی ...ت عورت کو اس کی زندگی سے نکال پھینکتے ہیں۔ یاور نے بھی ...مجھے ایسے ہی جوتے مارے ہیں جن کے نشانات میں کبھی نہیں ...مٹا سکوں گی۔"

اتنا کہہ کر وہ رونے لگی۔ ذیشان اسے تسلیاں دیتے ...ہوئے بولا "یہ نشانات تمہارے آنسوؤں سے نہیں دھلیں گے۔ تم انہیں حوصلے سے اور اپنی قوتِ ارادی سے مٹا سکو گی۔"

وہ آنسوؤں کو ضبط کرتے ہوئے بولی "آپ بہت اچھے ...انسان ہیں آپ کی تسلیاں اور دلاسے مجھے بہت حوصلہ بخش ...رہے ہیں۔ کیا آپ تھوڑی دیر کے لیے یہاں آ سکتے ہیں؟"

ذیشان نے گھڑی میں وقت دیکھا پھر کہا "ہاں۔ آدھے گھنٹے کے لیے آ سکتا ہوں۔ ابھی آرہا ہوں۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ وہ ریسیور رکھ کر اپنی کرسی سے اٹھ گیا۔ پھر کمرے سے باہر آ کر اپنے ماتحت سے بولا "دردانہ بیگم اور تراب علی شاہ کا فون آئے یا وہ خود یہاں آ جائیں تو مجھے فوراً میرے موبائل پر مطلع کر دینا۔ میں آدھے گھنٹے بعد واپس آؤں گا۔"

پھر وہ اپنی کار میں بیٹھ کر گل خانم کی کوٹھی میں پہنچ گیا۔ اس کی سیکریٹری بتول اسے گل خانم کے دروازے تک لائی پھر دروازے پر دستک دے کر بولی "خانم! ایس پی صاحب تشریف لائے ہیں۔"

کچھ دیر بعد ہی دروازہ کھل گیا۔ گل خانم نے سر کے آنچل کو درست کرتے ہوئے کہا "اندر آ جائیں۔"

ذیشان اندر آیا۔ پھر پلٹ کر بتول سے بولا "ان کے لیے ناشتا لے آئیں۔"

گل خانم نے کہا "میں ابھی کچھ کھانا نہیں چاہتی۔"

"لیکن میں چائے پینا چاہتا ہوں اور اسی شرط پر پیوں گا کہ پہلے تم ناشتا کرو گی پھر اس کے بعد میرے ساتھ چائے پیو گی اور اگر انکار کرو گی تو میں ابھی چلا جاؤں گا۔"

اس نے بے بسی سے ذیشان کو دیکھا۔ پھر سر جھکا لیا۔ بتول نے مسکرا کر ذیشان کو دیکھا۔ پھر کہا "میں ابھی ناشتا اور چائے لے کر آتی ہوں۔"

وہ چلی گئی اور وہ دونوں صوفے پر آ کر بیٹھ گئے۔ ذیشان نے پوچھا "کیا تم کل سے اب تک اسی صوفے پر بیٹھی ہوئی ہو؟"

اس نے جواب نہیں دیا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ بولا "تمہاری خاموشی بتا رہی ہے کہ تم اس صوفے پر پتھر بن گئی ہو۔ تمہارے کتنے ہی چاہنے والے تمہیں اسکرین پر دیکھتے ہیں۔ کیا تم ان کے لیے پتھر کا مجسمہ بن جانا چاہتی ہو؟ کیا اپنی فنکارانہ صلاحیتوں سے اب ان کے دل نہیں جیتو گی؟ ان کی محبت حاصل نہیں کرو گی؟ ہم اس دنیا میں کیوں آتے ہیں؟ اس لیے کہ اس دنیا کو کچھ اور زیادہ خوبصورت بنا کر جائیں۔ یہ دنیا ماتم کدہ نہیں ہے۔ تمہاری آواز اور تمہارے گیتوں کی طرح بہت ہی مترنم ہے۔"

"میں کیا کروں؟ کل سے سوچ رہی ہوں کہ مجھے بھی موت آ جائے مگر نہیں آ رہی ہے، سوچتی ہوں، صبر آ جائے تو صبر بھی نہیں آتا۔ میرے اندر میرا بچہ ہمک رہا ہے، رو رہا ہے۔"

"یہ تمہارے اندر کی ممتا بول رہی ہے۔ ایک ماں کے احساسات اور جذبات تم پر حاوی ہیں۔"

"ہاں...... مگر یہ سچ ہے کہ میرا بچہ میرے اندر رو رہا ہے۔ کیا آپ دیکھنا چاہیں گے......؟"

ذیشان نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ چادر میں لپٹی ہوئی تھی۔ اس چادر کے اندر اس کا ہاتھ اِدھر سے اُدھر حرکت کر رہا تھا۔ پھر اس نے اپنا دہ ہاتھ چادر سے باہر نکالا تو اس

کی ہتھیلی بھیگی ہوئی تھی۔

وہ کہنا چاہتی تھی کہ یہ اس کے بچے کے آنسو ہیں۔ وہ چادر کے ایک کونے سے منہ ڈھانپ کر بولی ''کل سے میرے اندر دودھ کی نہر بہہ رہی ہے اور اس سے سیراب ہونے والا بچہ نہیں ہے۔ میں یہ دودھ کسے پلاؤں......؟''

ذیشان نے بڑے دکھ سے اسے دیکھا پھر بولا ''پوسٹ مارٹم کی رپورٹ آگئی ہے اب پتا نہیں تمہارے لیے اس خبر کی کیا اہمیت ہوگی؟ مگر اس رپورٹ سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ تمہارے بچے کی موت گلا دبانے یا... دم گھٹنے سے نہیں ہوئی ہے۔ رپورٹ کے مطابق رونے کی زیادتی کے باعث اس کی سانس رک گئی تھی۔''

گل خانم نے چادر کو چہرے پر سے ہٹا کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ اس کی آنکھوں کے سوال کو سمجھتے ہوئے بولا ''ہاں یادر خان بے قصور ہے۔ اس نے تمہارے بچے کو قتل نہیں کیا ہے۔

وہ ایک ذرا صدمے سے مسکرائی ''میرے بچے کو چاہے قتل کیا گیا ہے یا وہ طبعی موت مارا گیا ہے۔ دونوں ہی صورتوں میں میری گود اجڑی ہے۔ مگر یہ سن کر ایک ذرا بوجھ کم ہوا ہے کہ یادر خان نے اسے قتل نہیں کیا ہے۔''

وہ بولا ''رپورٹ کے مطابق وہ بچہ طبعی موت مرا ہے۔ لہٰذا عدالت یادر خان کو چھ ماہ ایک سال کی سزا سنا سکتی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسے باعزت بری کر دیا جائے۔''

گل خانم کی گیلی ہتھیلی اب تک نگاہوں کے سامنے تھی۔

یہ ممتا کا ایسا متاثر کرنے والا نظارہ تھا جسے دیکھ کر ذیشان کا سر جھک گیا تھا۔ یہ بات سمجھ میں آگئی تھی کہ اس نے بچے کو کل سے دودھ نہیں پلایا ہے اور ممتا کے پیالے بھر بھر کر چھلک رہے ہیں گل خانم کو یوں لگ رہا تھا جیسے بچہ بلک بلک کر رو رہا ہے اور اس کے آنسو رہ رہ کر چھلک رہے ہیں ماں کے پورے وجود کو بھگو رہے ہیں۔

پھر وہ بڑی دیر بعد ایک گہری سانس لے کر بولا ''تمہارے صدمات ناقابلِ برداشت ہیں اس کے باوجود تم شعوری یا غیر شعوری طور پر برداشت کر رہی ہو اور اس لیے برداشت کر رہی ہو کہ تمہارا بچہ واپس آنے والا ہے۔''

اس بات نے اسے چونکا دیا اس نے سوالیہ نظروں سے ذیشان کو دیکھا وہ بولا ''ہاں اپنا یہ ایمان مضبوط رکھو کہ قدرت کی طرف سے نقصان پہنچتا ہے تو اس کے بعد فائدہ بھی پہنچتا ہے گلشن میں صرف خزاں نہیں آتی پھول مرجھاتے ہیں تو دوسرے کھلتے بھی ہیں تمہاری کوکھ میں ایک دوسرا بچہ آنے والا ہے۔''

اس نے مایوسی سے سر جھکا لیا۔ پھر کہا ''آپ مجھے تسلی دے رہے ہیں ایسا کبھی نہیں ہوگا۔''

''ماں کے ارادے کبھی کمزور نہیں ہوتے اور تم کمزو[ر] ہو تمہارے اندر وہ بچہ ہمکتا رہے گا اور مچلتا رہے گا م[...] رہے گا اور تم اسے دوبارہ اس دنیا میں لانے پر مجبور ہو جا[ؤ گی] میری آج کی بات یاد رکھو اور اسے لکھ لو۔''

وہ تڑپ کر بولی ''آپ کیوں ایسی باتیں کر رہے ہیں؟ جانتے ہیں کہ طلاق ہو چکی ہے۔ اب میرا کوئی شوہر نہیں ر[ہا۔]

جب شوہر دوسری شادی کر سکتا ہے تو مطلقہ بیوی دو[سری] شادی کیوں نہیں کر سکتی؟ آج نہیں تو کل ایک برس یا دو [برس] بعد ایک بچے کے خاطر تم ضرور شادی کر دو گی۔''

''پلیز آپ ایسی باتیں نہ کریں۔''

''میں تمہارے اندر ایک بچے کے لیے جذبات [بیدار] کرنا چاہتا تھا اور میرا خیال ہے میں نے کسی حد تک اس[ے] بیدار کیا ہے جو آئندہ دوسری شادی کرتے ہوئے شرما[ئے گی] اور ہچکچائے گی انکار کرے گی لیکن ایک بچہ اس کے انکار کو [اقرار] میں بدل دے گا۔''

اس نے منہ پھیر لیا چہرہ یوں چھپا لیا جیسے ذیشان چھپ رہی ہو اسے یہ منظور نہیں تھا کہ اس کے سامنے بی[ٹھا] پولیس افسر اس کے لاشعور میں چھپی ہوئی باتوں کو سمجھے۔

بتول خانم ایک ٹرالی میں ناشتا اور چائے لے آئی ٹرالی کو ان دونوں کے درمیان چھوڑ کر چلی گئی ذیشان۔

''چلو شروع ہو جاؤ۔''

وہ بولی ''آپ ضد نہ کریں میرا دل نہیں چاہتا ہے۔''

''دل چاہنے لگے گا تمہیں کسی کی خاطر زندہ رہنا ہے''

اس نے چونک کر سوالیہ نظروں سے ذیشان کو دیکھ[ا] پوچھا ''کس کی خاطر؟''

وہی جو تم سے چھین لیا گیا ہے اور جسے تم واپس لاؤ گی

یہ کہتے ہوئے اس نے ایک پلیٹ اس کی طرف بڑ[ھائی] اس نے وہ پلیٹ لی۔ پھر سر جھکا کر ناشتا کرنے لگی دو چار [لقمے] کھانے کے بعد رونے لگی۔ چادر سے آنسو پونچھنے لگی پھر [ایک] گہری سانس لے کر بولی ''یہ سن کر اطمینان ہوا ہے کہ میرے بچے کا قاتل نہیں ہے وہ بہت اچھا ہے میں اسے مخواہ ظالم اور سنگدل کہہ رہی تھی۔''

''وہ سنگدل تو ہے۔ تم پر ظلم کرتا رہا ہے۔''

''وہ ساری زندگی مجھ پر ظلم کرتا رہتا تو میں کبھی اس شکایت نہ کرتی لیکن اس نے طلاق دی یہ بہت برا کیا اب

[...] کروں؟''

''تم سوچو کہ کیا کر سکتی ہو؟''

''میں اسے بہت چاہتی ہوں اتنا چاہتی ہوں کہ لفظوں [میں] بیان نہیں کر سکتی جب سے سنا ہے کہ اس نے میرے بچے کو [قتل] نہیں کیا ہے تب سے میرا دل اس کی طرف کھنچا جا رہا [ہے۔]''

''تعجب ہے اس نے تمہیں کتنی بری طرح زخمی کیا تھا [تمہ]یں طلاق دی ہے پھر بھی تمہارا دل اس کی طرف مائل ہو رہا [ہے۔]''

''وہ مجھے اور زخمی کرتا زخموں سے چور کر دیتا مار ڈالتا۔ مگر [طلا]ق نہ دیتا۔ اف خدایا میں کیا کروں؟''

''وہ چپ ہو کر سوچنے لگی ذیشان نے دوسری پلیٹ [اٹ]ھاتے ہوئے کہا ''کھاتی بھی رہو۔ بولتی بھی رہو۔''

اس نے دوسری پلیٹ لی پھر بولی ''میں آپ کی بات [ما]ن رہی ہوں کھا رہی ہوں کیا آپ میری ایک بات مانیں [گ]ے؟''

''میں تمہیں خوش رکھنے کے لیے تمہاری ہر جائز بات مان[و]ں گا۔''

''میرے یادرا کو سزا سے بچا لیں ابھی وہ حوالات میں ہے اسے جیل میں نہ پہنچائیں۔''

''میں حیران ہوں کہ تم کس قسم کی عورت ہو پاگل ہو [دی]وانی ہو اس کی سلامتی اور رہائی چاہتی ہو۔''

'......دیکھیں میرا مطالبہ جائز ہے اس نے کوئی بڑا جرم [ن]ہیں کیا ہے۔ مجھے زخمی کیا ہے میاں بیوی میں تو جھگڑے [ہ]وتے رہتے ہیں۔ میں اپنی شکایت واپس لیتی ہوں خدا کے لیے اسے رہا کر دیں۔''

ذیشان حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا جس نے اس پر ظلم کی [انت]ہا کر دی تھی۔ طلاق دے دی تھی اس کی حمایت میں وہ بول رہی تھی اور اس کی رہائی چاہتی تھی اس نے پوچھا ''تمہیں اس کی رہائی سے اب کیا ملے گا؟ کیا تم اسے اپنے گھر میں آنے دو گی؟''

نہیں وہ تو اب میرے لیے نامحرم ہو چکا ہے میرے خدا میں کیا کروں میں چاہتی ہوں کہ وہ میرے پاس چلا آئے مگر یہ گناہ ہوگا۔''

''تم عورت ہو محتاط رہو گی گناہ گار نہیں بنو گی۔ لیکن وہ مرد ہے رہا ہونے کے بعد تم سے ملنے کی ضد کرے گا یہاں آنا چاہے گا۔''

''میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ اسے گھر کے اندر نہیں آنے دوں گی ہاں مگر......؟

''مگر کیا......؟ آگے بولو۔''

''مگر میں اسے دور ہی دور سے دیکھ تو سکوں گی۔''

''مجھے تم سے ہمدردی ہے میرا دل جتنا نرم ہے اتنا سخت بھی ہے یہ یاد رکھو، اگر مجھے کبھی معلوم ہوا کہ وہ چھپ کر یہاں آتا ہے اور تم سے ملتا ہے تو میں تم دونوں کو بے حیائی کے الزام میں گرفتار کر لوں گا پھر تم جانتی ہو کہ ہمارے ملک میں بے حیائی کی کتنی سخت سزا ہے۔''

''خدا کے لیے آپ مجھے بے حیا نہ سمجھیں میں مر جاؤں گی لیکن کبھی کوئی غلط قدم نہیں اٹھاؤں گی۔ بس آپ مجھ پر یہ مہربانی کریں اسے رہا کر دیں۔''

میرے لیے کوئی بڑی بات نہیں ہے میں اس کیس کو اور کمزور بنا دوں گا پھر تمہاری طرف سے کوئی شکایت نہیں رہے گی تو وہ رہا کر دیا جائے گا۔ لیکن ایک شرط ہے۔''

میں آپ کی ہزار شرطیں بھی مان لوں گی۔ بولیں آپ کیا چاہتے ہیں؟''

میں ابھی یہاں سے جاؤں گا تو تم آرام سے سو جاؤ گی تمام فکر و پریشانی اپنے دماغ سے نکال دو گی بچے کے لیے ماتم نہیں کرو گی..... اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تمہاری گود میں اور پھول کھلیں گے۔ یہ میری دعا ہے۔

وہ اسے محبت اور عقیدت سے دیکھتے ہوئے بولی ''آپ بہت اچھے ہیں۔ بہت اچھے انسان ہیں۔ میں اندر سے ٹوٹی ہوئی تھی۔ آپ نے مجھے سمیٹ لیا ہے پھر سے جوڑ رہے ہیں۔''

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر بولا ''مجھے ضروری کام ہے اس لیے جا رہا ہوں۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بولی ''میں بھی چلوں گی وہاں یادرا سے ملوں گی۔''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا ''میں ابھی اجازت نہیں دوں گا۔ اس سے ملنا چاہتی ہو تو شام چھ بجے تک گہری نیند سوتی رہو۔ سات بجے وہاں آؤ تو میں تمہیں ملنے کی اجازت دوں گا۔

وہ اس کے ساتھ بیڈ روم سے باہر آئی ''میں وعدہ کرتی ہوں، شام چھ بجے تک سوتی رہوں گی۔''

''اب وہ تمہارے لیے نامحرم ہے اس کے سامنے کیسے جاؤ گی۔''

''میں پردہ کروں گی اپنے چہرے کو اچھی طرح چھپا لوں گی۔ میں کوئی ایسا کام نہیں کروں گی جو دینی احکامات کے

خلاف ہو۔"

"تم دینی احکامات کو اچھی طرح نہیں سمجھتی ہو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ عدت کے ایام گزارنے تک عورت کو نہ تو گھر کی چار دیواری سے باہر نکلنا چاہیے نہ ہی اسے اپنی آواز سنانا چاہیے اور نہ ہی اسے کسی غیر مرد کی آواز سننا چاہیے۔"

"یا خدا آپ عالم دین کی طرح اتنی سختی سے نہ بولیں۔ مجھے اس سے ملنے کے لیے کچھ تو رعایت دیں۔"

"میں رعایت دینے والا ہوتا کون ہوں؟ میں تو صرف دینی احکامات کی بات کر رہا ہوں۔"

اس نے بے اختیار اس کے ہاتھ کو تھام لیا۔ اس کے ہاتھوں میں ایسی نرمی اور ایسی گرمی تھی کہ پہلی بار اس کا لمس ملتے ہی ذیشان نے اندر سے جھرجھری سی محسوس کی۔ وہ ہاتھ چھڑانا چاہتا تھا اس نے دونوں ہاتھوں سے اس کے ہاتھ کو دبوچ کر کہا "آپ نہیں سمجھیں گے۔ میں کیسے سمجھاؤں جس طرح اکثر مسلمان پانچوں وقت کی نمازیں نہیں پڑھتے ایک آدھ وقت کی پڑھ لیتے ہیں۔ اسی طرح میں تمام دینی احکامات پر عمل نہیں کر سکوں گی۔ خدا کے لیے مجھ پر سختی نہ کریں مجھے اس سے ملنے کی اجازت دیں۔"

اس نے گھبرا کر ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا "ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ تم سات بجے آ جاؤ۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔

وہ فوراً ہی پلٹ کر تیزی سے چلتا ہوا اس کوریڈور سے باہر آ گیا اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے آگ کو چھو کر آیا ہو اسے اپنا ہاتھ اب تک اس کے ہاتھوں میں محسوس ہو رہا تھا۔ عجیب سا احساس تھا کہ خود تو آ گیا ہے اپنا ہاتھ وہیں چھوڑ آیا ہے۔

میں اس کی قسمت کی لکیر پر کھڑا مسکرا رہا تھا۔

☆☆☆

عروج نے گھر چھوڑ دیا۔ کار ڈرائیو کرتی ہوئی ہاسپٹل والے کوارٹر کی طرف جانے لگیں۔ ابھی وہ نہیں جانتی تھی کہ اس نے عارضی طور پر ماں باپ سے علیحدگی اختیار کی ہے یا یہ علیحدگی مستقل ہو گی؟

ویسے حالات اور والدین کے جذبات بتا رہے تھے کہ وہ بیٹے کو زیادہ اہمیت دے رہے ہیں۔ اسے ایک بہت بڑے جرم کی سزا سے بچانے کے لیے غلط راستے اختیار کر رہے ہیں اور ایسے میں وہ اپنے ماں باپ سے سمجھوتہ کرنے والی نہیں تھی۔

وہ ونڈ اسکرین کے پار دیکھ رہی تھی ڈرائیو کر رہی تھی اور یہ سوچ کر دلبرداشتہ ہو رہی تھی کہ اچانک ہی بالکل تنہا ہو گئی ہے۔ اگرچہ یہ جانتی تھی کہ عینی کو اس کے گھر چھوڑنے کا تو وہ اس کے پاس دوڑی چلی آئے گی اس کے ساتھ سے زیادہ رہنے کی کوشش کرے گی اس کی تنہائی دور کرے گی لیکن تنہائی صرف ایک سہیلی سے دور نہیں ہوتی۔

پہلی بار اس کے دل میں یہ بات آئی کہ اب ہو چکی ہے کہ ایک جیون ساتھی ضروری ہو چکا ہے دونوں سہیلیاں اپنے اپنے جیون ساتھی کے بارے میں تھیں اور باتیں کرتی تھیں اور اس نتیجے پر پہنچتی تھیں کہ خاندان میں شادی کریں گی جہاں دو بھائی ہوں اور دونوں مل کر ایک ہی چھت کے نیچے رہتے ہوں تاکہ دونوں سہیلیاں بھی دن رات ایک دوسرے کے ساتھ رہ سکیں۔

عینی نے پوچھا "اگر کسی خاندان سے دو بھائیوں کا نہ آئے تو ہمیں کیا کرنا ہو گا؟"

دو بھائی نہ سہی دو ایسے گہرے دوست ہوں۔ جیسے گہری سہیلیاں ہیں تو ان کے ساتھ بھی ہمارا گزارا ہو گا ایک دوسرے کے زیادہ سے زیادہ قریب رہا کریں گی۔

"اور اگر دو گہرے دوست بھی نہ ہوئے تو کیا ہو گا؟"

اس وقت عروج نے عاجز ہو کر کہا "ہم کسی ایک ہی سے شادی کریں گے جب مرد کے لیے دو شادیاں جائز ہیں تو ہم ان کی بیویاں بن کر نہیں رہ سکتیں؟"

یہ ایسا عجیب سا خیال تھا کہ عینی چونک گئی ایسا کبھی ہوتا ہے سہیلیاں آپس میں جتنی بھی محبت کرتی ہوں وہ شوہر کی محبت سہیلی کو کبھی نہیں دیتیں ایسا ہو تو وہ سہیلی سے سوکن بن جاتی ہیں۔

جب ان کے ذہنوں میں ایسا خیال پیدا ہوا تو انہوں نے ایک دوسرے سے حسد اور رقابت محسوس نہیں کی ان میں گہری وابستگی اتنا گہرا پیار تھا کہ وہ ایک دوسری کو اپنی سوکن سمجھ ہی نہیں سکتی تھیں۔

ویسے انہوں نے محض باتیں بنائی تھیں کوئی ارادہ نہیں تھا کہ وہ ایسا ہی کریں گی۔ وہ تعلیم یافتہ اور ذہین تھیں۔ ایسی نادانی نہیں کر سکتی تھیں جذباتی طور پر ایسا سوچا تو جاتا ہے لیکن عملی طور پر ایسا ہوتا نہیں ہے۔

آج پہلی بار گھر چھوڑنے کے بعد اس نے تنہائی محسوس کی اور ایک جیون ساتھی کے بارے میں سوچا تو اچانک پاشا جانی اس کی نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ اس نے گھبرا کر فوراً ہی بریک لگائی اسے اچانک سامنے دیکھ کر اسٹیئرنگ کانپ گیا لگا تھا۔ اگر وہ کار نہ روکتی تو اسے کہیں ٹکرا دیتی۔

کار رکنے کے بعد وہ گہری گہری سانسیں لینے لگی یوں

لگی جیسے پاشا سے ٹکراتے ٹکراتے بچ گئی ہو وہ پریشان ہو کر سوچنے لگی یہ مجھے کیا ہو رہا ہے؟ میں رہ رہ کر اس کے بارے میں کیوں سوچنے لگتی ہوں؟

مجھے کیا ہو گیا ہے؟ آج وہ کوارٹر میں عینی کی خیریت معلوم کرنے آیا تو عینی اس میں دلچسپی لے رہی تھی اور وہ میری ذات میں دلچسپی لے رہا تھا بڑی بے باکی سے بار بار دیکھ رہا تھا جیسے میں اسے اپنی طرف کھینچ رہی ہوں۔ جب کہ میں کچھ نہیں کر رہی تھی۔ میں تو اس سے کترا رہی تھی۔

کار سڑک کے کنارے رکی ہوئی تھی۔ ونڈ اسکرین کے پار اب وہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ دور تک سڑک جاتی ہوئی نظر آ رہی تھی اور اکا دکا گاڑیاں اس کے قریب سے گزر رہی تھیں اس نے پھر کار اسٹارٹ کی اور اسے آہستہ آہستہ ڈرائیو کرتی آگے بڑھانے لگی گاڑی کی رفتار اتنی سست تھی جیسے وہ سوچتے سوچتے چل رہی ہو اور چلتے چلتے سوچ رہی ہو اگرچہ پاشا جانی کے دیکھنے کا انداز اسے لاشعوری طور پر گدگدا رہا تھا اس کے باوجود وہ عینی کے لیے جذباتی ہو کر سوچ رہی تھی یہ دل سے چاہتی تھی کہ پاشا جانی جیسے سچے اور بے لوث نوجوان کو عینی کی زندگی میں آنا چاہیے۔

وہ دونوں عادتاً ایسی ہی تھیں۔ انہیں کچھ بھی حاصل ہوتا تھا تو وہ ایک دوسرے کے حوالے کر دیتی تھیں اپنی سہیلی کو سب کچھ دے کر اور اپنے لیے کچھ نہ رکھ کر بڑی خوشی ہوتی تھی۔

جب وہ ہاسپٹل میں اپنے کوارٹر کے سامنے پہنچی تو اندھیرا پھیل چکا تھا کار سے اترتے وقت اس نے دیکھا ایک ٹیکسی اس کے قریب آ کر رکی تھی اس کی ہیڈ لائٹس آف کرنے کے بعد جب دروازہ کھولنے کے بعد پاشا جانی باہر آیا تو وہ اسے دیکھ کر چونک گئی حیرانی سے بولی "تم تو چلے گئے تھے؟"

"اگر چلا گیا ہوتا تو یہاں نظر نہ آتا۔ تم یہاں سے عینی کی کوٹھی میں گئی تھیں۔ میں تمہارے پیچھے تھا آدھے گھنٹے بعد تم وہاں سے نکل کر اپنی کوٹھی میں گئیں میرا دل تمہارے پیچھے چل رہا تھا۔

یہ ایسے الفاظ تھے کہ ایک بار پھر عروج کا دل دھڑکنے لگا دن کے وقت وہ اپنے کوارٹر میں اس کی بے باکی دیکھ چکی تھی وہ بار بار صرف اسے ہی دیکھے جا رہا تھا اور اب اتنی بے باکی سے ایسے الفاظ استعمال کر رہا تھا جو اس کی دیوانگی کو ظاہر کر رہے تھے۔

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی یہ...... "یہ مناسب نہیں ہے۔"

"کیا مناسب نہیں ہے۔"

یہی کہ تم سائے کی طرح میرے ساتھ رہو اور یوں بے باکی سے اپنے دل کے معاملات بیان کرو۔"

"تم چاہتی ہو کہ جو بات میرے دل میں ہے اسے چھپا لوں اندر کے سچ کو باہر نہ نکالوں منافقت کروں۔ دل میں کچھ ہو اور زبان پر کچھ ہو کیا تم یہی چاہتی ہو؟"

"میں اتنا کہنا چاہتی ہوں کہ مجھ سے کسی طرح کی توقع نہ رکھو۔"

"نہیں رکھوں گا۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ محبت کا صلہ محبت سے ملے اگر تم محبت کرنے والوں کو محبتیں دینا جانتی ہو تو میں ضد نہیں کروں گا۔ میں تو صرف اپنی چاہت کو اپنے دل کی دیوانگی کو سمجھتا ہوں۔ مجھے جواباً کچھ ملے یا نہ ملے میں تو محبت کرتا رہوں گا جہاں بھی تم نظر آؤ گی تمہیں دیکھتا رہوں گا میرا دل کہے گا، تمہارے پیچھے چلنا چاہیے میں چلتا رہوں گا۔ تم مجھے اس بات سے روک نہیں سکتیں یہ میرا اپنا ذاتی معاملہ ہے۔

وہ الجھ سی گئی سوچنے لگی "عجیب شخص ہے مجھ سے محبت کر رہا ہے اور کہتا ہے کہ یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے اور میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جب مجھے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ میں اس کی مطلوب ہوں تو پھر بے اختیار میری نظریں اس کی طرف اٹھا کریں گی۔ یہ قریب آئے گا تو میں اس کی آنچ محسوس کروں گی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے بارے میں سوچنے لگوں گی۔ مجھے اس سے کترانا چاہیے۔"

وہ کار کی ڈگی کے پاس آ گئی اسے کھول کر بڑی اٹیچی نکالنے لگی۔ اب وہ والدین سے ناراضگی تک کوارٹر میں رہنا چاہتی تھی۔ اس کے لیے اپنا بہت سا ضروری سامان ساتھ لے کر آئی تھی۔ اٹیچی کے علاوہ دوسری چھوٹی بڑی چیزیں تھیں۔

پاشا نے قریب آ کر کہا باسکٹ اٹھا کر جاؤ اور دروازہ کھولو۔ میں سامان لے کر آ رہا ہوں۔"

"نہیں رہنے دو میں ابھی نائٹ چوکیدار کو بلاتی ہوں۔"

"پلیز، مجھ پر بھروسہ کرو میں سامان لے کر نہیں بھاگوں گا۔"

اسے ایک دم سے ہنسی آ گئی وہ بولی "تم کس قسم کے انسان ہو؟"

"تم جس قسم کا بتاؤ گی، ویسا ہی بن جاؤں گا۔"

اس نے بڑی بھاری سی اٹیچی کو اٹھا کر اپنے ایک شانے پر رکھا پھر دوسری بڑی اٹیچی کو دوسرے ہاتھ سے اٹھا لیا وہ حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھی اٹیچی اتنی بھاری تھی کہ اگر وہ اسے اٹھانا چاہتی تو اس کے نیچے دب کر رہ جاتی لیکن وہ بڑی آسانی سے دونوں اٹیچیاں اٹھائے اس کے کوارٹر کی طرف جا رہا تھا۔

اس نے ڈگی کو بند کیا پھر ایک باسکٹ اور بریف کیس کو

اٹھا کر تیزی سے چلتے ہوئے اس سے آگے نکلتے ہوئے دروازے پر آئی۔ اس کے تالے کو کھولا پھر اندر جا کر لائٹ آن کر دی۔ اس نے کمرے میں آ کر وہ بھاری سامان اتار کر اسے ایک جگہ رکھ دیا پھر تن کر کھڑا ہو گیا وہ اس کی طرف نہیں دیکھنا چاہتی تھی کترا رہی تھی۔ مگر نہ دیکھنے کے باوجود اس کی قد آوری اور جوانمردی حواس پر چھا رہی تھی۔

وہ کچن کی طرف جاتے ہوئے بولی ''تم بیٹھو میں تمہارے لیے چائے لاتی ہوں۔''

''چائے نہیں صرف پانی لے آؤ۔''

وہ اس کی بات سننے کے لیے رکی پھر چلی گئی وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ تھوڑی دیر میں ایک گلاس پانی لے آئی اس نے گلاس لے کر ایک گھونٹ پینے کے بعد کہا ''میں تم سے باتیں کرنے آیا ہوں۔''

''ایسی کیا باتیں ہیں جو مجھ سے کرنا چاہتے ہو؟''

''کیا تمہارے دل میں کوئی بات نہیں ہے؟'' اس نے نظریں ملاتے ہوئے پوچھا تو وہ فوراً ہی دوسری طرف منہ پھیرتے ہوئے بولی ''نہیں......''

''کیا تمہارے دل میں یہ بات پیدا نہیں ہوتی کہ میں کون ہوں؟ میں نے تمہارے ابو کو اپنا خون کیوں دیا ہے؟ اور اگر خون دیا ہے تو اپنا اصلی نام اور پتا کیوں نہیں لکھوایا تھا؟''

''میں نے یہ سوال تم سے کیا تھا اور تم نے ٹال دیا تھا؟''

''کیا ٹالنے کے بعد تمہارے اندر تجسس پیدا نہیں ہوا؟''

''بے شک، میں نے سوچا تھا کہ تم سے بعد میں پوچھوں گی لیکن عینی کے معاملات میں اس قدر الجھ گئی ہوں کہ تمہارے بارے میں کچھ سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا۔''

وہ ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی ''اب اپنے بارے میں بتاؤ؟''

''میں بہت کچھ بتاؤں گا لیکن تمہارے اور عینی کے بارے میں بہت کچھ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ یہ عینی کے ساتھ کون لوگ دشمنی کر رہے ہیں؟''

''میں کیا بتاؤں؟ عینی جتنی دولت مند ہے اتنی ہی بدنصیب ہے تمام لالچی رشتے دار اس کے آس پاس پھیلے ہوئے ہیں۔ صرف اس کے تایا زاد بھائی ذیشان کے سوا سب ہی مجھے دشمن دکھائی دیتے ہیں۔ عینی بھی کسی پر بھروسہ نہیں کرتی ہے میں تمہیں اس کے ایک ایک رشتے دار کی ہسٹری سناؤں گی مگر پہلے تم اپنے بارے میں بتاؤ۔''

پاشا نے گلاس کو منہ سے لگا کر پانی پیا۔ پھر خالی گلاس کو ایک طرف میز پر رکھ کر رومال سے منہ پونچھتے ہوئے بولا۔

میری روداد بہت طویل ہے اور بہت مختصر بھی ہے۔ اب سے سولہ یا سترہ برس پہلے لاہور میں دو دوست تھے۔ دونوں نے مل کر ایک کاروبار شروع کیا کاروبار میں بڑی ترقی ہوئی۔ ان میں سے ایک دوست میرے ابو تھے ان کا نام عظمت پاشا تھا۔ دوسرا دوست ایک شاہ صاحب تھے دس بارہ برسوں میں منافع کی شرح بڑھنے لگی کروڑوں کا منافع ہونے لگا تو شاہ صاحب کی نیت میں فتور آ گیا۔

انہوں نے ایک داشتہ پال رکھی تھی اس پر جی جان سے عاشق ہو گئے تھے اور اس پر خوب رقم لٹایا کرتے تھے ایک بار انہوں نے میرے ابو پر الزام لگایا کہ وہ ان کی داشتہ پر بری نیت رکھتے ہیں۔ ابو نے انہیں سمجھایا کہ اس بازاری عورت کے خاطر ان پر شبہ نہ کریں۔

لیکن جب بات بگڑتی ہے تو بگڑتی ہی چلی جاتی ہے۔ وہ عورت بہت چالاک تھی ان کے کاروبار میں حصے دار بننا چاہتی تھی۔ لیکن ابو اس کے لیے راضی نہیں تھے اس وجہ سے اختلافات بڑھنے لگے۔

ایسے وقت شاہ صاحب نے یہ چالاکی کی کہ کاروبار میں خسارہ دکھانے لگے۔ ابو بیماری کے باعث کاروبار کی طرف زیادہ دھیان نہیں دیتے تھے۔ کبھی کبھی نفع و نقصان کا کھاتہ چیک کیا کرتے تھے۔ تب معلوم ہوتا تھا کہ کاروبار خسارے میں جا رہا ہے۔

مختصر یہ کہ شاہ صاحب نے کاروبار میں اچھی طرح خسارہ دکھایا اور اس کاروبار کو بظاہر بند کر دیا جب وہ کاروبار بند ہوا تو ہمارے پاس رہنے کے لیے صرف ایک مکان رہ گیا تھا اور بینک میں صرف پچاس ہزار روپے رہ گئے تھے بعد میں پتا چلا کہ وہ کراچی میں نیا کاروبار شروع کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی اس داشتہ سے بھی پیچھا چھڑا لیا تھا۔

میں نے ان دنوں دسویں جماعت پاس کی تھی بے روزگاری ایسی تھی کہ ملازمت نہیں مل سکتی تھی اس لیے میں ٹیکسی چلانے لگا۔ ابو بہت بیمار ہو گئے ایک بار ان کے آپریشن کے لیے پچیس ہزار روپے کی ضرورت پیش آئی۔ میری امی شاہ صاحب کے پاس گئیں اور ان سے منت وسماجت کی کہ کم از کم وہ پچیس ہزار روپے ادھار دے دیں لیکن انہوں نے صاف جواب دے دیا۔ جو دوست بن کر میری پیٹھ میں چھرا گھونپتا رہا اور جس کی وجہ سے میرا کاروبار تباہ ہو گیا۔ میں اسے پھوٹی کوڑی نہیں دوں گا۔

امی وہاں سے مایوس ہو کر گھر واپس آئیں تو اس وقت تک ابو کا دم نکل چکا تھا۔

عروج نے بہت ہی دکھ سے اور ہمدردی سے پاشا کو دیکھا۔ پھر کہا ''وہ شاہ صاحب تو بہت ہی گرے ہوئے انسان تھے ایک تو کاروبار میں خسارہ دکھا کر تمہارے ابو کو کاروبار سے ہٹا دیا۔ پھر ایسے برے وقت میں مدد نہیں کی جب کہ انسانی ہمدردی کے تحت کرنا چاہیے تھا۔

جو زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کی دھن میں لگے رہتے ہیں وہ صرف اپنا منافع دیکھتے ہیں۔ انسانیت کو نہیں سمجھتے تم بتاؤ کہ ایسا شخص کبھی کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو کیا اس کے کام آنا چاہیے؟

''نہیں...... ایسے شخص کو اپنے اعمال کی سزا پانے کے لیے چھوڑ دینا چاہیے۔''

''لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔ اس لیے کہ میں انسانیت کو سمجھتا ہوں۔ ایک دن وہ شخص اچانک حادثہ کا شکار ہو گیا۔ اسے ہاسپٹل پہنچایا گیا۔ وہاں اسے خون کی ضرورت تھی اور کہیں سے خون نہیں مل رہا تھا۔ تب میں نے انہیں اپنا خون دیا۔''

عروج نے ایک دم سے چونک کر سر اٹھا کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اس سے آنکھیں چار ہوئیں تو اس نے نظریں جھکا لیں پھر اس سے پوچھا ''کیا تم نے اب سے پہلے بھی کسی اور کو خون دیا ہے اور وہ بھی دشمن کو؟

پاشا جانی نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ وہ بولی ''اس دشمن کو ہوش میں آنے کے بعد تمہارے بارے میں معلوم ہوا ہوگا؟''

پاشا جانی نے نہیں کے انداز میں سر ہلایا پھر کہا ''نہیں جب وہ ہوش میں آیا تو میں اس کے سامنے نہیں گیا میں نے ایک فرضی نام لکھوایا۔ احمد کمال۔''

عروج کے ذہن کو جھٹکا سا لگا اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر کہا ''تم نے یہ نام یہاں بھی لکھوایا تھا؟''

''ہاں پھر تمہارے ابو کے ہوش میں آنے کے بعد میں ان کے سامنے نہیں گیا اگر جاتا تو وہ مجھے پہچان لیتے۔''

وہ ایک دم سے چیخ کر بولی ''نہیں...... نہیں...... تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ......''

پاشا جانی نے اس کے کہنے سے پہلے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے چہرے کو ڈھانپ لیا۔ ایک دم سے روتے ہوئے بولی ''نہیں خدا کے لیے نہیں میرے ابو ایسے نہیں ہیں۔ جو کچھ میں سن رہی ہوں وہ سب میری سماعت کا دھوکا ہے۔''

وہ بولا ''میں تمہیں تکلیف پہنچانا نہیں چاہتا لیکن تمہیں میرے بارے میں معلوم ہونا چاہیے تھا کہ میں کون ہوں کہاں سے آیا ہوں اور آئندہ کبھی تمہارے ابو سے اور امی سے سامنا ہوگا تو وہ دونوں مجھے پہچان لیں گے۔ لہٰذا میں نے اس سے پہلے ہی اپنے متعلق یہ سب کچھ بتا دیا ہے۔''

وہ یہ سوچ سوچ کر شرم سے پانی پانی ہو رہی تھی کہ اس کے ابو نے ایسے وقت مدد کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ جب پاشا جانی کا باپ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھا اور پاشا نے ایسے وقت دشمنی اور انتقام کو پس پشت ڈال دیا تھا جب عروج کے ابو کو او بلڈ کے گروپ کا خون نہیں مل رہا تھا۔ ایسے میں پاشا جانی نے انہیں بڑی صاف دلی سے خون کی دو بوتلیں دی تھیں۔

عروج کا سر جھک گیا تھا اور وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی کہ ساری زندگی اس عظیم شخص کے سامنے اس کا سر جھکا رہے گا۔

وہ بڑی دیر تک دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپے سر جھکائے بیٹھی رہی۔ پاشا نے کہا ''تمہیں شرمندہ نہیں ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ تم نے کچھ نہیں کیا ہے۔ جس کا عمل باعثِ شرم ہو، اسے شرمندہ ہونا چاہیے۔''

وہ بولی ''بعض غلطیاں ایسی ہوتی ہیں۔ جنہیں بزرگ کرتے ہیں اور شرمندگی ان کی اولاد کو ہوتی ہے۔ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میں تم سے کبھی نظریں نہیں ملا سکوں گی۔''

''تو پھر یہ میری محبت اور نیکی کا صلہ نہ ہوگا بلکہ ایک سزا ہوگی۔ میں تمہیں ایک نظر دیکھنے کے لیے ترستا رہوں گا اور تم مجھ سے چھپتی پھرو گی۔''

وہ چپ رہی وہ تھوڑی دیر انتظار کرتا رہا کہ شاید وہ کچھ بولے گی۔ پھر اس نے کہا ''فرشتے نیکی کرتے ہیں تو صلہ نہیں مانگتے۔ میں فرشتہ نہیں ہوں انسان ہوں صلہ مانگتا ہوں۔ میں نے جو اچھائیاں کی ہیں۔ اس کے بدلے مجھے...... دیکھو......''

وہ نظریں کیا ملاتی اس بار اس نے دوپٹے سے منہ کو ڈھانپ لیا۔ وہ بولا ''ابھی مجھے یہ حق حاصل نہیں ہے کہ تمہیں چھولوں اور تمہارے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ کر اپنی طرف دیکھنے پر مجبور کروں اس لیے التجا کر رہا ہوں۔ مجھے دیکھو......''

باپ نے اس قدر شرمندہ کیا تھا کہ وہ نظریں نہیں ملانا چاہتی تھی۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر بولا ''مجھے دیکھو......''

اس کی گردن اور جھک گئی پاشا جانی اس کے حواس پر چھا گیا تھا۔ ایسا پہاڑ بن گیا تھا جس کے نیچے گردن دبی ہوئی تھی اور وہ اسے اٹھا نہیں پا رہی تھی۔

''وہ پلٹ کر آہستہ آہستہ چلتا ہوا دو قدم دور گیا پھر اسے

دیکھ کر بولا "مجھے دیکھو......"

اس کی سسکیاں بتا رہی تھیں کہ وہ اپنے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کر رہی ہے ایسے وقت یہ بات سمجھ میں آئی کہ کبھی کبھی آنکھوں کی شرم رکھ لینی چاہیے۔ اگر کوئی ندامت سے دیکھ نہیں پا رہا ہے تو اسے وقتی طور پر نادم ہونے کے لیے چھوڑ دینا چاہیے۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا دروازے کے پاس آیا پھر اس نے پلٹ کر دیکھا دل کہہ رہا تھا، شاید وہ دیکھے گی۔ اسے پھر اصرار نہیں کرنا چاہیے تھا۔ لیکن اس نے آخری بار کہا "مجھے دیکھو......"

وہ دوپٹے نے منہ ڈھانپے سوچ رہی تھی "میرے محسن میں تمہیں دیکھنا چاہتی ہوں لیکن ابھی نہیں ابھی کیسے دیکھوں؟ ندامت سے مری جا رہی ہوں آنکھیں کیسے چار کروں......؟"

وہ اپنے اندر بول رہی تھی جیسے وہ سن رہا ہو اور اس کی ندامت کو سمجھ رہا ہو شاید اسی لیے اب وہ اصرار نہیں کر رہا تھا۔ اس کی آواز نہیں آ رہی تھی۔

اسے بڑی دیر بعد احساس ہوا کہ کمرے میں گہری خاموشی ہے اس کا محسن اس کے قریب ہے وہ اس سے نہ بول رہی ہے اور نہ کسی بہانے اس کی خاطر تواضع کر رہی ہے۔

یہ درست ہے کہ وہ اس سے آنکھیں نہیں ملا سکتی تھی لیکن نظریں جھکا کر بھی تو بول سکتی تھی۔ وہ اتنی دیر سے خاموش تھا۔ انتظار کر رہا تھا۔ اسے آنے والے کا کچھ تو لحاظ کرنا چاہیے تھا۔

اس نے ایک گہری سانس لی دوپٹے سے آنسو پونچھتے ہوئے پہلے فرش کی طرف دیکھا، جدھر وہ کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس کے پاؤں دکھائی نہیں دیے۔ اس نے نظریں اٹھائیں تو کرسی خالی تھی پھر اس نے کمرے میں دیکھا تو کمرا اس کے وجود سے خالی تھا۔

وہ فوراً ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئی اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس نے اپنے محسن کو مایوس کیا تھا۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی کوریڈور میں آئی پھر وہاں سے گزر کر دروازے کے پاس آ کر اسے کھول کر دیکھا۔ دور اس کی کار کے پاس اس کی ٹیکسی کھڑی تھی اور اب وہ ٹیکسی نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ اس کے گھر آیا تھا وہ اس کے دل میں بھی آنا چاہتا تھا اور اس نے آنے والے کو بری طرح مایوس کیا تھا۔ وہ جا چکا تھا۔

☆☆☆

حشمت نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول کر دیکھا وہ ایک بیڈ پر پڑا تھا۔ اسے ایک کمرے کی چھت دکھائی دے رہی تھی۔ وہ سوچنے لگا اسے یاد آیا کہ بری طرح زخمی ہونے کے بعد کار ڈرائیو کرتا ہوا اپنی ایک گرل فرینڈ کی کوٹھی میں آیا تھا وہ ایک لیڈی ڈاکٹر تھی وہ اس کے دروازے پر پہنچ کر کال بیل کا بٹن دبانے کے بعد گر پڑا تھا۔

ڈاکٹر آرزو نے دروازہ کھول کر دیکھا تو گھبرا گئی اور جھک کر بولی "یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہاں سے زخمی ہو کر آ رہے ہو؟"

وہ تکلیف سے کراہتے ہوئے بولا "کسی طرح خون بہاؤ روکو نہیں تو میں مر جاؤں گا اور مجھے کسی ہاسپٹل میں نہ لے جانا......"

اس کے بعد وہ کچھ نہ کہہ سکا اپنے آپ سے غافل ہو چلا گیا اب ہوش میں آنے کے بعد اسے یہ تمام باتیں یاد آ رہی تھیں۔ اس نے ایک ہاتھ اٹھا کر اپنے سر کو ٹٹول کر دیکھا پیشانی پر اور سر کے اوپر سے نیچے ٹھوڑی تک پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ اس نے ایک طرف سر گھما کر دیکھا ڈاکٹر آرزو کمرے میں آئی تھی۔ اس نے قریب آتے ہوئے کہا "تھینکس گاڈ! ہوش میں آ گئے۔"

وہ اس کی ایک کلائی کو تھام کر نبض ٹٹولتے ہوئے بولی "تم کہاں سے موت کو گلے لگا کر آئے تھے اتنا خون بہہ چکا تھا کہ بچنے کی امید نہیں تھی اگر میرے گھر میں خون دینے کے انتظامات نہ ہوتے تو تم ابھی تک مٹی میں مل چکے ہوتے۔"

"میں کچھ سوچ سمجھ کر ہی یہاں آیا تھا یہ جانتا ہوں کہ تم نے اپنے گھر کو ایک منی ہاسپٹل بنا رکھا ہے۔"

"کیا تم نے کسی سے لڑائی کی تھی؟"

"میں لڑنے جھگڑنے والا آدمی نہیں ہوں کوئی خطرہ دیکھتا ہوں تو اپنی حکمتِ عملی سے جان بچا کر نکل آتا ہوں۔"

"تم پر کس نے حملہ کیا تھا؟"

اس نے ایک گہری سانس لے کر آرزو کو دیکھا پھر اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ کمزور سی لڑکی مجھ پر اتنا زبردست حملہ کر سکے گی۔"

آرزو نے حیرانی سے پوچھا "لڑکی......؟"

ہاں میں نے تمہیں عینی کے بارے میں بتایا ہے وہ عروج کے ہاسپٹل والے کوارٹر میں تھی میں نے موقع پا کر اس پر حملہ کرنا چاہا میرا ارادہ تھا کہ میں پہلے اس کی عزت کی ایسی تیسی کروں گا پھر اسے ہلاک کر کے چپ چاپ چلا آؤں گا۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا اس نے ایک کانچ کے گلدان کو اتنی زور سے میرے سر پر مارا کہ میں چکرا کر رہ گیا۔ جتنا خون بہہ چکا ہے اس سے تم اندازہ کر سکتی ہو کہ اس وقت اس کمزور سی لڑکی کے ہاتھ میں کتنی طاقت آ گئی تھی۔"

"واقعی زخم بہت گہرا تھا میں نے ٹانکے لگا دیے ہیں تمہیں یہ سمجھایا تھا کہ عینی سے انتقام نہ لو۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔"

"کیسے انتقام نہ لوں؟ اس نے میرے منہ پر طمانچہ مارا تھا۔ میں یہ توہین کبھی برداشت نہیں کروں گا اور اب تو مجھے اور زیادہ غصہ آ رہا ہے اگر ابھی تم نہ ہوتیں تو وہ مجھے خاک میں ملا چکی ہوتی۔"

"آج میں نے نہیں تمہارے مقدر نے تمہیں بچایا ہے اب یہ اندیشہ ہے کہ تم پر آفت آ سکتی ہے کیا اس نے تمہیں پہچانا نہیں ہو گا تم نے اس پر دن کی روشنی میں حملہ کیا تھا۔"

"مجھے یقین ہے کہ اس اندھی نے مجھے پہچانا نہیں ہو گا۔"

"تم کہہ رہے تھے کہ اسے دھندلا دھندلا سا دکھائی دیتا ہے۔"

"ہاں دکھائی دیتا ہے لیکن وہ چہرے اچھی طرح پہچان نہیں پاتی۔"

"کیا عروج وہاں نہیں تھی؟"

"وہ باتھ روم میں تھی اور میں نے باتھ روم کے دروازے کو باہر سے لاک کر دیا تھا اس طرح وہ بھی مجھے دیکھ نہ سکی۔"

جب تم باہر نکلے تو تمہارے زخم سے خون رس رہا تھا۔ کیا تمہیں کسی نے دیکھا نہیں تھا؟

"نہیں۔ میں نے چھپ چھپا کر آنے کی کوشش کی تھی ایک ٹیکسی ڈرائیور نے دیکھا تھا وہ میرے پیچھے پڑ گیا تھا کہ میں ہاسپٹل میں جا کر مرہم پٹی کراؤں۔ لیکن میں اس سے اپنا پیچھا چھڑا کر یہاں آ گیا۔

وہ پریشان ہو کر اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر بولی "حشمت ...... چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ ٹیکسی ڈرائیور تمہارے لیے مصیبت بن جائے۔"

وہ سوچنے لگا پھر بولا "میرا موبائل فون کہاں ہے؟"

وہ اٹھ کر الماری کے پاس گئی۔ اسے کھول کر اس کا موبائل فون نکال کر لے آئی۔ پھر بولی کس سے بات کرو گے؟"

"میں محتاط رہنا چاہتا ہوں کسی سے بھی رابطہ کروں گا تو بات بگڑ سکتی ہے اس لیے امی سے بات کرتا ہوں۔"

اس نے بیگم تراب علی شاہ سے رابطہ کیا وہ بیٹے کی آواز سن کر تڑپ گئی۔ فوراً بولی "حشمت! تم کہاں ہو یہ پولیس والے تمہیں ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔ عینی نے تمہارے خلاف رپورٹ درج کرائی ہے تم تو جانتے ہو کہ اس کا بھائی ایس پی ہے اس نے تمہارے ابو کو وارننگ دی ہے کہ اگر وہ تمہیں لے کر اس کے دفتر میں حاضر نہ ہوئے تو تمہارے ساتھ بہت برا سلوک کیا جائے گا۔"

"آپ مجھے بتائیں کہ عینی نے میرے خلاف کیا بیان دیا ہے؟"

"وہی بیان دیا ہے جو تم نے اس کے ساتھ کیا ہے کتنی بار سمجھایا ہے کہ بدمعاشی اور آوارگی سے بعض آ جاؤ لیکن تم میری نہیں سنتے۔ نتیجہ دیکھو کہ ہم کس قدر پریشان ہو رہے ہیں۔"

آپ پریشان نہ ہوں اس کے پاس میرے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔"

"ثبوت کیسے نہیں ہے خود تمہاری بہن تمہاری دشمن بنی ہوئی ہے وہاں کمرے میں تمہارا خون فرش پر گرا ہوا تھا۔ عروج نے اسے لیبارٹری میں بھیجا تھا جس سے یہ ثابت ہوا کہ وہ خون تمہارے بلڈ گروپ سے تعلق رکھتا ہے پھر ایک ٹیکسی ڈرائیور نے تمہیں اپنی کار میں بیٹھ کر جاتے دیکھا تھا۔ اس نے ذیشان کو تمہاری کار کا نمبر بتایا ہے۔"

"یہ کمبخت ٹیکسی ڈرائیور بیچ میں کہاں سے مرنے آ گیا؟"

"یہ وہی ٹیکسی ڈرائیور ہے جس نے پچھلی رات عینی کو جواد سے بچایا تھا۔ اس ڈرائیور نے جواد کے خلاف بھی بیان دیا ہے۔"

"اوہ گاڈ میں کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک معمولی ٹیکسی ڈرائیور عینی جیسی امیر زادی کی زندگی میں اتنا اہم رول پلے کرے گا۔"

"بیٹے اس کی سوتیلی ماں دردانہ چیلنج کر رہی ہے کہ ایس پی ذیشان نہ اس کے بیٹے جواد کا کچھ بگاڑ سکے گا اور نہ ہی وہ تمہیں کوئی نقصان پہنچا سکے گا۔ وہ عینی کی مخالفت کا منہ توڑ جواب دینے والی ہے۔"

"امی دردانہ بیگم بہت مکار عورت ہے اس کی پہنچ بہت دور تک ہے۔ فی الحال اس سے دوستی کریں اور اس سے تعاون حاصل کریں۔"

دوسری طرف سے تراب علی شاہ کی آواز سنائی دی "ہم یہی کر رہے ہیں۔ لیکن تم نے جو کیا ہے وہ ناقابلِ معافی ہے۔ قانون کی نظروں میں بھی اور اس باپ کی نظروں میں بھی۔ میرا تو دل چاہتا ہے کہ میں بھی اپنی بیٹی عروج کا ساتھ دوں اور اس کی حمایت میں تمہارے خلاف بیان دوں۔ لیکن کیا

کروں؟ دل سے مجبور ہوں تم میرے ایک ہی بیٹے ہو۔ غلطی کر چکے ہو تو اس غلطی پر مٹی ڈالنی ہی ہوگی۔"

ابو مجھے آپ سے ایسی ہی دانشمندی کی امید ہے۔ میں نے کیا کیا ہے کیا نہیں کیا ہے اس کا حساب آپ بعد میں کریں لیکن میرے بچاؤ کی صورت نکالیں۔"

"فی الحال تمہارے بچاؤ کی یہی ایک صورت ہے کہ جہاں بھی ہو وہیں چھپے رہو باہر نہ نکلو اور پولیس والوں کو اپنی کار تک بھی نہ پہنچنے دو۔"

آپ اطمینان رکھیں وہ مجھ تک نہیں پہنچ پائیں گے۔ میں بعد میں آپ سے رابطہ کروں گا۔"

اس نے فون بند کر کے آرزو سے کہا "میری کار تمہاری کوٹھی کے احاطے میں ہے۔ پولیس والے اسے آ کر دیکھ سکتے ہیں۔"

وہ مسکرا کر بولی "میں اتنی نادان نہیں ہوں تمہاری مرہم پٹی کرنے کے بعد اس کار کو گیرج میں بند کر دیا ہے۔ وہ باہر سے کسی کو نظر نہیں آئے گی اور نہ ہی تم کسی کو دکھائی دو گے۔ جب تک اپنی سلامتی کا یقین نہ ہو جائے۔ اس وقت تک یہاں سے باہر نہیں نکلو گے۔"

وہ اس پر بڑے پیار سے جھک گئی وہ اسے دل و جان سے چاہتی تھی۔ اس کی خاطر اس نے اب تک شادی نہیں کی تھی وہ جھوٹی باتیں کرتا رہتا تھا اور وہ اس کی باتوں سے بہلتی رہتی تھی اچھی تجربہ کار لیڈی ڈاکٹر تھی اس کے جھوٹ کو فراڈ سمجھتی تھی۔ اس کے باوجود اس پر جان دیتی رہتی تھی۔

وہ اکثر اس سے کہتی تھی کہ مجھے بالکل نادان بچی نہ سمجھو۔ تم مجھے محبتیں دے رہے ہو اور میں تمہاری محبتیں سمیٹ رہی ہوں۔ یہی میری زندگی کا حاصل ہے۔ لیکن کبھی مجھے یہ معلوم ہوا کہ تم نے کسی اور کی خاطر مجھے چھوڑا ہے تو تمہیں میری دشمنی مہنگی پڑے گی۔

وہ کہتی تھی کہ اپنی ماں باپ کی مرضی سے جہاں چاہو شادی کروا اپنی نئی نویلی دلہن کے پاس جاؤ لیکن واپس میرے پاس آ جایا کرو۔ بس اس سے زیادہ اور میں کچھ نہیں چاہتی......

☆☆☆

دردانہ بیگم نے فون پر رابطہ کیا پھر کہا "ذیشان تم نے ہمیں دو گھنٹے کی مہلت دی تھی اس سے پہلے ہی میں تمہیں فون کر رہی ہوں۔ تمہیں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ مجھے مزید ایک گھنٹے کی اور مہلت چاہیے۔"

"سوری میں مزید وقت نہیں دوں گا۔"

"وہ تو تمہیں دینا ہی ہوگی۔ میں اپنے گھر سے بیٹے کو لے کر نکل چکی ہوں۔ یہاں آؤ گے تو ہمیں نہیں پاؤ گے مگر میرا وعدہ ہے کہ ٹھیک تین گھنٹے کے بعد یعنی چھ بجے میں تمہارے گھر میں موجود رہوں گی۔ میرا بیٹا بھی رہے گا۔"

"میں یہاں پر جواد کو حاضر ہونے کا حکم دے رہا ہوں آپ اسے وہاں نہ لے جائیں۔"

"میں وہیں جاؤں گی اور عینی کے سامنے اپنے بیٹے کی گرفتاری پیش کروں گی اور دیکھوں گی کہ تم کس طرح اسے گرفتار کر سکو گے۔"

آپ کے لہجے میں زبردست چیلنج چھپا ہوا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کی حفاظت کے لیے کچھ کر رہی ہو یہ اعتماد ہے کہ میں اسے گرفتار نہیں کر سکوں گا۔ ایک ماں کی کوشش یہی ہوگی کہ اس کے بیٹے پر کوئی آنچ نہ آئے۔"

"آگے جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ ویسے ایک مشورہ دینا چاہتی ہوں تم کیا مانو گے؟"

"آپ مشورہ پیش کریں۔ ماننا نہ ماننا میرا کام ہے۔"

"اس ٹیکسی ڈرائیور کے بارے میں چھان بین کرو کہ وہ کون ہے ابھی مجھے حشمت کی والدہ نے فون پر بتایا ہے کہ جس ٹیکسی ڈرائیور نے میرے بیٹے جواد کا ریوالور چھین لیا تھا۔ اسی ٹیکسی ڈرائیور نے حشمت کے خلاف بھی بیان دیا ہے آخر یہ ٹیکسی ڈرائیور کون ہے؟ کیا ٹیکسی چلانا چھوڑ کر دن رات عینی کے ساتھ لگا رہتا ہے؟ اور اگر دن رات اس کے ساتھ رہتا ہے تو عینی سے اس کا کیا تعلق ہے کیا رشتا ہے؟ تم اس کے غیرت مند بھائی ہو تو تم... ٹیکسی ڈرائیور کو ایک گھنٹے بعد یعنی چھ بجے اپنے گھر لے آؤ۔ ہم سب وہاں موجود رہیں گے۔"

"اچھی بات ہے میں آپ کے مشورے پر غور کروں گا اور چھ بجے اپنے گھر آ کر تمہارا انتظار کروں گا۔"

انتظار نہیں کرنا پڑے گا میں ٹھیک وقت پر وہاں حاضر ہو جاؤں گی۔ اپنے بیٹے کے ساتھ......

دردانہ نے رابطہ ختم کر دیا۔ ذیشان ریسیور کو کریڈل پر رکھ کر سوچنے لگا۔ دردانہ کی اس بات میں وزن ہے کہ ٹیکسی ڈرائیور کے بارے میں بھی بہت کچھ معلوم کرنا چاہیے اور اسے بلا کر اس کا بھی محاسبہ کرنا چاہیے وہ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے ریسیور اٹھا کر اپنے گھر کے نمبر پنچ کیے تھوڑی دیر بعد رابطہ ہوا اسے اپنے ڈیڈی کی آواز سنائی دی اس نے کہا میں ذیشان بول رہا ہوں اور عینی سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"وہ اپنے کمرے میں ہے شاید اس نے اپنے کمرے کا ریسیور اٹھایا ہوگا۔ دوسری طرف سے عینی کی آواز سنائی دی:

جی ہاں بڑے ابو میں نے ریسیور اٹھایا ہے میں بھائی جان سے باتیں کر رہی ہوں۔"

ذیشان نے کہا "عینی ابھی چھ بجے دردانہ بیگم گھر آنے والی ہیں۔ اپنے بیٹے کو بھی ساتھ لائیں گی۔ وہ کہتی ہیں کہ تمہارے سامنے اسے گرفتار کروں۔"

"وہ ایسا کیوں چاہتی ہیں؟ کیا میری ہمدردی حاصل کرنا چاہتی ہیں؟"

شاید یہ بات نہیں ہے ان کے لہجے میں بڑی پختگی تھی اور یہ یقین تھا کہ میں ان کے بیٹے کو گرفتار نہیں کر سکوں گا۔"

"بھائی جان وہ بہت مکار ہیں انہوں نے جواد کے بچاؤ کا کوئی راستہ نکال لیا ہوگا۔"

"ہاں ایسی ہی کوئی بات ہے ویسے میں تم سے اس ٹیکسی ڈرائیور کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"جی ہاں۔ فرمائیے آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟"

"اس کا نام کیا ہے اور وہ کہاں رہتا ہے؟"

"اس کا نام سلامت پاشا ہے اور سب اسے پاشا جانی کہتے ہیں۔ میں اس کا رہائشی پتا نہیں جانتی۔"

تم کل رات سے اس کے ساتھ ہو آج وہ دن کے وقت بھی عروج کے کوارٹر میں تمہارے ساتھ تھا اور تم نے اب تک اس کا پتا ٹھکانہ معلوم نہیں کیا۔"

"میں نے سوچا تھا کہ اس کے گھر کا پتا پوچھوں گی پھر دھیان نہیں رہا۔"

"کیا اس کی ٹیکسی کا نمبر جانتی ہو؟"

"ہاں آپ نوٹ کریں۔"

اس نے نمبر بتایا ذیشان نے نوٹ کرنے کے بعد کہا "اس کے بارے میں کچھ اور بتاؤ؟"

"کیا بتاؤں وہ انسان نہیں فرشتہ ہے اب سے آٹھ ماہ پہلے عروج کے ابو حادثہ کا شکار ہوئے تھے انہیں خون کی ضرورت تھی اور او نیگیٹو کہیں دستیاب نہیں ہو رہا تھا۔ پاشا نے اپنا خون انہیں دیا تھا۔"

پھر تو ہاسپٹل میں اس کا نام اور گھر کا پتا ضرور ہوگا۔ میں ابھی عروج سے معلوم کرتا ہوں۔

"آپ معلوم نہیں کر سکیں گے۔ اس نے خون دیتے وقت اپنا نام اور پتا غلط لکھوایا تھا۔"

"اس نے ایسا کیوں کیا تھا؟"

"وہ کچھ عجیب سا مزاج رکھتا ہے وہ نہ کسی پر احسان جتانا چاہتا ہے اور نہ اپنا نام کرنا چاہتا ہے نیکی کرتا ہے اور دریا میں ڈال دیتا ہے۔"

مجھے ایسے فرشتے سے ملنا چاہیے میں اسے ابھی ڈھونڈ نکالنے کی کوشش کرتا ہوں۔

اس نے رابطہ ختم کیا اور ماتحت کو بلایا ماتحت نے آ کر سیلوٹ کیا ذیشان نے اسے ایک پرچی پر ٹیکسی کا نمبر دیتے ہوئے کہا "اس نمبر کے ذریعے معلوم کرنا ہے کہ یہ ٹیکسی چلانے والا کہاں رہتا ہے؟ تم ٹریفک پولیس والوں کے تعاون سے جلد از جلد معلوم کر سکتے ہو۔"

"یس سر! میں ابھی جا رہا ہوں آپ کو اطلاع دینا چاہتا تھا کہ گل خانم آئی ہوئی ہیں۔"

اس نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر کہا "اسے یہاں بھیج دو۔"

ماتحت سیلوٹ کر کے چلا گیا تھوڑی دیر بعد گل خانم اندر آئی۔ اس نے کہا "میں نے تم سے کہا تھا تم سات بجے آؤ گی تب تمہیں یاور خان سے ملنے کی اجازت دی جائے گی۔"

وہ سامنے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی "آپ یقین کریں میں آپ کی ہدایت کے مطابق سو گئی تھی لیکن کیا کروں اندر سے بے چینی تھی چار بجے ہی آنکھ کھل گئی۔ اس کے بعد سو نہ سکی یہاں چلی آئی۔ آپ ناراض نہ ہوں۔"

ایک مطلقہ عورت عدت کے ایام گھر کی چار دیواری میں گزارتی ہے باہر نہیں نکلتی کسی کا سامنا نہیں کرتی اور تم دینی احکامات کے خلاف گھر سے نکل کر یہاں آ گئی ہو۔ مزید یہ کہ جس نے تمہیں طلاق دی ہے اسی کے سامنے جانا چاہتی ہو۔"

"میں کہہ چکی ہوں کہ میرے چہرے پر اسی طرح نقاب رہے گا اسی طرح میں چادر میں لپٹی رہوں گی۔"

"دینی احکامات اگرچہ سخت ہیں۔ لیکن ان کے پیچھے گہرے مقاصد ہیں۔ تم یوں چادر لپیٹ کر بھی غلطی کر سکتی ہو ......اگر نہ کرو۔ تو مرد سے غلطی ہو سکتی ہے بہت سی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔ لیکن جب غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں۔ تب بات سمجھ میں آتی ہے۔"

خدا کے لیے آپ دینی احکامات کی باتیں نہ کریں۔ مجھ پر بھروسا کریں میں آپ سے وعدہ کر رہی ہوں کہ آپ کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچاؤں گی۔ یاور اسے دور دور رہوں گی کچھ باتیں کروں گی دل کو تسلی ہو جائے گی تو یہاں واپس آ جاؤں گی۔"

اس نے ایک سپاہی کو بلا کر حکم دیا انہیں یاور خان کے پاس لے جاؤ مگر حوالات کا دروازہ نہ کھولنا۔"

وہ وہاں سے اٹھ کر سپاہی کے ساتھ چلتی ہوئی دفتر کے مختلف حصوں سے گزرتی ہوئی ایک کمرے کی طرف آئی۔ اس

کمرے میں آہنی سلاخوں والا دروازہ تھا یاور خان ان سلاخوں کے پیچھے سر جھکائے بیٹھا تھا۔ سپاہی نے کہا ''خان تمہاری ملاقات آئی ہے۔''

اس نے سر اٹھا کر دیکھا وہ چادر میں لپٹی ہوئی تھی چہرہ بھی چھپا ہوا تھا۔ صرف دو آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں۔ انہیں دیکھتے ہی وہ تیزی سے چلتا ہوا دروازے کے پاس آیا پھر آہنی سلاخوں کو تھام کر بولا ''گل خانم ...... میری گل جاناں! میرا دل کہتا تھا کہ تم ضرور آؤ گی تم میرے بغیر نہیں رہ سکو گی میری محبت تمہیں کھینچ کر لائے گی اور تم کھنچی چلی آئی ہو۔''

گل خانم نے سپاہی کو دیکھا پھر کہا ''تم یہاں سے جاؤ۔''

وہ چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد اس نے کہا ''مجھے اس انداز سے مخاطب نہ کرو۔ میں اب تمہاری کوئی نہیں ہوں میرا تم سے اب کوئی رشتا نہیں ہے تم اب مجھے محبت سے پکارنے کا بھی حق نہیں رکھتے ہو۔''

''ایسی باتیں نہ کرو میں جب تک زندہ رہوں گا جب تک میری سانسیں چلتی رہیں گی میں تمہیں محبت سے پکارتا رہوں گا۔''

''تم نے مجھے طلاق دے کر مجھ پر اور اپنے اوپر بہت بڑا ظلم کیا ہے اپنے وجود کو میرے وجود سے کاٹ ڈالا ہے۔ اب نہ میں تمہارے پاس آسکتی ہوں اور نہ تم میرے پاس آسکتے ہو۔''

''ہمیں کون روکے گا، گل خانم؟ ہم کسی کی بات نہیں مانیں گے۔ کسی نے یہ نہیں سنا ہے کہ میں نے تمہیں طلاق دی تھی۔''

''خدا سنتا ہے۔ خدا جانتا ہے۔ اس سے کچھ چھپا نہیں رہتا۔ یہ بات گرہ میں باندھ لو، اب تمہارا میرا ملاپ نہیں ہوسکتا۔ ہم دریا کے دو کنارے بن چکے ہیں۔''

''تم یہاں آئی ہو اس سے صاف پتا چلتا ہے کہ تم نے مجھے معاف کردیا ہے اور تمہارے دل میں میرے لیے جگہ ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہ کرو کہ تمہارا دل آج بھی میرے لیے دھڑک رہا ہے۔''

''میں انکار نہیں کروں گی۔ تم میری زندگی کا پہلا اور آخری پیار ہو اور آخری ہی رہو گے اس کے باوجود اب ہم نہیں مل سکیں گے۔ تم نے طلاق دے کر بہت بڑی غلطی کی ہے۔''

''سچ بتاؤ کیا تم ابھی محبت سے نہیں آئی ہو؟''

ہاں۔ محبت سے آئی ہوں اور کہنے آئی ہوں کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے بعد تم بے گناہ ثابت ہوئے ہو۔ تم نے میرے بچے کو ہلاک نہیں کیا ہے۔''

وہ خوش ہو کر بولا ''کیا تم سچ کہہ رہی ہو؟ میری بے گناہی ثابت ہوچکی ہے؟''

''اسی لیے میں نے تمہیں معاف کردیا ہے اور اپنی شکایتیں واپس لے رہی ہوں اس طرح تمہارے خلاف کوئی کیس نہیں ہوگا تو تمہیں رہا کردیا جائے گا۔''

''گل خانم میں جانتا تھا کہ ایسے برے وقت میں کوئی میرا اپنا ساتھ نہیں دے گا تم ہی ہزار ناراضگی اور مخالفتوں کے باوجود میرے کام آؤ گی اور کام آرہی ہو۔''

''میں تو کام آرہی ہوں۔ لیکن ایس پی صاحب نے کہا ہے کہ تم رہا ہونے کے بعد میرے گھر کی طرف آؤ گے اور مجھ سے ملنا چاہو گے تو وہ ہم دونوں کو بےحیائی کے الزام میں گرفتار کرلیں گے۔ پھر ہمارے خلاف مقدمہ چلے گا لہٰذا یہ ابھی طے کرلو کہ یہاں سے رہا ہونے کے بعد تم میری طرف نہیں آؤ گے۔''

ایسی رہائی کا کیا فائدہ کہ تم سے ملاقات نہ ہوسکے تم سے باتیں نہ کرسکوں۔ تمہارا چہرہ نہ دیکھ سکوں۔ اس سے بہتر ہے۔ میں ایک قیدی بن کر ساری زندگی کسی کال کوٹھری میں گزار دوں۔''

اب کال کوٹھری میں رہو یا آزاد پرندے کی طرح کھلی فضاؤں میں پرواز کرتے رہو یہ تمہاری اپنی مرضی پر ہے میں تمہیں رہائی دلانے کا فرض ادا کررہی ہوں اس کے بعد میرا تم سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔''

''نہیں خانم ...... میں رہائی حاصل کروں گا لیکن کچھ ایسا کرو کہ میں تمہیں دیکھ سکوں دور ہی دور سے اپنے دل کی باتیں تم سے کہہ سکوں۔''

وہ اس کی طرف سے منہ پھیر کر بولی ''سچ تو یہ ہے کہ میں بھی تم سے دور نہیں رہ سکتی۔ اس لیے تمہیں دور ہی سے دیکھنے کی اجازت دوں گی۔ لیکن ہم کبھی قریب نہیں آئیں گے۔ تم میری کوٹھی کے احاطے میں کبھی داخل نہیں ہوگے۔''

''ٹھیک ہے مجھے منظور ہے میں رہائی حاصل کرنے کے بعد دین کے علماؤں سے ملوں گا ان سے پوچھوں گا کہ میری گل خانم پھر کس طرح مجھے مل سکتی ہے میں تمہیں حاصل کرنے کے لیے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بھٹکتا رہوں گا۔ تمہاری دہلیز پر سر پھوڑتا رہوں گا مگر تمہیں ایک دن حاصل کرکے رہوں گا۔''

وہ اس کی جذباتی باتیں نہ سن سکی اس کا دل تیزی سے

ڑک رہا تھا اور اس کی طرف کھنچا جا رہا تھا وہ محسوس کررہی تھی
ھوڑی دیر اور وہاں رہے گی تو سچ مچ اس کی طرف کھنچی چلی
ے گی۔ لہٰذا وہ فوراً ہی وہاں سے چلتی ہوئی ذیشان کے
رے میں آگئی۔

یاور خان کی نظروں سے اوجھل ہو کر اس نے چہرے سے
در ہٹالی۔ اب ذیشان کے سامنے بیٹھی یوں ہانپ رہی تھی
ے بہت دور سے دوڑتی آرہی ہو اس کا گورا گلابی چہرہ سرخ
گیا تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے رخساروں پر انگارے دہک رہے
ں۔ وہ اسے توجہ سے دیکھ رہا تھا اس نے کہا ''وہ سلاخوں
ے پیچھے تھا۔ تم اس سے بہت فاصلے پر تھیں۔ اس مختصر سی
قات میں تمہارا یہ حال ہورہا ہے تو آئندہ کیا ہوگا؟''

اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ بڑی محبت سے بولی
مجھے اس پر ترس آرہا ہے۔ وہ مجھے بہت چاہتا ہے دل و جان
ے چاہتا ہے اور اب مجھ سے محروم ہوگیا ہے۔''

''تم عجیب باتیں کرتی ہو، محروم تو تم اس سے ہوئی ہو اور
ا سے ہمدردی ظاہر کررہی ہو۔''

آپ نہیں جانتے وہ تنہا ہوگیا ہے میرے بغیر کیسے زندگی
زارے گا؟''

''سب ایک دوسرے کے بغیر زندگی گزار لیتے ہیں۔''

''مرنے والوں پر صبر آجاتا ہے لیکن جو زندہ رہ کر بچھڑ
اتے ہیں ان کی جدائی برداشت نہیں ہوتی۔''

''تو پھر ارادہ کیا ہے؟ جلدی بولو مجھے ایک ضروری کام
ے جانا ہے۔''

میں آپ سے وعدہ کرچکی ہوں کہ دینی احکامات کے
طابق کبھی اس کے روبرو بہت قریب نہیں جاؤں گی دور سے
اقات ہوگی دور سے باتیں ہوں گی۔''

اس نے اپنا پرس کھولا اس میں سے نوٹوں کی گڈیاں
ال کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا ''یہ پچاس ہزار روپے
ں۔ آپ اسے رہا کرتے وقت دے دیں اس کے کام آئیں
ے۔''

''اچھی بات ہے میں اسے دے دوں گا۔''

''یہ یاد رکھیں کہ وہ غیرت مند ہے میری دی ہوئی رقم
یں لے گا آپ اسے سختی سے کہہ دیں کہ رقم نہیں لے گا تو
ے رہائی بھی نہیں ملے گی۔ تب شاید وہ اسے قبول کرلے۔''

وہ اٹھ کر بولی ''میں جاتی ہوں آپ کا احسان کبھی نہیں
ولوں گی۔ پھر کسی وقت آپ سے ملوں گی۔ خدا حافظ۔

وہ وہاں سے چلی گئی اس کے ماتحت نے انٹرکام پر کہا
'سر! میں پاشا جانی کو یہاں لے آیا ہوں۔''

''اسے یہاں بھیج دو۔''

تھوڑی دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی ہلکا سا دروازہ کھلا پھر پاشا جانی نے پوچھا ''مے آئی کم ان سر؟''

اس نے کہا۔ ''یس کم ان......''

اسے توقع نہیں تھی کہ ایک ٹیکسی ڈرائیور انگریزی بولے گا۔ اس نے اندر آکر سلام کیا ذیشان نے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''بیٹھو......!''

وہ بیٹھ گیا۔ ذیشان نے پوچھا ''تعلیم یافتہ ہو؟''

''یس سر بی اے تک تعلیم حاصل کی ہے پھر حالات نے مجبور کیا تو آگے نہ پڑھ سکا۔ ملازمت کہیں ملتی نہیں۔ اس لیے ٹیکسی چلاتا ہوں۔''

''کیا تم جانتے ہو کہ عینی میری چھوٹی بہن ہے؟''

''جی ہاں جانتا ہوں۔''

''اس سے کیسے ملاقات ہوئی تھی؟''

کل رات تقریباً ایک بجے سی ویو کے قریب ایک چھوٹی سی بستی میں تھی وہاں میں چائے کی ایک دکان پر چائے پی رہا تھا وہ اچانک میری ٹیکسی کے پاس آئیں اور مجھ سے مدد طلب کی۔ مجھ سے کہا کہ میں انہیں عروج کے پاس ہاسٹل کے کوارٹر میں پہنچا دوں۔ میں انہیں ہاسٹل کی طرف لے جارہا تھا راستے میں ان کے ایک کزن جواد نے ہمارا راستہ روک لیا اس نے عینی سے اپنے ساتھ چلنے کو کہا تو عینی نے انکار کردیا تب وہ ریوالور کے زور پر اسے لے جانا چاہتا تھا اس نے پہلے مجھ سے سمجھوتہ کرنا چاہا کہ میں اس سے ایک لاکھ روپے لوں اور عینی کو اس کے ساتھ جانے دوں۔ میں نے دھوکے سے اس کا ریوالور اس سے چھین لیا پھر اس کی کار کے ایک ٹائر کو پنکچر کرکے عینی کو وہاں سے ٹیکسی میں لے گیا۔''

ذیشان اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا اس نے کہا ''ایک لاکھ روپے بہت ہوتے ہیں ایک ٹیکسی ڈرائیور کی اوقات سے بہت زیادہ ہوتے ہیں تم نے عینی کی خاطر وہ ایک لاکھ کیوں چھوڑ دیے؟''

''آپ دولت والوں سے پوچھیں تو میں نے وہ رقم چھوڑ کر بہت بڑی حماقت کی ایمان والوں سے پوچھیں تو میں نے اپنے ایمان کا تقاضا پورا کیا ہے۔''

تم نے جو نیکی کی اس کا کچھ تو صلہ چاہتے ہو اگر نہیں چاہتے تو پھر آج دن کے وقت اس سے ملنے کیوں گئے تھے؟''

عینی نے فون نمبر دیا تھا اور رابطہ کرنے کو کہا تھا جب میں نے رابطہ کیا تب مجھے وہاں بلایا گیا میں چلا گیا۔''

فون کی گھنٹی بجنے لگی ذیشان نے ریسیور اٹھا کر کان سے

لگایا پھر کہا" ہیلو میں ذیشان بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے اس کے والد فلک آفتاب حیات کی آواز سنائی دی" بیٹے یہاں دردانہ بیگم آئی ہوئی ہیں اور اپنے ساتھ بیٹے اور وکیل کو لائی ہیں۔"

"ان سے کہیں کہ میں دفتر سے نکل رہا ہوں اور آدھے گھنٹے میں پہنچ رہا ہوں۔"

"اس نے ریسیور رکھتے ہوئے پاشا جانی سے کہا "میرے ساتھ چلو، وہاں دردانہ بیگم اپنے بیٹے جواد کے ساتھ آئی ہیں۔ تمہیں ان کے سامنے بیان دینا ہے۔"

پاشا جانی اٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر وہ دونوں کمرے سے باہر چلے گئے۔

☆☆☆

فلک سکندر حیات کی زندگی میں دردانہ بیگم اس کوٹھی کی مالکہ تھی۔ سب اس کے آگے ادب سے سر جھکاتے تھے فلک سکندر حیات کی موت کے بعد اس کی قدر و قیمت گر گئی دردانہ کی توقع کے خلاف مرحوم نے اسے اپنی جائیداد میں سے صرف ایک چھوٹی سی کوٹھی دی تھی اور دو کروڑ روپے دیے تھے۔

وہ اپنی کوٹھی میں چلی گئی تھی کبھی کبھی عینی سے ملنے آتی تھی تو رسمی طور پر اس کا استقبال کیا جاتا تھا۔ اس وقت بھی دردانہ بیگم کی آمد پر فلک آفتاب نے ناگواری سے منہ بنایا تھا۔ بیگم آفتاب نے صاف صاف کہہ دیا" نہ اب تم ہماری بھابی رہی ہو نہ عینی کی ماں ...... اور جو کل رات عینی کے ساتھ سلوک ہوا ہے اس کے بعد تو ہم تمہیں اور تمہارے بیٹے کو اپنا دشمن سمجھ رہے ہیں۔"

وہ مسکرا کر بولی" کل رات کچھ نہیں ہوا جو کچھ ہوا میں اس کی وضاحت کرنے آئی ہوں۔ جب غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی تو آپ اس طرح نفرت سے بات نہیں کریں گی۔"

کسی نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ سب منہ بنائے بیٹھے رہے وہ بولی" کم از کم عینی کو تو بلائیں میں اس سے باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

فلک ناز نے کہا ابھی ذیشان آئیں گے تو عینی ان کی موجودگی میں یہاں آئے گی۔ پھر آپ اس سے باتیں کر سکیں گی۔"

"سوتیلی ماں تو مفت میں بدنام ہوتی ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ میں بھی دوسری سوتیلی ماؤں کی طرح عینی کی دشمن ہوں۔ یہ مرحوم اچھی طرح جانتے تھے اور آپ لوگوں نے بھی دیکھا ہے کہ میں نے ایک سگی ماں سے بھی بڑھ کر محبتیں دی ہیں۔"

وہ سب ایسے بیٹھے تھے جیسے اس کی باتیں نہ سن ہوں۔ جواد نے کہا" ممی! آپ خواہ مخواہ بول رہی ہیں خا ہو جائیں۔ یہاں جو کام کی باتیں کرنی ہیں۔ وہ ذیشان سامنے ہوں گی۔ اس کے بعد ہم چلے جائیں گے۔"

وہ سب چپ رہے تھوڑی دیر بعد ہی ذیشان ڈر روم میں آیا پھر اس نے دردانہ اور جواد کو دیکھ کر درواز طرف گھوم کر کہا" پاشا جانی اندر آ جاؤ......"

پاشا نے اندر آ کر ان سب کو دیکھا پھر ہاتھ اٹھا کر کیا۔ ذیشان نے ایک صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہ کہا" یہاں بیٹھو۔"

وہ بیٹھ گیا دردانہ بیگم کے ساتھ ایک شخص کالا کوٹ پ آیا تھا۔ اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ایک کاغذ ذیشان کی ط بڑھاتے ہوئے کہا" میں ان کا وکیل ہوں اور کورٹ سے کا ضمانت نامہ لایا ہوں۔"

ذیشان نے ہاتھ اٹھا کر کہا" یہ ضمانت نامہ اپنے رکھیں" جب میں جواد کو گرفتار کروں تو پھر اسے پیش کر ابھی تو میں اس سے چند سوالات کروں گا۔"

اس نے جواد کی طرف دیکھ کر کہا" کل رات عین ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ اپنی سہیلی عروج سے ملنے کے جا رہی تھی۔ تم نے اس کا راستہ روکا تھا؟"

"ہاں میں نے اس کا راستہ روکا تھا۔"

"کیا تم نہیں چاہتے تھے کہ عینی گھر واپس آ جائے؟ میں چاہتا تھا۔ اسی لیے میں نے راستہ روکا تھا مجھے معلوم تھا کہ وہ آدھی رات کو کہاں بھٹک رہی ہے وہ آپ کی ہی نہیں میری بھی بہن ہے اسے گھر واپس لے میرا فرض ہے اور میں اپنا فرض ادا کرنا چاہتا تھا۔ اس اسے اپنے ساتھ یہاں لانا چاہتا تھا۔"

"راستہ روکنے کے بعد تمہیں معلوم ہوا کہ عینی تمہار ساتھ نہیں جانا چاہتی تب تم نے کیا کیا تھا؟"

وہی جو ایک غیرت مند بھائی کو کرنا چاہیے مجھے شبہ تھ یہ ٹیکسی ڈرائیور اسے بہلا پھسلا کر لے جا رہا ہے اگر میں اسے جبراً روکتا تو ہمارے خاندان کی عزت خاک میں مل جا گی۔ اس لیے میں نے ریوالور دکھا کر اس کا راستہ رو کوشش کی۔"

ذیشان نے سر گھما کر پاشا جانی کو دیکھا۔ پاشا مسکرا لگا۔ ذیشان نے پوچھا" صرف ریوالور دکھا کر راستہ روکا اس سے اور بھی کسی طرح کا سمجھوتہ کرنا چاہا تھا؟"

جواد نے ذرا ہچکچاتے ہوئے اپنی ماں کی طرف دیکھا پھر کہا" ہاں میں نے سوچا خون خرابے سے بات بگڑ جائے گی اور ہم خواہ مخواہ کسی مقدمے میں پھنس جائیں گے اس لیے میں نے اس ڈرائیور کو سمجھایا کہ یہ عینی کو میرے ساتھ جانے دے گا تو میں اسے اچھی خاصی رقم دوں گا۔"

ذیشان نے طنزیہ لہجے میں کہا" اچھی خاصی رقم......؟ یعنی تم نے کتنی رقم کی آفر دی تھی؟"

وہ پھر ہچکچاتے ہوئے بولا" یہی کوئی ایک لاکھ روپے......"

"کیا ایک لاکھ روپے بہت زیادہ نہیں ہیں؟ جب کوئی مجرمانہ لین دین ہوتا ہے تب ہی اتنی بڑی رقم کی آفر دی جاتی ہے۔"

"ذیشان صاحب آپ میرے جذبات کو سمجھیں میں عینی کو عزت آبرو سے گھر پہنچانے کے لیے ایک لاکھ روپے سے بھی زیادہ دے سکتا تھا۔"

"اچھا تو پھر کیا ہوا؟"

اس ڈرائیور کو یقین نہیں تھا کہ میرے پاس ایک لاکھ روپے ہیں۔ میں نے کہا ڈیش بورڈ کا خانہ کھول کر دیکھو اس نے جب اس خانے کو کھول کر دیکھا تو اس میں نوٹوں کی بڑی بڑی گڈیاں تھیں۔ اتنی بڑی رقم دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اچانک ہی اس نے مجھ پر حملہ کیا اور مجھ سے ریوالور چھین کر کہا" جب میں پوری کی پوری رقم لے سکتا ہوں تو ایک لاکھ روپے پر سمجھوتہ کیوں کروں؟ اس نے تمام رقم کو سمیٹ کر اپنے لباس کے اندر ٹھونس لیا۔ پھر میری گاڑی کے پہیے کو گولی مار کر بیکار کر دیا۔"

پاشا جانی نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا" سر! یہ جھوٹ کہہ رہا ہے میں نے اس کی رقم کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔"

ذیشان نے ذرا سخت لہجے میں کہا" پاشا خاموش بیٹھے رہو جب میں تم سے کچھ پوچھوں تب اپنی صفائی میں کچھ کہنا۔"

پاشا خاموشی سے بیٹھ گیا ذیشان نے اپنی ماں کو دیکھتے ہوئے کہا" ممی! عینی کو بلائیں۔"

عینی تو پاشا جانی کا نام سنتے ہی چلی آئی تھی دروازے کے پیچھے کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔ اگرچہ صاف طور سے دیکھ نہیں سکتی تھی۔ وہ دھندلا سا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے لیے یہی بہت تھا کہ وہ اس کے گھر آیا ہوا ہے۔

وہ ڈرائنگ روم میں آتے ہوئے بولی" بھائی جان میں یہاں ہوں ان کی تمام باتیں سن رہی ہوں یہ سراسر جھوٹ بول رہے ہیں پاشا جانی نے ان سے رشوت کے طور پر ایک روپیہ بھی نہیں لیا ہے۔"

دردانہ بیگم نے اٹھتے ہوئے کہا" بیٹی تمہیں تو نظر نہیں آتا۔ پھر وہ رات کا وقت تھا۔ تم کیسے دیکھ سکتی تھیں یہ تمام رقم لوٹ کر لباس کے اندر چھپا کر لے آیا تھا اور تمہیں معلوم بھی نہ ہو سکا۔

ذیشان نے کہا" دردانہ آنٹی میں پہلی اور آخری بار سمجھا رہا ہوں جب تک میں کوئی بات نہ پوچھوں آپ میں سے کوئی کچھ نہیں بولے گا۔ آپ پلیز خاموشی سے بیٹھی رہیں۔"

دردانہ بیگم اپنے صوفے پر بیٹھ گئی۔ عینی اپنی پھوپھی فلک ناز کے پاس آ کر بیٹھی کیوں کہ وہاں سے پاشا جانی کسی حد تک قریب تھا اور واضح طور پر اسے دکھائی دے رہا تھا۔ ذیشان نے پوچھا" عینی جب یہ دونوں ایک دوسرے سے سمجھوتہ کر رہے تھے یا لڑ جھگڑ رہے تھے تو تم اس وقت کہاں تھیں؟"

میں ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں مجھے کچھ دھندلا سا دکھائی دے رہا تھا جیسے دونوں میں لڑائی ہو رہی ہو تھوڑی دیر بعد میں نے گولی چلنے کی آواز سنی۔ اس کے بعد پاشا جانی اپنی ٹیکسی میں آ کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے بتایا کہ جواد کی گاڑی کا ایک پہیہ بیکار کر دیا ہے اور اب یہ ہمارا تعاقب نہیں کر سکے گا۔

"تم دور سے واضح طور پر دیکھ نہیں سکتیں۔ لیکن پاشا جانی جب قریب آ کر اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ گیا تو کیا تم نے اس کے پاس نوٹوں کی گڈیاں دیکھیں تھیں؟"

"نہیں میں نے نہیں دیکھیں تھیں۔"

ہو سکتا ہے اس نے لباس کے اندر اس رقم کو چھپایا ہو؟"

"میں یقین نہیں کروں گی پاشا صاحب نے اپنے عمل سے ثابت کیا ہے کہ یہ نیک اور ایماندار ہیں میں جوان ہوں دولت مند ہوں یہ مجھ سے فائدہ اٹھا سکتے تھے لیکن انہوں نے مجھے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ عروج کے پاس پہنچانے کے بعد ٹیکسی کا کرایہ بھی نہیں لیا۔ دردانہ بیگم نے کہا" جب آٹھ لاکھ روپے ہاتھ لگ گئے تھے تو کرایہ کیا لیتا؟"

"جب یہ اتنی بڑی رقم چرا کر لے گیا تو اس کے خلاف رپورٹ درج کیوں نہیں کرائی گئی؟"

جواد نے کہا کیسے درج کرائی جاتی میں تو گاڑی کا پہیہ بدلنے میں لگا رہا بڑی مشکلوں سے گاڑی چلنے کے قابل ہوئی تو گھر آ کر پتا چلا کہ ممی کو اور مجھ کو الزام دیا جا رہا ہے کہ ہم نے عینی کو اغوا کرنے کوشش کی تھی۔"

دردانہ بیگم نے کہا" ہم سوتیلے ہیں ہم پر آسانی سے الزام لگایا جا سکتا ہے آٹھ لاکھ روپے کی کیا اہمیت ہے ہم اس

سے زیادہ رقم عینی پر نچھاور کر کے خیرات کر سکتے ہیں۔ ہم تو اس الجھن میں رہے کہ کسی طرح اپنے اوپر لگنے والے الزام کو مٹائیں اور یہ ثابت کریں کہ ہمارے خلاف بھی سازشیں ہو رہی ہیں۔ ہمیں خواہ مخواہ بدنام کیا جا رہا ہے۔"

جواد نے کہا "آپ کہتے ہیں کہ ہم نے چوری کے خلاف رپورٹ درج کیوں نہیں کرائی؟ اب تو آپ کے سامنے حقیقت پیش کی جا رہی ہے اور یہ جو لوٹ کر جانے والا اور میرے آٹھ لاکھ روپے لے جانے والا آپ کے قریب موجود ہے آپ اس کا محاسبہ کیوں نہیں کر رہے ہیں؟"

عینی نے کہا "تمہارے کہنے سے پاشا صاحب کا محاسبہ نہیں کیا جائے گا۔"

وردانہ بیگم نے پوچھا "یہ تم ٹیکسی ڈرائیور کو پاشا صاحب کیوں کہہ رہی ہو؟"

"کیا ٹیکسی چلانے والے عزت کے قابل نہیں ہوتے کیا ان کا احترام نہیں کرنا چاہیے اور پھر یہ ایسے شخص ہیں جنہوں نے مجھے عزت و آبرو سے عروج کے پاس پہنچا دیا تھا اس کے علاوہ یہ آپ کے بیٹے جواد سے زیادہ تعلیم یافتہ ہیں اور ایک بہت اچھے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔"

فلک ناز نے کہا "جب ہماری عینی کہہ رہی ہے کہ پاشا صاحب قابلِ احترام ہیں تو پھر ہمارے لیے بھی قابلِ احترام ہیں۔ ان کا محاسبہ نہیں کیا جائے گا۔"

ذیشان نے کہا "خدا کے لیے آپ سب خاموش ہو جائیں محاسبہ سب کا ہوگا۔ پاشا جانی کا بھی ہوگا۔ وہ سب خاموش ہو گئے۔ عینی پاشا کو دیکھنے لگی ذیشان نے پاشا کی طرف گھوم کر پوچھا "تم کیا کہتے ہو؟ کیا تم نے ان کے آٹھ لاکھ روپے نہیں لیے ہیں؟"

"میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں، میں نے جواد سے ایک روپیہ بھی نہیں لیا ہے آٹھ لاکھ تو بہت ہوتے ہیں۔

"ہم پولیس والے ہیں صرف تمہارے بیان پر یقین نہیں کریں گے اپنے طور پر تفتیش کریں گے۔"

بے شک آپ جس طرح بھی معلوم کرنا چاہیں۔ میں حاضر ہوں۔"

میں اور میرے سپاہی تمہارے گھر جا کر وہاں کی تلاشی لیں گے۔"

میں آپ کو ویلکم کہتا ہوں آپ ابھی میرے ساتھ چلیں۔

وردانہ بیگم نے کہا "رقم کل رات کو چوری ہوئی تھی اب تقریباً بیس گھنٹے گزر چکے ہیں کیا بیس گھنٹوں میں وہ رقم اس نے اپنے گھر میں چھپا کر رکھی ہوگی چور ڈاکو ایسے اناڑی نہیں ہوتے۔"

ذیشان نے سختی سے کہا "آپ چپ رہیں گی یا نہیں؟ پولیس والے بھی اناڑی نہیں ہیں محلے پڑوس والوں سے معلومات حاصل کریں گے۔ جن لوگوں سے پاشا جانی کا دین رہتا ہے ان سے بھی بہت کچھ معلوم ہو سکے گا۔"

پھر اس نے پاشا کی طرف گھوم کر پوچھا کیا تمہارا بینک اکاؤنٹ ہے؟"

پاشا جانی نے چونک کر سر اٹھایا اسے دیکھا اور پھر "ایک بینک میں میرا اکاؤنٹ ہے۔"

میں پاشا جانی کے پیچھے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اب اس شامت آ گئی تھی۔ بیچارا عروج اور عینی کے درمیان ہیرو رہا تھا اب زیرو بننے کا وقت آ گیا تھا۔

ذیشان نے کہا میں تمہارا بینک اکاؤنٹ چیک کرو گا۔"

وہ ذرا پریشان ہوا پھر بولا "جی ہاں بے شک دیکھ لیں میں نے آج صبح ہی اپنے اکاؤنٹ میں ساڑھے سات لا روپے جمع کیے ہیں۔"

یہ بات سنتے ہی سب نے چونک کر پاشا جانی کی طرف دیکھا۔ عینی کے دماغ میں ایک دھماکا سا ہوا ایک ٹیکسی ڈرائیور کے پاس آج صبح ساڑھے سات لاکھ روپے کہاں سے آ گئے جب کہ پچھلی رات جواد کے بیان مطابق اس کے آٹھ لا روپے چوری ہوئے ہیں۔ وہ پریشان ہو کر بولی "پاشا..... یہ..... یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

وردانہ بیگم نے کہا "اب یہ سچ بولنے پر مجبور ہے اس۔ سمجھ لیا ہے کہ ذیشان اس کا بینک اکاؤنٹ چیک کرے گا حقیقت سامنے آ جائے گی اور ہمارا الزام درست ثابت ہوگا۔"

پاشا جانی نے کہا "آپ کا الزام غلط ہے میں نے آپ کے بیٹے کی رقم نہیں چرائی ہے۔"

ذیشان نے سخت لہجے میں پوچھا "اگر تم نے چوری نہیں کی ہے تو اچانک اتنی بڑی رقم تمہارے پاس کہاں سے آ گئی؟"

پاشا جانی نے کہا "سر! آپ یقین کریں میں سچ کہہ رہا ہوں یہ رقم میری اپنی ہے میں لاہور سے لے کر آیا ہوں کل صبح کی ٹرین سے یہاں آیا تھا مجھے کل یہ رقم جمع کرنے کا موقع نہیں ملا میں نے آج صبح ساڑھے سات لاکھ روپے جمع کیے ہیں۔

جواد نے طنزیہ انداز میں پوچھا "کیا لاہور میں تمہاری

لاٹری نکلی تھی؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا "لاٹری نہیں...... یہ میرے مرحوم ابو کی محنت کی کمائی ہے۔"

وہ ذیشان کو دیکھتے ہوئے بولا "ہم کوئی لکھ پتی نہیں ہیں۔ لیکن ہمارے ابو نے ہمارے لیے ایک مکان چھوڑا تھا جب امی کا انتقال ہو گیا تو میں نے سوچا وہ مکان فروخت کر کے یہاں کوئی اپنا دوسرا کاروبار شروع کروں گا۔"

ذیشان نے پوچھا "اچھا تو تم نے وہ مکان ساڑھے سات لاکھ میں فروخت کر دیا؟"

"آٹھ لاکھ میں فروخت کیا تھا وہاں ہم نے کچھ لوگوں سے قرض لیا تھا اس قرض کی ادائیگی میں پچاس ہزار خرچ ہو گئے باقی ساڑھے سات لاکھ روپے آج صبح میں نے بینک میں جمع کیے ہیں۔"

عینی نے کہا "بھائی جان آپ یقین کریں پاشا صاحب کبھی جھوٹ نہیں کہتے ہیں۔"

"پلیز عینی ذرا خاموش رہو۔ مجھے اپنے طور پر سوالات کرنے دو۔"

پھر اس نے پاشا سے کہا "تم مکان فروخت کر کے آئے ہو اس فروخت نامہ کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں تمہارے پاس ہوں گی۔"

"جی ہاں میرے گھر میں موجود ہیں آپ ابھی چل کر دیکھ سکتے ہیں۔" ذیشان کے ماتحت اور سپاہی باہر کھڑے ہوئے تھے اس نے ماتحت کو بلا کر کہا "اپنے سپاہیوں کے ساتھ پاشا جانی کے گھر جاؤ اس کے پاس اپنی جائیداد فروخت کرنے کے کاغذات ہیں وہ کاغذات یہاں لے آؤ۔"

پاشا جانی اس ماتحت کے ساتھ ڈرائنگ روم سے باہر آ گیا۔ احاطے میں ایک وین کھڑی تھی ماتحت نے اس سے کہا "پیچھے سپاہیوں کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔"

وہ بیٹھ گیا ماتحت اگلی سیٹ پر آ گیا۔ پھر وہ وین وہاں سے چل پڑی۔

میں مقدر ہوں اور کبھی کبھی لوگوں کی طبیعت مکدر کر دیتا ہوں کبھی ساتھ دیتے دیتے ان کا ساتھ چھوڑ دیتا ہوں میں پاشا جانی سے پہلے اس کے گھر پہنچ گیا وہ پولیس والوں کے ساتھ اپنے گھر کا دروازہ کھول کر اندر آیا پھر اس نے ایک چھوٹی سی الماری کو کھولا! اس میں ایک چھوٹا سا سیف تھا وہ اس میں اپنے اہم کاغذات رکھتا تھا۔ ان اہم کاغذات میں اس کے اسکول و کالج کے سرٹیفکیٹس بھی تھے اس کے مرحوم باپ کی کچھ ڈائریاں بھی رکھی تھیں ٹیکسی کا لائسنس اور دوسرے ضروری کاغذات بھی تھے اور اس فروخت نامہ کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں بھی تھیں۔

وہ ایک ایک ڈائری ایک ایک فائل اور ایک ایک کاغذ اٹھا کر دیکھنے لگا پریشان ہونے لگا ماتحت اس کے قریب کھڑا ہوا تھا اس نے پوچھا کیا ہوا؟"

اس نے پریشان ہو کر ماتحت کو دیکھا پھر سیف بند کر کے الماری کے دوسرے حصوں میں کاغذ تلاش کرنے لگا۔ وہ وہاں ہوتا تو اسے ملتا۔ اس نے اپنی اٹیچی کھولی وہ لاہور سے اپنا سامان اسی اٹیچی میں لایا تھا خیال تھا کہ بھول سے وہ کاغذ اس میں رہ گیا ہے لیکن وہ وہاں بھی نہیں تھا۔

لاہور میں عروج کے عشق نے الجھایا ہوا تھا وہ جلد سے جلد مکان فروخت کر کے کراچی آنا چاہتا تھا اور اسے جی بھر کر دیکھنا چاہتا تھا۔ ملاقات کر کے اس سے باتیں کرنا چاہتا تھا اسے عروج کی طلب تھی۔ کاغذات کی اہمیت نہیں تھی اس لیے شاید وہ کاغذ وہاں بھول کر آ گیا تھا ماتحت نے طنزیہ انداز میں کہا اب ڈھونڈنے کے لیے فرش رہ گیا ہے اسے بھی کھود کر دیکھ لو۔"

وہ بے بسی سے بولا "آپ میری بات کا یقین نہیں کریں گے۔ میں وہ اہم کاغذ لاہور میں بھول آیا ہوں۔"

وہ بولا "میں تو کیا ایس پی صاحب بھی یقین نہیں کریں گے۔ کوئی عدالت ثبوت کے بغیر کسی سچائی کو تسلیم نہیں کرتی اب چلو یہاں سے......"

وہ شکست خوردہ انداز میں ان کے ساتھ چلتا ہوا باہر آیا دروازے کو تالا لگایا پھر ان کے ساتھ وین میں بیٹھ کر واپس جانے لگا۔

عینی اپنے ڈرائنگ روم میں تمام افراد کے درمیان بیٹھی ہوئی پاشا کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ پاشا نے جھوٹ نہیں کہا ہے وہ اپنے مکان کا فروخت نامہ دکھائے گا تو وردانہ بیگم اور جواد کا عائد کردہ الزام غلط ثابت ہو جائے گا۔

ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا۔ پاشا جانی ماتحت کے ساتھ سر جھکائے اندر آیا اس ماتحت نے ذیشان کے سامنے سلیوٹ کرتے ہوئے کہا۔ سر اس کے پاس مکان کا فروخت نامہ نہیں ہے۔

عینی نے گھبرا کر پاشا کی طرف دیکھا ذیشان نے پوچھا۔ "کیوں مسٹر پاشا! تم جھوٹ کیوں بول رہے تھے؟ کیوں پولیس کا وقت برباد کر رہے تھے؟ کیا یہاں سچ اگل نہیں سکتے تھے؟"

"ایس پی صاحب! سچ یہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں وہ

اہم کاغذ میں لاہور میں بھول آیا ہوں۔ آپ مجھے موقع دیں میں اپنے ایک عزیز سے رابطہ کروں گا کہ وہ کاغذ تلاش کر کے یہاں بھیج دے یا پھر میں وہ کاغذ لینے جاؤں گا۔''

جواد نے کہا ''پھر وہاں سے واپس نہیں آؤ گے فرار کا موقع مل جائے گا۔''

ذیشان نے کہا ''پاشا جانی! تم زبردست بہروپیے ہو۔ تم نے عروج کو اور عینی کو تو اچھی طرح بے وقوف بنایا۔ لیکن ہم پولیس والوں کو نہ بنا سکے۔''

پھر اس نے ماتحت سے کہا ''اسے گرفتار کرلو۔''

عینی چیختی ہوئی کھڑی ہوگئی ''نہیں۔ بھائی جان! آپ اسے گرفتار نہ کریں آپ میری ہر بات مان لیتے ہیں یہ بات بھی مان لیں۔''

وہ بولا ''عینی یہ قانونی معاملات ہیں۔ یہاں میں تمہاری بات نہیں مانوں گا۔''

''کیوں نہیں مانیں گے؟ صرف آٹھ لاکھ کی چوری کا الزام ہے کون سی بڑی رقم ہے؟ میں ابھی اس سے زیادہ ضمانت دینے کو تیار ہوں۔ آپ اسے گرفتار نہ کریں۔''

''سوری۔ میں اسے گرفتار کر کے لے جا رہا ہوں۔ تم چاہو تو اپنے وکیل کے ذریعے اس کی ضمانت حاصل کرنے میرے دفتر چلی آؤ۔''

اس کے ماتحت نے پاشا کو ہتھکڑی پہنادی دردانہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا ''یہ ہتھکڑی میرے بیٹے کے لیے لائی گئی تھی ذیشان اب کیا کہتے ہو کیا میرا بیٹا بے قصور ہے؟ کیا میرا بیٹا تمہاری بلیک لسٹ میں نہیں ہے؟''

''پہلے میں ایک معاملے سے نمٹ لوں پھر دوسرے سے بھی نمٹ لوں گا۔''

پاشا جانی ہتھکڑیاں پہن کر سر جھکا کر ماتحت افسر کے ساتھ جانے لگا۔ اس کے پیچھے ذیشان جا رہا تھا۔

دردانہ بیگم نے ہاری ہوئی بازی جیت لی۔ ایسی ہی اچانک اور اتفاقیہ جیت کو مقدر کا کھیل کہتے ہیں۔ ذیشان جو ہتھکڑی اس کے بیٹے جواد کو پہنانے لایا تھا وہی ہتھکڑی پاشا جانی کو پہنا کر لے جا رہا تھا۔

عینی، عروج اور ذیشان وغیرہ یہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ جو بالکل بے گناہ دکھائی دے رہا ہے اور جو اپنے بہترین عمل سے خود کو ہیرو ثابت کرتا آ رہا ہے وہ اچانک ایک مجرم ثابت ہوگا اور قانون کی گرفت میں آ جائے گا۔

سب حیران تھے کہ کیا سوچا تھا اور کیا ہوگیا؟ وہ سب چاہتے تھے کہ جواد کو سزا ملے اور دردانہ بیگم عبرت حاصل کرے لیکن توقع کے خلاف بازی ایسے پلٹ گئی تھی کہ سب کے سر جھک گئے تھے اور دردانہ بیگم کا سر فخر سے تن گیا تھا۔

پاشا جانی ہتھکڑی پہنے ماتحت افسر کے ساتھ باہر چلا گیا تھا۔ ذیشان بھی جا رہا تھا۔ عینی نے آگے بڑھ کر کہا ''بھائی جان......! رک جائیں۔''

وہ رک گیا۔ پلٹ کر بولا ''ہاں بولو، کیا کہتی ہو؟''

''کیا اس گھر میں اور آپ کی نظروں میں میری کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ کیا میں آپ لوگوں کے لیے قابلِ اعتماد نہیں ہوں؟''

ذیشان نے کہا ''عینی تم اس سے بھی زیادہ ہو ہمارے لیے بہت کچھ ہو میں کسی بھی معاملے میں تم پر اندھا اعتماد کر سکتا ہوں۔''

''تو پھر آپ مجھ پر اعتماد کیوں نہیں کر رہے ہیں۔ میری ضمانت پر پاشا کو رہا کیوں نہیں کر رہے ہیں؟''

''صرف اس لیے کہ اس وقت تم پاشا جانی کی اندھی حمایت کر رہی ہو۔''

''آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔ میں نے اسے آزمایا ہے اس کی شرافت کو، اس کی سچائی کو، اس کے ایمان کو، تبھی میں اس کی حمایت کر رہی ہوں۔''

''جسے تم ایمان والا کہہ رہی ہو۔ وہ بے ایمان ثابت ہو چکا ہے۔ وہ کبھی ثابت نہیں کر سکے گا کہ اتنی بڑی رقم وہ اچانک صبح کہاں سے لے آیا تھا۔''

''آپ اسے موقع دیں۔ وہ لاہور جا کر مکان کا فروخت نامہ لے آئے گا۔''

''عینی......! میری بہن......! میں جانتا ہوں۔ تم اس کی ضمانت لینے کے لیے آٹھ لاکھ تو کیا آٹھ کروڑ ابھی ادا کر دو گی لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تم دھوکا کھا رہی ہو۔ تو کیا میں بھی پولیس والا ہو کر دھوکا کھا جاؤں۔ اس نے لاہور میں کوئی مکان فروخت نہیں کیا ہے اور نہ ہی اس کے پاس کوئی فروخت نامہ ہے۔''

''کیا آپ میرے کہنے پر لاہور میں اس کے متعلق انکوائری نہیں کرا سکتے ؟''

''تم ضد کر رہی ہو تو انکوائری کراؤں گا لیکن اس میں وقت لگے گا اور جب تک یہ بے گناہ ثابت نہیں ہوگا اس وقت تک حراست میں رہے گا۔''

''آپ سمجھتے کیوں نہیں ہیں۔ جب میں ضمانت دے رہی ہوں جواد کی رقم بھی ابھی لوٹا دوں گی اور آپ اس کی ضمانت کے لیے جتنی رقم کہیں گے وہ جمع کر دوں گی تو پھر آپ

اسے رہا کیوں نہیں کریں گے؟ اگر یہ فرار ہوگا تو آپ مجھے گرفتار کر سکیں گے۔''

''یہی تو مشکل ہے، تم میری بہن ہو۔ میں تمہیں گرفتار نہیں کر سکوں گا۔ ایسا وقت آنے سے پہلے ہی میں محتاط رہنا چاہتا ہوں اور پاشا جانی کو اپنی کسٹڈی میں رکھنا چاہتا ہوں۔''

بیگم آفتاب نے کہا ''بیٹے! ہم نے آج تک عینی کو اس طرح التجا کرتے اور گڑگڑاتے نہیں سنا۔ تم اتنے سخت کیوں ہوگئے ہو۔ پاشا کو رہا کر دینا تمہارے لیے کوئی مشکل کام تو نہیں ہے۔''

فلک آفتاب نے کہا ''ہاں بیٹے یہاں پولیس افسر نہ بنو اور اگر بننا چاہتے ہو، اسی طرح سختی دکھانا چاہتے ہو تو صرف عینی نہیں میں بھی پاشا جانی کی ضمانت دینے کو تیار ہوں۔ جب ہمارا پورا خاندان اس کی حمایت کر رہا ہے تو تم اپنے اصولوں میں نرمی اور لچک کیوں نہیں پیدا کر رہے ہو؟''

وہ بولا ''ڈیڈ! میں آپ سے اور عینی سے التجا کرتا ہوں کہ مجھے کل تک اپنے طور پر کارروائیاں کرنے کا موقع دیں۔ میں کل شام تک پاشا جانی کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کرلوں گا۔ لاہور سے انکوائری کا جواب آ جائے گا۔ اس کے بعد میں اسے رہا کر دوں گا۔ آپ ضد نہ کریں۔ مجھے میرا کام کرنے دیں۔''

یہ کہہ کر وہ پلٹ کر جانے لگا۔ عینی نے تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے کہا ''بھائی جان! صرف ایک آخری بات......''

وہ پھر رک گیا۔ بے بسی سے اسے دیکھتے ہوئے بولا ''عینی! تم میری لاڈلی بہن ہو مگر اس وقت بہت پریشان کر رہی ہو۔''

''پلیز آپ صرف ایک منٹ کے لیے ذرا ایک گوشے میں چلیں میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔''

اسما نے آگے بڑھ کر کہا ''آپ بہت زیادہ سختی دکھا رہے ہیں۔ عینی کی بات کیوں نہیں مان لیتے۔ چلیں یہ کیا کہنا چاہتی ہے، پہلے وہ سن لیں۔''

وہ بولا ''ٹھیک ہے۔ اس کمرے میں چلو۔''

عینی نے اسما کا ہاتھ تھام کر کہا ''بھابی جان! آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔''

وہ تینوں دوسرے کمرے کی طرف جانے لگے۔ دردانہ بیگم سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگی۔ جواد نے اس کے قریب آ کر کانوں میں سرگوشی کی ''ممی! یہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ اکیلے کمرے میں لے جا کر کیا کہنا چاہتی ہے؟''

''خدا جانے کیا کہنا چاہتی ہے۔ ابھی یہ تینوں باہر آئیں گے تو کچھ معلوم ہو سکے گا۔''

وہ تینوں ایک کمرے میں آ گئے۔ ذیشان نے عینی کو دیکھ کر کہا ''ہاں بولو کیا کہنا چاہتی ہو؟''

اس نے ذیشان کو دیکھا پھر اسما کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھی اور اس سے لپٹ گئی۔ ایک دم سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اسما نے اسے تھپکتے ہوئے کہا ''کیا بات ہے؟ کیوں رو رہی ہو؟ کیا اپنے بھائی کی سنگ دلی پر رونا آ رہا ہے؟''

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا پھر کہا ''بھابی جان! وہ......وہ پاشا جانی......''

وہ آگے نہ کہہ سکی پھر رونے لگی۔ اسما نے اسے تھپکتے ہوئے کہا ''ہاں ہاں بولو کیا کہنا چاہتی ہو۔ کیا پاشا جانی کے بارے میں کچھ اور بتانا چاہتی ہو؟''

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا پھر بڑی مشکل سے اٹکتے ہوئے کہا ''میں بھابی جان...... میں اسے چاہتی ہوں۔''

اسما نے ایک دم سے چونک کر ذیشان کو دیکھا۔ ذیشان بھی یہ سن کر پریشان ہوگیا۔ اس کے قریب آ کر بولا ''عینی! یہ کیا کہہ رہی ہو۔ تم سمجھ دار ہو، تعلیم یافتہ ہو، تمہیں اپنے اسٹیٹس کے مطابق اپنے شایانِ شان کسی جیون ساتھی کا انتخاب کرنا چاہیے۔''

وہ روتے ہوئے بولی ''بھابی جان! میں نے بچپن سے اب تک اپنے خود غرض اور لالچی رشتے داروں کو دیکھا ہے۔ پاشا ایسا نہیں ہے اس نے میرے ساتھ جو نیکی کی ہے اس کا معاوضہ طلب نہیں کیا صرف میرے ساتھ ہی نہیں عروج کے ساتھ بھی اس نے بہت بڑی نیکی کی ہے۔ اس کے ڈیڈی حادثے کا شکار ہو کر ہاسپٹل پہنچ گئے تھے۔ اس نے ان کو خون کی دو بوتلیں دی تھیں اور ان سے بھی کوئی معاوضہ طلب نہیں کیا۔ میں اور عروج اسے جتنا جانتے ہیں، اتنا اسے کوئی بھی نہیں جان سکتا۔ آپ کو رفتہ رفتہ اس کی سچائی اور ایمان داری کا یقین آ جائے گا۔''

''عینی میں چاہتا ہوں کہ تمہاری زندگی میں کوئی ایسا شخص آئے، جو لالچی نہ ہو۔ بے لوث ہو، بے غرض ہو، لیکن تم پاشا جانی کا انتخاب کر کے مجھے الجھا رہی ہو۔''

اسما نے کہا ''آپ محض اس لیے الجھ رہے ہیں کہ وہ ٹیکسی چلاتا ہے۔ جب وہ عروج کا لائف پارٹنر بنے گا تو کیا اس وقت بھی ٹیکسی چلائے گا۔ کیا آپ نے سنا نہیں کہ وہ اچھا خاصا تعلیم یافتہ ہے اور اچھے خاندان سے تعلق رکھتا ہے پھر آپ

کیوں الجھ رہے ہیں۔"

وہ بے بسی سے بولا "اسما! پاشا پر چوری کا الزام ہے۔ میں وہ معاملہ نمٹانا چاہتا ہوں۔ عینی اب یہ نیا معاملہ پیش کررہی ہے۔"

"آپ اس نئے معاملے کو اہمیت دیں۔ عینی سے بڑھ کر ہمارے لیے اور کوئی نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے میں دفتر سے واپس آؤں گا تو اس موضوع پر بات کریں گے۔"

اسما نے کہا "آپ ابھی دفتر نہیں جائیں گے۔ پہلے پاشا کو رہا کریں گے۔"

"یہ کیا بکواس کررہی ہو؟"

"یہ بکواس ہی سہی۔ اگر آپ نے اسے رہا نہ کیا تو میں آپ سے بات نہیں کروں گی۔ کھانا پینا چھوڑ دوں گی۔"

وہ پریشان ہو کر ٹہلنے لگا۔ اسما نے کہا "ایسی کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ آپ اپنے اصولوں پر اتنی سختی سے عمل کرتے ہیں کہ کبھی ان میں لچک پیدا نہیں کرتے لیکن آج آپ کو یہ کرنا ہی ہوگا۔ ورنہ میں آپ کو باہر نہیں جانے دوں گی۔ جائیں گے تو بہت برا ہوگا۔"

میں دردانہ اور جواد کے پاس آ گیا اور جواد کے سر پر ایک چپت مارتے ہوئے بولا "میں مقدر ہوں سب کا ہوں اور کسی کا بھی نہیں ہوں۔ اب تمہاری شامت آنے والی ہے۔"

مقدر کی چپت سر پر پڑتی ہے تو پتا نہیں چلتا۔ بعد میں تکلیف کا احساس ہوتا ہے۔ عینی، اسما اور ذیشان کمرے سے باہر آ گئے۔ ذیشان تیزی سے چلتا ہوا بیرونی دروازے کو کھول کر باہر گیا پھر ماتحت سے بولا "پاشا جانی کو یہاں لے آؤ۔"

وہ پھر ڈرائنگ روم میں واپس آ گیا۔ دردانہ اور جواد عینی کے چہرے کو دیکھ رہے تھے۔ وہ بڑی خوش نظر آ رہی تھی۔ اسما بھی مسکرا رہی تھی۔ ذیشان نے دردانہ کے وکیل سے پوچھا "ہاں تو مسٹر! وہ جواد کا ضمانت نامہ کہاں ہے؟"

وکیل نے فوراً ہی اپنا بریف کیس کھول کر وہ ضمانت نامہ نکالا پھر اسے ذیشان کی طرف بڑھایا۔ ذیشان نے اسے لے کر دروازے کی طرف دیکھا۔ پاشا جانی ماتحت کے ساتھ اندر آ رہا تھا۔ اس نے ماتحت سے کہا "پاشا کی ہتھکڑیاں کھول دو۔"

حکم کی تعمیل کی گئی۔ ہتھکڑیاں کھول دی گئیں۔ جواد نے تڑپ کر کہا "یہ کیا ہو رہا ہے میرے آٹھ لاکھ روپے چرائے گئے ہیں۔ چور گرفت میں آیا ہے اور اسے رہا کیا جا رہا ہے؟"

ذیشان نے کہا "اس نے تمہارے آٹھ لاکھ روپے چرائے ہیں یا نہیں۔ یہ معلوم کرنا میرا کام ہے اور میں کل اس وقت تک ساری معلومات حاصل کر لوں گا۔ جسٹ اے منٹ میں ابھی آ رہا ہوں۔"

وہ وہاں سے چلتا ہوا ایک دروازے سے گزر کر کوٹھی کے کسی اندرونی حصے میں گیا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آیا تو اس کے ایک ہاتھ میں کاغذ جل رہا تھا۔ اس نے کہا "میں ذرا کچن کی طرف گیا تھا اسے آگ لگانا تھا۔"

دردانہ اور اس کے وکیل نے سوالیہ نظروں سے اس جلتے ہوئے کاغذ کو دیکھا۔ وہ تقریباً جل گیا تھا۔ آخری حصہ رہ گیا تھا۔ ذیشان نے اسے ایش ٹرے میں ڈال دیا وہ باقی حصہ بھی جل گیا پھر اس نے اپنے ماتحت سے کہا "جواد کو ہتھکڑیاں پہنا دو۔"

دردانہ نے چیخ کر پوچھا "یہ کیا کہہ رہے ہو؟"

حکم کی تعمیل ہو رہی تھی۔ جواد کو ہتھکڑی پہنائی جا رہی تھی۔ اس کے وکیل نے کہا "ایس پی صاحب میں نے اس کا ضمانت نامہ پیش کیا ہے۔"

ذیشان نے پوچھا "کہاں ہے وہ ضمانت نامہ؟"

"ابھی تو میں نے آپ کو دیا تھا۔"

"آپ کیسے وکیل ہیں، کیا یہ نہیں جانتے کہ مجرم کا ضمانت نامہ تھانے میں یا کسی افسر کے دفتر میں دیا جاتا ہے کسی کے گھر میں ضمانت نامہ کیوں لے کر آئے تھے اور کیا ثبوت ہے کہ آپ نے مجھے ایسا کوئی کاغذ دیا ہے؟"

دردانہ نے کہا "ذیشان! تم اپنے اعلیٰ عہدے کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہو۔"

آپ بھی نہ جانے کیسے کیسے بااختیار مجرموں کے ذریعے فائدہ اٹھانے یہاں آئی تھیں۔ بڑی زبردست چال چلی تھی۔ اب ناکام ہو کر جائیں گی۔"

پھر اس نے ماتحت سے کہا "جواد" کو لے جا کر گاڑی میں بٹھاؤ۔"

وہ جواد کو کھینچتے ہوئے لے جانے لگا۔ دردانہ بیٹے کے پیچھے کھینچتی ہوئی جانے لگی اور وکیل بھی اس کے پیچھے چلا گیا۔ ذیشان نے عینی سے کہا "دیکھو میں نے تمہاری بات مان لی۔ پاشا جانی کو رہا کر دیا۔ اب اسے میرے ساتھ دفتر جانے دو۔ یہ مسٹر میرے ساتھ وہاں بیٹھ کر لاہور کے اپنے کسی عزیز سے بات کریں گے اور مکان کے فروخت نامے کے متعلق معلومات حاصل کریں گے۔ اس طرح مجھے بھی کچھ معلوم ہو سکے گا۔"

عینی نے مسکراتے ہوئے کہا "بھائی جان آپ انہیں

اپنے ساتھ ضرور لے جائیں۔ اب مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔"

اس نے اپنا موبائل پاشا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "اسے رکھ لو۔ میں ایک گھنٹے بعد رابطہ کروں گی۔"

وہ بولا "اس کی کیا ضرورت ہے۔ میں کسی پی، سی، او سے رابطہ کر لوں گا۔"

"نہیں یہ موبائل اب مستقل تمہارے پاس رہے گا۔ میں جب چاہوں گی تم سے بات کر سکوں گی۔"

وہ موبائل فون لے کر بولا "شکریہ تمہاری ہمدردی اور حمایت سے مجھے رہائی حاصل ہوئی ہے۔ میری پوری کوشش ہوگی کہ جو الزام مجھ پر عائد ہو رہا ہے وہ غلط ثابت ہو۔"

وہ ذیشان کے ساتھ چلا گیا۔ اسما نے اپنے ساس سسر اور اپنی پھوپی ساس فلک ناز کو دیکھ کر عینی کے کان میں کہا "اب تو میں تمہارے کمرے میں چلوں گی یا پھر تم میرے کمرے میں چلو گی۔ میں تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گی۔ تم نے تو آج مجھے چونکا دیا ہے۔"

وہ مسکرا کر بولی "میں آپ کے کمرے میں چلوں گی پہلے ذرا عروج سے باتیں کر لوں۔"

وہ تینوں صوفوں پر بیٹھے ان دونوں کی کانا پھوسی دیکھ رہے تھے اور سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے کہ آج نند اور بھاوج میں اتنی رازداری سے کیا باتیں ہو رہی ہیں؟"

اسما نے کہا "ٹھیک ہے پہلے تم عروج کو فون کرو۔"

فلک ناز اور بیگم آفتاب کے کان کھڑے ہو گئے "پتا نہیں اب عینی عروج سے کیا باتیں کرنے والی ہے اور اسما بھی بڑی دلچسپی لے رہی ہے۔"

عینی فون کے پاس آ کر بیٹھی تو بیگم آفتاب نے اٹھتے ہوئے کہا "میں کمرے میں جا رہی ہوں۔ بس ذرا کمر سیدھی کروں گی۔"

فلک ناز نے بھی اٹھتے ہوئے کہا "میں بھی جا رہی ہوں ابھی آ جاؤں گی۔"

ان دونوں کے ذہنوں میں یہ تھا کہ اگر ڈرائنگ روم میں رہیں گی تو صرف عینی کی باتیں سن سکیں گی لیکن وہاں اپنے اپنے کمرے میں جا کر دوسری طرف سے عروج کی باتیں بھی سن سکیں گی۔

عینی نے انہیں سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر اسما سے پوچھا "بھابی جان! آپ کے پاس موبائل فون ہے؟"

وہ بولی "ایک ہی موبائل فون ہے وہ تمہارے بھائی جان لے جاتے ہیں۔"

فلک آفتاب نے کہا "تمہیں فون کی ضرورت ہے۔ میرا فون لے لو۔"

عینی اٹھ کر اس کے پاس گئی پھر فون لے کر شکریہ کہتی ہوئی اسما کے ساتھ اس کے کمرے میں جانے لگی۔ فلک ناز اور بیگم آفتاب مایوسی سے اسے جاتے دیکھ رہی تھیں۔ جب وہ چلی گئی تو فلک آفتاب نے دونوں کو دیکھا پھر پوچھا "کیوں بیٹھ گئیں۔ تم دونوں ابھی جا رہی تھیں؟"

فلک ناز نے کہا "میں تو یوں ہی جا رہی تھی۔ ویسے جانا ضروری نہیں ہے۔" فلک آفتاب نے بیگم کو دیکھا پھر پوچھا "کیا تم اپنی کمر سیدھی نہیں کرو گی؟"

وہ ناگواری سے منہ بنا کر بولی "یہ آپ کی بہو بیگم پتا نہیں عینی کے ساتھ کیا کھچڑی پکا رہی ہے۔ آپ نے دیکھا ہمارے سامنے کانوں میں سرگوشیاں ہو رہی تھیں۔"

فلک ناز نے کہا "عینی، اسما اور ذیشان کو الگ کمرے میں لے گئی تھی۔ تب سے اسما اس سے بے تکلف ہو گئی ہے۔"

فلک آفتاب نے کہا "وہ کمرے میں ذیشان کو سمجھانے منانے گئی تھی۔ اس سلسلے میں اس نے اسما کی حمایت حاصل کی ہو گی پھر ان دونوں نے ذیشان کو مجبور کر دیا ہوگا۔ اسی لیے اس نے پاشا کو رہا کر دیا ہے لیکن......؟"

اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔ بیگم آفتاب نے سوالیہ نظروں سے اپنے میاں کو دیکھا پھر پوچھا "لیکن کیا؟"

وہ سوچنے کے انداز میں بولا "یہ عینی اس ٹیکسی ڈرائیور سے کچھ زیادہ ہی مانوس ہو گئی ہے۔"

بیگم آفتاب نے کہا "یہ بات مجھے بھی کھٹک رہی ہے۔"

فلک ناز نے کہا "صرف مانوس نہیں ہوئی ہے بلکہ اس میں کچھ زیادہ ہی دلچسپی لے رہی ہے۔ اپنا موبائل فون بھی اسے دے دیا ہے تاکہ آئندہ سلام و پیام کا سلسلہ بھی جاری رہے۔"

فلک آفتاب نے اپنی بہن ناز سے کہا "اب اتنا بھی آگے نہ سوچو۔ عینی سمجھ دار ہے ایک ٹیکسی ڈرائیور کو اتنی زیادہ لفٹ نہیں دے گی۔"

بیگم آفتاب نے کہا "وہ اسے ٹیکسی ڈرائیور سمجھتی ہی نہیں ہے۔ آپ نے سنا نہیں تھا وہ دردانہ سے کہہ رہی تھی کہ پاشا جانی اس کے بیٹے جواد سے بہتر ہے۔ اس سے زیادہ تعلیم یافتہ ہے اور اچھے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔"

فلک ناز نے کہا "وہ پاشا جانی کو نہ کسی سے کم تر سمجھتی ہے اور نہ ہی یہ ماننے کو تیار ہے کہ اس نے جواد کے آٹھ لاکھ روپے چرائے ہیں۔ بھائی جان! آپ کا کیا خیال ہے کیا اس

نے چرائے ہوں گے؟''

''وہ چہرے سے تو ایسا لگتا نہیں ہے لیکن چہرے پر نہیں جانا چاہیے جو بھولے بھالے ہوتے ہیں، وہ ہی دل کے کالے ہوتے ہیں۔''

بیگم آفتاب نے کہا ''بلا سے وہ چور ہو، ڈاکو ہو یا ایمان دار اور شریف ہو۔ ہمیں اس سے کیا لینا ہے۔ فی الحال تو یہ نئی تشویش پیدا ہوگئی ہے کہ وہ اس ڈرائیور میں دلچسپی لے رہی ہے اور اس دلچسپی کی حد کیا ہے۔ اس کا کچھ اندازہ ہمیں ہو رہا ہے۔''

وہ تینوں تشویش میں مبتلا ہو رہے تھے۔ تینوں کو یوں لگ رہا تھا کہ عینی گیلے صابن کی طرح ہاتھ سے پھسل رہی ہے اور اب رکنے والی نہیں ہے۔''

☆☆☆

میں کب کس کا ساتھ دیتا ہوں اور کب کس کا ساتھ چھوڑ دیتا ہوں۔ یہ کوئی نہیں جانتا۔ دیکھا جائے تو میں خود بہت کچھ نہیں جانتا بس ہاتھ کی لکیروں پر چلتا ہوں۔ جہاں ہاتھ کی لکیریں انکار کرتی ہیں وہاں رک جاتا ہوں پھر اس کا ساتھ چھوڑ کر دوسرے کسی مخالف کا ساتھ دیتا ہوں۔

میں نے دردانہ بیگم کا ساتھ دیا تھا۔ اس نے بڑی آسانی سے اپنے بیٹے جواد کا ضمانت نامہ حاصل کرلیا تھا پھر میں نے اس کے مقابلے میں پاشا جانی کی تقدیر بگاڑ دی تھی۔ اس کے مکان کا فروخت نامہ گم کر دیا تھا اور وہ خود کو آٹھ لاکھ روپے کی چوری کے الزام سے بچا نہیں پا رہا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنادی تھیں۔

میں مقدر ہوں۔ پل پل میں بدلتا رہتا ہوں۔ ابھی تبدیلیاں لانے کے لیے بہت سی وجوہات باقی تھیں۔ مثلاً یہ کہ ذیشان، جواد اور دردانہ بیگم پر خار کھایا ہوا تھا۔ اس نے یہ طے کرلیا تھا کہ جواد کو ہر حال میں سزا دے کر رہے گا۔ کیونکہ اس نے اس کی بہن کو ریوالور کی زد پر اغوا کرنے کی کوشش کی تھی۔

ضمانت حاصل کرنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ اغوا کرنے کے الزام سے بری ہوگیا ہے۔ ذیشان پاشا جانی کو ہتھکڑی پہنانے کے بعد جواد سے نمٹنا چاہتا تھا۔ ایسے وقت عینی اور اسما نے اس کو مجبور کیا کہ وہ پاشا جانی کو رہا کر دے اس کی رہائی کے لیے عینی بڑی سے بڑی ضمانت دے رہی تھی پھر جب ذیشان کو عینی کے دلی جذبات کا پتا چلا کہ وہ پاشا جانی میں دلچسپی لے رہی ہے تو اسما نے اسے مجبور کیا وہ خود بھی چاہتا تھا کہ عینی جلد سے جلد اپنے جیون ساتھی کے لیے کسی کا انتخاب

کرے تاکہ اسے بیوی یا بہو بنانے کے لیے رشتے دار دروازے پر جو بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ وہ چھٹ جائے ختم ہو جائے۔

پاشا جانی پر جو چوری کا الزام تھا۔ اس کے متعلق ذیشان نے سوچا کہ لاہور انکوائری کرے گا اور حقیقت معلوم کرے گا کہ پاشا جانی کس حد تک سچ بول رہا ہے؟ میں نے پہلے پاشا جانی کو کچھ دیر کے لیے بدنصیب بنایا پھر ذیشان کے دل میں اس کے لیے نرم گوشہ پیدا کیا تو اس کی ہتھکڑیاں کھل گئیں وہ ہتھکڑیاں جواد کو پہنادی گئیں۔

دردانہ بیگم کامیابی حاصل کرتے کرتے اچانک ناکام ہونے لگی تو بوکھلا گئی اور کار ڈرائیو کرتی ہوئی داؤد سبحانی کی کوٹھی میں آ گئی۔ وہ رات کا کھانا کھانے سے پہلے اپنے بیڈ روم میں اک نوجوان عورت کے ساتھ پینے میں مصروف تھا۔ دردانہ نے ڈرائنگ روم میں اپنے موبائل فون کے ذریعے کہا ''داؤد بھائی! میں آئی ہوں بڑی گڑبڑ ہوگئی ہے۔''

''اوہ دردانہ! تم نے تو مجھے پریشان کر دیا ہے۔ میں نے تمہارے بیٹے کی ضمانت کا انتظام کر دیا ہے۔ اب کیا پریشانی ہے؟''

ذیشان نے اس ضمانت نامے کو جلا دیا ہے اور میرے بیٹے کو گرفتار کر دیا ہے اسے اپنے ساتھ لے گیا ہے۔''

''یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ میں نے سٹی کورٹ کے جج سے ضمانت نامہ لیا تھا وہ اس سے کیسے انکار کرسکتا ہے؟''

''میں کیا جانوں کیسے انکار کرسکتا ہے۔ آپ ابھی میرے سامنے آئیں یا مجھے اپنے پاس بلائیں۔''

''اوہ دردانہ! تم جانتی ہو کہ میں اس وقت کس موڈ میں رہتا ہوں۔ تم رنگ میں بھنگ ڈالنے آئی ہو۔''

''یہاں میری جان پہ بنی ہے میرا بیٹا حوالات میں رہے گا اور آپ اپنے رنگین لمحات کا حساب کر رہے ہیں۔''

''اچھا اچھا زیادہ نہ بولو۔ میں ابھی آ رہا ہوں۔''

وہ موبائل بند کر کے ادھر سے ادھر ٹہلنے لگی۔ جی چاہ رہا تھا ابھی دوڑ کر جائے اور ذیشان کا منہ نوچ کر اپنے بیٹے کو حوالات سے لے آئے۔

داؤد سبحانی نشے میں لڑکھڑاتا ہوا وہاں آیا پھر بولا ''دیکھو دردانہ! تم دور کے رشتے سے میری بہن لگتی ہو مگر کوئی سگی نہیں ہو۔ میں تمہارے کام اس لیے آتا ہوں کہ تمہارے بیٹے سے کبھی کبھی اپنا کام نکال لیا کرتا ہوں پھر تم بھی کبھی میرے سامنے بڑے حسین تحفے پیش کرتی ہو لیکن پچھلے دو ماہ سے تم نے کوئی حسین چہرہ نہیں دکھایا ہے۔''

''آپ نے میرا تو کوئی کام نہیں کیا ہے۔ صرف اپنے

طلب کی بات کر رہے ہیں۔ میں نے کہا تھا عینی کو اغوا کرا کے کسی خفیہ اڈے میں پہنچا دیں لیکن آپ کے وہ آدمی اسے غوا کرنے میں ناکام رہے پھر میں نے کہا کہ میرے بیٹے کی نانت لے کر اسے رہا کرائیں۔ آپ اس میں بھی ناکام ہے ہیں۔''

''فضول باتیں نہ کرو۔ میں نے ضمانت نامہ حاصل کرلیا تھا۔ اگر ذیشان نے ضمانت نامہ جلا دیا ہے تو وہ بہت پچھتائے گا۔ کسی جج کے جاری کردہ ضمانت نامے کو تسلیم نہ کرنا سراسر جرم ہے اور اس نے بہت بڑا جرم کیا ہے۔''

''جب آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اس نے بہت بڑا جرم کیا ہے فوراً ایکشن لیں۔ آپ ایکشن لیں گے تو میرا بیٹا حوالات سے باہر آئے گا۔''

وہ صوفے پر بیٹھ کر ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کرنے لگا۔ دردانہ نے پوچھا ''کسے فون کر رہے ہیں؟''

''جس جج سے وہ ضمانت نامہ حاصل کیا تھا اسے بتا دوں کہ اس کے جاری کردہ حکم نامے کا کیا حشر ہوا ہے۔''

رابطہ ہونے پر اس نے کہا ''ہیلو میں داؤد سبحانی بول رہا ہوں اور رانا ظہیر الدین سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

تھوڑی دیر بعد رانا ظہیر الدین کی آواز سنائی دی ''ہیلو داؤد بھائی! میں انتظار ہی کر رہا تھا کہ آپ ضرور فون کریں گے۔''

''آپ کیوں میرے فون کا انتظار کر رہے تھے؟''

''ابھی تھوڑی دیر پہلے ایس پی ذیشان نے مجھے فون پر بتایا ہے کہ اس نے میرے ضمانت نامے کو جلا ڈالا ہے اور ایسا میری بھلائی کے لیے کیا ہے۔''

داؤد سبحانی نے پوچھا ''یہ کیا بکواس ہے اس نے آپ کے جاری کردہ ضمانت نامے کو جلا ڈالا ہے اور آپ فرما رہے ہیں کہ اس نے آپ کی بھلائی کے لیے ایسا کیا ہے۔''

''ہاں وہ یہ جانتا ہے کہ میں پچھلے دو دنوں سے چھٹی پر ہوں جب میں عدالت میں حاضر نہیں ہو رہا ہوں تو پھر ایک ضمانت نامے پر کیسے دستخط کرسکتا ہوں۔ میں نے تمہارے اصرار پر اس کاغذ پر دستخط کیے تھے جبکہ میرا یہ عمل غیر قانونی تھا اور میں نے تمہیں بتایا بھی تھا لیکن تم ضد کرتے رہے۔ دوسرے لفظوں میں میری ایک کمزوری کے باعث مجھے بلیک میل کرتے رہے۔ میں نے مجبور ہو کر سائن کر دیا تھا۔ ذیشان کو میری چھٹیوں پر رہنے کا علم ہوگیا ہے۔ وہ اس ضمانت نامے کو چیلنج کرتا تو سوچو ایسی صورت میں میری پوزیشن کیا ہوتی؟''

داؤد سبحانی یہ وضاحت سن کر ٹھنڈا پڑ گیا۔ بات بالکل درست تھی۔ ان حالات میں ذیشان کا پلڑا بھاری تھا۔ اس نے ریسیور رکھ دیا۔ دردانہ نے پوچھا ''کیا ہوا؟'' وہ دردانہ کو بتانے لگا کہ کیا ہو چکا ہے۔ وہ سن کر سکتے میں رہ گئی۔ آنکھیں پھاڑے منہ کھولے داؤد سبحانی کو تکتی رہ گئی پھر بولی ''اب میرے بیٹے کا کیا بنے گا؟''

''میں نے سوچا تھا کہ ذیشان نے اس ضمانت نامے کو جلا کر بہت بڑا جرم کیا ہے۔ میں اس کے اعلیٰ افسران کے ذریعے اس پر دباؤ ڈالوں گا اور ابھی تمہارے بیٹے کو حوالات سے نکال لاؤں گا لیکن اب یہ ممکن نہیں ہے۔''

''تعجب ہے آپ انڈر ورلڈ کے بے تاج بادشاہ کہلاتے ہیں اور ایک چھوٹی سی بات کو ناممکن کہہ رہے ہیں؟''

''میری بات سمجھو۔ میں صرف آج کی رات کے لیے ناممکن کہہ رہا ہوں کل صبح عدالت کے وقت میرا وکیل ضمانت نامہ حاصل کرے گا۔ تمہارے بیٹے کو کل رہائی ملے گی۔ آج یہ ممکن نہیں ہے۔''

''کیا آپ کو انسلٹ محسوس نہیں ہو رہی ہے کہ ایک ایس پی نے آپ کو چاروں شانے چت کر دیا ہے؟''

''ہاں میں پہلے کبھی اتنی بری طرح ناکام نہیں ہوا جو چاہتا ہوں وہ کر گزرتا ہوں۔ میں اس ایس پی سے نمٹ لوں گا یا تو اس کی وردی اتروا دوں گا یا پھر اسے خاک میں ملا دوں گا۔''

''تو پھر مجھے مایوس ہو کر جانا چاہیے؟''

''تمہیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ میدانِ جنگ میں کبھی کبھی تھوڑی دیر کے لیے پیچھے ہٹنا پڑتا ہے پھر آگے بڑھنے کا موقع ملتا ہے۔ کل تمہارا بیٹا تمہارے پاس آ جائے گا لیکن اس سے پہلے میرے لیے بھی تو کچھ کرو۔ اتنا بڑا بیوٹی پارلر قائم کر رکھا ہے۔ کتنی ہی خوب صورت جوان عورتیں اور لڑکیاں وہاں آتی رہتی ہیں۔''

''لیکن سب ہی ایسی نہیں ہوتیں۔ کسی کسی کو شیشے میں اتارنا مشکل ہو جاتا ہے۔ میں وعدہ کرتی ہوں میرے بیٹے کو حوالات سے نکلوا دیں گے اور اس کا کیس ختم کروا دیں گے تو ایسا حسین تحفہ پیش کروں گی کہ ساری زندگی یاد رکھیں گے۔''

''اس کا مطلب ہے، کوئی تمہاری نظر میں ہے۔''

''ہاں ایک نہایت ہی خوب صورت لڑکی ہے۔ آپ دیکھیں گے تو رال ٹپکنے لگے گی۔''

''وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ وہ بھی اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا ''تم مجھے تڑپا کر جا رہی ہوں۔''

''میں یہی چاہتی ہوں۔ آپ تڑپتے رہیں تاکہ میرا کام جلد از جلد ہو جائے۔ آپ جانتے ہیں، جب میں زبان دیتی

ہوں تو اسے پورا کرتی ہوں۔ اس حسینہ سے آپ کی دوستی ہوگی لیکن میرا کام ہونے کے بعد......"

وہ وہاں سے چلتی ہوئی باہر آئی پھر اپنی کار ڈرائیو کرتی ہوئی جانے لگی۔ وہ دولت، طاقت اور اختیارات حاصل کرنے کے جنون میں مبتلا رہتی تھی۔ خود کوئی گئی گزری نہیں تھی۔ اچھی خاصی دولت مند تھی۔ اس کے باوجود بے حساب دولت حاصل کرنے کے لیے اس نے عینی کو تاڑ لیا تھا۔ طاقت اور اختیارات حاصل کرنے کے لیے داؤ دسجانی سے دوستی کر رکھی تھی۔ کسی کو دوست بنانے سے مقدر دوست نہیں بن جاتا۔ میں جس کا دوست بن جاتا ہوں۔ اس کے سب ہو جاتے ہیں۔ ورنہ سارا زمانہ اس کا دشمن ہو جاتا ہے۔

وہ دوسروں پر حکومت کرنا چاہتی تھی۔

کیا خیال ہے؟ اگر میں اسے بے حد طاقت و اختیار دے دوں؟

اس ملکِ خداداد میں مردوں نے بھی حکومت کی، عورت نے بھی حکومت کی سب نے فرعونیت دکھائی اور سب ہی در بدر کے ہو گئے۔

ایک دردانہ بیگم کو بھی موقع دیا جائے۔ کیا خیال ہے؟

لوگوں کو مشکلات میں ڈالنے اور پھر انہیں مشکلات سے نکالنے کے چند مخصوص فارمولے میرے پاس ہیں۔ میں انہیں آزماتا رہتا ہوں۔ اس وقت میں نے ایک ایسا ہی فارمولا استعمال کیا۔

دردانہ بیگم کی گاڑی میں کچھ خرابی پیدا ہونے لگی۔ وہ چلتے چلتے جھٹکے کھانے لگی۔ اس نے گاڑی کو سڑک کے کنارے روکا۔ ڈیش بورڈ کے خانے سے چھوٹی سی ٹارچ نکالی پھر دروازہ کھول کر باہر آئی۔ اس کے بعد بونٹ اٹھا کر کار کی خرابی معلوم کرنے لگی۔

مجھے تو ایک بہانہ چاہیے تھا کہ وہ کسی طرح تھوڑی دیر کے لیے کار روک کر باہر نکلے۔ ایک منٹ کے اندر ہی کار کی خرابی دور ہو گئی۔ اس نے بونٹ کو نیچے گرایا پھر اسٹیئرنگ سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی۔ ایسے ہی وقت تڑاتڑ فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ دو الگ مقامات سے فائرنگ ہوئی تھی اس نے فوراً ہی کار اسٹارٹ کی پھر اسے آگے بڑھا کر رفتار تیز کرنے لگی۔ ایک بار پھر فائرنگ کی آواز سنائی دی لیکن اب وہ آواز دور ہو گئی تھی۔

وہ تیز رفتاری سے ڈرائیو کرتی ہوئی دور نکل آئی تھی۔

اب کوئی خطرہ نہیں تھا۔ سڑک بھی ویران نہیں تھی۔ گاڑیاں آتی جاتی دکھائی دے رہی تھیں۔ کار کے اندر گہری خاموشی تھی ایسی ہی خاموشی میں کسی کے کراہنے کی آواز سنائی دی۔ وہ ایک دم سے چونک گئی۔ گاڑی کو سڑک کے کنار روک کر اس نے سر گھمایا تو اسے اپنے سامنے ریوالور کی دکھائی دی۔

کار کے اندر تاریکی تھی لیکن قریب سے گزرنے ایک آدھ گاڑیوں کی روشنی میں وہ ریوالور جھلک رہا ریوالور والا پچھلی سیٹ کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ کرا ہوئے کہہ رہا تھا "گاڑی مت روکو چلاتی رہو۔ میرے حکم تعمیل کرتی رہو گی تو سلامت رہو گی۔"

پھر وہ زخمی شیر کی طرح دھاڑتے ہوئے بولا "گا چلاؤ......"

اس نے گاڑی فوراً ہی اسٹارٹ کی پھر اسے آ بڑھانے لگی۔ اس کے حکم کے مطابق رفتار بھی بڑھانے لگی

☆☆☆

اسما، عینی کے ساتھ اس کے بیڈروم میں آ گئی۔ اس شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی "تم آرام سے بیڈ پر لیٹ جاؤ۔"

"نہیں بھابی جان! میں ابھی بیٹھوں گی آپ سے با کروں گی مگر آپ سے پہلے ذرا عروج سے باتیں کر لوں"

وہ اپنے بڑے ابو فلک آفتاب کا موبائل فون لائی اس فون کے ذریعے اس نے عروج سے رابطہ کیا۔ عروج اس کی آواز سن کر پوچھا "ہیلو! عینی کیسی ہے؟"

"میں ٹھیک ہوں۔ تو گھر میں ہے یا ہاسپٹل میں؟"

"میں ہاسپٹل میں ہوں۔"

"کیا نائٹ ڈیوٹی ہے؟"

"نہیں میں اپنا گھر چھوڑ آئی ہوں۔"

وہ چونک کر بولی "کیا کہہ رہی ہے؟"

"جو سن رہی ہے۔ وہی بول رہی ہوں۔"

"تو نے گھر چھوڑتے وقت مجھے فون کیوں نہیں کیا؟ کیوں نہیں بتایا کہ وہاں تنہا رہنے گئی ہے؟"

"میں تجھے صبح فون کر کے بتانے والی تھی۔ یہ نہیں چا تھی کہ ابھی رات کو معلوم ہو اور تو میری تنہائی کا خیال کر دوڑی چلی آئے۔"

"تو کیا سمجھتی ہے میں نہیں آؤں گی۔ ابھی آ ہوں۔"

"دیکھ عینی! تجھے میری قسم ہے۔ ابھی نہ آنا۔"

"کیوں نہ آؤں؟ کیوں مجھے قسم دے رہی ہے؟"

"عینی سمجھنے کی کوشش کر تو پچھلی رات سے اپنے گھر گئی تھی۔ گھر سے باہر بھٹکتی رہی تھی پھر میرے پاس آ کر تو صبح کر دی اب گھر گئی ہے تو کم از کم ایک رات وہاں

اپنے بزرگوں کا کچھ خیال کر۔ بڑے ابو تیرے ...رگ ہیں۔ ان کی بھی بہت ساری ذمّے داریاں ہیں۔ ان ...ذمّے داریوں کا احساس کر۔"

"میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔ یہ بتا گھر کیوں چھوڑا ہے؟"

"میر ممی ڈیڈی تیرے خلاف بول رہے تھے اور تیرے ...لاف اپنے بیٹے کی حمایت کر رہے تھے۔ صرف یہی نہیں، وہ ...ری سوتیلی ماں دردانہ بیگم سے اس لیے دوستی کر رہے ہیں کہ ...ن محترمہ نے حشمت کو قانون کی گرفت سے بچانے کا وعدہ کیا ہے۔ میں ایسے ماحول میں اور ایسے والدین کے سائے میں ...یں رہنا چاہتی تھی۔ اس لیے چلی آئی۔"

"تو نے میرے لیے گھر چھوڑ دیا اور یہ سمجھ رہی ہے کہ ...یں تیرے لیے اپنا گھر نہیں چھوڑوں گی۔ میں ابھی آ رہی ہوں۔"

یہ کہتے ہی اس نے فون بند کر دیا۔ دوسری طرف سے ...روج کا کوئی جواب نہیں سنا۔ کرسی سے اٹھ کر الماری کی ...طرف گئی اور اپنی چھوٹی سی اٹیچی نکال کر ضروری سامان اور کپڑے رکھنے لگی۔ اسما نے پوچھا "عینی یہ کیا کر رہی ہو۔ ...روج تمہیں سمجھا رہی ہے۔ ابھی تمہیں نہیں جانا چاہیے ایک تو تم کل سے گم ہو گئی تھیں۔ سب تمہارے لیے پریشان تھے پھر یہ کہ حالات سازگار نہیں ہیں۔ باہر دشمن تمہاری تاک میں لگے ہوئے ہیں۔ پتا نہیں کون کس وقت کیا کر بیٹھے۔"

وہ اٹیچی میں سامان رکھتے ہوئے بولی "میں دشمنوں کے ڈر سے عروج کو تنہا نہیں چھوڑوں گی۔ پلیز بھابی جان! آپ باہر جا کر سیکورٹی افسر سے کہیں کہ دو مسلح گارڈز بھیجے جائیں وہ مجھے ہاسپٹل پہنچا کر آئیں گے۔"

اسما نے باہر آ کر زینے سے اترتے ہوئے، فلک آفتاب ...سے کہا "انکل! عینی باہر جا رہی ہے۔"

فلک آفتاب اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ حیرانی سے بولا "کیوں جا رہی ہے؟ کہاں جا رہی ہے؟"

"عروج کے پاس اس کے ہاسپٹل والے کوارٹر میں جا رہی ہے۔"

"اتنی رات کو جانا کیا ضروری ہے؟"

"عروج نے اس کی خاطر اپنے گھر کو اور اپنے ماں باپ کو چھوڑ دیا ہے۔"

فلک ناز نے کہا "کیا مصیبت ہے اب اسے روکو تو بھی نہیں رکے گی ایک نمبر کی ضدی ہے۔ ضرور جائے گی۔"

عینی اٹیچی اٹھا کر زینے کی بلندی سے بولی "ہاں اسے آپ میری ضد سمجھ لیں لیکن میں اپنی عروج کو تنہا نہیں چھوڑوں گی۔"

وہ زینے سے اترنے لگی۔ فلک آفتاب نے کہا "بیٹی! میں تم دونوں سہیلیوں کی محبت کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ تم نے ضد کی ہے تو ضرور جاؤ گی لیکن کیا یہ دانش مندی ہے؟ کل سے اب تک کیسے کیسے دشمن پیدا ہو رہے ہیں، تمہارے خلاف کیا کیا نہیں ہو رہا ہے؟ ایسے میں تمہیں گھر کی چار دیواری کے اندر رہنا چاہیے۔"

وہ ڈرائنگ روم میں آ کر بولی "بڑے ابو! کیا آپ اس بات کی ضمانت دیتے ہیں کہ گھر کی چار دیواری کے اندر مجھے موت نہیں آئے گی۔ اگر ابھی آنا ہے تو ابھی آئے گی اور اگر نہیں آنا ہے تو باہر جانے کے بعد بھی نہیں آئے گی۔"

ایسے ہی وقت ایک ملازم نے آ کر کہا "وکیل صاحب ملنا چاہتے ہیں۔"

فلک آفتاب نے کہا "خدا کا شکر ہے۔ وہ صحیح وقت پر آئے ہیں انہیں فوراً بلاؤ۔"

ملازم باہر گیا۔ چند سیکنڈ کے بعد وکیل اخلاق احمد اندر آیا۔ فلک آفتاب نے کہا "اخلاق صاحب! آپ کہاں رہ گئے تھے؟ ہم کب سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

اخلاق احمد نے پہلے عینی کی طرف دیکھا پھر کہا "مجھ پر عینی کی بڑی ذمّے داریاں ہیں۔ ان ذمے داریوں کو پورا کرنے کے لیے اس کی سیکورٹی کے انتظامات کر رہا تھا۔ گھر میں جو سیکورٹی ہے میں اس سے مطمئن نہیں ہوں۔"

عینی نے اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیتے ہوئے اسے دیکھا پھر پوچھا "تم کہیں جا رہی ہو؟"

"جی ہاں۔ عروج ہاسپٹل والے کوارٹر میں ہے۔ میں اس کے پاس جا رہی ہوں۔"

"سوری بے بی! تم وہاں تو کیا کہیں بھی نہیں جاؤ گی۔ گھر سے باہر قدم نہیں نکالو گی۔"

وہ آگے بڑھ کر بولی "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں اپنی سہیلی کے پاس جا رہی ہوں۔ آپ مجھے کیوں روکیں گے؟"

"اس لیے کہ کل سے اب تک تمہیں خطرات پیش آ رہے ہیں۔ ایک تو تم بہت بے پروا ہو۔ اپنے ساتھ سیکورٹی گارڈز نہیں لے جاتی ہو۔ دوسری بات یہ کہ اپنی من مانی کرتی رہتی ہو۔ اپنے بڑے ابو کی ہدایات پر بھی عمل نہیں کرتیں۔"

"میں آپ سب کی ہدایات پر عمل کروں گی مگر ابھی عروج کے پاس جاؤں گی۔"

اخلاق احمد نے قریب آ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "ہماری ذمّے داریوں کو سمجھو۔ اگر کل شام تمہارے

ساتھ سیکورٹی گارڈز ہوتے تو کوئی تمہیں اغوا کرنے کی کوشش نہ کرتا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں ابھی اپنے ساتھ مسلح گارڈز لے جاؤں گی۔"

"نہیں عینی......! ابھی صرف ایک مجرم گرفت میں آیا ہے۔ دوسرا کہیں آزاد پھر رہا ہے۔ جب تک وہ گرفت میں نہیں آئے گا اور جب تک ہمیں یہ نہیں معلوم ہوگا کہ تمہارے اور کتنے دشمن چھپے ہوئے ہیں جو تمہاری تاک میں ہیں، اس وقت تک تم گھر سے باہر نہیں جاؤ گی۔ سیکورٹی گارڈز کے ساتھ بھی نہیں نکلو گی۔"

"انکل......! آپ مجھ پر بے جا سختی کر رہے ہیں۔ میں اسے نہیں مانوں گی۔"

"کیا آج سے پہلے کبھی میں نے سختی کی ہے؟"

"نہیں کی ہے اس لیے چاہتی ہوں آج بھی محبت سے پیش آئیں اور عروج کے لیے میری محبت کو سمجھیں۔"

"تم دونوں سہیلیوں کے درمیان کتنا پیار ہے، یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں لیکن تمہارے لیے جو حفاظتی تدابیر کر چکا ہوں۔ پہلے ان پر عمل کروں گا۔ جب تک تمہارے دشمنوں کو قانون کی گرفت میں نہیں لاؤں گا، اس وقت تک تمہیں باہر جانے کی اجازت نہیں دوں گا۔"

وہ پریشان ہو کر وکیل اخلاق احمد کو دیکھنے لگی۔ وھندلا دھندلا سا چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ بہت ہی معروف شخصیت کا مالک تھا اور بہت ہی اصول پسند تھا۔ عینی اپنے والد مرحوم کی وصیت کے مطابق اس کے احکامات کی پابند تھی۔ وصیت نامے کی ایک شق کے مطابق وہ وکیل اخلاق احمد کے احکامات کی اس وقت تک پابند رہتی جب تک کہ شادی نہ کر لیتی۔ شادی کے بعد اسے آزادی ملنے والی تھی۔ اس سے پہلے وکیل اخلاق احمد اس کے مرحوم والد کے تمام کاروبار اور دولت و جائداد کا نگرانِ اعلیٰ تھا۔ مرحوم کو اپنے دوست وکیل پر اتنا اعتماد تھا کہ اس نے اپنی بیٹی کو اس کی سرپرستی میں چھوڑ دیا تھا۔

وہ بولا "میں یہاں کی سیکورٹی سے مطمئن نہیں ہوں۔ اس لیے اپنے ساتھ چار مزید سیکورٹی گارڈز لے کر آیا ہوں۔ ان میں سے دو دن کے وقت یہاں رہیں گے اور دو رات کے وقت اور یہ چاروں تمہاری نگرانی کرتے رہیں گے۔ تمہیں باہر نہیں جانے دیں گے۔"

عینی نے غصے سے اٹیچی پھینک دی پھر بولی "آپ مجھے یہاں قیدی بنا کر رکھ رہے ہیں۔ میں اپنے مزاج کے خلاف یہاں نہیں رہوں گی۔"

"بے بی! تمہیں مجھ پر غصہ آئے گا۔ تم جھنجلاؤ گی، [illegible] دکھاؤ گی لیکن یہاں سے باہر نہیں جا سکو گی۔ میں اپنی ذ[mmه] داریاں نباہنا جانتا ہوں۔"

وہ ایک دم سے پلٹ گئی۔ تیزی سے چلتی ہوئی۔ زینے چڑھتی ہوئی اوپر اپنے کمرے کی طرف جانے لگی۔ وکیل اخلاق احمد نے کہا "مجھے افسوس ہے اس وقت تم میرے خلاف سوچ رہی ہو لیکن بعد میں یہ تسلیم کرو گی کہ میں جو کچھ کر[رہا] ہوں، تمہاری بہتری کے لیے کر رہا ہوں۔"

وہ اوپر کی طرف جاتے ہوئے بولی "میں اپنی بہتری نہیں چاہتی۔ میں مرجانا چاہتی ہوں۔ آپ یہ اچھی طرح سمجھ لیں کہ یہاں قیدی بن کر نہیں رہوں گی۔ عروج کے پاس جاؤں گی اور ابھی جاؤں گی۔"

وہ ایسا کہتی ہوئی اوپر جا کر نظروں سے اوجھل ہو گئی نیچے ڈرائنگ روم میں وہ سب ایک دوسرے کو دیکھنے لگے بیگم آفتاب نے کہا "وکیل صاحب! یہ اچھا ہوا کہ آپ آ گئے۔ ورنہ یہ ہمارے روکنے سے رکنے والی نہیں تھی۔"

اخلاق احمد نے کہا "عینی سمجھ دار ہے۔ وہ اپنا اچھا خوب سمجھتی ہے لیکن عروج کی محبت میں نادانی کر رہی ہے بہرحال اس کی سمجھ میں آ جائے گا۔ یہ ابھی غصہ دکھا رہی ہے رفتہ رفتہ ٹھنڈی پڑ جائے گی۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی ٹھائیں سے گولی چلنے کی آو[از] سنائی دی۔ سب نے گھبرا کر اوپر کی طرف دیکھا۔ عینی ہاتھ میں پستول لیے زینے کی بلندی پر کھڑی تھی۔ وکیل اخلاق احمد [کو] مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہی تھی "انکل! یہ میرے ہاتھ میں کھلونا نہیں ہے۔ میں نے ایک گولی ضائع کی ہے لیکن دوسر[ی] گولی میرے سر میں سوراخ کرتی ہوئی گزر جائے گی۔"

اس نے یہ کہتے ہوئے پستول کو اپنی کنپٹی سے لگا لیا سب ہی پریشان ہو کر زینے کی طرف بڑھنے لگے "نہیں بیٹی نہیں گولی چل جائے گی۔ پستول پھینک دو۔"

"میرے قریب کوئی نہ آئے۔ میں عروج کی قسم کھا[تی] ہوں، کسی نے بھی مجھ سے پستول چھیننے کی کوشش کی تو میں اپ[نے] آپ کو گولی مار لوں گی۔"

وہ سب پریشان ہو کر اسے دیکھ رہے تھے۔ اس کی انگ[لی] ٹریگر پر رکھی ہوئی تھی اور کسی بھی وقت وہ ٹریگر دب سکتا تھا گولی چل سکتی تھی اور وہ بلندی سے گر سکتی تھی۔

اخلاق احمد نے کہا "عینی! ہوش میں آؤ۔ ہم ابھی سہولت سے باتیں کریں گے۔ ٹریگر پر سے انگلی ہٹاؤ۔"

یہ انگلی نہیں ہٹے گی۔ آپ سب ایک طرف ہو جائیں۔

نیچے آ رہی ہوں۔ باہر جا کر اپنی کار میں بیٹھ کر یہاں سے [جاؤ]ں گی۔ کوئی میرا راستہ روکنے کی کوشش کرے گا تو اسے [میر]ی لاش ملے گی۔"

وہ زینے کے ایک ایک پائیدان پر قدم رکھتے ہوئے اترنے لگی۔ ڈرائنگ روم کی طرف آنے لگی۔ ابھی وہ بلندی پر تھی اور مجھے یہ منظور نہیں تھا کہ وہ وکیل اخلاق احمد [کو مجب]ور کر کے وہاں سے چلی جائے۔

میں اس کی ہاتھ کی لکیر پر کھڑا ہوا تھا اور ایسا ہونے والا تھا۔ اس لیے ویسا ہوا جیسا میں چاہتا تھا۔ زینے کے ایک پائیدان پر قدم رکھتے وقت اچانک ہی وہ لڑکھڑائی تو چیخ [ما]ر کر پڑی۔ لڑھکتی ہوئی نیچے آنے لگی۔ پستول چھوٹ کر [کہی]ں چلا گیا تھا اور وہ کہیں اوپر چلی آئی تھی پھر نیچے آتے ہی بے [ہوش ہ]و گئی۔ انسان کیا سوچتا ہے اور کیا ہو جاتا ہے اور خواہ مخواہ [انسا]ن سوچتا ہے کہ وہ ایسا کرے گا ویسا کرے گا۔ وہ ایسا کرتا [ہے تو] ویسا ہو جاتا ہے اور ویسا کرتا ہے تو ایسا ہو جاتا ہے۔

اخلاق احمد فون کے ذریعے ڈاکٹر کو کال کرنے لگا۔ عینی [کے] پاس موبائل فون تھا وہ بھی نیچے آ گرا تھا۔ اب اس میں [بزر] کی آواز ابھر رہی تھی۔ اسما نے لپک کر فون اٹھا لیا۔ [بیگم] آفتاب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "انکل! عروج کا فون [ہے۔]"

فلک آفتاب نے فوراً ہی وہ فون لیا پھر اسے کان سے لگا [کر کہ]ا "ہیلو عروج......! میں بول رہا ہوں۔"

وہ بولی "بڑے ابو! ابھی عینی نے فون پر کہا تھا کہ میرے [پاس] آ رہی ہے۔ پلیز اسے روکیں اس وقت رات کو اس کا باہر [جانا م]ناسب نہیں ہے۔"

"ہاں بیٹی! تم درست کہہ رہی ہو۔ ابھی میں نے بھی [اسے] سمجھایا ہے اور وکیل اخلاق احمد بھی آ گئے ہیں۔ لہٰذا وہ [بھی] سمجھا رہے ہیں۔ تم فکر نہ کرو ہم اسے گھر سے نکلنے نہیں [دیں] گے۔ میں ابھی فون بند کر رہا ہوں۔ عینی تم سے ایک آدھ [گھنٹے] بعد رابطہ کرے گی۔"

یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ بیگم آفتاب نے کہا "اچھا [کیا] جو آپ نے اسے عینی کی حالت نہیں بتائی اسے معلوم ہوگا [کہ و]ہ سیڑھیوں سے گر کر زخمی ہو گئی ہے اور بے ہوش ہو گئی ہے [تو فو]راً ہی دوڑی چلی آئے گی۔ توبہ ہے ان سہیلیوں کی محبت [تو دل]ِ جان بن گئی ہے۔"

ادھر عروج فون پر وکیل اخلاق احمد کا ذکر سن کر مطمئن [ہو گئی]۔ وہ جانتی تھی کہ عینی اخلاق احمد کی بہت عزت کرتی ہے۔ [انہیں] باپ کی جگہ سمجھتی ہے۔ لہٰذا یہ یقین ہو گیا تھا کہ اتنی رات کو عینی دیوانہ وار اس کے پاس نہیں آئے گی۔ اسے سمجھا منا کر وہاں روک لیا جائے گا۔

وہ دل سے چاہتی تھی کہ عینی اپنی کوٹھی میں رہے۔ وہاں وہ محفوظ بھی رہے گی اور آرام سے بھی رہے گی۔ ادھر وہ پاشا جانی کے معاملے میں الجھی ہوئی تھی۔ معاملہ یہ تھا کہ وہ دیوانہ وار اس سے محبت کر رہا تھا۔ وہ اس سے کترا رہی تھی اور دیوانے کا تقاضا تھا کہ اسے محبت کے جواب میں محبت ملے۔ اگر وہ اس سے کتراتی رہے گی۔ تب بھی وہ اپنے حصے کی محبت اسے دیتا رہے گا۔

پھر عروج پر یہ انکشاف ہوا تھا کہ اس کے ڈیڈی نے پاشا جانی کے والدین سے دشمنی کی تھی۔ اس کے باوجود اس نے انہیں اپنا خون دیا تھا۔ یہ بہت بڑا احسان تھا۔ اس کے سامنے شرم سے اس کا سر نہیں اٹھ رہا تھا اور جب بڑی دیر بعد اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ وہاں سے جا چکا تھا۔

اس کے اس طرح چلے جانے سے وہ اور زیادہ متاثر ہو گئی تھی۔ دل اس کی طرف کھنچا جا رہا تھا اور بار بار اسے پکار رہا تھا "واپس آ جاؤ۔ میں تمہیں دیکھوں گی۔ تم سے نظریں ملاؤں گی۔ تم مجھ سے کہتے رہے اور میں تم سے کتراتی رہی۔ یہ میں نے اچھا نہیں کیا۔ واپس آ جاؤ پاشا جانی......!"

ابھی وہ نہیں جانتی تھی کہ پاشا جانی کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔ بعد میں رہا کر دیا گیا ہے لیکن اب بھی اس کے خلاف انکوائری ہو رہی ہے۔

وہ سوچ رہی تھی، پاشا کے پاس فون ہوتا یا اس کا کوئی کونٹیکٹ نمبر ہوتا تو ابھی اس سے بات کرتی اور شرمندگی ظاہر کرتی کہ اس کی طویل خاموشی کے باعث اسے وہاں سے جانا پڑا۔ اسے واپس آنا چاہیے۔ اس کے ساتھ رات کا کھانا کھانا چاہیے یا کم از کم ایک کپ چائے پینا چاہیے۔ اسے کسی بھی بہانے سے روبرو آنا چاہیے۔

وہ ذیشان کے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا اور فون کے ذریعے لاہور کے اپنے ایک سابقہ پڑوسی سے باتیں کر رہا تھا۔ اسے مخاطب کر کے کہہ رہا تھا "دینا چاچا! میں پاشا جانی بول رہا ہوں۔"

دینا چاچا نے کہا "تم تو کراچی چلے گئے تھے پھر یہاں کیسے بول رہے ہو؟"

"میں لاہور میں نہیں ہوں۔ کراچی سے بول رہا ہوں۔"

"اچھا ہوا پترا جو تم نے فون کیا۔ تم سے ضروری بات کرنی تھی مگر سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ تمہارا اتا پتا کیسے معلوم کیا

جائے؟''

''میں نے آپ سے کہا تھا کہ یہاں ایک چھوٹا سا مکان خریدوں گا پھر آپ کے پاس آ کر اپنا بقیہ سامان لے جاؤں گا۔''

''بیٹے تمہارے بقیہ سامان کی ہی بات کر رہا ہوں۔ یہاں تو ڈکیتی پڑ گئی ہے۔''

پاشا جانی نے چونک کر ذیشان کی طرف دیکھا ''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ کیا آپ کے گھر میں ڈاکو آئے تھے؟''

''ہاں میرا تو جو کچھ بھی تھا وہ لے گئے لیکن تمہارے صندوق کا تالا توڑ کر بھی بہت کچھ لے گئے ہیں۔''

''چاچا! اس صندوق میں ایک بہت پرانا بریف کیس تھا۔ وہ ہے یا نہیں ہے؟''

''نہیں بیٹا...... وہ نہیں ہے۔''

ذیشان نے پاشا سے کہا ''تھانے والوں نے اس ڈکیتی کے متعلق معلومات کی ہوں گی۔ تم ان سے اس تھانے کا نمبر لے لو۔''

پاشا نے فون نمبر پوچھا۔ اسے ایک کاغذ پر لکھ کر ذیشان کی طرف بڑھایا اور ریسیور کو کریڈل پر رکھ دیا۔ اس نے پوچھا ''تمہارے صندوق میں کوئی اور قیمتی سامان تھا۔''

''جی ہاں امی کے زیورات تھے۔ وہ چالیس ہزار کے ہوں گے۔ چونکہ بہت پرانے ڈیزائن کے تھے۔ اس لیے میں نے وہ بریف کیس میں رکھ دیئے تھے۔''

''چالیس ہزار اچھی خاصی رقم ہوتی ہے اور تم انہیں وہاں چھوڑ آئے۔ آخر کیوں؟''

''وہاں سے لانے کے لیے بہت سی اور اہم قیمتی چیزیں تھیں۔ مثلاً میرے امی، ابو کی بہت سی البم تھیں پھر ابو کے کپ، ٹرافی وغیرہ جو انہوں نے اپنی جوانی میں جیتے تھے وہ سب یادگار چیزیں وہاں چھوڑ آیا ہوں۔ یہ ایسی قیمتی چیزیں ہیں جو سونے کے زیورات سے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔''

ذیشان اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا پھر اس نے لاہور کے تھانہ انچارج سے رابطہ کیا ''ہیلو میں کراچی سے ایس پی ذیشان بول رہا ہوں۔ آپ کے علاقے میں ایک دین محمد نام کا شخص رہتا ہے۔ کل رات اس کے گھر میں چوری ہوئی ہے۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کیا واقعی چوری ہوئی ہے۔ اگر ہوئی ہے تو ڈاکو وہاں سے کیا لے گئے ہیں۔ کیا آپ مختصری معلومات فراہم کر سکتے ہیں؟''

دوسری طرف سے تھانہ انچارج نے کہا ''سر! جب ہمیں ڈکیتی کی اطلاع ملی اور ہم وہاں گئے تب تک ڈاکو فرار ہو چکے تھے۔ اس مکان کے دو کمروں کا سامان بکھرا پڑا تھا۔ بھی کچھ زیادہ نہیں تھا۔ ان کے حالات سے پتا چلتا ہے۔ غریب لوگ ہیں۔ دین محمد بوڑھا ہے۔ کسی کام کے قابل ہے۔ اس کا جوان بیٹا بے روزگار ہے ان کے گھر میں ٹی وی بھی نہیں ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ڈاکو وہاں کیوں تھے اور وہاں سے کیا لے گئے ہیں؟''

''دین محمد کا کیا بیان ہے؟''

''وہ کہتا ہے کہ ایک صندوق میں لاکھوں رو زیورات چھپا کر رکھے گئے تھے۔ گھر میں پچیس ہزار رو رکھے ہوئے تھے۔ ڈاکو وہ سب لے گئے ہیں۔ یہ تو آپ ہیں، کسی کے ہاں پانچ لاکھ کی چوری ہو تو وہ پچاس رپورٹ لکھواتا ہے اور دین محمد تو بالکل ہی کنگال ہے۔ اس پاس پچیس ہزار روپے نقد کہاں سے آئیں گے، اور روپے کے زیورات والی بات تو مضحکہ خیز ہے۔ ہم نے بیان لکھ لیا ہے اور انکوائری بھی کر رہے ہیں۔ ویسے یہ ڈ رپورٹ بالکل ہی جھوٹی ہوگی۔ ہم معلوم کرنے کی کر رہے ہیں کہ دین محمد نے یہ ڈرامے بازی کیوں کی۔''

''میں ایک اشارہ آپ کو دیتا ہوں۔ دین محمد پڑوسی پاشا جانی ہے۔''

ذیشان نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر ''تمہارے والد کا نام کیا ہے؟''

''میرے والد کا نام عظمت پاشا ہے۔''

اس نے فون پر کہا ''دین محمد کے پڑوسی کا نام عظم تھا۔ اس کے بیٹے پاشا جانی نے پچھلے دنوں ایک فروخت کیا ہے۔ آپ معلوم کریں، کیا یہ درست ہے۔ واقعی پاشا جانی نے کوئی مکان فروخت کیا ہے اور اگر کیا ہے تو وہ مکان کتنے میں فروخت ہوا ہے؟ پاشا جانی نے اپنا اہم سامان ایک صندوق میں بند کر کے دین محمد کے گھر امانت کے طور پر رکھا تھا۔ اسی صندوق میں تقریباً چالیس کے زیورات تھے۔''

تھانہ انچارج نے کہا ''سر! بات کچھ سمجھ میں آ رہی دین محمد نے امانت میں خیانت کی ہے۔ پاشا جانی کے میں سے وہ زیور نکلوا لیے ہیں اور ڈکیتی کا ڈراما پلے کیا۔''

ذیشان نے کہا ''ایسا ہی کچھ ہوا ہوگا۔ آپ ذرا انکوائری کریں اور یہ بتائیں کہ عظمت پاشا کے مکان کی فروخت کے سلسلے میں مجھے کب تک معلومات فرا گے؟''

''میں ابھی ایک آدھ گھنٹے میں معلوم کرتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے آپ میرے دفتر کا اور ذاتی موبائل فون نمبر ٹ کریں۔''

اس نے اپنے دونوں فون نمبر نوٹ کرائے پھر ریسیور کھتے ہوئے بولا ''پاشا! اگر تم ایمان دار ہو تو پھر اس وقت گردش میں ہو اگر دھوکا دے رہے ہو تو ابھی دو چار گھنٹوں تمہارا جھوٹ اور فراڈ سامنے آ جائے گا۔''

''میرا ایمان ہے اچھے عمل کا اچھا نتیجہ نکلتا ہے۔ میں دعا کر رہا ہوں کہ موجودہ گردش سے نکل آؤں۔''

اس نے انٹر کام کے ذریعے اپنے ماتحت سے پوچھا جواد کے ساتھ کیا کر رہے ہو؟''

''ماتحت نے کہا ''سر! ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اس کی اں نے کس کے ذریعے اس کا ضمانت نامہ حاصل کیا تھا۔ وہ کیسے کیسے ذرائع اختیار کرتی رہتی ہے لیکن جواد بہت ڈھیٹ ہے۔ کوئی بات نہیں اگل رہا ہے۔ ہم نے اس کی اچھی طرح پٹائی کی ہے۔ اب آپ کا حکم ہوگا تو اس پہ تھرڈ ڈگری استعمال کریں گے۔''

''پہلے معلوم ہونا چاہیے کہ دردانہ بیگم کے پیچھے کیسے کیسے ا اختیار لوگ ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ لینے کے دینے پڑ جائیں۔ فی لحال اسے اس طرح ٹارچر کرو کہ اندر سے چوٹیں لگیں اور ہر ظاہر نہ ہو کہ ہم نے اس پر زیادتی کی ہے۔''

''یس سر! میں یہی کروں گا۔''

اس نے انٹر کام کو بند کیا۔ پاشا نے کہا ''آپ کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بیٹے سے زیادہ ماں تیز طرار عورت ہے۔''

''بہت غلط عورت ہے مجرمانہ ذہن رکھتی ہے۔ پتا نہیں ہمارے چچا فلک سکندر حیات نے اس سے کیسے شادی کر لی تھی؟ کیسے اس کے جال میں پھنس گئے تھے۔ وہ تو اب اس دنیا میں نہیں رہے لیکن وہ چڑیل عینی کے پیچھے پڑ گئی ہے۔''

پاشا نے کہا ''عینی ایک بدنصیب امیر زادی ہے۔ میں نے کل سے اب تک یہی اندازہ لگایا ہے جب تک اس کے ساتھ دولت رہے گی تو دشمن اس کے پیچھے لگے رہیں گے اور دشمن ایک نہیں دو نہیں کئی ہیں۔ اب تک تو دو ہی سامنے آئے ہیں۔ جواد اور حشمت کے علاوہ پتا نہیں کتنے چھپے ہوئے ہوں گے۔''

''جواد اور حشمت ظاہر ہو چکے ہیں لیکن چھپے ہوئے دشمن ان سے زیادہ خطرناک ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ اس طرح کے مجرمانہ اقدامات نہ کریں لیکن ایسی چالیں چلیں جن کے نتیجے میں عینی کو اندر ہی اندر نقصان پہنچتا رہے اور ہم سمجھ نہ پائیں کہ اس کے خلاف کون کیا کر رہا ہے؟''

اس نے تائید میں سر ہلا کر کہا ''ہاں دشمن ایسی بھی چالیں چلتے ہیں۔''

ذیشان نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا ''اور جو چال محبت سے چلی جاتی ہے اس کے پیچھے چھپی ہوئی دشمنی یا خود غرضی کسی کو معلوم نہیں ہوتی۔ تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟''

وہ اس کے سوال کو نہ سمجھ سکا اس نے پوچھا ''آپ کس بارے میں میرا خیال پوچھ رہے ہیں؟''

''یہی عینی کے بارے میں، وہ تمہاری طرف مائل ہے۔ تم نے دیکھا، وہ تمہیں رہائی دلانے کے لیے مجھ سے کس طرح لڑ رہی ہے۔''

''میں عینی کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔ اس نے میرے ہاتھوں میں پڑی ہوئی ہتھکڑیاں اتروا دیں۔ میں نے اس سے جو نیکی کی تھی اس سے وہ متاثر تھی۔ اس کے بدلے اس نے مجھ سے یہ نیکی کی ہے۔''

''بات صرف نیکی کی نہیں ہے ذرا اس سے آگے بڑھ گئی ہے۔ اس کے دل میں تمہارے لیے محبت تھی۔ اس لیے اس نے ایسا کیا ہے۔ تمہارا اپنا کیا خیال ہے۔ مجھ سے اپنے دل کی بات مت چھپاؤ جو دل میں ہے صاف کہو۔ میں اس کی بہتری کے لیے تمہارے بارے میں سنجیدگی سے غور کروں گا۔''

ذیشان کی اس بات نے پاشا کو الجھا دیا۔ اس کے دل میں عینی کے لیے ایسی محبت کا کوئی جذبہ نہیں تھا۔ جو مستقبل میں آخری سانس تک جاری رہتا ہے۔ وہ بولا ''ایس پی صاحب! آپ میرے بارے میں غلط رائے قائم کر رہے ہیں۔ میں عینی کی بہت عزت کرتا ہوں۔ ساری عمر اس کی قدر کرتا رہوں گا لیکن میرے دل میں کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ میں کسی بھی امیر زادی سے عشق کروں اور اس کی دولت پر عیش کروں۔''

''کسی امیر زادی سے عشق کرنا اور اس کی دولت پر عیش کرنا سراسر مجرمانہ عمل ہے۔ میں صرف محبت کی بات کر رہا ہوں۔ کیا تمہارے دل میں عینی کے لیے محبت ہے۔ کیا تم اسے اپنی شریک حیات بنانا چاہتے ہو؟''

اس نے ایک دم سے چونک کر اسے دیکھا پھر انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا ''نہیں ایس پی صاحب آپ اس حد تک نہ سوچیں میں عینی کے بارے میں بھی ایسا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتا۔ وہ بے چاری بہت ہی بھولی ہے۔ بہت معصوم ہے اسے کوئی بھی دھوکا دے سکتا ہے۔ میں دعا کروں گا اسے ایسا چاہنے والا ملے جس کے دل میں محبت ہی محبت ہو۔

دولت کی ہوس نہ ہو۔''

ذیشان اس کے اس جواب سے مایوس ہو کر سوچ میں پڑ گیا۔ عینی نے صاف طور پر کہا تھا کہ وہ پاشا کو چاہتی ہے اس سے یہ بات سمجھ میں آئی تھی کہ پاشا بھی اسے چاہتا ہے اور محبت کی تالی دونوں ہاتھوں سے بج رہی ہے۔

اس نے پوچھا ''اس کا مطلب ہے تم عشق و محبت کے قائل نہیں ہو؟''

''دیکھیے اس عمر میں سبھی جوانوں کے دل دھڑکتے ہیں اور انہیں کسی نہ کسی سے محبت ہوتی ہی ہے۔ جو آگے چل کر دونوں کو لائف پارٹنر بنا دیتی ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میرے دل میں عینی کے لیے عزت ہے۔ عقیدت ہے۔''

ذیشان نے گہری سانس لی اور کہا ''جب سے تم میرے سامنے آئے ہو۔ میں دیکھ رہا ہوں، تم سچی اور سیدھی باتیں کر رہے ہو۔ تمہاری اس صاف گوئی نے مجھے سمجھا دیا ہے کہ تمہارے دل میں دولت کی ہوس نہیں ہے میری بہن بے انتہا دولت مند ہے وہ تمہیں چاہنے لگی ہے لیکن تم نے وضاحت کر دی ہے کہ اس کے لیے تمہارے دل میں احترام ہے۔ آج سے میں تمہاری بہت عزت کروں گا اور یہ بھی تسلیم نہیں کروں گا کہ تم نے جواد کے آٹھ لاکھ روپے چرائے ہیں۔''

''آپ کی اس محبت اور اعتماد کا بہت بہت شکریہ۔ میں اس وقت خود کو بہت ہی خوش نصیب سمجھ رہا ہوں۔''

''ویسے تمہاری صاف گوئی نے مجھے فکر میں مبتلا کر دیا ہے۔''

اس نے تعجب سے پوچھا ''آپ کس فکر میں مبتلا ہو گئے ہیں؟''

''عینی میری بہت ہی معصوم اور بہت ہی پیاری بہن ہے۔ اسے زندگی میں کبھی کسی کا سچا پیار نہیں ملا۔ اس کے آس پاس جتنے بھی ہیں سب فریبی ہیں اب وہ ایک سچے اور بے غرض ساتھی کی طرف بڑھ رہی ہے لیکن اسے مایوسی ہی مایوسی ملے گی۔''

پاشا نے سر جھکا لیا اس نے پوچھا ''ایک بات بتاؤ۔ میری عینی خوب صورت نہیں ہے؟''

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ وہ تو بہت ہی خوب صورت ہیں بہت ہی اچھی ہیں۔ ہر پہلو سے محبت کیے جانے کے قابل ہیں۔''

''تو پھر تمہارے دل میں اس کے لیے محبت کیوں نہیں ہے؟''

وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ کچھ کہتے ہوئے ہچکچانے لگا۔

ذیشان نے پوچھا ''دیکھو تمہارے دل میں جو کچھ ہے، مجھ سے نہ چھپاؤ۔ صاف صاف کہو کیا کسی اور کو چاہتے ہو؟''

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ ذیشان نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا ''اوہ گاڈ! یہ تو میری عینی کے ساتھ بہت برا ہوا ہے۔ اگر اسے پیار کے جواب میں پیار نہ ملا تو بالکل ہی ٹوٹ جائے گی۔ وہ بچپن ہی سے جھوٹ اور فریب کے چہرے دیکھتی آ رہی ہے۔ اب اسے ایک ایسا شخص ملا جسے وہ اپنا سکتی ہے مگر اپنا نہیں سکے گی۔ تم اس کے لیے خواب و خیال بن کر رہ جاؤ گے اور وہ اپنی زندگی تباہ کر لے گی۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔ میں عینی کو سمجھاؤں گا۔ آپ بھی سمجھائیں گے۔ عروج بھی سمجھائے گی تو رفتہ رفتہ وہ سنبھل لے گی۔''

ذیشان اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹہلنے کے انداز میں بولا ''میں اکثر سوچتا تھا کہ اپنی بہن کے لیے کس طرح سچی خوشیاں خرید سکتا ہوں۔ کیونکہ دولت سے اسے صرف جھوٹ ہی جھوٹ مل رہا ہے۔ میں اس کی خوشیوں کی خاطر تمہیں خرید نہیں سکتا اور تم کوئی بکنے والے انسان نہیں ہو پھر بھی پوچھتا ہوں۔ کیا کوشش کرو تو عینی سے محبت نہیں کر سکو گے!''

''ایک محبت ہی ایسا جذبہ ہے جو اپنے اختیار میں نہیں ہوتا۔ یہ جذبہ بے اختیار کسی کی طرف لے جاتا ہے اور جب لے جاتا ہے تو واپسی کا راستہ بالکل ہی مٹا دیتا ہے۔''

ذیشان نے پاشا کو دیکھا اس کا چہرہ، اس کی باتیں اور اس کے ارادے بتا رہے تھے کہ وہ اپنی محبت میں بہت ہی اعتماد، مستحکم اور پُرعزم ہے اس کے سامنے میز پر عینی کا موبائل فون رکھا ہوا تھا۔ وہ بولا ''جب تم میرے ساتھ یہاں آ رہے تھے۔ تو عینی نے کتنی محبت اور اعتماد سے یہ فون تمہیں دیا تاکہ تم اس سے رابطہ کرتے رہو۔''

''جی ہاں میں نے اسے اسی لیے اپنے سامنے رکھا۔ کہ میرے متعلق آپ کی انکوائری ختم ہو جائے گی تو میں سب سے پہلے اسے ہی خوش خبری سناؤں گا۔''

''میری انکوائری ختم ہو چکی ہے میں تمہاری طرف سے مطمئن ہوں۔ تم اس سے رابطہ کر سکتے ہو۔''

اس نے موبائل فون کو میز پر سے اٹھایا۔ ذیشان نے کہا ''جسٹ اے منٹ اب جبکہ تمہیں عینی کے دلی جذبات کا احساس ہو چکا ہے۔ تو تم اس سے کیا بات کرو گے؟''

''میں اسے اپنے بارے میں بتاؤں گا کہ آپ مجھ پر کسی طرح کا شبہ نہیں کر رہے ہیں اور شاید اب یہاں سے جانے کی اجازت دے دیں گے۔''

''وہ جواباً بہت ہی محبت سے بولے گی پھر کیا کرو گے؟''

''آپ اپنی بہن کو بہت اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ وہ بہت حیا والی ہے۔ کبھی کھل کر باتیں نہیں کرے گی۔ اگر وہ اشارے کنائے میں کچھ کہے گی تو میں اسے اشاروں میں اچھی اچھی باتیں سمجھاؤں گا۔ آپ میری طرف سے اطمینان رکھیں۔''

''تمہاری طرف سے اطمینان ہے۔ اسی لیے میں عینی سے رابطہ رکھنے کی اجازت دے رہا ہوں۔''

پاشا نے موبائل کے نمبر پنچ کیے پھر اسے کان سے لگا کر انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد فلک آفتاب کی آواز سنائی دی ''ہیلو میں فلک آفتاب بول رہا ہوں۔''

اس نے کہا ''السلام علیکم میں پاشا جانی بول رہا ہوں۔ عینی سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیا تم ذیشان کے دفتر میں ہو؟''

''جی ہاں میں ان کے پاس ہی بیٹھا ہوں یہ میرے سامنے ہیں۔''

''فون ذیشان کو دو۔''

پاشا نے فون اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا ''آپ کے والد گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔''

ذیشان نے فون لے کر کان سے لگایا اور کہا ''ہیلو ڈیڈی! عینی کہاں ہے؟''

''بیٹا کچھ نہ پوچھو۔ اس نے تو ایک بہت بڑا طوفان کھڑا کیا ہوا ہے۔''

''اب کیا ہو گیا؟''

فلک آفتاب اسے بتانے لگا کہ عروج نے اس کی خاطر اپنا گھر چھوڑ دیا ہے۔ وہ بھی گھر چھوڑ کر جانا چاہتی تھی۔ وکیل اخلاق احمد نے آ کے اسے روک دیا۔ وہ نئے سیکورٹی گارڈز لے کر آیا ہے اور اس پر سخت پابندیاں عائد کر رہا ہے۔ کہتا ہے جب تک دشمنوں کو قرار واقعی سزا نہیں ملے گی۔ اس وقت تک وہ گھر سے باہر قدم نہیں نکالے گی۔''

''وکیل اخلاق احمد کا یہ رویہ بالکل درست ہے۔ یہی ہونا چاہیے۔''

''بیٹا تم جانتے ہو کہ عینی کتنی ضدی ہے۔ وہ اپنے کمرے میں جا کر اپنا پستول لے آئی تھی اور اس نے ایک فائر بھی کیا تھا پھر اس پستول کو اپنی کنپٹی سے لگا کر کہنے لگی، کوئی اس کا راستہ روکے گا تو وہ اپنی جان دے دے گی۔ خودکشی کر لے گی۔''

ذیشان نے پاشا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''اوہ گاڈ! یہ تو عروج کی محبت میں بالکل پاگل ہو جاتی ہے پھر کیا ہوا کیا وہ عروج کے پاس گئی ہے؟''

''نہیں بیٹے اتفاقاً اس کا پاؤں سیڑھی پر لڑکھڑا گیا اور وہ نیچے گر پڑی۔ بری طرح زخمی ہوئی ہے۔ ڈاکٹر کو بلایا گیا تھا۔ جلد ہی ہوش میں آ گئی تھی لیکن ڈاکٹر نے اسے نیند کا انجکشن دیا ہے۔ اب وہ گہری نیند میں ڈوبی ہوئی ہے۔''

''ٹھیک ہے ڈیڈ! میں فون بند کر رہا ہوں۔ یہاں جواد کے معاملے سے نمٹ کر جلد از جلد گھر آنے کی کوشش کروں گا۔''

اس نے فون بند کر کے موبائل پاشا کو دیا پھر اسے عینی کے بارے میں تفصیلی باتیں بتانے لگا۔ پاشا نے تمام باتیں سننے کے بعد کہا ''میں کل سے ان دونوں سہیلیوں کو دیکھتا آ رہا ہوں۔ واقعی یہ دونوں ایک دوسرے کی دیوانی ہیں۔ خدا کا شکر ہے اب وہ گہری نیند میں ہے۔ آپ صبح تک ایسا کریں کہ وہ بیدار ہونے کے بعد عروج کی طرف نہ جائے بلکہ عروج اس کے پاس آ جائے۔''

ذیشان نے تائید میں سر ہلا کر کہا ''میں یہی کروں گا۔ اس کا وکیل اخلاق احمد بہت ہی سمجھ دار ہے۔ اس نے اس کے تحفظ کے لیے مزید اقدامات کیے ہیں اور ہمیں ان انتظامات کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔''

پاشا نے پوچھا ''کیا میں جا سکتا ہوں۔''

''ہاں جاؤ مگر کل صبح سے پہلے اسے فون نہ کرنا۔ اسے گہری نیند سونے دو۔''

''جی ہاں میں فون نہیں کروں گا۔ اتنا جانتا ہوں کہ جب بھی وہ نیند سے بیدار ہوگی تو مجھے فون ضرور کرے گی۔''

یہ کہہ کر اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ ذیشان نے گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا ''مجھے تم سے مل کر خوشی ہوئی ہے۔ آئندہ بھی ملتے رہو گے ناں؟''

''یس سر! میں ضرور آپ سے ملوں گا۔''

وہ اس دفتری عمارت سے باہر آ گیا۔ وہاں اس کی ٹیکسی کھڑی ہوئی تھی۔ وہ ٹیکسی سے لگ کر سوچنے لگا ''رات کے گیارہ بج رہے ہیں کیا عروج سو گئی ہوگی؟ میں نے اس کے سامنے اس کے باپ کی سنگ دلی اور بے حسی کا ذکر کیا تھا اور اسے شرمندہ کیا تھا۔ وہ شرم سے سر نہیں اٹھا رہی تھی اور میں چلا آیا تھا۔

میرے یوں چلے آنے کا ردِعمل کیا ہوا ہوگا؟

''کیا اس کے دل نے اسے تڑپایا ہوگا؟ اور اس نے تڑپ کر مجھے پکارا ہوگا؟''

اس نے موبائل فون کو دیکھا پھر بڑے پیار سے اسے سہلاتے ہوئے کہا ''آؤ میں تمہیں پکارتا ہوں......''

☆☆☆

کوئی ضروری نہیں کہ گاڑی پیٹرول سے چلتی ہو۔ بعض اوقات ریوالور کے زور پر بھی چلتی ہے۔ اس وقت دردانہ بیگم کے سر سے ریوالور کی نال لگی ہوئی تھی اور وہ گاڑی چلائے جا رہی تھی۔

وہ بیٹے کو قانون کی گرفت سے رہائی دلانے کے لیے بھاگ دوڑ میں لگی ہوئی تھی۔ ایسے وقت خود ہی ایک ناگہانی مصیبت میں مبتلا ہو گئی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ پیچھے کون ہے؟ اور اسے کہاں لے جانا چاہتا ہے؟

وہ راستہ بتاتا جا رہا تھا۔ وہ چلتی جا رہی تھی پھر وہ ایک محل نما کوٹھی کے بڑے آہنی گیٹ کے سامنے پہنچ گئی۔ اس گیٹ کے ایک طرف پیتل کی چمک دار نیم پلیٹ تھی اور اس پر لکھا ہوا تھا ''شہباز درّانی......''

اس نے گیٹ کے سامنے گاڑی روکی۔ دو مسلح گارڈز تیزی سے چلتے ہوئے آئے اور کار کے اندر جھانکتے ہوئے کہنے لگے ''کون ہو تم؟''

پچھلی سیٹ سے ایک شخص نے ابھرتے ہوئے کہا ''میں ہوں دروازہ کھولو۔''

فوراً ہی اس کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ بڑا سا آہنی گیٹ کھلتا چلا گیا اور اس کے پیچھے بہت دور تک وسیع و عریض باغیچے کے ساتھ ایک جگمگاتی ہوئی کوٹھی دکھائی دینے لگی۔ اندر دور تک مسلح گارڈز الرٹ کھڑے ہوئے تھے۔ وہ ڈرائیو کرتی ہوئی پورچ میں آ کر رک گئی۔ ایک مسلح گارڈ نے آ کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ جب وہ باہر نکلا تو اس کا ایک بازو اور لباس خون سے تر بتر تھا۔ اس کی پرسنل سیکریٹری دوڑتی ہوئی آئی پھر چیخ کر بولی ''فوراً ڈاکٹر کو فون کرو۔''

وہ اپنے زخمی بازو کو تھام کر بولا ''ڈاکٹر کی ضرورت نہیں ہے۔ گولی میرے بازو میں گھسی ہوئی ہے۔ میں اسے نکال لوں گا۔ آپریشن کا سامان نکالو۔''

سیکریٹری نے اسے پریشان ہو کر دیکھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کا باس کس قدر ضدی ہے پھر بھی اس نے سمجھانے کے لیے کہا ''سر! یہ مناسب نہیں ہوگا۔ میں کسی سرجن کو فون کرتی ہوں۔''

''یو شٹ اپ...... ڈو وہاٹ آئی سے...... ہری اپ!''

وہ پلٹ کر دوڑتی ہوئی کوٹھی کے اندر چلی گئی۔ دردانہ اگلی سیٹ کا دروازہ کھول کر باہر آ گئی تھی اور حیرانی سے شہباز درّانی کو دیکھ رہی تھی۔ حیرانی اس بات پر نہیں تھی کہ وہ ادھیڑ عمر کا ہونے کے باوجود بہت ہی صحت مند اور جاندار تھا۔ گولی بازو میں گھسی ہوئی تھی۔ ایسی حالت میں بدن کے اندر آگ سی لگی ہوتی ہے اسے تکلیف کے باعث کم از کم کراہنا چاہیے تھا لیکن وہ دوسرے ہاتھ سے زخمی بازو کو تھام کر تن کر کھڑا ہوا تھا اور وہاں سے جانا ہی چاہتا تھا۔ تب دردانہ نے اسے مخاطب کیا ''شہباز!''

وہ جاتے جاتے رک گیا۔ پلٹ کر اسے دیکھتے ہوئے بولا ''اوہ گاڈ! دردانہ یہ تم ہو؟''

دردانہ نے فوراً ہی قریب آ کر اسے تھام کر پوچھا ''تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کہاں سے زخمی ہو کر آ رہے ہو؟''

''اندر چلو۔''

وہ اس کے ساتھ اندر آ گئی۔ ایک کمرے میں ایزی چیئر کے پاس ایک سینٹر ٹیبل پر آپریشن کا تمام سامان لا کر رکھا جا رہا تھا۔ فوری طبی امداد کا ایک بڑا سا بیگ بھی رکھا ہوا تھا۔ وہ دردانہ کے ساتھ چلتا ہوا آ کر اس ایزی چیئر پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔ دردانہ نے اپنا موبائل فون نکال کر پوچھا ''تمہارا قابلِ اعتماد ڈاکٹر کون ہے۔ اس کا نمبر بتاؤ۔''

وہ سخت لہجے میں بولا ''میں کہہ چکا ہوں خود گولی نکال لوں گا۔ میں اتنا بزدل اور کمزور نہیں ہوں۔''

وہ غصے سے بولی ''بکواس مت کرو!''

یہ ایسے توہین آمیز الفاظ تھے کہ وہ لیڈی سیکریٹری اور تمام سیکورٹی گارڈز اپنے باس کی توہین برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے اپنی اپنی گن کا رخ اس کی طرف کیا۔ وہ دوسرے ہی لمحے میں اسے گولیوں سے بھون کر رکھ دیتے۔ شہباز درّانی نے فوراً ایک ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا ''نو...... لٹ ڈاؤن یور گنز...... اینڈ سیلوٹ ہر......''

فوراً ہی حکم کی تعمیل کی گئی۔ انہوں نے اپنی اپنی گن نیچے کر کے دردانہ کو سیلوٹ کیا۔ اس نے انہیں حیرت سے دیکھ پھر شہباز درّانی سے کہا ''تم اتنی طاقت اور اتنا رعب و دبدبہ رکھتے ہو پھر بھی خودکشی کرنا چاہتے ہو؟ میں مانتی ہوں کہ تم بہت ہی دلیر اور سخت جان ہو لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ خطرے سے خواہ مخواہ کھیلتے رہو۔ ابھی تم گولی خود نکال لو گے لیکن اس کے بعد خون کی ضرورت ہوگی۔ تمہیں خون دینے کے انتظامات کرنے ہوں گے یہ کیسے ہوگا؟''

پھر وہ سیکریٹری کی طرف دیکھتے ہوئے بولی ''فوراً کسی سرجن کو فون کرو۔ ایسا جو قابلِ اعتماد ہو۔''

لیڈی سیکریٹری نے شہباز کی طرف دیکھا۔ وہ بولا ''یہ تم سب کی میڈم ہیں۔ ان کے ہر حکم کی تعمیل کی جائے۔''

سیکریٹری نے فوراً ہی موبائل کے ذریعے ڈاکٹر سے

رابطہ کیا اور اسے فوراً حاضر ہونے کا حکم دیا۔ دردانہ اس کے پاس گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئی۔ وہ بولا ''ڈاکٹر کے آنے تک مجھے گولی تو نکال لینے دو۔ بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ تم میری فکر مت کرو میں آگ اور خون سے کھیلتا رہتا ہوں۔ گولی نکلنے کے بعد خون بہتا رہے گا تو میں عارضی طور پر اسے روکنا جانتا ہوں پھر ڈاکٹر آ کر مجھے سنبھال لے گا۔''

دردانہ دیکھ رہی تھی۔ وہ واقعی بہت تکلیف میں مبتلا تھا لیکن بڑے صبر سے اور جبر سے تکلیف برداشت کر رہا تھا۔ اس نے کہا ''ٹھیک ہے۔ تم گولی نکالو۔''

اس نے قینچی اٹھا کر اپنی آستین کو کاٹا پھر اس آستین کو پھاڑ کر الگ کر دیا۔ بازو کے جس حصے میں گولی لگی ہوئی تھی۔ وہ حصہ سوج گیا تھا۔ اس نے چاقو لے کر اس حصے کو کاٹا پھر تکلیف سے کراہنے لگا۔ اس نے چاقو سے اس حد تک جگہ بنائی کہ گولی باہر نکل سکے پھر وہ ایک چمٹا نما آلہ لے کر اس کے ذریعے گولی باہر نکالنے لگا۔ دردانہ اور لیڈی سیکریٹری نے آنکھیں بند کر لیں۔ شہباز درّانی کی ایک ہلکی سی چیخ نکلی۔ انہوں نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو گولی نکل چکی تھی۔

اس کی آنکھیں تکلیف کی شدت سے بند ہو رہی تھیں۔ جیسے وہ بے ہوش ہونے والا ہے۔ اس کے باوجود ایسا سخت جان ایسا دلیر تھا کہ اس زخم پر مرہم لگا کر پٹی باندھ رہا تھا۔ اس کا خاص بھروسے والا ڈاکٹر کوٹھی کے ایک حصے میں رہتا تھا۔ وہ فوراً ہی حاضر ہو گیا پھر اس کی مرہم پٹی کرنے لگا۔ تکلیف کم کرنے کے لیے انجکشن لگانے لگا۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں شاید بے ہوش ہو گیا تھا یا گہری نیند میں ڈوب گیا تھا۔

اس کے ملازم ایک اسٹریچر لے کر آئے۔ اسے اس پر ڈال کر بیڈ روم میں لے گئے پھر اسے بڑے آرام سے بیڈ پر لٹا دیا گیا۔ وہ گہری نیند میں تھا۔ دردانہ اس کے بیڈ روم میں آ گئی۔ اسے دیکھتی رہی۔ اس کے گھریلو ملازم بھی ہمیشہ مسلح رہتے تھے۔ وہ سوچ رہی تھی پتا نہیں یہ شہباز درّانی کیا سے کیا ہو گیا ہے۔ جب وہ ملازم چلے گئے تو اس نے لیڈی سیکریٹری سے پوچھا ''تمہارا نام کیا ہے۔''

اس نے کہا ''میرا نام تہمینہ ہے۔ اب باس کو یہاں آرام سے سونے دیں۔ ہمیں یہاں سے چلنا چاہیے۔''

''نہیں میں اسی کمرے میں رہوں گی۔''

وہ پریشان ہو کر کبھی اسے اور کبھی اپنے باس کو دیکھنے لگی۔ دردانہ نے کہا ''کیا تمہیں یاد نہیں ہے؟ شہباز نے کیا کہا تھا؟ میرے ہر حکم کی تعمیل کی جائے اور میرا حکم ہے، تم یہاں سے جاؤ۔''

تہمینہ کے چہرے سے پتا چل رہا تھا۔ جیسے وہ حکم ماننا نہیں چاہتی ہے اپنے باس کو اس کے پاس تنہا چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی ہے لیکن وہ مجبور تھی۔ دردانہ نے کہا ''کیا تم نے نہیں سنا۔ جاؤ یہاں سے۔''

وہ پلٹ کر تیزی سے چلتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔ دردانہ نے دروازے کو اندر سے بند کر لیا پھر آہستہ سے چلتی ہوئی بیڈ کے قریب آ گئی۔ شہباز درّانی کو توجہ سے دیکھنے لگی۔ بیڈ کے سرے پر بیٹھ کر سوچنے لگی۔

جب وہ چودہ برس کی تھی۔ تب شہباز اس کی زندگی میں آیا تھا۔ وہ اٹھارہ برس کا تھا۔ اسے باڈی بلڈنگ کا شوق تھا اور وہ سیاست سے بھی دلچسپی رکھتا تھا۔ اتنا ذہین تھا کہ سولہ برس کی عمر میں جب اس نے بورڈ کا امتحان پاس کیا تو صوبے بھر میں اول آیا تھا۔ وہ اس وقت سے سیاست دانوں کے ساتھ رہتا تھا۔ ان کی خدمت کرتا تھا اور ان سے فائدے اٹھاتا تھا۔ ایک سیاست دان اناڑی تھا۔ دولت کے اور طاقت کے بل پر اسمبلی پہنچ گیا تھا۔ وہ شہباز درّانی کے مشوروں پر عمل کرتا تھا اور اس طرح عمل کرتے کرتے ایک صوبے کا وزیر بن گیا تھا۔ اس وزیر نے اسے حکومت کے اخراجات پر اعلیٰ تعلیم کے لیے لندن بھیج دیا تھا۔

شہباز درّانی ملک سے باہر لندن پہنچتے ہی ہاتھ پاؤں پھیلانے لگا۔ سیاسی چالیں چلنے لگا۔ وہ ابتداء ہی سے اپنے ملک کے تمام سیاست دانوں کی کمزوریاں معلوم کرتا رہتا تھا اور ثبوت بھی حاصل کرتا رہتا تھا۔ لندن پہنچ کر اس نے ہاتھ پاؤں پھیلانے شروع کیے۔ وہاں سے وہ واشنگٹن پہنچ گیا۔ وہ اس قدر خوب رو اور پرکشش تھا کہ واشنگٹن کے سیاست دانوں کی بیگمات اس میں دلچسپیاں لینے لگی تھیں۔ اپنے شوہر سیاست دانوں کے ذریعے رفتہ رفتہ اسے اس منزل تک پہنچا رہی تھیں، جہاں تک وہ پہنچنا چاہتا تھا۔ بارہ برس کی طویل جدوجہد کے بعد وہ امریکی ''سی، آئی، اے'' کے چیف کی آنکھوں کا تارا بن گیا۔ سی، آئی، اے ''ایف، بی، آئی'' اور امریکی ملٹری انٹیلی جنس کے اعلیٰ افسران کی متفقہ رائے تھی کہ یہ جوان قابلِ اعتماد ہے اور ان کے لیے پاکستان میں رہ کر خفیہ ہاتھ کے طور پر کام کر سکتا ہے۔

وہ بتیس برس کی عمر میں امریکن خفیہ ایجنٹ کی حیثیت سے پاکستان واپس آ گیا۔ یہاں رہ کر وہ ایک ایک سیاست دان اور فوج کے ایک ایک اعلیٰ افسر کی پوری ہسٹری معلوم کرتا رہتا تھا۔ ان کے مزاج کو اور ان کی پالیسیوں کو سمجھتا رہتا تھا۔ خاص طور پر یہ اہم معلومات حاصل کرتا رہتا تھا کہ ان میں سے کون

امریکا کا وفادار رہ سکتا ہے اور کون کس وقت غداری کر سکتا ہے۔ مختصر یہ کہ وہ پاکستان میں امریکا کا ایک قابلِ اعتماد خفیہ ہاتھ بن گیا تھا۔

یہ شہباز دُرّانی کی مختصر سی ہسٹری تھی۔ دردانہ یہ نہیں جانتی تھی کہ شہباز اس سے جدا ہو جانے کے بعد کیا کرتا رہا ہے؟ اور کن مراحل سے گزرتا ہوا آج ایسی شاہانہ زندگی گزار رہا ہے کہ اس کے ادنٰی ملازم بھی مسلح رہتے ہیں۔ وہ اس کی قوت اور ذرائع آمدنی کو نہیں جانتی تھی۔

جب وہ نویں جماعت کی طالبہ تھی، تب شہباز اس کی زندگی میں آیا تھا۔ وہ اسے دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہو گئی تھی۔ شہباز نے دوسری ملاقات پر کہا "میں لڑکیوں سے دور بھاگتا ہوں۔ پتا نہیں کیوں مجھے اچھی نہیں لگتیں۔ نہ جانے تمہارے اندر کیا بات ہے کہ میں بے اختیار تمہاری طرف کھنچا چلا آتا ہوں؟"

یہ سنتے ہی وہ اس کی طرف کھنچی چلی آئی۔ وہ ایسا قد آور پہاڑ جیسا تھا کہ اس کے بازوؤں میں چھپ کر وہ تمام دنیا والوں کی نظروں سے گم ہو جاتی تھی۔ اس کی پناہ میں آ کر خود کو بھی بھول جاتی تھی۔

وہ ایک برس بعد بولی "مجھ سے شادی کر لو۔"

وہ بولا "تم میری زندگی میں آنے والی پہلی اور آخری لڑکی ہو۔ میں تم سے ہی شادی کروں گا لیکن ابھی نہیں...... میرے عزائم بہت بلند ہیں۔"

"تم اپنے ارادوں کے مطابق جو کرنا چاہتے ہو وہ شادی کے بعد بھی تو ہو سکتا ہے؟"

"نہیں۔ شادی کے بعد انسان بہت سے جھمیلوں میں الجھ جاتا ہے اور میں اپنے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں چاہتا۔ آگے چل کر تم میری کمزوری بنتی چلی جاؤ گی۔ میں ان باتوں کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ لہٰذا میرا انتظار کر سکتی ہو تو کرو۔ پانچ برس، دس برس، جتنا بھی عرصہ گزرتا ہے گزرنے دو۔

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے شہباز کو دیکھا پھر کہا "میں وعدہ کرتی ہوں۔ کبھی تمہارے راستے کی رکاوٹ نہیں بنوں گی۔ شادی کے بعد تمہاری زندگی پر کوئی اثر نہیں ڈالوں گی۔ مجھے اپنے نام کر کے چاہے کسی بھی جگہ چھوڑ دو۔ میں وہاں تمہارا انتظار کرتی رہوں گی۔ بس کبھی کبھی مجھ سے ملتے رہنا۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں چاہتی۔"

"سوری دردانہ! میں کہہ چکا ہوں، میری پرواز بہت اونچی ہے۔ میرا نشیمن تمہارا سلگتا ہوا بدن نہیں ہے۔ میں قصرِ سلطانی کے گنبد پر پہنچنا چاہتا ہوں اور ایک دن پہنچ کر رہوں گا۔"

دردانہ نے وعدہ کیا تھا کہ وہ کوشش کرے گی، چاہے کتنے ہی برس گزر جائیں، اس کا انتظار کرتی رہے گی مگر ایسا نہ ہو سکا۔ اس کے والدین نے مجبور کیا تو اسے شادی کرنی پڑی۔ اس کے عزائم بھی بلند تھے۔ وہ بھی زیادہ سے زیادہ دولت مند گھرانے میں بیاہ کر جانا چاہتی تھی۔ جس سے اس کی شادی ہوئی وہ ایک امیر کبیر شخص تھا لیکن جواد کی پیدائش کے بعد ہی اسے بیوگی کا داغ دے گیا اور اپنی تمام دولت و جائداد اس کے لیے اور اپنے بیٹے کے لیے چھوڑ گیا۔

دردانہ نے کئی برس تک دوسری شادی کے بارے میں نہیں سوچا لیکن پھر دولت کی ہوس نے مجبور کیا تو اس نے فلک سکندر حیات سے شادی کر لی۔ وہ ایک بیٹی کا باپ تھا۔ دردانہ نے سوچا کہ فلک سکندر کو اپنے شکنجے میں جکڑ کر رکھنے کے لیے اس کی بیٹی پر بھرپور ممتا نچھاور کرنا ہو گی۔ وہ جانتی تھی کہ ایسا کرنے سے دودھ بھی حاصل ہو گا اور بالائی بھی......

ایسی بڑی بڑی پلاننگ کرتے وقت انسان اپنے مقدر کو بھول جاتا ہے۔ یہ یاد نہیں رکھتا کہ جو مجھے منظور ہوتا ہے، وہی آگے چل کر اس کے سامنے آتا ہے پھر آگے چل کر جو کچھ ہوا وہ آج دردانہ کے سامنے تھا۔

وہ اپنی اور شہباز کی عمر کا حساب کرنے لگی۔ وہ چودہ برس کی عمر میں ملا تھا اور ایک برس بعد ہی بچھڑ گیا تھا۔ سولہ برس کی عمر میں اس کی شادی ہو گئی۔ ایک برس بعد جواد پیدا ہوا پھر اس کے دو برس بعد وہ بیوہ ہو گئی۔ بیوگی کے سات برس گزارنے کے بعد یعنی جب وہ چھبیس برس کی ہوئی تو اس نے فلک سکندر حیات سے شادی کر لی۔ دوسری شادی کے پانچ برس بعد ہی دوبارہ بیوہ ہو گئی اور اب وہ پورے چالیس برس کی تھی۔ اس حساب سے شہباز درانی چوالیس برس کا تھا۔

اس نے شہباز درانی کو دیکھا۔ وہ آج بھی مضبوط چٹان کی طرح تھا۔ اسے گزرے ہوئے دن یاد آنے لگے تو یوں لگا جیسے کل ہی کی بات ہو۔ بستر سونے کے لیے ہوتا ہے مگر اس کے اس عاشق دلدار نے ایسے ہی ایک بستر پر اسے بچپن کی نیند سے جگایا تھا اور ایسا جگایا تھا کہ وہ آج تک غیر شعوری طور پر اس کے لیے جاگ رہی تھی اور جاگتے جاگتے بھٹکتے بھٹکتے آج ایک بار پھر اس بستر کے سرے پر پہنچ گئی تھی۔

دروازے پر ہلکی سی دستک سنائی دی۔ وہ بیڈ سے اتر کر دروازے کے پاس آئی پھر بولی "کون ہے؟"

باہر سے آواز آئی "ڈاکٹر......"

اس نے دروازہ کھول دیا۔ ڈاکٹر نے کہا "میں نے باس

کو بلڈ دینے کے انتظامات کیے ہیں۔"

اس کے پیچھے ایک اسسٹنٹ تھا۔ اس کے پاس خون کی بوتل اور دوسرا ضروری سامان تھا۔ وہ ایک طرف ہٹ گئی۔ وہ کمرے کے اندر آ گئے۔ ان کے پیچھے لیڈی سکریٹری تہمینہ تھی۔ وہ بولی "میڈم! میں آپ سے کھانے کے لیے پوچھنا چاہتی تھی لیکن آپ نے دروازہ بند کر لیا تھا۔ آپ میرے ساتھ کچن میں آنا چاہیں گی یا ڈائننگ روم میں جانا چاہیں گی۔"

اس وقت دردانہ پر دوہرے جذبات حاوی تھے۔ ایک تو یہ کہ برسوں کا بچھڑا ہوا محبوب مل گیا تھا اور اسے دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ بہت ہی دولت مند، طاقت ور اور نہ جانے کیا کیا بن چکا ہے؟

دوسری طرف بیٹے کے لیے جذبات حاوی تھے کہ وہ حوالات میں ہے اور ذیشان نہ جانے اس کے ساتھ کیسا سلوک کر رہا ہو گا؟ بھوک تو لگ رہی تھی مگر کھانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ اس نے تہمینہ کو دیکھ کر کہا "میں ابھی کچھ نہیں کھاؤں گی۔"

"میڈم! اگر میں نے آپ کی خاطر داری نہ کی تو باس مجھے سزا بھی دیں گے اور ملازمت سے بھی نکال دیں گے۔ پلیز میڈم! چاہے ذرا سا ہی سہی لیکن کچھ کھا لیں۔"

دردانہ نے سوچا۔ اس لیڈی سیکریٹری سے شہباز کے بارے میں کچھ معلوم کرنا چاہیے۔ اس نے ذرا سوچنے کے بعد مسکرا کر کہا "ٹھیک ہے۔ ہم کچن میں چلتے ہیں۔"

ڈاکٹر ٹریٹمنٹ میں مصروف تھے۔ وہ دونوں کچن میں آ گئیں۔ وہاں ایک چھوٹی سی میز تھی۔ وہ دونوں اس کے اطراف آ کر بیٹھ گئیں۔ تہمینہ نے خانساماں کو حکم دیا کہ وہ کھانا گرم کر کے لے آئے۔ وہ حکم کی تعمیل کرنے لگا۔ اس نے دردانہ کی طرف جھک کر کہا "ایک بات پوچھوں؟"

"ہاں ہاں...... پوچھو......! میں بھی تم سے بہت کچھ پوچھنا چاہتی ہوں۔"

"آپ کا نام دردانہ ہے؟"

وہ چونک کر بولی "تم کیسے جانتی ہو؟"

اس نے ایک گہری سانس لی پھر کہا "آج باس کے رویے سے میں نے اندازہ لگایا کہ آپ دردانہ ہی ہو سکتی ہیں۔ پتا ہے؟ وہ مجھے تہمینہ نہیں کہتے ہیں۔"

"پھر کیا کہتے ہیں؟"

"وہ مجھے دردانہ کہہ کر پکارتے ہیں۔ انہیں یہی نام پسند ہے۔ مجھ سے پہلے جو سیکریٹری تھی باس اسے بھی دردانہ کہتے تھے۔"

دردانہ سن رہی تھی۔ خوش ہو رہی تھی۔ دل شہباز کے لیے محبت سے بھر گیا تھا۔ اس نے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا پھر پوچھا "باس تو تم پر بہت مہربان ہوں گے؟"

"وہ بہت سخت اور اصول پسند انسان ہیں۔ صرف کام کی باتیں کرتے ہیں۔ کوئی غیر ضروری بات کی جائے تو بالکل لحاظ نہیں کرتے۔ ایسے شخص کو سزا کے طور پر جاب سے نکال دیتے ہیں یا پھر ایک الٹا ہاتھ رسید کر دیتے ہیں۔"

پھر وہ ذرا سر جھکا کر بولی "ایک بار میں بھی مار کھا چکی ہوں۔ آپ بہت خوش نصیب ہیں۔"

دردانہ نے ایک ذرا جھجک کر پوچھا "وہ کیسے......؟"

وہ اسے دیکھتے ہوئے بولی "باس بہت ہی پتھر دل ہیں۔ کبھی کسی عورت کی طرف نہیں جھکتے۔ کوئی حسین سے حسین عورت بھی ان کے سامنے چلی آئے تو وہ ایسے منہ پھیر لیتے ہیں۔ جیسے اس پر تھوک کر گزر رہے ہوں۔"

دردانہ خوشی سے کھل رہی تھی۔ یہ سوچ کر فخر کر رہی تھی کہ شہباز درانی جیسا شہزور جواں مرد صرف اس کا ہے۔ برسوں کی طویل جدائی کے باوجود اس نے کسی دوسری عورت کو بھی ہاتھ نہیں لگایا۔ صرف اس کا انتظار کرتا رہا اور ایسے انتظار کرتا رہا کہ جو لڑکی اس کے قریب آئی تو اس نے اسے دردانہ کہہ کر مخاطب کیا۔ اتنی بڑی دنیا میں کوئی عورت تو کیا۔ کسی عورت کا نام بھی اسے پسند نہیں آیا تھا۔ اگر پسند تھا تو صرف ایک نام اور وہ تھا...... دردانہ!

اس نے پوچھا "باس کرتے کیا ہیں؟"

خانساماں کھانا لگا چکا تھا۔ تہمینہ نے ایک ڈش اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "سچ پوچھیں تو میں خود نہیں جانتی کہ وہ کیا کرتے ہیں۔"

"تم ان کی پرسنل سیکریٹری ہو، تمہیں تو معلوم ہونا چاہیے۔"

"بس اسی حد تک معلوم ہے کہ بڑے بڑے مشہور و معروف ملکی اور غیر ملکی سیاست دانوں سے ان کے تعلقات ہیں۔ دن رات ان کے فون آتے رہتے ہیں یا پھر یہ فون کرتے ہیں۔"

وہ ایک گلاس میں پانی انڈیلتے ہوئے بولی "کبھی تم بھی تو فون کالز اٹینڈ کرتی ہو گی؟"

تہمینہ نے ایک لقمہ چبانے کے بعد اسے حلق سے اتارتے ہوئے کہا "ہاں...... فون میں ہی اٹینڈ کرتی ہوں پھر ڈیل کم کرنے کے بعد باس کی طرف بڑھا دیتی ہوں۔"

''کوٹھی کے اندر اور باہر مسلح افراد کی فوج ہے۔ کیا تمہارے باس کو اتنی تعداد میں مسلح افراد رکھنے کی قانونی اجازت ہے؟''

میں نے کہا نا۔ باس کے تعلقات بہت وسیع ہیں۔ اسلام آباد تو کوئی چیز ہی نہیں ہے واشنگٹن سے ان کی کالیں آتی رہتی ہیں۔''

دردانہ بیگم نے اپنے بیٹے کے بارے میں سوچا پھر پوچھا ''کیا باس کی پہنچ پولیس کے شعبے تک ہے؟''

تہمینہ نے حقارت سے کہا ''پولیس کا شعبہ کیا چیز ہے؟ وہ اوپر سے لے کر نیچے تک تمام افسران کا جہاں چاہیں، تبادلہ کراسکتے ہیں۔ جس کی چاہیں وردی اتار سکتے ہیں۔''

وہ دونوں کھانے سے فارغ ہوکر کچن سے باہر آئیں۔ ڈاکٹر اور اس کا اسسٹنٹ شہباز درانی کے کمرے سے باہر آرہا تھا۔ اس نے تہمینہ کو دیکھ کر کہا ''مس تہمینہ! ہمارے باس دنیا کے عجیب وغریب انسان ہیں۔ انہیں کانٹوں پر چلاؤ تو شوق سے چلیں گے، انگاروں پر لٹاؤ تو لیٹ جائیں گے، میں ڈاکٹر ہوکر یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ کوئی اپنے جسم میں پیوست ہونے والی گولی کو خود اپنے ہاتھوں سے نکال سکتا ہے۔''

دردانہ نے ڈاکٹر کو دیکھا۔ تہمینہ نے کہا ''ہمیں اپنے باس پر ناز ہے۔ باکی داوے۔ اب وہ کیسے ہیں؟ سو رہے ہوں گے؟''

''یہی تو میں کہنے والا ہوں۔ وہ بہت عجیب ہیں۔ ہم نے انہیں بلڈ دینا شروع کیا تو ان کی آنکھ کھل گئی۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ انہیں نیند کا انجکشن دیا گیا تھا۔ ان پر اس دوا کا بھی اثر نہیں ہوا۔''

دردانہ ان کی باتیں سن رہی تھی پھر بولی ''کیا وہ جاگ رہے ہیں؟''

''ہاں۔ ابھی آپ کو پوچھ رہے تھے۔''

وہ تیزی سے چلتی ہوئی شہباز کے بیڈ روم میں آئی۔ وہ اپنے بیڈ پر چاروں شانے چت پڑا ہوا تھا۔ ایک اسٹینڈ سے خون کی بوتل لٹک رہی تھی اور اسے خون دیا جارہا تھا۔ اس نے سر گھما کر دردانہ کو دیکھا پھر مسکرانے لگا۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی آکر بیڈ کے سرے پر بیٹھ گئی۔ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بولی ''کیسے ہو......؟''

وہ بدستور مسکراتے ہوئے بولا ''تم آگئی ہو۔ پہلے سے اچھا ہوگیا ہوں۔''

وہ جواباً مسکرا کر بولی ''تمہاری سیکریٹری کا نام تہمینہ ہے لیکن تم اسے دردانہ کہتے ہو۔''

''میرے کاروبار میں جو بھی لڑکی میرے سامنے آتی ہے اور مجھے اسے مخاطب کرنا ہوتا ہے تو میں اسے دردانہ کہتا ہوں۔ مجھے تمہارے نام کے سوا کوئی دوسرا نام پسند نہیں ہے۔''

وہ خوش ہوکر بولی ''تم آج بھی مجھے پہلے کی طرح دیوانہ وار چاہتے ہو۔''

''ہاں...... چاہتا ہوں اور آخری سانس تک چاہتا رہوں گا۔''

''مگر شہباز! بہت وقت گزر چکا ہے۔ پچیس برس کم نہیں ہوتے۔ اب میں تمہارے قابل نہیں رہی ہوں۔''

وہ اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا ''فضول باتیں نہ کرو۔ اگر تمہاری شادی ہوچکی ہے تو میں اس بدنصیب شوہر کو گولی مار کر تمہیں یہاں لے آؤں گا۔ تم مدتوں کے بعد ملی ہو اب میں تمہیں کہیں جانے نہیں دوں گا۔''

''میں جانتی ہوں، تم کتنے ضدی ہو؟ میری شادی ہوئی تھی لیکن اب میں بیوہ ہوں۔''

''تھینکس گاڈ! تم آزاد ہو۔ میرے ساتھ رہ سکتی ہو۔''

وہ ذرا جھجکتے ہوئے بولی ''میں ایک جوان بیٹے کی ماں ہوں۔''

وہ مسکرا کر بولا ''تو کیا ہوا؟ میں اسے اپنا بیٹا بنالوں گا۔ مجھے تمہاری خوشی عزیز ہے۔''

وہ ایک دم سے کھل کر بولی ''او شہباز! تم مجھے اس قدر چاہو گے، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ کیا فی الحال میری ایک پریشانی دور کرسکتے ہو؟''

وہ اٹھ کر بیٹھنے لگا۔ وہ اسے زبردستی لٹاتے ہوئے بولی ''یہ کیا کررہے ہو؟ لیٹے رہو۔''

''تم پریشان ہو اور میں لیٹا رہوں؟ بولو! تمہیں کیا پریشانی ہے؟''

''میرے بیٹے کو گرفتار کر کے حوالات میں رکھا گیا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ وہ تمام رات وہاں رہے۔''

وہ ہنسنے لگا پھر بولا ''بس...... اتنی سی بات ہے؟ تہمینہ کو بلاؤ۔''

وہ کمرے سے باہر آئی۔ تہمینہ دروازے کے قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ دردانہ نے کہا ''اندر آجاؤ۔''

وہ اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں آئی تو شہباز نے کہا ''ہوم منسٹر کو فون کرو۔''

وہ تیزی سے چلتی ہوئی فون کے قریب آئی پھر ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگی۔ شہباز نے دردانہ سے پوچھا

''اسے کس علاقے کے تھانے میں لے جایا گیا ہے؟''

دردانہ اسے بتانے لگی۔ ادھر تہمینہ نے فون پر کہا ''ہیلو...... میں شہباز درانی کی پی اے بول رہی ہوں۔ سر ہوم منسٹر سے بات کرنا چاہتے ہیں۔''

تہمینہ نے ایک ذرا انتظار کے بعد ریسیور شہباز کے حوالے کردیا۔ وہ اسے کان سے لگا کر بولا ''ہیلو...... شہباز درانی اسپیکنگ......''

دوسری طرف سے آواز سنائی دی ''یس سر! فرمائیے۔''

''کراچی شہر میں ایک ایس پی ذیشان حیات ہے۔ اس نے ایک نوجوان جواد ہاشمی کو گرفتار کیا ہے اور میں اس جوان کی رہائی چاہتا ہوں۔ آپ ایک گھنٹے کے اندر اسے میرے سامنے حاضر کردیں۔''

پھر دوسری طرف کی باتیں سن کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ دردانہ خوش ہوکر اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ بولا ''تمہارا بیٹا ایک گھنٹے کے اندر یہاں پہنچ جائے گا۔''

تہمینہ کمرے سے باہر چلی گئی تو دردانہ خوشی سے جھوم کر اس سے لپٹ گئی۔ وہ اس کی قربت سے محظوظ ہوتے ہوئے بولا ''ہائے...... یہ خوشبو کہاں گم ہوگئی تھی؟''

وہ بولی ''اب میں پہلے جیسی خوشبو نہیں رہی ہوں۔ ایک مرجھایا ہوا پھول بن گئی ہوں۔''

''نہیں دردانہ! عورت جب تک محبتیں دینے کے قابل رہتی ہے تب تک نہ وہ بوڑھی ہوتی ہے اور نہ ہی مرجھاتی ہے۔ پھول کی خوشبو اڑ جاتی ہے لیکن محبت کی خوشبو کبھی نہیں اڑتی۔ وہ آخری سانس تک اپنے چاہنے والے کے اندر بسی رہتی ہے اور اسے معطر معطر کرتی رہتی ہے۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی ''مجھے اندازہ ہوگیا ہے کہ تم کس قدر شہزور ہو...... تم بڑے بڑے طوفانوں کا رخ پھیر سکتے ہو پھر کیا وجہ ہے کہ کہیں سے اس طرح گولی کھا کر آئے ہو؟ کیا تمہارا کوئی دشمن تم پر حاوی ہورہا ہے؟''

وہ مسکرا کر بولا ''نہیں میری جان! میں تو ابھی اسے چیونٹی کی طرح مسل سکتا ہوں۔''

''تو پھر کیوں اسے ڈھیل دے رہے ہو؟''

''ابھی تمہارے بیٹے کا معاملہ سامنے آگیا ہے۔ پہلے تمہاری خوشی پوری ہوگی پھر میں انتقام لوں گا۔''

وہ اپنے چہرے کو اس کے چٹان جیسے سینے پر رگڑتے ہوئے بولی ''او شہباز! تم مجھے کتنی خوشیاں دے رہے ہو؟''

خوشیاں وہ کیا دیتا......؟ خوشیاں تو میں دے رہا تھا۔ دردانہ کو بااختیار بنا رہا تھا اور ذیشان کے اختیارات کم کررہا تھا۔ وہ اپنے دفتر سے جانا ہی چاہتا تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ جاتے جاتے رک گیا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے کہا ''ہیلو...... ایس پی ذیشان ہیئر......!''

دوسری طرف سے رعب دار آواز سنائی دی ''میں آئی جی نعیم الدین کھوکھر بول رہا ہوں۔''

ذیشان ایک دم سے الرٹ ہوکر بولا ''یس سر......!''

اس اعلیٰ افسر آئی جی آف پولیس نے کہا ''تم نے جواد ہاشمی نامی ایک نوجوان کو گرفتار کیا ہے۔''

''یس سر!''

''تم نے اسے حوالات میں رکھا ہے؟''

''یس سر......!''

''اسے رہا کردو۔''

ذیشان نے ایک دم سے چونک کر کہا ''کیا......؟ سر! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ وہ اغوا کی واردات کا مجرم ہے۔''

''ابھی پندرہ منٹ کے اندر اس کے آدمی اسے لینے آئیں گے۔ تم اسے ان کے حوالے کردو۔''

وہ ایک دم سے چیخ کر بولا ''سر! اس نے میری بہن کو اغوا کرنے کی کوشش کی تھی اور آپ کہہ رہے ہیں کہ میں اس مجرم کو چھوڑ دوں؟''

''چھوڑنا ہی ہوگا۔ ہوم منسٹر کا حکم ہے۔''

وہ جھنجلا کر بولا ''سر! یہ منسٹرز کیا ہوتے ہیں؟ پانچ برس کے لیے انتخابات جیت کر آتے ہیں اور پانچ برس بھی پورے نہیں کرپاتے کہ اقتدار کی کرسی سے نیچے گر جاتے ہیں اور ہمیں ان کے بے جا احکامات کی تعمیل کرنی پڑتی ہے۔''

''ذیشان! زیادہ نہ بولو۔ مجھے صرف پندرہ منٹ کا وقت دیا گیا ہے۔ وہ لوگ جواد ہاشمی کو لینے کے لیے آنے ہی والے ہیں۔ تم انکار کروگے تو مجبوراً تمہیں اپنے سامنے حاضر ہونے کا حکم دینا پڑے گا پھر تمہاری جگہ دوسرا افسر جائے گا اور وہ اس نوجوان کو رہا کردے گا۔ بولو...... کیا کہتے ہو؟''

وہ شکست خوردہ لہجے میں بولا ''اوکے سر! آپ جو کہہ رہے ہیں، وہی ہوگا۔ جواد ہاشمی کو اس کے آدمیوں کے حوالے کردیا جائے گا۔''

پھر اس نے غصے سے ریسیور کو کریڈل پر پٹخ دیا۔ مقدر میں شکست لکھی ہو تو نہ چاہتے ہوئے بھی اسے قبول کرنا پڑتا ہے۔

☆☆☆

پاشا جانی ٹیکسی ڈرائیو کررہا تھا۔ ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھال رہا تھا اور دوسرے ہاتھ سے موبائل پر عروج کے نمبر پنچ

کررہا تھا پھر اسے کان سے لگا کر رابطے کا انتظار کرنے لگا۔

عروج اپنے بیڈ پر سونے جارہی تھی۔ موبائل فون کا بزر سن کر اٹھ بیٹھی۔ دل نے کہا ''یہ ضرور عینی ہوگی۔''

اس نے تکیے کے پاس رکھے ہوئے فون کو اٹھا کر نمبر پڑھا۔ وہ عینی کا موبائل نمبر تھا۔ اس نے اسے آن کرکے کان سے لگا کر کہا ''میں جانتی تھی۔ تو جب تک مجھ سے بات نہیں کرے گی، تجھے نیند نہیں آئے گی۔''

دوسری طرف سے پاشا جانی کی بھاری بھرکم آواز نے دل کو دھڑکا دیا ''میں پاشا بول رہا ہوں۔''

اس کی اوپر کی سانس اوپر ہی رہ گئی۔ اس نے دھڑکتے ہوئے سینے پر ہاتھ رکھا پھر ذرا سنبھل کر پوچھا ''آ...... آپ......؟''

''آپ نہیں...... تم......''

''ہاں...... وہ میں کہہ رہی تھی۔ یہ تو عینی کا فون ہے کیا تم اس کے پاس ہو؟''

''میں عینی کے گھر گیا تھا اس نے مجھے یہ فون دیا ہے۔ تاکہ میں ضرورت کے وقت رابطہ کرسکوں۔ اب یہ پوچھو کہ میں اس کے گھر کیوں گیا تھا؟''

''یہ پوچھنا ضروری نہیں ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم اس سے ملنے گئے تھے۔''

وہ مسکرا کر بولا ''یہی تو بات ہے میں ملنے نہیں گیا تھا، مجھے گرفتار کرنے کے لیے وہاں لے جایا گیا تھا۔''

اس نے حیران ہوکر پوچھا ''کیا......؟ یہ کیا کہہ رہے ہو؟ تمہیں کس نے گرفتار کیا تھا؟''

''اس کے بھائی ایس پی ذیشان صاحب نے......''

پھر وہ اسے تفصیل بتانے لگا۔ وہ توجہ سے سننے کے بعد بولی ''عینی کے بھائی جان بہت سخت ہیں۔ وہ کسی کا لحاظ نہیں کرتے۔ خدا کا شکر ہے کہ انہوں نے تم پر بھروسا کیا ہے اور تمہیں رہا کردیا ہے۔ ویسے بھائی جان کا فرض تھا کہ وہ پہلے تم پر لگائے گئے الزام کی تصدیق کرتے لیکن انہوں نے ایسا کیے بغیر تمہیں ہتھکڑی پہنائی۔ اس کا مجھے بہت افسوس ہورہا ہے۔''

''جو ہوچکا اس پر افسوس نہ کرو۔ پولیس والے ایسے ہی ہوتے ہیں۔''

''اس وقت تم کہاں ہو؟''

پاشا کے دل نے دھڑک کر کہا ''تمہارے پاس...... مجھے محسوس کرو......''

وہ مسکرایا پھر فون پر بولا ''میں اس وقت سڑک پر ہوں۔ ڈرائیونگ کررہا ہوں اور فون پر تم سے بات کررہا ہوں۔''

''رات کا کھانا کھا چکے......؟''

''ابھی تو رہائی ملی ہے۔ کھانے کی طرف دھیان ہی نہیں گیا۔ اب سوچ رہا ہوں، کسی ہوٹل میں جاکر یہ فرض ادا کردوں۔''

وہ سوچنے لگی ''یہ اب تک بھوکے ہیں، اور ہماری وجہ سے جواد وغیرہ کی سازشوں کا شکار ہوتے رہے ہیں۔ میرا فرض ہے کہ میں ان سے کھانے کے لیے پوچھوں۔''

اس نے پوچھا ''چپ کیوں ہو؟ کیا سوچ رہی ہو؟''

وہ چونک کر بولی ''آں...... کچھ نہیں ہاں...... میں سوچ رہی تھی......''

''ہاں۔ بولو......! جب لڑکی کانوں میں بولتے بولتے اٹکنے لگتی ہے تو دل دھڑکنے لگتا ہے۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی ''تم ایسی باتیں کرتے ہو تو میں کہنے والی بات بھی کہتے کہتے بھول جاتی ہوں۔''

وہ مسکرا کر بولا ''اپنی بے نیازی کی وجہ سے بھولتی ہو۔ میں بار بار تمہارے دل پر دستک دے رہا ہوں مگر تم دروازہ نہیں کھول رہی ہو۔ بند دروازے کے پیچھے بے چین ہوتی رہتی ہو۔ پتا نہیں...... کیوں کترا رہی ہو؟''

''او گاڈ! کیا تم ماہرِ نفسیات ہو؟ خوامخواہ میرے اندر کی باتیں بول رہے ہو۔ ویسے جناب! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''چلو مان لیتا ہوں۔ تم اپنی بات پوری کرو۔''

''وہ...... تم کھانا کھانے کے لیے یہاں چلے آؤ۔''

وہ خوش ہوکر بولا ''تم مجھے بلا رہی ہو یہ سن کر بھوک اڑ گئی ہے لیکن میں کھانے کے بہانے آؤں گا ضرور......''

وہ ذرا جھجکتے ہوئے بولی ''بس آتے آتے ایک کام کرنا۔ میں کھانا کھا چکی ہوں۔ اس لیے سالن تو ہے مگر روٹیاں نہیں ہیں۔ کسی ہوٹل سے لیتے آنا۔''

''بس میں ابھی روٹیاں لے کر پہنچ رہا ہوں۔''

وہ فون بند کرکے بیڈ سے اتر گئی۔ چادر کی شکنیں اور کمرے کی بکھری ہوئی چیزیں نظروں میں کھٹکنے لگیں۔ وہ جلدی جلدی انہیں سمیٹنے لگی۔ بستر درست کرنے لگی۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کون سا جذبہ اسے ایسا کرنے پر مجبور کررہا ہے؟ اس کام سے فارغ ہوکر وہ آئینے کے سامنے آگئی۔ زاویے بدل بدل کر اپنے سراپے کو دیکھنے لگی پھر برش اٹھا کر بالوں کو سلجھانے لگی۔

ایسے ہی وقت اسے خیال آیا کہ لباس بدل لینا چاہیے۔ اس جذبے سے یہ بات صاف طور پر سمجھ میں آرہی تھی کہ وہ خوب سے خوب تر بن کر اس کے سامنے آنا چاہتی ہے۔

وہ ایک دم سے ٹھٹک گئی۔ آئینے میں خود کو غور سے ...ھنے لگی، سوچنے لگی ''میں کیوں اتنی خوش ہورہی ہوں؟ کیا ...لیے کہ وہ آرہا ہے؟''

اس کے اندر ایک سوال پیدا ہوا ''وہ آرہا ہے تو کیا ہوا؟ ...ے اندر کون سا ایسا جذبہ ہے جو مجھے خوش کررہا ہے؟''

وہ بے چینی سے خود کو آئینے میں دیکھنے لگی۔ اپنے آپ کو ...نے لگی پھر اس نے بات بنائی ''وہ میرا محسن ہے۔ ڈیڈی ...دشمنی کے باوجود اس نے بہت بڑا احسان کیا ہے۔ میری ...ی کی عزت بچائی ہے۔ وہ اسے بہ حفاظت میرے پاس لایا ...۔ کیا ایسے شخص سے مل کر خوش نہیں ہونا چاہیے؟''

آئینے میں اس کے عکس نے کہا ''ضرور خوش ہونا چاہیے ...لیکن اس کے آنے پر لباس بدلنے اور خوب سے خوب تر نظر ...نے کی کیا ضرورت ہے؟ خود کو ٹٹولو عروج! ان جذبوں کو ...سمجھنے کی کوشش کرو۔ تم خوب ہو یہی کافی ہے، خوب تر ہونے ...کی کیا ضرورت ہے؟''

اس کا سر جھک گیا۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ سوچنے لگی ''ہاں...... میں اپنے آپ سے جھوٹ بول رہی ہوں۔ خود کو ...دھوکا دے رہی ہوں۔ اس کے جانے سے اداس ہوگئی تھی۔ اب ...آنے سے خوش ہورہی ہوں اور میں ایسا جان بوجھ کر نہیں ...کررہی ہوں۔''

اس نے پیشانی پر ہاتھ رکھ کر سر کو جھکایا، وہ جانتی تھی کہ ...عینی پاشا کو چاہنے لگی ہے۔ اسی کی باتیں کرتی رہتی ہے۔ اسی کے بارے میں سوچتی رہتی ہے۔ وہ عینی کی خوشی چاہتی تھی۔ اس کی دلی تمنا تھی کہ کوئی دل و جان سے چاہنے والا اس کی زندگی میں آئے۔ اسے اپنی شریکِ حیات بنائے اور وہ تمام خودغرض رشتے داروں سے نجات حاصل کرلے۔

اور اب عینی پاشا کے لیے اپنے دل کے دروازے کھول چکی تھی۔ اگرچہ وہ اس طرف نہیں بڑھ رہا تھا، لیکن بڑھ سکتا تھا۔ اگر عروج پیچھے ہٹ جاتی۔

اور وہ سر جھکائے سوچ رہی تھی ''یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ میں پاشا کو اپنی طرف بڑھنے سے پہلے ہی روک دوں گی۔ اپنی عینی کے لیے راستہ ہموار کردوں گی۔ مجھے محتاط رہ کر پاشا سے باتیں کرنی چاہئیں اور اس کی پیش قدمی کو روکنا چاہیے۔''

کال بیل کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ اس نے کمرے سے باہر آکر بیرونی دروازہ کھولا تو وہ سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ وہ ایک طرف ہٹ کر بولی ''اندر آجاؤ۔''

وہ اندر آکر ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھیلی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا ''میں روٹیاں لے آیا ہوں۔''

اس نے بیرونی دروازہ بند کرکے اس کے ہاتھ سے روٹیوں کی تھیلی لی پھر کہا ''اندر کمرے میں بیٹھو۔ میں سالن گرم کرکے لاتی ہوں۔''

وہ اثبات میں سر ہلاتا ہوا کمرے میں چلا گیا۔ وہ کچن میں آکر سالن گرم کرنے لگی اور سوچنے لگی کہ اس نے پاشا کو یہاں کیوں بلایا ہے؟ کیا اپنے ہاتھ کا سالن کھلانے کے لیے......؟ یا اس بہانے وہ اس کے روبرو ہونا چاہتی تھی؟ اس سے باتیں کرنا چاہتی تھی؟ اس کی باتیں سننا چاہتی تھی؟

اس نے اپنے دل کو سمجھایا ''اب بلا ہی لیا ہے تو پریشانی کی کیا بات ہے؟ میں زیادہ سے زیادہ عینی کی باتیں کروں گی۔''

پھر وہ کھانے کی ٹرے تیار کرکے کمرے میں آگئی۔ پاشا کے سامنے میز پر برتن چننے لگی۔ وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ بعض لمحات اتنے اچھے لگتے ہیں کہ جی چاہتا ہے وقت وہیں تھم جائے۔ اس وقت اس کا دل بھی یہی چاہ رہا تھا۔ عروج اس کی توجہ کھانے کی طرف کرتے ہوئے بولی ''سالن ٹھنڈا کرنے کا ارادہ ہے۔ شروع کرو۔''

وہ ذرا سنبھل کر بیٹھا پھر بولا ''کیا تم میرے ساتھ دو چار لقمے بھی نہیں لوگی؟''

''سوری۔ بالکل بھی گنجائش نہیں ہے۔ بس چائے پیتے وقت تمہارا ساتھ دوں گی۔''

وہ روٹی کا لقمہ توڑتے ہوئے معنی خیز انداز میں بولا ''کیا صرف چائے پیتے وقت ساتھ دوگی؟''

اس نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کے سوال میں بڑی گہرائی تھی۔ وہ سوال دور تک اس کے مستقبل کی طرف جارہا تھا۔ وہ اسے الجھا کر لقمہ چبا رہا تھا۔ وہ بولی ''میں تم سے عینی کے بارے میں باتیں کرنا چاہتی ہوں۔''

وہ ذرا چونک کر بولا ''ارے ہاں۔ مجھے پہلے عینی کے بارے میں بات کرنی چاہیے۔''

وہ خوش ہوکر بولی ''پھر تو تمہیں یہاں آتے ہی عینی کا نام لینا چاہیے تھا۔ تم نہیں جانتے میں اسے کتنا چاہتی ہوں؟''

''میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ تم دونوں ہی ایک دوسرے کو دل و جان سے چاہتی ہو۔ جانتی ہو، آج اس نے تمہاری خاطر کیا کیا ہے؟''

اس نے سوالیہ نظروں سے پاشا کو دیکھا۔ وہ بولا ''جب اسے معلوم ہوا کہ تم نے اس کی خاطر اپنا گھر چھوڑ دیا ہے اور یہاں تنہا چلی آئی ہو تو وہ بھی یہاں آنا چاہتی تھی۔''

وہ مسکرا کر بولی "ہاں...... یہ تو میں جانتی ہوں۔ اس نے مجھے فون پر کہا تھا کہ وہ آ رہی ہے۔ میں نے منع کیا تو اس نے رابطہ ختم کر دیا تھا پھر میں نے فون کیا تو مجھے بتایا گیا کہ وہاں اخلاق انکل اس کے وکیل آئے ہوئے ہیں۔ تب میں مطمئن ہوگئی کہ اب وہ نہیں آئے گی۔"

پاشا نے پوچھا "کیا تمہیں اتنا ہی بتایا گیا ہے؟"

"ہاں...... کیا اس سے بھی آگے کوئی بات ہے؟"

وہ ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا "میں سمجھ گیا۔ اصل بات تم سے چھپائی گئی ہے۔"

وہ پریشان ہو کر بولی "الجھا کیوں رہے ہو؟ کھل کر بات کرو۔"

"وہ وکیل صاحب کے روکنے کے باوجود جبراً یہاں آنا چاہتی تھی۔ سب نے روکا تو اس نے پستول کے ذریعے سب کو دھمکی دی کہ اگر وہ لوگ اس کے راستے میں رکاوٹ بنیں گے تو وہ خودکشی کر لے گی۔"

عروج نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا "یا خدا! یہ لڑکی تو پاگل ہو جاتی ہے پھر وہ رکی کیسے......؟"

"تم سمجھ سکتی ہو۔ وہ کسی کے روکنے سے رکنے والی نہیں تھی۔ بس اتفاقیہ طور پر رک گئی ہے۔ وہ زینے سے اتر رہی تھی ایسے ہی وقت اس کا پاؤں پھسل گیا۔ وہ لڑھکتی ہوئی بلندی سے نیچے آئی تو بے ہوش ہوگئی۔"

عروج ایک دم سے اچھل کر کھڑی ہوگئی پھر بولی "تمہیں یہاں آتے ہی مجھے یہ بات بتانی چاہیے تھی۔ اب چلو...... ہم ابھی اس کے پاس جائیں گے۔"

وہ ہاتھ کے اشارے سے اسے روکتے ہوئے بولا "آرام سے بیٹھو۔ اس وقت وہ دوا کے اثر سے گہری نیند میں ہے اور صبح تک سوتی رہے گی۔ کیا تم وہاں جا کر اسے جگانا چاہتی ہو؟"

وہ بیٹھتے ہوئے بولی "کیا اسے بہت زیادہ چوٹیں آئی ہیں؟"

"یہ تو میں نہیں جانتا۔"

وہ جھنجلا کر بولی "تو پھر تم کیا جانتے ہو؟ اتنی بری خبر سنا رہے ہو اور وہ بھی ادھوری......"

وہ ہنستے ہوئے بولا "پہلے وہ تمہارے لیے پاگل ہو رہی تھی۔ اب تم اس کے لیے پاگل ہو رہی ہو۔ پلیز نارمل رہو۔ تشویش کی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ آرام سے ہے اور نیند پوری کر رہی ہے۔"

یہ کہہ کر وہ پھر کھانے لگا۔ عروج نے سوچا "واقعی اگر وہ آرام سے سو رہی ہے تو مجھے ابھی وہاں نہیں جانا چاہیے۔ وہ جاگنے کے بعد سب سے پہلے مجھ سے ہی رابطہ کرے گی۔"

پھر اس نے پاشا سے کہا "ان لوگوں کو اس کا راستہ نہیں روکنا چاہیے تھا۔ اگر اسے کچھ ہو جاتا تو......؟"

"اگر وہ رات کو گھر سے باہر نکلتی اور باہر اسے کچھ ہو جاتا تو......؟ کیا تم نہیں دیکھ رہی ہو کہ گھر کے باہر وہ محفوظ نہیں ہے۔ اس کے دو دشمن تو نظروں میں ہیں اور نہ جانے کتنے پوشیدہ ہیں؟"

"چلو۔ انہوں نے اسے روک کر اچھا کیا مگر وہ اسے غصہ تو نہ دلاتے۔ اگر وہ ضد کر رہی تھی تو فون پر میری اس سے بات کراتے۔ میں اس سے کہتی کہ وہ یہاں نہ آئے۔ میں اس کے پاس آ رہی ہوں۔"

پاشا جانی نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا "ہاں۔ یہ مناسب ہوتا اور یہ بات نامناسب ہے کہ انہوں نے تم سے حقیقت چھپائی۔ اگر وہ تمہیں بتا دیتے کہ وہ زینے سے گر کر زخمی ہوگئی ہے تو تم فوراً اس کے پاس پہنچ جاتیں۔"

"ڈاکٹر نے ان کے مشورے کے مطابق ہی اسے نیند کا انجکشن دیا ہوگا۔ پتا نہیں کیوں؟ وہ سب ہمیں ایک دوسرے سے دور کرنا چاہتے ہیں؟"

"یوں سلانے سے کیا ہوتا ہے؟ وہ بیدار ہوتے ہی تمہارے پاس آنے کی ضد کرے گی۔ اس کے وکیل نے نئی سیکورٹی کا انتظام کیا ہے۔ آئندہ وہ مسلح گارڈز کے بغیر گھر سے باہر نہیں نکل سکے گی اور نہ ہی یہاں تمہارے پاس آ کر زیادہ وقت گزار سکے گی۔"

"بزرگوں کے اقدامات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ میرے خلاف سازشیں کی جا رہی ہیں۔ عینی پر بڑی محبتوں سے پابندیاں عائد کی جا رہی ہیں اور جتایا جا رہا ہے کہ وہ یہ سب کچھ اس کی بھلائی کے لیے کر رہے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ میں عینی کو ان کے خلاف بھڑکاتی رہتی ہوں۔ اسی لیے وہ مجھے اس کی زندگی سے الگ کر دینا چاہتے ہیں۔ وہ نادانی کر رہے ہیں۔ عینی کا ردِعمل ان کے سامنے ہے۔ آئندہ ہمیں جدا کرنے کی کوشش کی گئی تو میں بھی بھیانک ردِعمل دکھاؤں گی۔"

وہ بولا "کیا تم دونوں پاگل ہو؟ کیا سہولت سے نہیں سوچ سکتیں کہ دشمنوں کے یہ ہتھکنڈے دیرپا نہیں ہیں۔ غصہ دکھانے سے، ضد کرنے سے خوامخواہ جان جا سکتی ہے لیکن سہیلی نہیں مل سکتی۔ ذہانت سے سوچو۔ دانشمندی سے دشمنوں کے خلاف جوابی کارروائی کرو۔"

عروج نے اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر کہا

تو میری سہیلی ہمیشہ کے لیے مجھے مل سکتی ہے۔"

...... وہ کیسے......؟"

تمہیں پسند کرتی ہے۔ تم اسے محبت کا جواب محبت

چونک کر بولا "ارے ہاں۔ میں تو بتانا ہی بھول گیا۔ لڑکی مجھے چاہنے لگی ہے۔"

عروج نے اسے گھور کر دیکھا پھر کہا "خبردار! اسے بے کہنا۔"

بے وقوفی نہیں ہے تو کیا ہے؟ اگر وہ مجھے چاہتی ہے تی مگر اس نے مجھ سے کچھ نہیں کہا اور اپنے بھائی جان کچھ بتا دیا۔"

چونک کر بولی "کیا......؟ اس نے بھائی جان کو اپنے بات بتائی ہے؟"

ہاں...... پہلے تو وہ میری ہتھکڑیاں کھلوانے کے لیے رہی۔ جب اس کے بھائی جان نہیں مانے تو وہ انہیں بھابی کو ایک کمرے میں لے گئی۔ وہاں ان کے نہ جانے کیا باتیں ہوتی رہیں اس کے بعد بھائی جان آ کر میری ہتھکڑیاں کھلوا دیں پھر وہ مجھے اپنے ساتھ لے گئے وہاں انہوں نے بتایا کہ عینی نے اپنی محبت کا حوالہ انہیں مجبور کر دیا تھا۔ اسی لیے انہوں نے مجھے رہا کر دیا

وہ خوش ہو کر بولی "اس بات سے تم اندازہ کر سکتے ہو کہ کتنی شدت سے چاہنے لگی ہے؟"

وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا "میں اسے کرنے سے نہیں روکوں گا۔ اسے سمجھاؤں گا کہ بعض ت میں محبت یک طرفہ بھی ہوتی ہے۔ ہم کسی کو ٹوٹ کر تے رہتے ہیں لیکن پھر بھی ہمیں جوابی محبت نہیں ملتی۔ جیسا میں تم سے محبت کر رہا ہوں مگر جواباً محبت سے محروم ہوں۔"

وہ فوراً ہی اس سے نظریں چرا کر بولی "یہ...... یہ تم کیا رہے ہو؟ میں نے تم سے کہا تھا کہ مجھ سے ایسی باتیں نہ کیا ۔"

"اور میں نے کہا تھا کہ میں اپنے جذبوں کا اظہار کرتا رہوں گا۔ اپنی طرف سے محبت کرتا رہوں گا۔ تم صلہ نہیں دو گی اصرار نہیں کروں گا۔"

وہ پھر ادھر اُدھر دیکھ کر اس سے کترانے لگی۔ اس کے بعد "دیکھو پاشا! اگرچہ عینی بے انتہا دولتمند ہے لیکن بہت ہی نصیب ہے۔ بہت مظلوم ہے۔"

وہ اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا "میں بھی بدنصیب ہوں۔ مظلوم ہوں۔"

عروج کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ وہ بولی "تم پر کیا ظلم ہو رہا ہے؟"

"محبت کا جواب محبت سے نہ ملے تو اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے؟"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم عینی کی محبت کا جواب محبت سے نہ دے کر اس پر ظلم کر رہے ہو۔"

"یہ تو عینی کی یک طرفہ محبت ہے، اس کی اپنی مرضی ہے، میں نے تو اس سے نہیں کہا تھا کہ وہ مجھ سے محبت کرے۔"

وہ اس سے نظریں ملا کر بولی "بالکل اسی طرح میں نے بھی تم سے نہیں کہا ہے کہ مجھ سے محبت کرو۔"

پاشا نے ایک گہری سانس لی پھر کہا "تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ میں بھی مجبور ہوں۔ عینی بھی مجبور ہے اور تم بھی مجبور ہو۔ ہم تینوں ہی ایک دوسرے کو محبتوں کا صلہ نہیں دے سکتے۔ پتا نہیں...... ہمارا انجام کیا ہوگا؟"

وہ کھانا کھا چکا تھا۔ وہ بولی "ہم دونوں چاہیں تو اس کے لیے قربانی دے سکتے ہیں۔"

"قربانی تو میری ہوگی۔ کیونکہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ مجھے اپنی محبت کو خیر باد کہہ کر عینی سے رسمی لگاؤ کا ڈراما لے کرنا ہوگا۔ تم تو مجھ سے محبت نہیں کرتی ہو پھر تم کیسے قربانی دو گی؟"

اس کا ایک ہاتھ میز پر رکھا ہوا تھا۔ عروج نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ وہ شدید حیرت سے۔ مسرت سے اور بے یقینی سے کبھی اسے اور کبھی اس کے ہاتھ کو دیکھنے لگا۔ وہ بولی "پاشا! رسمی طور پر ہی سہی مگر پلیز۔ میری عینی سے محبت کرو۔ جب تمہیں اس کی چاہت ملے گی تو ہو سکتا ہے وہ رفتہ رفتہ تمہارے دل میں گھر کر لے۔"

وہ اسے بڑی حسرت سے دیکھنے لگا۔ وہ اسے مل کر بھی نہیں مل رہی تھی۔ پاشا نے ایک گہری سانس لے کر کہا "تم کہتی ہو تو میں اس سے دکھاوے کی محبت کر سکتا ہوں لیکن ایک شرط پر......"

"بولو۔ میں تمہاری ہر شرط ماننے کو تیار ہوں۔"

"بس ایک چھوٹی سی شرط ہے کہ تم اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں رہنے دو گی۔"

پاشا نے میز پر رکھے ہوئے ہاتھ کو سیدھا کیا تو عروج کی ہتھیلی اس کی ہتھیلی پر آ گئی۔ وہ اسے گرفت میں لینا چاہتا تھا۔ اس نے فوراً ہی اپنا ہاتھ کھینچ لیا پھر کہا "خدا کے لیے۔ ایسی باتیں نہ کرو۔ میں تمہیں اپنی عینی کے نام کرنا چاہتی ہوں۔"

''اور میں تمہیں اپنے نام کرنا چاہتا ہوں۔''

''تم فضول سی بات کہہ رہے ہو۔''

''فضول سی بات تو یہ ہے کہ میں تمہارے کہنے پر عینی سے جھوٹی محبت کرنے لگوں۔ کیا محبت جبراً کرائی جاتی ہے؟ اگر ایسا ہے تو چلو۔ یہی سہی۔ تم مجھ سے جبراً محبت کرو۔''

وہ اسے پریشانی سے دیکھتی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ برتن سمیٹ کر لے جاتے ہوئے بولی ''تم نے مجھے الجھا دیا ہے۔ سیدھی سی بات ہے اور تم نہیں مان رہے ہو۔''

''ایک بات کا جواب دو۔ میں کس رشتے سے تمہاری بات مالوں؟''

وہ رک گئی۔ پلٹ کر بولی ''جب تم نے میرے ڈیڈی کو اپنا خون دیا...تو اس وقت تمہارا مجھ سے کوئی رشتا نہیں تھا۔ انسانیت کے رشتے سے تم نے ایسا کیا تھا۔''

''بے شک۔ میں انسانیت کے رشتے سے بہت کچھ کرتا ہوں لیکن تمہارے ساتھ میں نے جو کیا۔ وہ محبت سے کیا ہے۔ گھڑی میں وقت دیکھو۔ رات کا ایک بجنے والا ہے۔ مجھے جواب دو، میں اتنی رات گئے کس رشتے سے تمہارے پاس تمہارے کمرے میں ہوں؟''

وہ بڑے عزم سے بولی ''عینی کے رشتے سے۔ میں نے اسی لیے تمہیں بلایا تھا اور تم دیکھ رہے ہو کہ جب سے یہاں آئے ہو۔ میں تمہیں عینی کی طرف مائل کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔''

''اگر میں عینی کی طرف مائل نہ ہوا تو کیا تم مجھے یہاں برداشت نہیں کرو گی؟''

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے سر جھکا لیا پھر کمرے سے نکل کر کچن میں آ گئی۔ اس کی حالت عجیب سی تھی۔ وہ منع کرنے کے باوجود بار بار اس سے اپنی محبت کا اظہار کیے جا رہا تھا۔ جبراً اس کے دل میں گھسا آ رہا تھا اور اس کی یہ زبردستی اچھی لگ رہی تھی۔

لیکن جو دل اس کی طرف جھکنا چاہتا تھا، وہی دل عینی کے لیے بھی تڑپ رہا تھا۔ یہ بات ذہن میں نقش ہو گئی تھی کہ عینی کو پاشا جیسا جیون ساتھی پھر نہیں ملے گا یہ اچھا موقع ہے۔ اسے کسی نہ کسی طرح عینی کی طرف مائل کرنا ہی ہوگا۔

وہ برتن دھونے لگی۔ جبکہ یہ ضروری نہیں تھا۔ وہ یہ کام بعد میں بھی کر سکتی تھی لیکن پاشا کے پاس جانے میں دیر کر رہی تھی۔ اپنے موجودہ حالات پر غور کر رہی تھی۔ یہ بات بھی دل میں تھی کہ اس نے اس کے آخری سوال کا جواب نہیں دیا تھا۔ اس سے منہ پھیر کر چلی آئی تھی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کا یوں چلے آنا اسے برا لگا ہو۔

وہ جلدی جلدی ہاتھ دھو کر کمرے میں آئی تو وہ وجود سے خالی تھا۔ اس نے فوراً ہی کوریڈور میں آ کر بیرونی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس سے ظاہر تھا کہ بتا کر بتائے بغیر جا چکا ہے۔

پھر بھی وہ کوارٹر سے باہر آ کر گلی میں دور دور تک گئی مگر وہ کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔

مقدر سنوارنے کے لیے آیا تھا مگر وہ اسے سنوار وہ ایک بار پھر مایوس ہو کر چلا گیا تھا۔

وہ سر جھکا کر کمرے میں آ گئی۔ موبائل فون اٹھا کرنے لگی۔ رابطہ ہونے پر پاشا کی آواز سنائی دی بولو......''

وہ بولی ''یہ کیا حرکت ہے؟ تم مجھ سے ملے بغیر گئے؟''

''تم نے میری آخری بات کا جواب نہیں دیا، منہ چلی گئیں۔ اس طرح مجھے اپنی حیثیت معلوم ہو گئی تمہارے مزاج پر گراں گزرتا ہوں۔ تم صرف عینی کی مجھے برداشت کرتی ہو۔''

''میں نے ایسا کب کہا ہے؟ تمہاری الٹی عقل سمجھایا، تم نے وہی سمجھ لیا۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا ''عروج! تم میر میں ایسے اتر چکی ہو کہ اب عقل کام نہیں آتی۔ میں د سوچنے لگا ہوں۔ ذہن سے سوچنا چھوڑ دیا ہے۔''

''او گاڈ! میں تمہیں کیسے سمجھاؤں؟''

''دیوانوں کو لاکھ سمجھاؤ مگر وہ نہیں سمجھتے۔ اسی لی پتھر مارے جاتے ہیں اور تم مجھے انکار کے پتھر مار رہی ہو

وہ ایک دم سے چپ ہو گئی پھر بولی ''میں تم سے میں نہیں جیت سکوں گی۔''

''یہ باتیں نہیں ہیں۔ محبت کی سچائی ہے۔ اگر تم ما گی تو کل پھر ملوں گا۔ یہ بتاؤ، تمہاری ڈیوٹی کب سے کر ہے؟''

''کل میری چھٹی ہے۔ میں صبح تک عینی کے انتظار کرتی رہوں گی۔ تم فون کے ذریعے رابطہ کرو تمہیں عینی کی خیریت بھی معلوم ہو جائے گی۔ ٹھیک ہے ملاقات ہوگی۔ او کے خدا حافظ!''

دونوں طرف سے فون کا رابطہ ختم ہو گیا لیکن دلوا رابطے بڑھتے جا رہے تھے۔ وہ پریشان ہو رہی تھی۔ آگے لا کر خود پیچھے جانا چاہتی تھی مگر دل تھا کہ آگے کی

رہا تھا۔

☆☆☆

ات کے دو بجے تھے۔ میں عینی کی کوٹھی میں تھا۔ سب تھے۔ میں جاگ رہا تھا۔ اس لیے کہ میں سونے کے ساتھ رہ کر بھی جاگتا رہتا ہوں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہاگنے والوں کے پاس آ کر سو جاتا ہوں۔ میں ایسا ہی یری کوئی کل سیدھی نہیں ہے۔

ک ناز، فلک آفتاب اور بیگم آفتاب اپنے اپنے کمروں ی نیند سو رہے تھے۔ ڈاکٹر نے عینی کو نیند کا انجکشن لگایا ا کے بعد وہ سو گئی تھی۔ گھر والے اس لیے بھی مطمئن پہلی رات عینی کے گم ہو جانے کے باعث جاگتے رہے اب اس رات کی نیند بھی پوری کر رہے تھے۔

لبتہ اسما جاگ رہی تھی اور اپنے دیور بابر کو بھی جگا رہی اس وقت وہ دونوں ڈرائنگ روم میں بیٹھے چائے پی تھے۔ بابر نے کہا ''بھابی جان! دو بج چکے ہیں اور میں رح جانتا ہوں، بھائی جان صبح تک نہیں آئیں گے تو مجھے صبح تک جگاتی رہیں گی۔''

وہ مسکرا کر بولی ''میں ابھی تمہیں چھٹی دے دوں گی، تم سے جا کر سو جانا، مگر پہلے یہ بتاؤ شادی کب کر رہے

''میں نے کہا تو ہے، جیسے ہی کوئی لڑکی پسند آئے گی، کر لوں گا۔''

''تم لڑکیوں کی طرف دیکھو گے تب ہی کوئی پسند آئے تم تو ان سے ایسے کترا کر گزر جاتے ہو۔ جیسے وہ حملہ نے آ رہی ہوں۔ تم نے تو کبھی عینی میں بھی دلچسپی نہیں

وہ مسکرا کر بولا ''ارے بھابی! اس کے پیچھے تو دیوانوں کی لگی ہوئی ہے، آپ مجھے کیوں اس لائن میں کھڑا کرنا ہتی ہیں؟''

''خیر۔ عینی کی بات چھوڑو۔ اب تو وہ خود ہی پار لگ رہی ''

''پار لگ رہی ہے؟ اس کا مطلب کیا ہوا؟''

''وہ ایک ٹیکسی ڈرائیور کو چاہنے لگی ہے۔''

اس نے حیرانی سے پوچھا ''کیا......! ٹیکسی ئیور......؟''

''ہاں......لیکن وہ تعلیم یافتہ لڑکا ہے۔ اچھے خاندان سے تا رکھتا ہے۔ وہی عینی کو جواد سے بچا کر عروج کے پاس گیا تھا۔''

''یعنی وہ ڈرائیور ہیرو بن کر رئیس زادی کا دل جیت چکا ہے۔''

''ہاں۔ میں نے اس جوان کو دیکھا ہے۔ بہت ہی خوب رو اور اسمارٹ ہے۔ عینی اس کے ساتھ بہت اچھی زندگی گزارے گی۔''

''کیا یہ بات ممی، ڈیڈی اور پھوپی جان کو معلوم ہے؟''

''ہاں۔ وہ کسی حد تک سمجھ گئے ہیں۔ اب آئندہ پاشا جانی کے خلاف محاذ آرائی ہوا کرے گی۔''

وہ ذرا سوچنے کے انداز میں بولا ''ہمارے گھر میں شطرنج کی بساط بچھی رہتی ہے۔ تمام مہرے ایک دوسرے کے سامنے تن کر کھڑے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کو مات دینے کے سلسلے میں سازشیں کرتے رہتے ہیں۔''

وہ ہاں کے انداز میں سر ہلا کر بولی ''ہم کہاں عینی کی باتوں میں الجھ گئے؟ تم اپنی شادی کی بات کرو۔ میری نظر میں دو لڑکیاں ہیں۔ بہت اچھی ہیں۔ گھر گرہستی والا مزاج رکھتی ہیں۔ تم ابھی راضی ہو جاؤ تو میں رشتے کی بات چلاتی ہوں۔''

''بھابی جان! میری زندگی میں آنے والی آپ کی طرح بانجھ ہو گی تو کیا ہوگا؟''

''فضول باتیں نہ کرو۔ میں نے پہلے بھی سمجھایا تھا۔ سب کے نصیب کھوٹے نہیں ہوتے۔ تم اپنی پہلی اولاد کو میری گود میں رکھو گے۔''

وہ سنجیدہ سے لہجے میں بولا ''آپ اپنی محرومی دیکھ رہی ہیں۔ یہ نہیں سوچ رہی ہیں کہ جو میرے پاس آ کر ایک بچے کی ماں بنے گی۔ کیا وہ ماں اپنا پہلا بچہ آپ کو دے سکے گی؟''

''میں اس بچے کو اس سے دور تو نہیں کروں گی، وہ تمہارے اور اس کے سامنے ہی رہے گا۔ بس اتنا ہوگا کہ وہ زیادہ وقت میرے پاس رہا کرے گا۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا ''آپ ناممکن کو ممکن بنانا چاہتی ہیں۔ آپ اس بچے کو کلیجے سے لگائے رکھیں گی۔ اسے اپنے ساتھ سلایا کریں گی؟''

''ہاں۔ یہ میرا ارمان ہے۔''

''اور اس ماں کے ارمان کہاں جائیں گے؟''

وہ ایک دم سے خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ بولا ''دیکھیے بھابی جان! اس طرح گھریلو جھگڑے بڑھیں گے۔ ایسا کرتے ہیں کہ جس لڑکی سے میری شادی کرائی جائے گی۔ پہلے اس سے ایک تحریری معاہدہ کیا جائے کہ وہ اپنا پہلا بچہ آپ کی گود میں ڈالے گی۔ اگر وہ راضی ہو گی تو میں اس سے شادی کر لوں گا۔''

اسما سوچ میں پڑ گئی۔ اس نے پوچھا ''کیا ہوا؟ آپ کس سوچ میں پڑ گئیں؟''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی ''کوئی بھی لڑکی شادی سے پہلے ایسا معاہدہ نہیں کرے گی۔ اس کے والدین بھی رشتا دینے سے انکار کر دیں گے۔''

''خدا کا شکر ہے، ایک عقل کی بات آپ کی سمجھ میں آ رہی ہے۔''

وہ ذرا خفگی سے بولی ''تم بہت خوش ہو رہے ہو یہ نہ سمجھو کہ میں تمہارا پیچھا چھوڑ دوں گی۔ تمہیں میری گود میں ایک بچہ دینے کے لیے کچھ بھی کرنا ہوگا۔''

''آپ حکم دیں... میں کسی کا بھی بچہ چرا کر لے آتا ہوں۔''

''فضول باتیں نہ کرو۔ اس طرح تو ہم یتیم خانے سے بھی بچہ لا سکتے ہیں مگر وہ اس خاندان کا لہو نہیں ہوگا۔ اسی لیے تو مجھے تمہاری خوشامد کرنی پڑ رہی ہے۔''

''آپ میرے راستے میں کیلے کا چھلکا پھینک رہی ہیں۔ میں کسی وقت بھی پھسلنے والا ہوں۔''

وہ ذرا سوچنے کے بعد بولی ''ایک تدبیر ہے......''

وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ وہ بولی ''کسی ایسی غریب اور مجبور لڑکی سے شادی کرو جو تمہارے ہر حکم کے سامنے سر جھکا لے۔''

''کیا اب آپ کسی غریب اور مجبور لڑکی کو ڈھونڈنے نکلیں گی؟''

''میں اس خاندان کا ایک وارث لانے کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہوں۔ اگر میں نے ایسا نہ کیا تو تمہارے ماں باپ میرے لیے سوکن لے آئیں گے۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا ''یہ تو میں کہہ چکا ہوں۔ مجھے کیلے کے چھلکے پر پھسلنا ہی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ میرا مقدر میرے ساتھ کیا گل کھلائے گا؟''

وہ سر جھکا کر سنجیدگی سے سوچنے لگی۔ بابر تھوڑی دیر تک اسے بڑی محبت سے دیکھتا رہا پھر اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بولا ''بھابی جان! پتا نہیں کیوں؟ میں اپنی ممی سے زیادہ آپ کو چاہتا ہوں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ اس خاندان میں وارث لانے کا کوئی راستہ نکل ہی آئے گا۔''

عینی اپنے کمرے میں گہری نیند سو رہی تھی۔ یہ مجھے منظور نہیں تھا۔ سکوت اور خاموشی موت کی نشانی ہے۔ وقتاً فوقتاً ہلچل پیدا ہوتی رہے تو زندگی کے چہرے پر رونق آتی رہتی ہے۔

میں نے اسے جگا دیا۔ اس نے آنکھیں ادھر دیکھا پھر سوچنے لگی، وہ کہاں ہے؟ اسے یاد آ زینے کی بلندی سے گر پڑی تھی۔ اس کے بعد ا رہا تھا۔

اس نے اپنے سر کو چھو کر دیکھا تو پیشانی کے ایک پٹی چپکی ہوئی تھی۔ وہ فوراً ہی اٹھ کر بیٹھنا چا جسم میں جگہ جگہ درد کی ٹیسیں اٹھنے لگیں۔ وہ آ لیٹ گئی پھر تھوڑی دیر بعد دھیرے دھیرے اٹھ کوشش کرنے لگی۔ میں اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اپ کامیاب ہو گئی تھی۔

وہ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر بیٹھ گئی تھ آ رہا تھا کہ عروج نے اس کی خاطر اپنا گھر چھوڑ د ہاسپٹل کے کوارٹر میں رہنے کے لیے گئی ہے۔ یہ خیا وہ بیڈ سے اتر کر کھڑی ہو گئی۔ سر بری طرح چکرا تھوڑی دیر تک خود کو سنبھالتی رہی پھر آہستہ آہستہ دروازے کے پاس آئی۔ اسے کھول کر وہاں ہوئی بالکونی کی ریلنگ کے پاس آ گئی۔ نیچے ڈرائنگ دھیمی دھیمی سی روشنی تھی۔ وہاں اسما اور بابر دھند سے دکھائی دے رہے تھے۔

وہ ریلنگ کے سہارے چلتی ہوئی زینے کے پھر ایک ایک پائیدان پر قدم جماتی ہوئی نیچے ا نصف زینہ طے کرنے کے بعد وہ کمزوری کے باعث اس نے اسما کو پکارا ''بھابی جان......!''

اسما اور بابر نے چونک کر زینے کی طرف ریلنگ سے ٹیک لگائے بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ دونوں اٹھ کر زینے کی طرف آئے۔ اسما نے کہا ''تم یہاں آئی ہو؟ انٹرکام کے ذریعے مجھے بلا لیتیں۔''

''میرے لیے گاڑی نکلوائیں۔''

وہ دونوں سیڑھیاں چڑھ کر اس کے پاس آ بابر نے حیرانی سے پوچھا ''کیا کہہ رہی ہو؟ اس و جاؤ گی؟''

''عروج وہاں اکیلی ہے۔''

اسما نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا ''عینی! ہو...ایسی نادانی کی باتیں نہ کرو۔ اس وقت رات بج رہے ہیں پھر تمہیں یاد نہیں کہ اخلاق انکل نے کیا کہ گھر سے باہر قدم نہیں نکالو گی۔''

وہ الجھ کر بولی ''وہ کون ہوتے ہیں مجھے روکنے میں جاؤں گی اور ابھی جاؤں گی۔''

اسما نے کہا ''بس ابھی دو تین گھنٹے میں صبح ہونے والی ہے...... عروج کو یہیں بلا لیں گے۔''

''کیا آپ نے اسے میرے بارے میں بتایا تھا؟''

''نہیں۔ ہم جانتے ہیں وہ بھی تمہاری طرح پاگل ہے۔ تمہاری حالت کا سنتے ہی آدھی رات کو دوڑی چلی آتی۔ ہم نے اسی لیے ابھی کچھ نہیں بتایا ہے۔''

وہ اطمینان کی سانس لیتے ہوئے بولی ''میں جانتی تھی، اسے میرے بارے میں پتا نہیں ہے ورنہ وہ دوڑی چلی آتی لیکن میں جاؤں گی...ابھی جاؤں گی۔''

وہ یہ کہہ کر کھڑی ہو گئی۔ ریلنگ کے سہارے ایک ایک پائیدان پر قدم رکھتے ہوئے نیچے اترنے لگی۔

اسما نے اسے شانوں سے تھام کر کہا ''کیا کر رہی ہو عینی......؟ میری بات مان لو۔ دیکھو! میں تمہاری بھابی ہوں، کیا تم میری بات نہیں مانو گی؟''

''میں آپ کی عزت کرتی ہوں مگر آپ کی بات مان کر عروج کو نہیں بھول سکتی۔ وہ اس وقت تنہا ہے اور میری وجہ سے تنہا ہے۔ پلیز...... مجھے نہ روکیں۔''

وہ اترتی جا رہی تھی اور بولتی جا رہی تھی۔ اسما اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے بولی ''اچھا...... چلو۔ وہاں صوفے پر آرام سے بیٹھو۔ ابھی تمہارے بھائی جان آئیں گے...تم ان کے ساتھ عروج کے پاس چلی جانا یا پھر اسے یہاں بلا لینا۔''

''نہیں بھابی جان! میں یہ برداشت نہیں کروں گی کہ وہ تنہا کوارٹر میں رات گزارے اور وہ بھی میری وجہ سے......''

وہ اسما کے سہارے چلتی ہوئی صوفوں کے درمیان آ گئی۔ بابر نے بیٹھنے کے لیے کہا تو وہ انکار میں سر ہلا کر بولی ''نہیں۔ دروازے کی طرف چلیں۔ ڈرائیور کو بلائیں۔''

بابر نے جھنجلا کر کہا ''عینی! پاگل ہو گئی ہو کیا؟ جانتی ہو، وکیل انکل نے کتنے سخت انتظامات کیے ہیں؟ سیکورٹی گارڈز تمہیں باہر نہیں جانے دیں گے۔''

''اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنے گھر میں قیدی بن کر رہوں گی؟ مجھے نہیں چاہیے یہ دولت اور جائداد۔ مجھے نہیں چاہیے وصیت کی پابندی۔ میں اپنے پاپا کی وصیت اور جائداد سے انکار کرتی ہوں۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ مجھے صرف عروج چاہیے۔''

وہ آگے بڑھنے لگی تو بابر نے سامنے آ کر راستہ روکتے ہوئے کہا ''ذرا دیر کے لیے رک جاؤ۔ ہم ابھی عروج کو فون کرتے ہیں۔ تم اس سے بات کرو اور یہ طے کرو کہ تم وہاں جاؤ گی یا وہ یہاں آئے گی؟''

اس نے قائل ہو کر بابر کو دیکھا۔ اسما نے اسے ایک صوفے پر بٹھا دیا۔ بابر ریسیور کو کان سے لگا کر بولا ''عروج کے نمبر بتاؤ۔''

اس کے کچھ کہنے سے پہلے دروازہ کھلا۔ ان تینوں نے اس طرف دیکھا۔ کھلے ہوئے دروازے سے ذیشان اندر آ رہا تھا۔ اسما فوراً ہی اٹھ کر اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولی ''اچھے وقت پر آئے ہیں۔ عینی نے تو پریشان کر دیا ہے۔ یہ اتنی رات کو عروج کے پاس جانے کی ضد کر رہی ہے۔''

ذیشان نے عینی کے قریب آ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا ''تم عروج سے ملنے کے لیے بے چین ہو رہی ہو۔ ہم تمہاری بے چینی سمجھ سکتے ہیں مگر یہ ضد تمہیں نقصان پہنچا رہی ہے۔ کیوں اپنی جان سے دشمنی کر رہی ہو؟ تم صبح اس سے مل سکتی ہو۔''

''نہیں بھائی جان! آپ نہیں جانتے۔ اس نے میری خاطر اپنے ماں باپ سے جھگڑا کیا ہے اور اپنا گھر چھوڑ دیا ہے۔ کیا میں ایسی حالت میں اسے تنہا رہنے دوں گی؟''

وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا ''بے شک۔ اسے تنہا نہیں رہنا چاہیے۔ میں ابھی فون پر اس سے بات کرتا ہوں اور ابھی اسے یہاں بلاتا ہوں۔''

بابر ریسیور لیے کھڑا ہوا تھا پھر بولا ''عروج کا نمبر بتاؤ۔''

وہ نمبر بتانے لگی اور وہ ڈائل کرنے لگا...کچھ دیر بعد دوسری طرف سے بیل کی آواز سنائی دینے لگی۔ بابر نے ریسیور عینی کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اسے کان سے لگا کر انتظار کرنے لگی پھر عروج کی آواز سنائی دی۔

''ہیلو...... میں عروج بول رہی ہوں۔''

وہ بولی ''میں عینی ہوں۔۔ کیا ابھی تک جاگ رہی ہے؟ سوئی نہیں ہے؟''

''کیسے سوتی......؟ پاشا نے بتایا تھا کہ تو سیڑھیوں سے گر کر زخمی ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر نے تجھے نیند کا انجکشن لگایا ہے اور تو سو رہی ہے۔''

وہ مسکرا کر بولی ''میری جان! مجھے زہر بھی کھلایا جاتا تو میں موت کی نیند نہیں سوتی۔ تجھ سے ملنے کے لیے تڑپتی رہتی۔''

وہ تینوں اس کی باتیں سن رہے تھے۔ دوسری طرف سے عروج نے کہا ''تو نے یہ کیا حماقت کی تھی؟ کیا پستول کو کھلونا سمجھ لیا ہے؟''

وہ ذیشان کو دیکھتے ہوئے بولی ''تیرے پاس آنے سے مجھے روکا جائے گا تو میں جان کی بھی پروا نہیں کروں گی۔ اس

وقت سیڑھیوں سے گر پڑی تھی اس لیے تیرے پاس آنے کی بات ٹل گئی تھی مگر اب نہیں ٹلے گی۔ میں ابھی آ ؤں گی۔''

''ایسی حماقت نہ کرنا۔ کیا تو اس وقت اکیلی ہے؟''

''نہیں۔ یہاں بھائی جان میرے پاس بیٹھے ہیں۔ اسما بھابی اور بابر بھی ہیں۔''

''ریسیور ذیشان بھائی کو دے۔''

عینی نے ریسیور ذیشان کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اسے کان سے لگا کر بولا ''ہیلو......عروج!''

وہ بولی ''بھائی جان! آپ جانتے ہیں وہ کیسی سر پھری ہے؟ یہاں آنے سے باز نہیں آئے گی۔ اس لیے مناسب ہے کہ میں وہاں چلی آؤں۔''

''میں بھی یہی چاہتا ہوں لیکن تم اتنی رات کو تنہا نہیں آؤ گی۔ میں تمہیں لینے آ رہا ہوں۔''

عینی نے مداخلت کی ''بھائی جان! اس سے پوچھیں۔ اس نے رات کا کھانا کھایا ہے یا نہیں......؟''

ذیشان نے کہا ''اوہو... وہ یہاں آئے گی تو پوچھتی رہنا۔''

پھر اس نے فون پر عروج سے کہا ''ٹھیک ہے۔ میں ابھی تمہیں لینے کے لیے آ رہا ہوں۔''

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اسما نے کہا ''آپ ابھی آفس سے تھک کر آئے ہیں۔ بہتر ہوگا، آپ کی جگہ بابر چلا جائے۔''

وہ بولا ''نہیں... میں سپاہیوں کے ساتھ آیا ہوں۔ انہی کے ساتھ جا کر عروج کو لے آؤں گا۔''

پھر وہ اٹھتے ہوئے بولا ''عینی! میں تمہاری بات مان رہا ہوں۔ تم میری بات مانو۔ یہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں جاؤ اور آرام سے لیٹ جاؤ۔''

اسما نے عینی کا ہاتھ تھام کر کہا ''چلو......اٹھو......''

وہ اٹھ کر اسما کے ساتھ جانے لگی۔ ذیشان اسے زینے پر چڑھتے ہوئے اور اسے اپنے کمرے تک جاتے ہوئے دیکھتا رہا پھر مطمئن ہو کر وہاں سے باہر آ گیا۔

باہر سیکورٹی گارڈز کے علاوہ مسلح سپاہی بھی کھڑے ہوئے تھے۔ اس نے اپنی کار میں بیٹھتے ہوئے سپاہیوں سے کہا ''میرے پیچھے آؤ۔''

سپاہی فوراً ہی حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اس کی کار کے پیچھے ایک گاڑی میں جانے لگے۔ وہ کار ڈرائیو کرتا ہوا مین روڈ پر آ گیا۔ ایسے وقت فون کا بزر سنائی دیا۔ اس نے اسے آن کر کے کان سے لگایا پھر کہا ''ہیلو...... ایس پی ذ ہیئر......!''

دوسری طرف سے اس کے اعلیٰ افسر آئی جی کی سنائی دی ''ذیشان! تم نے جواد ہاشمی کو رہا کر دیا تھا؟''

وہ مستعدی سے بولا ''یس سر! میں نے آپ کے تعمیل کی ہے۔''

''لیکن وہ ابھی تک شہباز درانی کے پاس نہیں ہے۔''

''سر! یہ شہباز درانی کون ہے؟''

''ہمارے ملک میں بے شمار اثر و رسوخ والے ہیں۔ یہ انہی بڑے لوگوں میں سے ایک ہے۔ کیا تم نے کے سلسلے میں جواد سے کوئی تحریر لی تھی؟''

''سر! میں پکا کام کرتا ہوں۔ اس کے تحریری کاغذ صرف اس کے دستخط ہیں۔ بلکہ جو چار افراد اسے لینے کے آئے تھے۔ میں نے اس کاغذ پر ان کے دستخط بھی لیے۔ اس کے بعد اسے ان کے حوالے کیا تھا۔ ان میں سے ایک کسی سے فون پر رابطہ کر کے کہا تھا کہ جواد کو رہائی مل گئی۔ وہ اسے لے کر آ رہے ہیں۔''

آئی جی نے مطمئن ہو کر کہا ''پھر تو ٹھیک ہے۔ اب وہ اپنے گھر تک نہیں پہنچتا ہے تو اس کے ذمے دار ہم ہیں۔ اس کم بخت نے تمہاری بہن کو اغوا کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے باوجود تم نے میرے حکم کی تعمیل ہے۔ تم اپنا فرض ادا کر چکے ہو۔ اوکے گڈ نائٹ......''

رابطہ ختم ہو گیا۔ ذیشان ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ تو ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ اس نے موبائل کو آف کرتے ہو ناگواری سے سوچا ''اونہہ۔ میری بہن کو اغوا کرنے خیریت سے گھر پہنچ جائے؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ابھی ماں بیٹے کو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہوتا رہے گا......''

☆☆☆

شہباز درانی کی پہنچ بہت اوپر تک تھی اور وہ وہاں تک کر یہ کہہ چکا تھا کہ ایک گھنٹے کے اندر جواد ہاشمی کو رہا ہو کر کے پاس پہنچ جانا چاہیے۔

اسے یقین دلایا گیا تھا کہ ایسا ہی ہوگا اور پھر ایک کے اندر ہی اس کے چار آدمی جواد ہاشمی کو لینے کے لیے ذ کے دفتر میں پہنچ گئے تھے۔ وہاں سے ایک آدمی نے فون ذریعے شہباز کو بتایا تھا کہ جواد کو رہائی مل چکی ہے اور وہ لے کر آ رہے ہیں۔

دردانہ بیگم خوش ہو گئی تھی کہ اس کا بیٹا رہا ہو کر آ رہا ہے۔

باز کے جو چار آدمی اسے لینے گئے تھے ان میں سے ایک نے آدھے گھنٹے کے اندر ہی فون پر پریشان ہو کر کہا ''باس! م مصیبت میں ہیں۔ ہم پر چاروں طرف سے فائرنگ ہو رہی ہے۔''

شہباز نے کہا ''یہ کون ہیں جو ایسا کر رہے ہیں۔ دشمنوں کو پہچاننے کی کوشش کرو اور جواد کو بہ حفاظت یہاں لاؤ۔ اپنا ن آن رکھو اور مجھے پل پل کی خبر دیتے رہو۔''

دردانہ یہ باتیں سن کر پریشان ہو گئی۔ کہنے لگی ''شہباز! یہ میرے بیٹے کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟''

وہ اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے بولا ''تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ میرے کئی جانے انجانے دشمن ہیں۔ ان میں سے کوئی میرے خلاف ایسی حرکت کر رہا ہے۔''

وہ اسے تسلیاں دینے لگا۔ دوسری طرف فون پر بہت دیر تک خاموشی رہی پھر اس کے ماتحت نے رابطہ کر کے کہا ''باس! وہ لوگ فرار ہو چکے ہیں۔ ہمارے دو آدمی مارے گئے ہیں۔ ہم جواد صاحب کو تلاش کر رہے ہیں مگر وہ کہیں نظر نہیں آ رہے ہیں۔''

شہباز نے دھاڑتے ہوئے پوچھا ''کیا بکواس کر رہے ہو؟ تم جیسے کتوں کے ہوتے ہوئے وہ کہاں غائب ہو گیا؟''

''باس! حملہ ایسے اچانک ہوا تھا کہ ہم سب ہی تتر بتر ہو گئے تھے۔ دشمنوں کے حملے کے بعد پتا چلا کہ ہمارے دو ساتھی مارے گئے ہیں اور جواد صاحب لاپتا ہیں۔''

''میں کچھ نہیں جانتا۔ اسے کہیں سے بھی تلاش کر کے لاؤ۔''

دردانہ نے تڑپ کر پوچھا ''میرے بیٹے کو کچھ ہو گیا ہے۔ تمہارے آدمی چھپا رہے ہیں۔''

وہ فون بند کرتے ہوئے بولا ''اسے کچھ نہیں ہوا ہے۔ میرے دو بندے مارے گئے ہیں۔ جب وہ ان کی ہلاکت کے بارے میں مجھے بتا سکتے ہیں تو وہ جواد کے بارے میں بھی ایسی کوئی بری خبر سنا سکتے ہیں۔ فی الحال تو بات صرف اتنی سمجھ میں آ رہی ہے کہ اسے اغوا کر لیا گیا ہے۔''

وہ پریشان ہو کر اسے دیکھنے لگی پھر بولی ''کیا تمہارے انہی دشمنوں نے اسے اغوا کیا ہوگا جنہوں نے تم پر فائرنگ کی تھی؟''

وہ ذرا سوچتے ہوئے بولا ''ہو سکتا ہے کہ یہ وہی ذلیل دشمن ہوں۔ میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔''

اس نے اپنی سیکریٹری تہمینہ سے کہا ''اشرف چنگیزی کو اس کے تمام نمبروں پر تلاش کرو اور رابطہ ہوتے ہی مجھ سے بات کراؤ۔''

وہ حکم کی تعمیل کے لیے چلی گئی۔ کچھ دیر بعد ہی اس نے فون پر کہا ''باس! اشرف چنگیزی سے بات کریں۔''

تہمینہ سے رابطہ ختم ہوتے ہی اس کی آواز سنائی دی۔ شہباز درانی نے غراتے ہوئے کہا ''چنگیزی! میں بول رہا ہوں۔''

''ہاں......زخمی شیر! غرا رہے ہو؟ میں تو سمجھ رہا تھا، گولی کھانے کے بعد مر چکے ہو گے مگر بڑے ڈھیٹ ہو۔''

شہباز نے دردانہ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر فون پر کہا ''چنگیزی! ایک طویل مدت کے بعد میری محبت مجھے واپس ملی ہے۔ اسی لیے تم اب تک سانسیں لے رہے ہو۔ میں محبت کے معاملے میں الجھ کر انتقام کو بھولا ہوا ہوں۔ ویسے آج صبح ٹھیک چھ بجے تمہاری زندگی کا اختتام ہو جائے گا۔''

وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولا ''شہباز! تمہارا ایک خاص بندہ میرے قبضے میں آ گیا ہے۔ میرے آدمیوں نے ابھی اسے اغوا کیا ہے۔''

''جانتا ہوں۔ اسی لیے فون کیا ہے۔ اگر تم مزید چوبیس گھنٹے زندہ رہنا چاہتے ہو تو میرے آدمی کو میرے حوالے کر دو۔''

''اسد عزیزی تمہارا رائٹ ہینڈ ہے۔ بہت اہم بندہ ہے۔ تمہارے لیے بھی اور میرے لیے بھی۔ جب تک یہ میرے قبضے میں رہے گا۔ تم مجھے نقصان پہنچانے کی غلطی نہیں کرو گے۔''

شہباز درانی نے ذرا سوچا پھر کہا ''میں اپنے دستِ راست اسد عزیزی کی بات نہیں کر رہا ہوں۔ یہ تو مجھے بہت پہلے معلوم ہو چکا تھا کہ وہ تمہارے قبضے میں ہے۔ میں اسے کسی نہ کسی طرح تمہارے شکنجے سے نکال لاؤں گا۔ اس وقت میں اپنے دوسرے بندے کی بات کر رہا ہوں۔ اسے ابھی اغوا کیا گیا ہے۔ اس کا نام جواد ہاشمی ہے۔''

''یہ میرے لیے نیا نام ہے۔ میں تمہارے ایک ایک بندے سے واقف ہوں پھر یہ جواد ہاشمی کون ہے؟''

اس نے دردانہ کو بڑی محبت سے دیکھا پھر فون پر کہا ''وہ میرا بیٹا ہے۔''

دردانہ یہ سنتے ہی خوش ہو کر اس سے لپٹ گئی۔ شہباز فون پر غرا رہا تھا ''دیکھو چنگیزی! انجان بننے کی کوشش نہ کرو۔

اگر اسے ذرا بھی نقصان پہنچا تو تمہارا جوان بیٹا مارا جائے گا۔“

چنگیزی نے کہا ”تم خواہ مخواہ مجھ پر شبہ کر رہے ہو۔ اگر میں نے تمہارے بیٹے کو اغوا کیا ہوتا تو میں یہ بات ڈنکے کی چوٹ پر کہتا۔ تم جانتے ہو، مجھے چوہے بلی کا کھیل پسند نہیں ہے۔“

شہباز ایک ذرا توقف کے بعد بولا ”میں تمہاری بات کا یقین کرتا ہوں لیکن پھر بھی کہتا ہوں، اگر تم نے ایسی گھٹیا حرکت کی ہے تو اسے واپس کر کے مزید کچھ عرصے تک زندہ رہنے کی مہلت حاصل کر لو۔“

”میں جانتا ہوں کہ تم کتنے خطرناک ہو؟ جب کسی دشمن کی موت کا وقت مقرر کرتے ہو تو وہ ہر حال میں اسی وقت مرتا ہے۔ اگر میں نے جواد کو اغوا کیا ہوتا تو مزید جینے کے لیے اسے ضرور تمہارے حوالے کر دیتا۔ فی الحال میرے قبضے میں اسد عزیزی ہے۔ لہٰذا اس کی بات کرو۔“

”اسد عزیزی کی وجہ سے ہی میں تمہیں صبح چھ بجے تک جینے کی مہلت دے رہا ہوں۔“

وہ حقارت سے بولا ”اونہہ۔ تم تو ملک الموت بننے کا دعویٰ کر رہے ہو۔ اس وقت رات کے تین بجے ہیں۔ چھ بجنے میں صرف تین گھنٹے رہ گئے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ تم میرے لیے ملک الموت ثابت ہو گے یا نہیں۔“

شہباز نے کوئی جواب دیئے بغیر فون بند کر دیا پھر دردانہ سے کہا ”جواد اس کے پاس نہیں ہے میں حیران ہوں کہ اسے کس نے اغوا کیا ہے؟ میرا کون سا دشمن مجھے چیلنج کر رہا ہے؟“

دردانہ اس سے الگ ہو کر ذرا سوچنے کے بعد بولی ”ضروری نہیں کہ یہ کام تمہارے ہی کسی دشمن نے کیا ہو۔ ایسا کرنے والا میرا دشمن بھی ہو سکتا ہے۔“

وہ بولا ”تمہارا کون سا دشمن ہے؟“

وہ حقارت سے بولی ”وہی۔ ایس پی ذیشان۔ اس کے دماغ میں بہت گرمی ہے۔ میرے بیٹے نے اس کی بہن کو اغوا کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ یہ توہین برداشت نہیں کر پا رہا ہے اور میرے بیٹے کو نقصان پہنچا رہا ہے۔“

وہ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر بولا ”تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ اس نے ہوم منسٹر کے حکم سے جواد کو رہا تو کر دیا ہے لیکن درپردہ اسے پھر اپنے قبضے میں کر لیا ہے؟“

”ہاں۔ تم خود ہی سوچو۔ کیا وہ ایسا نہیں کر سکتا؟“

وہ تائید میں سر ہلا کر بولا ”ہاں...... کر سکتا ہے، میں معلوم کروں گا کہ وہ ایس پی کتنے پانی میں ہے؟“

ابھی میں شہباز درّانی اور ذیشان کے درمیان کھڑا ہوں۔ دونوں کے ہاتھوں کی لکیروں پر ہوں۔ ذیشان ابھی نہیں جانتا تھا کہ شہباز درّانی کون ہے؟ اور کتنا طاقت ور ہے؟ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے آگے اس ملک کے حکمران بھی بے بس ہو جاتے تھے اور یہ نہیں سمجھ پاتے تھے کہ شہباز درانی دراصل وہ خفیہ ہاتھ ہے جو سُپر پاور کا آشیرداد حاصل کرتا رہتا ہے اور اس ملک کی تقدیر بدلتا رہتا ہے۔

اسکے مقابلے میں ذیشان محض ایک پولیس افسر تھا۔ بجا اور بے جا اختیارات کے ذریعے بہت کچھ کر سکتا تھا پھر بھی شہباز درّانی جیسے پہاڑ کے سامنے محض ایک ذرہ تھا۔

ذیشان کی بہت بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ بہت ہی باہمت، حوصلہ مند اور مستقل مزاج رکھنے والا جوان مرد تھا۔

اور مقدر صرف اسی کا ساتھ دیتا ہے جو حوصلہ مند ہوتے ہیں۔ فی الحال مجھے یہ دیکھنا تھا کہ ان دونوں کے ہاتھوں کی لکیریں کیا کہتی ہیں؟ میں ایک بار پھر وضاحت کر دوں کہ تقدیر کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اس خدائے برتر کو کاتب تقدیر اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ ہر انسان کے ساتھ مجھے پیدا کرتا ہے اور انسان کی دونوں ہتھیلیوں پر جو لکیریں بناتا ہے۔ مجھے ان پر ہی چلنے کا حکم دیتا ہے۔

اور یہ لکیریں کیا ہیں؟ ان کا مزاج کیا ہے؟ یہ لکیریں پل میں تولہ، پل میں ماشہ ہوتی ہیں۔ پل میں دوست ہوتی ہیں، پل میں دشمن بن جاتی ہیں۔ البتہ کاتب تقدیر نے ہاتھوں پر لکیروں کی صورت میں یہ لکھ دیا ہے کہ جو بھی ایمان والا ہوگا۔ حوصلہ مند ہوگا۔ وہ اپنے عمل سے تقدیر کا رخ پھیر سکے گا اور اسی لیے کبھی کبھی میرا رخ اچانک ہی پھر جاتا ہے۔

آئندہ دیکھا جائے گا کہ شہباز درّانی اور ذیشان کے ہاتھوں کی لکیریں انہیں کس طرح زیر و زبر کر سکتی ہیں؟

میں اک بازی گر ہوں
ہاتھوں کی لکیروں پر
تمہارا ہم سفر ہوں
تمہارا دوست بھی ہوں
اور دشمن بھی ہوں
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں
تمہارے ساتھ ہی مر جاتا ہوں
مقدر ہوں...... میں مقدر ہوں
اک بازی گر ہوں۔

م سے مقدر...... م سے محبت...... م سے میں...... اور میں ان تینوں کے درمیان م سے مثلث بنا رہا تھا۔ انہیں الجھا رہا تھا۔

عروج اور پاشا کی الجھنیں شروع ہو گئی تھیں لیکن عینی ابھی الجھی ہوئی نہیں تھی۔ ان دونوں کے مسائل سے بے خبر تھی اور یہ بے خبری رنگ لانے والی تھی۔

عروج ذیشان کے ساتھ عینی کی کوٹھی میں آ گئی تھی۔ دونوں سہیلیاں تھوڑی دیر تک گلے لگ کر روتی رہیں، ایک دوسرے کے آنسو پونچھتی رہیں۔ گھر کے دوسرے افراد بھی اس کے کمرے میں چلے آئے تھے۔

فلک آفتاب نے کہا ”تم دونوں نے کل رات سے ہماری نیند اڑا رکھی ہے۔ نہ کل چین سے سو سکے نہ آج رات...... خدا کے لیے۔ اب دونوں یہاں ایک ساتھ رہو، باتیں کرو، خود بھی نیند پوری کرو اور ہمیں بھی ذرا سونے دو۔“

وہ سب اپنے اپنے کمروں کی طرف جانے لگے۔ ذیشان اور اسما بھی اس کے کمرے سے باہر آ گئے۔ ذیشان ذرا رک کر عینی کے کمرے کی طرف دیکھنے لگا۔ اسما نے پوچھا ”کیا ہوا......؟ وہاں کیا دیکھ رہے ہیں؟“

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا ”یہ لڑکی بہت بدنصیب ہے۔“

”آپ کس کی بات کر رہے ہیں؟“

”عینی کی بات کر رہا ہوں۔“

”اب ایسا کیا ہو گیا جو اسے بدنصیب کہہ رہے ہیں؟“

عینی اور عروج نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا تھا۔ ذیشان اسما کے ساتھ اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا ”عینی نے کہا تھا کہ وہ پاشا کو چاہنے لگی ہے۔“

”ہاں...... اس نے کہا تھا...... پھر......؟“

”پھر یہ کہ اس کی محبت یکطرفہ ہے۔ پاشا کے دل میں ایسی کوئی بات نہیں ہے، وہ کسی دوسری لڑکی کو چاہتا ہے۔“

وہ دونوں کمرے میں آ گئے تھے۔ اسما نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا ”کیا یہ سچ ہے؟ وہ عینی جیسی دولت مند لڑکی کو چھوڑ کر کسی اور کو چاہتا ہے؟“

”ہاں...... اس کی اسی صاف گوئی نے مجھے خوش کر دیا ہے۔ پاشا واقعی ایماندار ہے، اتنا سچا ہے کہ جو اس کے دل میں ہوتا ہے وہی اس کی زبان پر آ جاتا ہے۔ ورنہ وہ ایک امیرزادی کو اپنی طرف مائل دیکھ کر اس سے محبت کا دعویٰ کر سکتا تھا۔“

”وہ کس لڑکی کو چاہتا ہے؟“

”نہ اس نے بتایا اور نہ میں نے پوچھا۔ پوچھ کر کرتا بھی کیا......؟ مجھے تو عینی کی طرف سے صدمہ ہو رہا ہے کہ پتا نہیں اس لڑکی کا کیا ہوگا؟ جب اسے معلوم ہوگا کہ اس کی محبت یکطرفہ ہے تو نہ جانے اس کے دل پر کیا بیتے گی؟“

ذیشان یہ کہہ کر مایوسی سے بیڈ کے سرے پر بیٹھ گیا۔

دوسری طرف عینی چہک کر عروج سے کہہ رہی تھی ”ہائے میری جان! میں تو اپنی تمام تکلیفیں بھول گئی ہوں۔ اب ہم ساری رات جاگیں گے اور خوب باتیں کریں گے۔“

عروج نے کہا ”بالکل نہیں...... آرام سے لیٹ کر سو جا...... نیند پوری کر...... باتیں کل دن میں ہوں گی۔“

یہ کہہ کر اس نے کمرے کی تمام لائٹس کو آف کر کے زیرو پاور کے بلب کو آن کر دیا پھر اس کے برابر آ کر لیٹ گئی۔ عینی نے کہا ”پتا ہے آج میں نے بھائی جان سے صاف صاف کہہ دیا ہے......“

وہ اس کی بات کاٹ کر بولی ”مجھے سب پتا ہے۔ جو تو نے بھائی جان سے کہا۔ وہ انہوں نے پاشا سے کہا اور پھر اس سے مجھے معلوم ہوا۔“

وہ چونک کر بولی ”ہائے اللہ! بھائی جان نے ساری باتیں پاشا کو بتا دیں؟“

عروج اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے سے خوشی جھلک رہی تھی۔ پھر بھی وہ ذرا خفگی سے بولی ”بھائی جان کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ پتا نہیں پاشا جانی کیا سوچ رہا ہوگا؟“

زیرو پاور کے بلب میں بھی اس کا چہرہ دمک رہا تھا پھر اس نے ذرا شرماتے ہوئے پوچھا ”ویسے...... یہ بتا! پاشا کا ردِعمل کیا ہے؟“

وہ تفصیل بتانے سے گریز کرنے لگی۔ ”میں تجھ سے کہہ چکی ہوں۔ چپ چاپ سو جا! باتیں صبح ہوں گی۔“

”کیوں زبردستی سلا رہی ہے؟ مجھے نیند نہیں آ رہی۔“

یہ کہہ کر وہ اٹھ بیٹھی۔ عروج نے پوچھا ”تجھے نیند کیوں نہیں آ رہی ہے؟“

وہ ایک تکیے کو گود میں رکھ کر اسے بھینچتے ہوئے بولی ”پتا نہیں کیوں......؟ ایسا لگ رہا ہے جیسے پاشا بھی جاگ رہا ہے......“

وہ بولی ”صبح کے چار بجنے والے ہیں۔ ساری دنیا سو رہی ہے، پاشا بھی سو رہا ہوگا۔ تو بھی سو جا!“

”چل شرط لگا لے۔ وہ ضرور جاگ رہا ہوگا۔“

”تیرا دماغ چل گیا ہے۔ وہ بے چارہ سو رہا ہوگا اور تو

اسے جگانا چاہتی ہے۔"

"جب میں یقین سے کہہ رہی ہوں کہ وہ جاگ رہا ہوگا تو پھر جگانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اپنا موبائل فون دے۔ میں ابھی جانی سے رابطہ کرتی ہوں۔"

عروج نے مسکرا کر اسے ٹوکا "اوہو...... پہلی بار اسے جانی کہہ رہی ہے۔ پاشا نہیں کہہ سکتی۔"

وہ دھپ سے اس کے برابر لیٹتے ہوئے بولی "یہ ایک عام سا نام ہے۔ نچلے طبقے کے لوگ اپنے محبوب کو جانی کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔"

"ہاں...... اونچے طبقے میں ایسے نام نہیں ہوتے۔ تجھے پاشا کہنا چاہیے۔"

"اچھا...... اب نہیں کہوں گی۔ اپنا فون تو دے۔"

"کیوں خواہ مخواہ ضد کر رہی ہے؟ وہ سو رہا ہوگا۔ اسے سونے دے۔"

"میں یہی ثابت کرنا چاہتی ہوں کہ وہ جاگ رہا ہے۔"

عروج نے الجھ کر کہا "ظاہر ہے، جب فون کا بزر بولے گا...تو وہ جاگ کر ہی اسے کان سے لگائے گا اور بات کرے گا۔"

"کچھ بھی ہو۔ تو فون دے گی یا نہیں؟"

وہ تنگ آ کر بولی "میں جانتی ہوں، تو اپنی ضد پوری کرے گی۔"

وہ بیگ سے اپنا فون نکال کر نمبر پنچ کرنے لگی پھر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ "لے......! اپنے جانی سے بات کر!"

عینی جلدی سے فون کو کان سے لگا کر دوسری طرف کی آواز سننے لگی۔ بیل جا رہی تھی۔ اس نے عروج سے کہا "پہلے میں کچھ نہیں بولوں گی۔ خاموش رہ کر اسے پریشان کروں گی۔"

عروج کچھ کہنا چاہتی تھی۔ عینی نے فوراً ہی ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ اِدھر سے پاشا نے کہا "ہیلو عروج! میں نے اپنے فون پر تمہارا نمبر پڑھا ہے۔ میں جانتا تھا کہ میرے اس طرح چلے آنے کے بعد تمہیں نیند نہیں آئے گی۔"

عینی نے اپنے سامنے دھندلی دھندلی سی عروج کو دیکھا۔ اِدھر وہ کہہ رہا تھا "تم اپنی سہیلی عینی کی خاطر اپنی محبت کی قربانی دینا چاہتی ہو اور میں جانتا ہوں، یہ ممکن نہیں ہے۔ تم دل کے ہاتھوں مجبور ہو جاؤ گی۔ تم مجھ سے کتراتی رہتی ہو اور میرا انتظار بھی کرتی رہتی ہو...... آج بھی تم کترا رہی تھیں لیکن اب جاگ رہی ہو۔ تمہارا یہ رت جگا بتا رہا ہے کہ تمہاری زبان پر ناں...... ناں ہے لیکن دل میں ہاں...... ہاں ہے۔"

عینی دھیرے دھیرے اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس کا دل ڈوب رہا تھا۔ آنکھوں کی نمی نے عروج کو مزید دھندلا کر دیا۔ اس نے لرزتے ہوئے ہاتھ سے موبائل فون اس کی طرف بڑھا دیا۔ عروج نے اسے لے کر کان سے لگایا۔

پاشا کہہ رہا تھا "ہیلو...... تم میری باتیں سن رہی ہو ناں......؟ کیا صرف سنتی رہو گی...... کچھ بولو گی نہیں......؟...... ٹھیک ہے...... نہ بولو۔ تم مجھے فون کر کے میری باتیں سن رہی ہو، میرے لیے یہی کافی ہے لیکن ایک وقت وہ بھی آئے گا جب تم بولو گی اور میں سنوں گا۔"

عروج نے فوراً ہی فون کو آف کر دیا۔ عینی گم صم سی بیٹھی ہوئی تھی۔ عروج کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ اسے دیکھے بغیر اس کی کیفیت کو سمجھ رہی تھی۔ کمرے میں ایسا سناٹا چھا گیا تھا جیسے وہاں کوئی ذی روح نہ ہو اور واقعی وہاں کوئی نہیں تھا۔ عروج کا دماغ عینی کی طرف بھٹک رہا تھا اور عینی کا دھیان پاشا کی طرف تھا۔

میں اس وقت ان دونوں کے ہاتھوں کی لکیروں پر کھڑا ہوا تھا اور دوسری طرف پاشا کے پاس بھی تھا۔ مثلث مکمل ہو چکی تھی۔

عینی ڈوبتے ہوئے دل سے سوچ رہی تھی "میں ہواؤں میں اڑ رہی تھی مگر وہ مجھے نہیں عروج کو چاہتا ہے۔"

عروج سر جھکائے سوچ رہی تھی۔ "یہ پاشا بولتا ہے تو بولتا ہی چلا جاتا ہے۔ عینی اِدھر خاموش تھی اور وہ اُدھر بولتا جا رہا تھا۔ اسے پوچھنا تو چاہیے تھا کہ اِدھر فون کون اٹینڈ کر رہا ہے؟"

عینی سوچ رہی تھی "پاشا نے اپنے فون پر عروج کا نمبر پڑھا ہے۔ مجھے عروج سمجھ کر دل کی باتیں کتاب کی طرح کھولتا چلا گیا۔"

عروج نے جھجکتے ہوئے سر اٹھا کر عینی کو دیکھا۔ پھر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "وہ تو باؤلا ہے بے تکی باتیں کرنے لگتا ہے۔ مجھے بتا، وہ کیا کہہ رہا تھا؟" وہ اپنے شانے سے اس کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے بولی۔

"میں تجھ سے نہیں بولوں گی۔ وہ تجھے چاہتا ہے اور تو اس کی چاہت مجھ سے چھپا رہی تھی۔"

"اس کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے؟ میں تو اسے نہیں چاہتی۔"

"جھوٹ مت بول۔ اس نے صاف لفظوں میں کہا ہے کہ تو میری خاطر اپنی محبت کی قربانی دے رہی ہے۔ اپنی محبت کو مجھ سے چھپا رہی ہے کیا صرف اس لیے کہ میرا دل نہ ٹوٹے......؟"

"دل ٹوٹنے کی بات نہیں ہے۔ میں اسے سمجھا رہی ہوں کہ اسے تیری طرف مائل ہونا چاہیے۔ تجھ سے محبت کرنی چاہیے۔ تجھے اس سے اچھا اور کوئی جیون ساتھی نہیں ملے گا۔"

عینی نے اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر پوچھا "اور پاشا کا دل کیا کہتا ہے؟ کہ تیری جیسی شریکِ حیات اسے کہیں نہیں ملے گی۔"

"وہ تو پاگل ہے...... سر پھرا ہے۔ عقل کی بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی۔"

وہ اس کی گردن میں باہیں ڈال کر بولی "عروج......! میری جان! عشق حاوی ہو جائے تو عقل باقی نہیں رہتی۔"

وہ اسے دیکھنے لگی پھر بولی "تو بھی تو اس سے عشق کر رہی ہے۔ کیا تیرے پاس عقل رہ گئی ہے؟ کیا تیرا دل اس کے بغیر کہیں لگے گا؟ یہ بے انتہا دولت، یہ زمانے بھر کی آسائشیں اور یہ دنیا کی رنگینیاں کیا تجھے اچھی لگیں گی؟ کبھی نہیں...... تو بالکل مرجھا جائے گی۔ جیتے جی مر جائے گی......"

"اور تو کیا اس کے بغیر جی لے گی؟"

"ہاں...... جی لوں گی۔"

"میں تیری بچپن کی سہیلی ہوں۔ تیرے لیے جان دیتی آئی ہوں۔ پاشا کو تیرے حوالے کر کے جی کر دکھاؤں گی۔ میں تیرے لیے سب کچھ کر سکتی ہوں۔"

"فضول باتیں نہ کر۔ تیرے آس پاس خود غرض اور لالچی لوگوں کی بھیڑ ہے۔ یہی ایک سچا ساتھی مل رہا ہے۔ میں وعدہ کرتی ہوں۔ اسے تیری طرف جھکا کر رہوں گی۔"

عینی نے ایک گہری سانس لے کر ذرا افسردگی سے کہا "زبردستی تو خدا کے سامنے بھی کسی کو نہیں جھکایا جا سکتا۔ سجدہ ہمیشہ دل سے کیا جاتا ہے اور عشق کی بارگاہ میں بھی پہلے دل ہی جھکتا ہے۔ تب سر جھکتا ہے۔"

عروج اس حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتی تھی۔ بے بسی سے بولی "عینی! ایسے تو بات نہیں بنے گی۔ ہم دونوں ہی ضدی ہیں اور ہماری ضد کے نتیجے میں وہ ہم میں سے کسی کا نہیں رہے گا۔"

عینی نے سر جھکا کر گہری سنجیدگی سے کہا "ہاں...... تو میرے لیے قربانی دے گی...... تو میں بھی تیرے لیے قربانی دوں گی۔ مجھے یہ بتا کہ پاشا سے تیری کیا باتیں ہوئی ہیں؟"

"اس دیوانے کی بات نہ پوچھ...... میں نے اسے سختی

اندھیر نگری
محی الدین نواب
چار حصے
قیمت فی حصہ 150 روپے
سنہری جونک
ایم اے راحت
قیمت 90 روپے

سے کہہ دیا ہے، اگر وہ تیری طرف مائل نہیں ہوگا اور آگے چل کر تجھ سے شادی نہیں کرے گا تو میں اس سے ملنا چھوڑ دوں گی۔"

"پھر اس نے کیا جواب دیا؟"

عروج اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ کچھ کہنے سے کترانے لگی۔ عینی اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر بولی "چپ کیوں ہے؟ مجھ سے کچھ نہ چھپا۔ ہم نے آج تک ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں چھپائی ہے۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی "ہاں...... میں تجھ سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گی۔ پہلے میں یہ بات چھپانا چاہتی تھی......"

عینی دھندلائی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اٹک اٹک کر بول رہی تھی پھر اس کا ہاتھ تھام کر بولی "وہ...... پاشا نے کہا ہے کہ وہ ایک ہی شرط پر تجھ سے محبت کرے گا۔"

عینی خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی زبان چپ تھی مگر نظریں سوال کر رہی تھیں۔ عروج اس کی انگلیوں سے کھیلتے ہوئے بولی "اس کی شرط یہ ہے کہ...... میں اس کی محبت کا جواب محبت سے دیتی رہوں۔"

اتنا کہہ کر وہ چپ ہو گئی۔ عینی گہری سوچ میں ڈوب گئی تھی پھر اس کے ہاتھ کو دباتے ہوئے بولی "عروج! ہم اکثر یہی سوچتی رہتی ہیں ناں...... کہ شادی کریں گی تو ایسے خاندان میں جہاں دو بھائی ہوں۔ تاکہ ہم شادی کے بعد ایک ہی چھت کے نیچے ایک ساتھ رہ سکیں۔ یا پھر دو دوست ہوں جو ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہوں۔ تاکہ ہمارا ساتھ بھی زندگی بھر رہے۔"

"ہاں...... ہم یہی سوچتی رہتی ہیں لیکن ایسا کبھی نہیں سوچا تھا کہ ایک ہی شخص ہم دونوں کی زندگی میں آئے گا۔"

"تو آنے دے...... اس میں حرج ہی کیا ہے؟"

عروج نے چونک کر پوچھا "کیا کہہ رہی ہے؟ یہ ہماری

بے حیائی کہلائے گی۔"

"ہرگز نہیں...... جب ایک مرد دو عورتوں سے شادی کر سکتا ہے تو کیا دو لڑکیاں کسی ایک مرد سے شادی نہیں کر سکتیں؟"

ان لمحات میں ان دونوں کے ہاتھوں کی لکیریں مجھے عجیب موڑ پر لے آئی تھیں۔ وہ ایسی لڑکیاں تھیں جو راضی خوشی ایک دوسرے کی سوکن بن کر ایک ہی شخص کی پناہ میں جانا چاہتی تھیں۔

کیا ہماری دنیا میں ایسا ہوتا ہے؟

اگر نہیں ہوتا ہے تو یہ تماشا میں دکھانے والا ہوں۔

☆☆☆

بعض افراد بے انتہا طاقت ور اور وسیع اختیارات کے باعث فرعون بن جاتے ہیں۔ جو بھی ان کے مقابل آتا ہے، اسے حقیر چیونٹی کی طرح مسل کر رکھ دیتے ہیں۔ موت کے ہرکارے بن جاتے ہیں۔ ایسے ہی ہرکاروں میں ایک شہباز درانی بھی تھا۔

اس نے اپنے دشمن اشرف چنگیزی کے لیے موت کا وقت مقرر کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ صبح ٹھیک چھ بجے وہ اپنی آخری سانس پوری کر لے گا۔

اشرف چنگیزی نے شہباز کے دوسرے مخالفین کو وقتاً فوقتاً اسی طرح مرتے دیکھا تھا۔ اس لیے بظاہر مطمئن رہنے کے باوجود اندر سے سہا ہوا تھا کہ پتا نہیں وہ شیطان کس طرح ٹھیک وقت پر اس کی موت کا سامان کرنے والا ہے؟"

اگرچہ وہ سہا ہوا تھا لیکن اسد عزیزی کی وجہ سے ایک ذرا مطمئن بھی تھا۔ وہ شہباز کا دستِ راست تھا مگر اس وقت اشرف چنگیزی کے پاس تھا۔ بظاہر یہ ڈراما پلے کیا جا رہا تھا کہ اس نے اسد عزیزی کو اپنے بندوں کے ذریعے اغوا کرایا ہے اور اب اسے قیدی بنا کر رکھا گیا ہے۔

لیکن وہ قیدی کی حیثیت سے نہیں بلکہ اشرف چنگیزی کے دوست کی حیثیت سے اس وقت وہاں موجود تھا اور شہباز درانی کے اہم راز چرا کر اس کے پاس لے آیا تھا۔

شہباز درانی کے تمام مخالفین اس جستجو میں رہتے تھے کہ کسی بھی طرح اس کی کمزوریاں معلوم ہو جائیں اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ وہ بھارتی ایجنٹ ہے، اسرائیلی ایجنٹ ہے؟ یا پھر اسے امریکا کی دست گیری حاصل ہے؟"

اسد عزیزی ایسی دستاویزات چرا کر لایا تھا۔ جن سے یہ ثابت ہو جاتا کہ شہباز درانی کس ملک کا ایجنٹ ہے اور پاکستان میں رہ کر کس کے لیے کام کر رہا ہے؟

اشرف چنگیزی نے خوش ہو کر اسد عزیزی کو گلے لگا لیا پھر کہا "کل صبح ہوتے ہی میں پریس والوں کو بلاؤں گا اور ان کے سامنے یہ اہم انکشاف کروں گا پھر شہباز درانی کو اس ملک سے فرار ہونے کا بھی راستہ نہیں ملے گا۔"

اس نے کہا "آپ صبح ہونے کی بات کر رہے ہیں۔ دیکھیں کہ آپ کی زندگی کی دوسری صبح ہو گی بھی یا نہیں...... آپ کے ساتھ ساتھ میری جان کو بھی خطرہ ہے۔"

اس نے پوچھا "تمہارے لیے کیسا خطرہ ہے؟"

وہ بولا "شہباز درانی زخمی حالت میں اپنے گھر پہنچا ہو گا ایسے میں وہ اپنا سیف کھول کر نہیں دیکھے گا اور نہ ہی اسے معلوم ہو گا کہ اس کے اہم کاغذات غائب ہو چکے ہیں ادھر آپ نے ابھی اسے اطلاع دی ہے کہ مجھے اغوا کر کے یہاں پہنچایا گیا ہے۔ اس طرح وہ ان معاملات میں الجھا رہے گا لیکن جب وہ کل کسی ضرورت کے تحت اس سیف کو کھولے گا تو اسے میری غداری کا علم ہو جائے گا پھر وہ مجھے بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"ہم دونوں کی سلامتی اسی میں ہے کہ اس کا بھید جلد از جلد کھل جائے اور وہ قانون کی گرفت میں آ جائے۔ یہ بھید کھولنے کے لیے مجھے صبح چھ بجے کے بعد بھی زندہ رہنا ہو گا۔ آؤ......! میں تمہیں دکھاؤں کہ میں نے کیسے کیسے حفاظتی انتظامات کیے ہیں؟"

وہ اپنے ایک خفیہ اڈے میں تھا۔ اس نے اس چھوٹے سے بنگلے کے اندر اور باہر جدید الیکٹرانک آلات نصب کیے تھے۔ باہر چاروں طرف سیکورٹی گارڈز پہرہ دے رہے تھے۔ کسی کو بھی اندر آنے کی اجازت نہیں تھی۔ تمام کھڑکیاں اور دروازے بند تھے۔ اگر کوئی چھپ کر اندر آنا چاہتا تو جدید آلات کے ذریعے فوراً ہی سب کو خبر ہو جاتی کہ دشمن آ رہا ہے۔

اشرف چنگیزی نے اپنے خاص کمرے میں ایک بڑا سا ٹی وی رکھا تھا۔ وہ اس کی اسکرین پر اپنے بنگلے کے تمام اندرونی حصوں کو دیکھ سکتا تھا۔

صرف اسے ہی نہیں...... اسد عزیزی کی جان کو بھی خطرہ تھا۔ اس لیے دونوں کے پاس بھرے ہوئے ریوالور تھے اور کسی بھی آنے والے دشمن پر بے دریغ فائر کر سکتے تھے۔

ویسے اتنے سخت حفاظتی انتظامات کے پیشِ نظر یہ اطمینان تھا کہ کوئی دشمن بنگلے کے اندر قدم نہیں رکھ سکے گا پھر اشرف چنگیزی کو یہ بھی یقین تھا کہ اس کے اس خفیہ اڈے کا علم نہ شہباز درانی کو ہے اور نہ ہی کسی دوسرے دشمن کو ہے۔

اس وقت صبح کے پانچ بج چکے تھے۔ وہ دونوں اپنی سلامتی کے لیے اس قدر محتاط تھے کہ انہوں نے شہباز سے فون پر بات کرنے کے بعد ایک گھونٹ پانی بھی حلق سے نہیں اتارا

تھا۔ کھانے پینے کی کسی چیز کو بھی ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ یہ اندیشہ تھا کہ دشمن کسی بھی طرح ان چیزوں کے ذریعے انہیں ہلاک کر سکتا ہے۔

پانچ بجتے ہی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ دونوں نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ اشرف نے سی ایل آئی پر نمبر پڑھتے ہوئے کہا "شہباز ہے۔"

اسد نے کہا "ریسیور اٹھا کر بات کریں۔"

اشرف نے ایک ذرا سوچنے کے بعد ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا پھر کہا "ہیلو...... میں اشرف چنگیزی بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے لیڈی سیکریٹری تہمینہ کی آواز سنائی دی "جسٹ اے منٹ...... باس بات کرنا چاہتے ہیں۔"

چند سیکنڈ بعد ہی شہباز درانی فون پر غرایا "چنگیزی! تم مجھ سے ڈراما بازی کر رہے تھے۔ تم نے اسد عزیزی کو اغوا نہیں کیا ہے۔ بلکہ وہ غدار کمینہ میرے اہم کاغذات چرا کر تمہارے پاس گیا ہے۔"

اشرف چنگیزی نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا "بڑی دیر سے آنکھ کھلی ہے۔ میں نے تمہیں صرف گولی کا زخم نہیں دیا ہے۔ ایسی دماغی چوٹ پہنچائی ہے کہ کل پریس میٹنگ کے بعد جب تمہارا اصلی چہرہ سب کے سامنے آئے گا تو تمہیں منہ چھپانے کے لیے اپنے ہاتھ بھی نہیں ملیں گے۔"

"کس خوش فہمی میں ہو چنگیزی......؟ کیا تم کل صبح تک زندہ رہو گے؟"

وہ گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "صرف پچاس منٹ رہ گئے ہیں۔ اس کے بعد تم خود ہی دیکھ لو گے اور پہلی بار تسلیم کرو گے کہ کسی پہاڑ سے ٹکرا رہے تھے۔ تم میرے سائے تک بھی نہیں پہنچ سکو گے۔"

"میں مانتا ہوں کہ تم جس خفیہ بل میں گھسے ہوئے ہو۔ میں وہاں تک نہیں پہنچ پاؤں گا لیکن چھ بجے سے پہلے تم اس بل سے باہر آؤ گے اور باہر کھلی فضا میں اپنی زندگی کی آخری سانس پوری کرو گے۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "کیا تم کوئی جادوگر ہو، منتر پڑھو گے اور میں باہر آ جاؤں گا۔ یا تم کوئی سپیرے ہو کہ بل کے سامنے آگ جلاؤ گے اور میں سانپ کی طرح گھبرا کر باہر نکل آؤں گا؟"

اسے کوئی جواب نہ ملا۔ وہ ہیلو ہیلو کرتا رہ گیا پھر پتا چلا کہ شہباز نے رابطہ ختم کر دیا ہے۔ اس نے ریسیور کو دیکھا پھر اسے کریڈل پر رکھ کر اسد عزیزی سے کہا "یہ کیا بکواس کر رہا تھا؟"

اسد عزیزی وائیڈ اسپیکر کے ذریعے ان کی باتیں سنتا رہا پھر بولا "وہ بڑے اعتماد سے بول رہا تھا کہ آپ یہاں سے باہر نکلیں گے۔ کیا وہ ایسی کوئی چال چل رہا ہے جو ابھی ہماری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے؟"

"میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔ اس کے آدمی باہر کوئی گڑبڑ نہ کر رہے ہوں۔"

اس نے فون کے ذریعے سیکورٹی افسر کو مخاطب کیا۔ "ہیلو...... میں بول رہا ہوں۔ باہر کی پوزیشن بتاؤ۔"

وہ بولا "سر! ہم سب الرٹ ہیں۔ ابھی تک کہیں سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ہمارے سامنے والی سڑک عموماً ویران ہی رہتی ہے۔"

"کوئی پرندہ بھی اڑتا ہوا دکھائی دے تو فوراً مجھے فون پر اطلاع دو۔ میں بہت ٹینشن میں ہوں۔"

پھر وہ ریسیور رکھ کر پریشانی سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ کہنے لگا۔ "اس نے یہ چیلنج کیوں کیا ہے، کہ اپنی اس خفیہ پناہ گاہ سے باہر نکلوں گا؟"

پھر اس نے ایک چابی اسد عزیزی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "یہ اس کمرے کی چابی ہے۔ دروازہ لاک ہے۔ اگر میں باہر جانا بھی چاہوں تو مجھے جانے نہ دینا۔"

اسد نے اس سے چابی لے کر اپنی جیب میں رکھ لی۔ چنگیزی نے سینٹر ٹیبل پر رکھے ہوئے بریف کیس کو دیکھا پھر کہا۔ اس میں وہ تمام کاغذات ہیں، جنہیں تم وہاں سے چرا کر لائے ہو۔ انہیں سیف میں محفوظ کر دینا چاہیے۔"

یہ کہہ کر اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ چھ بجنے کے لیے صرف پندرہ منٹ رہ گئے تھے۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا پھر لپک کر ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے سیکورٹی افسر نے کہا "سر! ہمارے سامنے والی سڑک پر ایک وین آ کر رکی ہے۔"

اشرف چنگیزی نے کہا "فوراً معلوم کرو۔ وہ کس کی وین ہے؟ اور وہاں کیوں رکی ہے؟"

سیکورٹی افسر نے کہا "سر! مین گیٹ لاکڈ ہے۔ اسے کھولنے کا ریموٹ کنٹرولر آپ کے پاس ہے۔ ایسے میں ہم باہر اس وین تک نہیں جا سکتے۔"

"تم احاطے کے اندر رہ کر اونچی آواز میں انہیں مخاطب کرو۔ کسی بھی طرح معلوم کرو اور مجھے فون پر بتاؤ۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اب خطرہ بڑھ گیا تھا۔ اس نے سائیڈ ٹیبل کی دراز کھول کر اپنا ریوالور نکالنا چاہا تو پتا چلا، ریوالور وہاں نہیں ہے۔

اس نے پریشانی سے پلٹ کر دیکھا تو اسد عزیزی دونوں ہاتھوں میں دو ریوالور لیے کھڑا ہوا تھا اور کہہ رہا تھا "تھینکس گاڈ! باس نے مجھے بلایا ہے۔ اب مجھے جانا ہو گا۔ وہ بریف

کیس اٹھاؤ اور چلو......"

اشرف چنگیزی حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے کانوں میں شہباز درّانی کے الفاظ گونج رہے تھے۔ "چھ بجے سے پہلے تم اس بل سے باہر آؤ گے...... اور باہر کھلی فضا میں اپنی زندگی کی آخری سانس پوری کرو گے۔"

اس نے لرزتے ہاتھوں سے وہ بریف کیس اٹھایا۔ اسد عزیزی نے دروازے کی چابی اس کی طرف اچھالتے ہوئے کہا "یہ لو...... دروازہ کھولو اور میرے آگے چلتے رہو۔"

اشرف چنگیزی نے ہکلاتے ہوئے پوچھا "تم...... تم مجھے کہاں لے جانا چاہتے ہو؟ دیکھو! تم مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔"

"تمہیں دھوکا نہ دیتا تو اپنے باس کو دیتا لیکن میں نمک حرامی نہیں کروں گا۔ باس مجھ پر اندھا اعتماد کرتا ہے اور مجھے شہزادوں کی طرح رکھتا ہے۔"

"عزیزی! مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ میرے خلاف ایسی پلاننگ کی گئی ہے۔"

"اب سے پہلے میرے باس کے جو مخالفین مارے گئے ہیں۔ مرنے سے پہلے انہیں بھی یقین نہیں آتا تھا پھر جب میں اس طرح اپنا اصلی چہرہ دکھاتا تھا تو وہ یقین کر لیتے تھے لیکن اس وقت تک وہ اپنا بچاؤ کرنے کے قابل نہیں رہتے تھے۔ چلو، دیر نہ کرو۔ باس کے فرمان کے مطابق چھ بجے سے پہلے اس پناہ گاہ سے باہر نکلنا ہے۔"

اس کے سامنے موت ناچنے لگی وہ خوف سے لرزتے ہوئے بولا "نہیں...... میں باہر نہیں جاؤں گا۔ وہاں میری موت ہے۔"

"موت تو یہاں بھی ہے لیکن میں یہاں تمہیں قسطوں میں ماروں گا۔"

اس کے اپنے ریوالور پر سائلنسر لگا ہوا تھا۔ یہ بات اشرف چنگیزی کی سمجھ میں آ گئی کہ وہ اسے قسطوں میں زخمی کرتا رہے گا تو باہر تک آواز نہیں جائے گی۔ اسد عزیزی نے کہا "میں آخری بار کہہ رہا ہوں۔ دروازہ کھولو اور باہر چلو۔"

وہ بے بسی سے دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ اسی وقت ہلکی سی آواز کے ساتھ ایک گولی چلی۔ چنگیزی اپنے ایک بازو کو تھام کر کراہنے لگا۔ گولی اس کے بازو کو زخمی کرتی ہوئی گزر گئی تھی۔ وہ بولا "چنگیزی! اب میں نہیں بولوں گا۔ صرف گولیاں بولتی رہیں گی۔"

اس نے فوراً ہی جھک کر فرش پر سے چابی اٹھائی۔ اسد عزیزی الرٹ کھڑا ہوا تھا۔

چنگیزی دروازہ کھول کر بریف کیس ہاتھ میں اٹھائے اس کے آگے آگے چلنے لگا۔ اسد عزیزی نے اس کے ریوالور کو اپنے لباس کے اندر رکھ لیا تھا اور ریموٹ کنٹرولر کو نکال لیا تھا۔

وہ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے بنگلے کے بیرونی دروازے سے باہر احاطے میں آئے۔ اسد عزیزی نے للکارتے ہوئے کہا "سیکورٹی افسر! اپنے گارڈ سے کہو۔ ہتھیار پھینک دیں۔ ورنہ تمہارا باس مارا جائے گا۔"

تمام گارڈز نے ایک دم سے اپنی اپنی گن کا رخ اسد عزیزی کی طرف کر لیا۔ چنگیزی نے چیخ کر کہا "کوئی فائر نہیں کرے گا۔ اپنی اپنی گن پھینک دو۔ مجھے اس کے ساتھ جانے دو۔ میں شہباز سے ایک اور سودا کروں گا۔"

سب نے اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ہتھیار پھینک دیے۔ ریوالور کی نال چنگیزی کی کھوپڑی سے لگی ہوئی تھی۔ اسد عزیزی نے ریموٹ کنٹرولر کا ایک بٹن دبایا تو بنگلے کا آہنی گیٹ کھلتا چلا گیا۔ باہر کھڑی ہوئی وین اسٹارٹ ہو کر اندر آ گئی۔

اسد عزیزی نے اسے دھکا دیتے ہوئے کہا "چلو...... گاڑی میں بیٹھو۔"

وہ عاجزی سے بولا "مجھے ایک بار شہباز درّانی سے بات کر لینے دو۔"

"تمہاری یہ خواہش ضرور پوری کی جائے گی۔ اندر بیٹھو۔"

دروازہ کھولا گیا۔ وہ دنوں اندر بیٹھ گئے۔ وین اسٹارٹ ہو کر جانے لگی۔ تمام گارڈز نے ہتھیار اٹھا لیے مگر فائر نہ کر سکے۔ ان کا باس موت کے شکنجے میں تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے۔ وین تیز رفتاری سے آگے بڑھتی ہوئی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

بہت دور جانے کے بعد وہ گاڑی رک گئی۔ دروازہ کھلا اسد عزیزی نے چنگیزی کو دھکا دے کر باہر پھینکتے ہوئے کہا "اپنی گھڑی میں وقت دیکھو......!"

اس نے فوراً ہی سنبھلتے ہوئے کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا۔ چھ بجنے میں صرف ایک منٹ رہ گیا تھا۔ وہ گڑگڑاتے ہوئے بولا "تم نے وعدہ کیا تھا، شہباز درّانی سے بات کراؤ گے۔"

اسد عزیزی تمام مسلح افراد کے ساتھ باہر آ گیا تھا۔ اس نے کہا "بے شک میں بات کراؤں گا۔"

اس نے موبائل فون نکال کر اسے پوری قوت سے دور پھینکتے ہوئے کہا "جاؤ...... اسے اٹھاؤ اور رابطہ کرو مگر یاد رہے، چھ بجنے نہ پائیں۔"

وہ فوراً ہی پلٹ کر موبائل فون کی طرف دوڑنے لگا۔ تمام مسلح افراد نے اپنی گنیں سیدھی کر لیں۔ اسے نشانے پر رکھ لیا۔ اسد عزیزی اپنی رسٹ واچ میں وقت دیکھ رہا تھا۔ تیس سیکنڈ گزر چکے تھے اور وہ فون کے قریب پہنچ رہا تھا۔ وقت ایک ایک سیکنڈ کے حساب سے گزرتا جا رہا تھا۔

چنگیزی نے قریب پہنچ کر موبائل فون کو اٹھایا پھر جلدی جلدی نمبر پنچ کرنے لگا۔ موت کی ایسی دہشت طاری تھی کہ نمبر پنچ کرتے وقت برابر غلطیاں کر رہا تھا۔ آخر اس نے صحیح نمبر پنچ کیا رابطہ ہونے پر لیڈی سیکریٹری تہمینہ کی آواز سنائی دی۔ وہ بولا "فوراً شہباز درّانی سے بات کراؤ۔ میں چنگیزی بول رہا ہوں۔"

"جسٹ اے منٹ......!"

اور چند سیکنڈ گزر گئے۔ شہباز کی آواز سنائی دی "ہیلو چنگیزی! گھڑی ہے تو وقت دیکھو! چھ بج چکے ہیں۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی تڑاتڑ گولیاں چلنے کی آوازیں گونجنے لگیں۔ موبائل ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا اور وہ گولیوں سے چھلنی ہو کر لڑکھڑاتا ہوا زمین بوس ہو گیا۔

ایسے وقت کیا کہنا چاہیے؟ آدمی نے آدمی کو مارا؟ یا مقدر نے آدمی کو مارا؟

☆☆☆

وہ دونوں دن کے ایک بجے تک سوتی رہیں پھر عروج کی آنکھ پہلے کھل گئی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے عینی کا چہرہ تھا۔ وہ گہری نیند میں تھی۔ بہت ہی معصوم اور پیاری پیاری سی لگ رہی تھی۔ وہ اسے بڑی محبت سے دیکھتی رہی پھر آہستگی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ چاہتی تھی کہ عینی ابھی سوتی رہے۔ اچھی طرح نیند پوری کر لے۔ وہ پچھلی دو راتوں سے الجھنوں کا شکار ہوتی رہی تھی۔ اب سہیلی کی قربت میں آرام سے سو رہی تھی۔

وہ تکیے کے پاس رکھے ہوئے موبائل فون کو اٹھا کر بیڈ سے اتر گئی۔ واش روم کے دروازے کے پاس آ کر رک گئی۔ وہاں سے پلٹ کر اسے دیکھا۔ وہ گہری نیند میں تھی۔ ابھی جاگنے والی نہیں تھی۔

وہ مطمئن ہو کر واش روم کا دروازہ کھول کر اندر آئی پھر دروازے کو بند کر کے موبائل فون پر نمبر پنچ کرنے لگی۔ رابطہ ہوتے ہی پاشا جانی کی آواز سنائی دی "ہیلو عروج! کیوں مجھے تڑپا رہی ہو؟ کل رات مجھے فون کیا۔ میں بولتا رہا اور تم خاموش رہیں پھر تم نے اچانک فون بند کر دیا۔ اس کے بعد اب تک کئی بار رابطہ کرتا رہا۔ ہر بار یہی معلوم ہوا کہ تم نے فون بند کر رکھا ہے۔ کیا تم نے اپنے پیار کے لیے مجھے ترسانے کی قسم کھا رکھی ہے؟"

"پاشا......! تم بولتے ہو تو بولتے ہی چلے جاتے ہو۔ کل رات میں نے نہیں عینی نے تمہیں فون کیا تھا۔ وہ فون کو کان سے لگائے ہوئے تھی اور تم نہ جانے کیا کیا بولتے چلے گئے۔ یہ بھید کھل گیا کہ تم اسے نہیں مجھے چاہتے ہو۔"

"میں کیسے جان سکتا تھا کہ عینی نے مجھے فون کیا ہے۔ مجھے تو یہ معلوم تھا کہ اسے نیند کا انجکشن دیا گیا ہے اور وہ گہری نیند سو رہی ہے پھر وہ کیسے بیدار ہو گئی تھی؟"

"آج کل کی دوائیں برائے نام اثر کرتی ہیں۔ وہ رات کو ہی بیدار ہو گئی تھی۔ میرے پاس آنے کی ضد کر رہی تھی پھر بھائی جان مجھے اس کے پاس لے آئے۔ یہاں اس نے میرا موبائل فون لے کر تمہارے نمبر پنچ کیے تھے اور تم نے میرے نمبر پڑھ کر یہ سمجھ لیا کہ میں تمہیں کال کر رہی ہوں۔"

"مجھے کیا معلوم تھا کہ وہاں یہ سب کچھ ہو چکا ہے؟ بہر حال میں نے انجانے میں عینی سے سچ بات کہہ دی۔ تم سے اپنی محبت کا اظہار کر دیا۔ یہ تمہارے خیال سے غلط ہوا لیکن میں کہتا ہوں کہ جو ہوا اچھا ہی ہوا۔ آج نہیں تو کل اسے معلوم ہونا ہی تھا۔"

"کیا تم میری بات نہیں مانو گے؟"

"کون سی بات؟"

"یہی کہ تم عینی سے محبت کرو۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو؟ کیا میں کسی دکان پر آیا ہوں کہ یہ مال خریدا نہیں جا سکتا اس لیے دوسرا مال خرید کر لے جاؤں؟"

"ایسی سستی باتیں نہ کرو۔"

"ایسی باتیں تم ہی کر رہی ہو۔ کل رات میں نے تمہاری ضد سے مجبور ہو کر ایک شرط پر عینی سے محبت کرنے کا وعدہ کیا تھا لیکن تم نے وہ شرط نہیں مانی۔"

"جس طرح تم چاہتے ہو اس طرح ہم میں سے کوئی کسی کے ساتھ دل سے محبت نہیں کر سکے گا۔ عینی تمہیں چاہتی رہے گی۔ تم مجھے چاہتے رہو گے اور میں عینی کی خاطر تم سے محبت کرتی رہوں گی تو بات نہیں بنے گی۔"

"اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر اور عینی کی قسم کھا کر کہو کیا تم مجھ سے محبت نہیں کرتی ہو؟ کیا تمہارا دل میری طرف مائل نہیں ہے؟ دیکھو جھوٹ نہ بولنا۔"

"میں جھوٹ نہیں بولوں گی اور سچ بھی نہیں بولوں گی۔ بس تمہیں میری بات ماننا ہوگی۔"

"تمہیں بھی میری بات ماننا ہوگی۔"

"تم بہت ضدی ہو۔ میں ایک شرط پر مانوں گی۔"

"میں تمہاری ہزار شرطیں ماننے کو تیار ہوں۔ بس تمہاری

محبت چاہتا ہوں۔"

"وعدہ کرو عینی کے سامنے مجھ سے زیادہ نہیں بولو گے۔ میری طرف زیادہ مائل نہیں ہو گے۔ اس پر زیادہ سے زیادہ توجہ دو گے اور اس کا دل رکھو گے۔"

"جب تم نے میرا دل رکھ لیا ہے۔ تو میں عینی کی طرف سے تمہیں مایوس نہیں کروں گا۔"

"تمہارا بہت بہت شکریہ۔ ابھی آدھے گھنٹے کے بعد عینی نیند سے بیدار ہو گی۔ تم اسے فون کرو گے اور اس سے ملاقات کرنے کی خواہش ظاہر کرو گے۔"

"تم جو کہو گی میں وہ کروں گا۔"

اس نے ایک گہری سانس لی پھر کہا "میں فون بند کر رہی ہوں عینی اٹھنے والی ہے۔"

"یہ بتاؤ میں اس سے ملنے آؤں گا تو تم موجود رہو گی؟"

"اگر شام تک ملنے آؤ گے تو میں موجود رہوں گی۔ رات کے آٹھ بجے سے میری ڈیوٹی ہے' اچھا خدا حافظ۔"

اس نے فون بند کیا پھر دروازے کو ذرا سا کھول کر دیکھا تو وہ اسی طرح سو رہی تھی۔ اس نے دبے قدموں بیڈ کے پاس آ کر موبائل فون کو تکیے کے قریب رکھ دیا پھر جھک کر عینی کی پیشانی کو چومتے ہوئے کہا "اٹھو میری جان!...... دن کے دو بجنے والے ہیں۔"

وہ نیند میں کسمسائی۔ اس نے پھر آواز دی "بس اٹھ جا عینی! بہت سو چکی۔"

اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا پھر اپنی دونوں بانہیں پھیلا دیں۔ عروج اس کی بانہوں میں سما گئی۔ وہ بولی "جی چاہتا ہے تیرے ساتھ اسی طرح لیٹی رہوں۔ اب تو کوارٹر میں نہیں میرے ساتھ یہیں رہا کرے گی۔"

"ہاں بابا......! تیرے ہی ساتھ رہوں گی چل اب اٹھ جا۔"

"تو کہہ رہی تھی آج رات کی ڈیوٹی ہے؟"

"ہاں...... وہ تو ہے۔"

"میں رات کو پھر اکیلی رہ جاؤں گی۔"

"میں تیرا بندوبست کر رہی ہوں پھر تو کبھی تنہا نہیں رہے گی۔"

"اچھا تو، تو نے پاشا سے کوئی بات کی ہے؟"

"بالکل نہیں...... میں تو تیرے جاگنے کا انتظار کر رہی تھی۔ چل اٹھ کر منہ ہاتھ دھو میں ناشتے کے لیے کہتی ہوں۔ اس کے بعد پاشا سے رابطہ کر لینا۔"

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی پھر بولی "میں اسے کال نہیں کروں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ وہ اسی قابل ہے کہ اسے منہ نہ لگایا جائے۔"

عینی نے اسے گھور کر دیکھا پھر کہا "کیوں اس کے بارے میں ایسی بات کہہ رہی ہے؟"

"کیوں نہ کہوں۔ کل رات تو نے اسے فون کیا اور اس نے تیرے کانوں میں الٹی سیدھی بات کہہ دی۔"

"کوئی الٹی سیدھی بات نہیں کی۔ جو سیدھی بات تھی کہہ دی۔"

وہ بیڈ سے اتر کر واش روم میں چلی گئی۔ عروج انٹرکام کے ذریعے خانساماں کو ناشتا لانے کے لیے کہا پھر اس سے بولی "جلدی سے باہر آ جا۔ مجھے بھی فریش ہونا ہے۔"

وہ اسے جلدی بلا رہی تھی۔ تاکہ پاشا کا فون آئے تو اسے اٹینڈ کرنے کے لیے کمرے میں موجود رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہی وہ کمرے میں آ گئی۔ عروج واش روم میں چلی گئی۔

عینی نے موبائل فون کی طرف دیکھا۔ تھوڑی دیر سوچتی رہی پھر اِدھر سے دھیان ہٹانے کے لیے آئینے کے پاس آ گئی۔ بالوں کو برش کرنے لگی۔ اس نے پچھلی رات پاشا کو موبائل فون دیا تھا۔ اس چاہت سے دیا تھا کہ وہ اسے فون یاد کرے گا لیکن جب اس نے یاد کیا تو اس کے لبوں پر عروج کا نام تھا۔

اور وہ نام ایسا تھا جسے سن کر عینی نے حسد اور رقابت محسوس نہیں کی تھی۔ ایک ذرا مایوس ہوئی تھی۔ کچھ کھونے کا احساس ہوا تھا پھر دوسرے ہی لمحے میں یہ خوشی بھی حاصل ہوئی تھی کہ پاشا اسے نہ سہی اس کی عروج کو دل و جان سے چاہتا ہے۔

فون کے بزر کی آواز ابھری تو وہ چونک گئی۔ فوراً ہی پلٹ کر بیڈ کے پاس آئی اور فون کو اٹھا کر نمبر پڑھنے کی کوشش کرنے لگی۔ دھندلا دھندلا سا نمبر سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ فون اس کے ہاتھ میں چیخ رہا تھا۔ عروج نے واش روم کا دروازہ کھول کر پوچھا "تو کہاں ہے؟ فون اٹینڈ کیوں نہیں کر رہی ہے؟"

"پتا نہیں کس کا ہے۔ میں نمبر نہیں پڑھ سکتی۔"

"نمبر پڑھنے کی ضرورت کیا ہے؟ فوراً اسے آن کر۔"

"یہ تیری کال ہو گی تجھے اٹینڈ کرنا چاہیے۔"

"میں ابھی کسی سے بات نہیں کرنا چاہتی۔ جو کوئی بھی ہے، اس سے پیغام لے لے۔"

عروج نے یہ کہہ کر دروازے کو ایک زوردار آواز کے ساتھ بند کر دیا۔ عینی نے بند دروازے کی طرف دیکھا۔ فون آن کر کے کان سے لگایا پھر کہا "ہیلو......! کون......؟"

دوسری طرف سے پاشا کی آواز سنتے ہی دل بے اختیار دھڑکنے لگا۔ اِدھر اس نے انجان بن کر پوچھا "ہیلو...... یہ تو عروج کا فون ہے۔ آپ کون ہیں؟"

پھر وہ فوراً ہی بولا "اوہ...... یاد آیا یہ تو عینی کی آواز ہے۔ عینی ہو ناں......؟"

اس کا دل مسرتوں سے بھر گیا تھا۔ جسے وہ چاہتی تھی وہ اسے آواز سے پہچان رہا تھا۔ یہ پہچان کہہ رہی تھی کہ وہ جانے انجانے میں اسے یاد رکھتا ہے۔ وہ بولی "ہاں...... میں عینی ہوں۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے اپنی ضد پوری کر لی اور عروج کے پاس اس کے کوارٹر میں آ گئی ہو؟"

"نہیں...... عروج میرے گھر آئی ہوئی ہے۔ کل رات سے میرے ساتھ ہے۔"

"عینی......! تم نے مجھے اپنا موبائل فون دیا ہے لیکن پچھلی رات میں تم سے رابطہ نہ کر سکا۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ تمہیں نیند کا انجکشن دیا گیا ہے اور تم گہری نیند سو رہی ہو۔ میں نے سوچا دوسری صبح فون کروں گا۔ آج تقریباً گیارہ بجے فون کیا تو تمہاری بڑی امی نے بتایا کہ تم اب تک سو رہی ہو۔"

"ہاں...... رات ہم دونوں دیر تک جاگتی رہیں۔ اس لیے دیر تک سوتی رہیں۔"

"ویسے عینی......! کل رات تم نے اچھا نہیں کیا۔ مجھے سن کر تکلیف پہنچی ہے۔"

وہ خوش ہو گئی، پھر انجان بن کر بولی "میں نے ایسا کیا کیا تھا؟"

"انجان نہ بنو۔ تم نے عروج کے پاس جانے کی بے جا ضد کی تھی۔ جب کہ تمہارے بزرگ تمہیں اچھی باتیں سمجھا رہے تھے۔ آخر اس ضد کا نتیجہ کیا نکلا؟ زینے کی بلندی سے گر کر خود کو زخمی کر لیا۔ یہ کہاں کی دانش مندی ہے؟"

"اگر میں زینے کی بلندی سے نہ گرتی تو خود کو گولی مار کر مر جاتی۔ یہ کبھی برداشت نہ کرتی کہ میری عروج میری وجہ سے اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر کہیں چلی جائے اور میں آرام سے رہوں۔ یہ نہ کبھی ہو سکتا ہے اور نہ کبھی ہو گا۔"

"تم اس کے لیے پاگل ہوتی رہتی ہو اور وہ تمہاری دیوانی ہے۔ تمہیں زیادہ سے زیادہ مسرتیں دینے کے راستے ہموار کرتی رہتی ہے۔"

"اور مجھے مسرتیں دینے کے لیے تم اس کے ساتھ تعاون کر رہے ہو۔"

"عینی......! تم بہت اچھی ہو۔ بہت خوبصورت اور پرکشش ہو۔"

"مجھ سے زیادہ میری دولت میں کشش ہے۔ میں کبھی یہ فخر حاصل نہ کر سکوں گی...کہ کسی نے میرے وجود اور میری ذات سے پیار کیا ہے۔"

"تم نے دیکھا ہے، میں لالچی اور زر پرست نہیں ہوں۔"

"میں مانتی ہوں۔"

"اگر میں کہوں کہ تمہیں چاہتا ہوں تو......؟"

"تو...... میں تمہاری چاہت کو پیار نہیں ہمدردی کہوں گی۔"

"کیوں......؟ میرے پیار کو ہمدردی کیوں کہو گی؟"

"تم محبت کے مدرسے میں عروج کی انگلی پکڑ کر آؤ گے جو سبق وہ پڑھاتی رہے گی تم مجھے وہ سناتے رہو گے۔ مجھے بہلاتے رہو گے۔"

"ایسی بات نہ کرو عینی......!"

"جیسی بات ہوتی ہے۔ ویسی ہی کی جاتی ہے۔ میں پیار کی طلبگار رہوں گی اور تم مجھے محبت کی خیرات دیتے رہو گے۔ تم ہمیشہ سچ بولتے ہو۔ اس وقت بھی بولو۔ میں درست کہہ رہی ہوں ناں......؟"

اسے چپ لگ گئی۔ وہ فوراً ہی کوئی جواب نہ دے سکا پھر اس نے کہا "عینی......! یہ باتیں فون پر نہیں ہو سکیں گی۔ میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"

عینی کو یوں لگا۔ جیسے سامنے سے وہ قد آور محبوب چلا آ رہا ہے۔ وہ بہت خوش ہوئی پھر ذرا سنجیدگی سے بولی "ہاں...... تم جب چاہو آ سکتے ہو۔"

"آج شام چھ بجے آ جاؤں؟"

"ہاں...... لیکن عروج آٹھ بجے ڈیوٹی پر چلی جائے گی۔ اس کے ساتھ تمہاری ملاقات ادھوری رہ جائے گی۔ لہٰذا جلدی آنے کی کوشش کرو۔"

"عینی......! میں تم سے ملنے آ رہا ہوں۔ ابھی عروج کی باتیں نہ کرو۔ تم مائنڈ نہ کرو تو ایک بات کہوں؟"

"میں تمہاری کسی بات کا برا نہیں مانوں گی۔"

"عروج آٹھ بجے ڈیوٹی پر جائے گی۔ تو اس کے بعد میں تمہارے ساتھ کم از کم ایک گھنٹا رہنا چاہتا ہوں۔ اگر تمہیں اعتراض نہ ہو؟"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ تم عروج کے جانے کے بعد جب تک چاہو میرے ساتھ وقت گزار سکتے ہو۔"

"تمہارے گھر کے بزرگ مائنڈ کریں گے؟"

''میں کسی کی پروانہیں کرتی۔ہم جب نیک نیت ہیں اور ہمارے دلوں میں کھوٹ نہیں ہے تو پھر ہم کسی کی پروا کیوں کریں؟''

''اچھی بات ہے۔میں شام چھ بجے آؤں گا۔اب فون بند کردوں؟''

عینی نے واش روم کے بند دروازے کو دیکھا پھر کہا ''عروج واش روم میں ہے۔تھوڑی دیر میں باہر آئے گی۔میں چاہتی ہوں آدھے گھنٹے کے بعد تم اس سے رابطہ کرو۔''

''اچھی بات ہے۔میں تمہاری یہ خواہش پوری کردوں گا۔''

فون بند ہوگیا۔اس کا یہ آخری جملہ عینی کو بہت اچھا لگا کہ وہ اس کی خواہش پوری کرے گا۔یعنی اس کی خواہش کے مطابق عروج سے بات کرے گا پھر وہ اچانک سنجیدہ ہو کر سوچنے لگی کہ اس نے ایسی بات کیوں کہی؟

کیا وہ عروج کو مجھ سے کم تر بنا رہا ہے؟ میں خواہش ظاہر کروں گی تب ہی وہ بات کرے گا ورنہ نہیں کرے گا؟ یہ تو اچھی بات نہیں ہے۔آئندہ وہ ایسی بات کرے گا تو میں فوراً اسے ٹوک دوں گی اور صاف صاف کہہ دوں گی کہ آئندہ وہ عروج کو ترجیح دے گا۔تب ہی میں اس سے ملاقات کروں گی ورنہ نہیں......

واش روم کا دروازہ کھل گیا۔عروج تولیے سے منہ ہاتھ صاف کرتے ہوئے باہر آگئی پھر اس کے ہاتھ میں موبائل فون دیکھ کر بولی ''کیا ابھی تک باتیں ہو رہی تھیں؟''

''ہاں......ابھی فون بند کیا ہے۔''

''کیا باتیں ہوتی رہیں؟''

''یہ پاشا جانی فلرٹ ہے مجھ سے ایسے باتیں کر رہا تھا جیسے صرف مجھ سے ہی محبت کرتا ہو۔تجھ سے باتیں کرنے کے لیے میرے حکم کا محتاج ہو۔''

وہ ہنستے ہوئے بولی ''اس نے ایسی کیا بات کہہ دی؟''

وہ فون پر ہونے والی گفتگو تفصیل سے بتانے لگی۔

دروازے پر دستک ہوئی۔عروج نے دروازہ کھولا تو ملازم ناشتے کی ٹرالی لے آیا تھا۔وہ ٹرالی کو اندر لاتے ہوئے بولا ''بی بی جی......! آپ نے ناشتے کا آرڈر دیا تھا لیکن بڑے صاحب نے کہا ہے کہ لنچ کا وقت ہوگیا ہے۔اس لیے ناشتا اور لنچ دونوں ساتھ لایا ہوں۔''

عینی نے کہا ''ٹھیک ہے......تم جاؤ۔''

عروج نے دروازہ بند کیا پھر وہ دونوں کھانے کے لیے بیٹھ گئیں۔کھانے کے دوران باتیں کرتی رہیں۔عروج نے کہا

''عینی......! تو یہ غلط کہتی ہے کہ تجھے محبت خیرات کے طور پر رہے گی دیکھ اس نے کتنی چاہت سے خود ہی آج تجھ سے کی خواہش کی ہے پھر یہ بھی کہا ہے کہ جب میں آٹھ اسپتال چلی جاؤں گی تو وہ تیرے ساتھ یہاں ایک آدھ گزارے گا۔کیا اس سے ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ تیری ذات دلچسپی لے رہا ہے؟''

''ہاں......صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ مجھ میں ظاہ دلچسپی لے رہا ہے۔''

عروج نے اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر ''مجھے یہ بتا کیا میں تجھ سے زیادہ کسی کو چاہتی ہوں؟''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی ''نہیں......نہ میں کسی کو تجھ زیادہ چاہتی ہوں اور نہ تو مجھ سے زیادہ کسی کو چاہتی ہے۔''

وہ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی ''تیری قسم م پاشا کو بھی چاہتی ہوں۔تو تیرے بعد......''

''ہاں...... مجھے پورا یقین ہے۔اسی لیے تو پاشا کو میر طرف مائل کر رہی ہے۔''

''یہ دیکھ کہ میں اسے تیری طرف مائل کرنے کے اس سے محبت کر رہی ہوں۔تیرے ہی لفظوں میں کہتی ہوں اگر پاشا تجھے محبت کی خیرات دے رہا ہے تو میں بھی پاشا محبت کی خیرات دے رہی ہوں۔پاشا جانی اہم ہے۔تو دونوں کے لیے ہے۔ورنہ نہیں ہے۔''

وہ بولی ''ہم سب خیراتی محبت کے ایک دائرے میں گھومتے رہیں گے۔اس کا انجام کیا ہوگا؟''

''محبت دل سے ملے۔دیوانگی سے ملے یا خیرات ملے۔وہ محبت ہی ہوگی۔جب پاشا ہم دونوں کو چاہتا رہے اور ہم دونوں اسے چاہتی رہیں گی تو یہ چاہت رفتہ رفتہ پکی گہری محبت میں تبدیل ہوتی جائے گی۔ہم تینوں میں سے کے دل میں کھوٹ نہیں ہے۔اس لیے محبت کی سچائی ضر رنگ لائے گی۔''

عینی نے بڑی محبت اور عقیدت سے اپنا ہاتھ اس ہاتھ پر رکھ دیا۔

☆☆☆

سید تراب علی شاہ اور بیگم شاہ کی نیندیں اڑی ہ تھیں۔پچھلے ایک دن اور رات سے ان کا جوان بیٹا حشم کہیں روپوش تھا۔ایس پی ذیشان سے چھپتا پھر رہا تھا اور ا کے بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی۔

بیگم شاہ نے کہا ''دردانہ بیگم نے وعدہ کیا تھا کہ وہ ا بیٹے جواد پر اور ہمارے بیٹے پر آنچ نہیں آنے دے گ

ن ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا لیکن کل سے اب تک نہ ہمیں فون کر رہی ہے اور نہ ہی ہمیں فون پر مل رہی ہے۔ ں کہاں مر گئی ہے؟''

تراب علی نے کہا ''دردانہ کی بس باتیں ہی باتیں تھیں۔ خواہ ڈینگیں مار رہی تھی میرا خیال ہے وہ اپنے بیٹے کی کے لیے بھی کچھ نہیں کر پائی ہے۔اس لیے کہیں منہ چھپا بھی ہے۔''

''میں کہتی ہوں آپ ذیشان سے بات کریں اور حشمت لیے معافی کا کوئی راستہ نکالیں۔''

''بیگم......! تم نہیں جانتی ہو ذیشان بہت ہی سنگدل اور رحم افسر کہلاتا ہے۔وہ ہماری بیٹی عروج کے حوالے سے بھی اور شناسائی کا لحاظ نہیں کرے گا۔''

''آپ ایک بار بات کر کے تو دیکھیں۔ہو سکتا ہے ے بیٹے کی نجات کا کوئی راستہ نکل آئے۔''

تراب علی نے فون کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا پھر یور اٹھا کر نمبر پنچ کرنے لگا۔بیگم نے کہا ''اسے موبائل پر ب کریں۔ضرور رابطہ ہوگا۔''

''میں یہی کر رہا ہوں۔''

اس نے ریسیور کو کان سے لگایا۔تھوڑی دیر بعد ہی ان کی آواز سنائی دی ''ہیلو...... میں ایس پی ذیشان بول ہوں۔''

''بیٹے......! میں تمہارا انکل، عروج کا باپ تراب علی ہوں۔''

''اوہ شاہ صاحب......! کیا ابھی تک آپ سو رہے تھے؟ بول گئے تھے کہ بیٹے کو میرے سامنے لے کر حاضر ہونا ؟''

''بیٹے......! مجھے سب یاد ہے مگر یقین کرو حشمت لاپتا ہے۔پتا نہیں کہاں اور کس حال میں ہے؟ ہم اس کے لیے ت پریشان ہیں۔تم ایک جوان بیٹے کے لیے بوڑھے باپ پریشانی کو سمجھ سکتے ہو۔''

''اور آپ بھی ایک جوان بہن کے لیے مجھ جیسے بھائی کی رت کو سمجھ سکتے ہیں۔آپ کے کچھ کہنے سے پہلے ہی میں کہہ تا ہوں کہ مجھ سے بیٹے کی معافی کے لیے کوئی بات نہ کریں۔ ں نے میری بہن کے لباس کو پھاڑا ہے اور جس ہاتھ سے اس نے ایسا کیا ہے۔پہلے میں اس کا وہ ہاتھ توڑوں گا پھر اسے پ کے حوالے کروں گا۔یہ نہ سوچیں کہ وہ چھپ کر محفوظ ہے گا۔''

''بیٹے......! میں تمہارے غصے اور نفرت کو اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔لیکن کیا انتقام لینے سے تمہارا کلیجہ ٹھنڈا ہو جائے گا؟ اگر ایسا ہے تو میں تمہارے پاس آرہا ہوں مجھے اتنی سزا دو، اتنی سزا دو کہ مجھ جیسا باپ حشمت جیسے بیٹے کو پیدا کرنے کی غلطی کبھی نہ کرے۔''

''سزا چور کو دی جاتی ہے۔چور کے باپ کو نہیں دی جاتی۔آپ ایسی جذباتی باتیں نہ کریں اور مجھ سے کسی قسم کی نرمی کی توقع نہ کریں۔میرا وقت ضائع ہو رہا ہے لہٰذا خدا حافظ۔''

اس نے فون بند کر دیا۔تراب نے اپنے ریسیور کو دیکھا۔بیگم کو دیکھا پھر ریسیور کو کریڈل پر رکھ دیا۔بیگم نے پوچھا ''وہ کیا کہہ رہا ہے......؟''

''وہ حشمت کو تلاش کر رہا ہے۔اسے کسی حال میں معاف نہیں کرے گا۔کہہ رہا تھا کہ جب وہ گرفت میں آجائے گا۔تو اس کا وہ ہاتھ توڑے گا جس سے اس نے اس کی بہن کا لباس پھاڑا تھا پھر وہ اسے ہمارے حوالے کرے گا۔''

بیگم شاہ ہائے ہائے کرنے لگی۔ذیشان کو گالیاں دینے لگی۔وہ ڈانٹ کر بولا ''کیا اسے گالیاں دینے اور کوسنے سے تمہارا بیٹا واپس آجائے گا؟ اور اسے قانون کی گرفت سے نجات مل جائے گی؟ تم کل سے پولیس کو اور ذیشان کو برا بھلا کہہ رہی ہو۔حشمت کو اور اپنے آپ کو گالیاں کیوں نہیں دے رہی ہو۔نہ تم اسے پیدا کرتیں اور نہ ہی وہ ہمارے دماغ کا پھوڑا بنتا۔اس کی وجہ سے میں نے اپنی پھول جیسی بیٹی کو ناراض کیا ہے۔''

''وہ پھول جیسی بیٹی ہی کام آنی ہوئی ہے۔اگر وہ چاہے تو عینی کے ذریعے ذیشان کے فیصلے میں لچک پیدا کر سکتی ہے۔ہمارے بیٹے کو معافی دلوا سکتی ہے۔''

''کوئی آکر تمہاری عزت پر ہاتھ ڈالے تو کیا تم اسے معاف کر دو گی؟''

''ہائے ہائے...... یہ اس بڑھاپے میں کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ میری عزت پر کون ہاتھ ڈالے گا؟''

''فرض کرو، کوئی ایسا کرے گا تو تم اسے معاف کر دو گی؟''

''میں اس کا منہ نوچ لوں گی۔اسے گولی مار دوں گی۔''

''بس عینی اور ذیشان بھی تمہارے بیٹے کے ساتھ یہی کرنا چاہتے ہیں۔''

''آپ باپ ہو کر بیٹے کی مخالفت میں باتیں کر رہے ہیں۔''

''میں گھر کی چار دیواری میں اس کی مخالفت کر رہا ہوں

لیکن اسے کسی طرح قانون کی گرفت سے نجات دلوانے کے لیے پل پل مرتا جا رہا ہوں۔"

اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کیے پھر اسے کان سے لگایا۔ دوسری طرف دردانہ بیگم کی آواز سنائی دی "ہیلو...... میں بول رہی ہوں۔"

"دردانہ بھابی......! تم کہاں ہو۔ میں تراب علی بول رہا ہوں۔ تم نے وعدہ کیا تھا کہ میرے بیٹے کو قانون کی گرفت سے نجات دلاؤ گی۔"

وہ بڑی بے رخی سے بولی "سوری میں کسی کے لیے کچھ نہیں کر سکوں گی۔ اس وقت بہت پریشان ہوں۔ میرا بیٹا لاپتا ہو گیا ہے۔ پتا نہیں اسے کس نے اغوا کیا ہے؟ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ ایسے وقت میں کسی سے کوئی بات نہیں کر سکتی۔ آئندہ مجھے فون نہ کریں۔"

اس نے فون بند کر دیا۔ تراب علی نہیں جانتا تھا کہ دردانہ بیگم کتنی اونچی جگہ پہنچی ہوئی ہے۔ وہاں سے اس نے اپنے بیٹے کو رہائی دلوائی تھی۔ اس کے باوجود بیٹا اس کے پاس نہیں پہنچا تھا۔ اسے کسی نے اغوا کر لیا تھا اور وہ اس کے لیے پاگل ہو رہی تھی۔ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ اسے کس نے اغوا کیا ہے؟"

شہباز درانی اسے یقین دلا رہا تھا اور کہہ رہا تھا "صبر کرو۔ میں جلد ہی معلوم کر لوں گا کہ وہ کہاں ہے؟ اور کون اس سے دشمنی کر رہا ہے؟"

تراب علی نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ بیگم نے پوچھا "وہ کیا کہہ رہی ہے؟"

"اس نے ٹکا سا جواب دے دیا ہے۔ کہہ رہی تھی کہ اسے فون نہ کیا جائے وہ خود اپنے بیٹے کے لیے پریشان ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا بیٹا ابھی تک ذیشان کی حراست میں ہے۔"

"پتا نہیں...... وہ اس کی حراست میں ہے یا کہیں گم ہو گیا ہے۔ دردانہ اس کے لیے پریشان ہے اور اسے تلاش کر رہی ہے۔"

"جہنم میں جائیں دونوں ماں بیٹے۔ آپ اپنے بیٹے کی بات کریں۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ تراب علی نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا پھر دوسری طرف کی آواز سنتے ہی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور بولا "حشمت......! تم کہاں ہو......؟ کل سے فون کیوں نہیں کیا؟ ہم تمہارے لیے کس قدر پریشان ہیں کیا تم اندازہ کر سکتے ہو؟"

بیگم شاہ اپنے بیٹے کا نام سنتے ہی قریب آ کر بیٹھ گئی۔ وائیڈ اسپیکر آن کر کے ان کی باتیں سننے لگی۔ بیٹا کہہ رہا تھا "میری فکر نہ کریں۔ میں جہاں بھی ہوں محفوظ ہوں، خیریت سے ہوں۔"

بیگم شاہ نے کہا "بیٹے! تمہیں فون تو کرنا چاہیے۔ تمہیں ماں کی یاد بھی نہیں آ رہی ہے؟"

"ممی......! میں آپ کو بہت یاد کرتا ہوں لیکن بار بار فون نہیں کر سکتا۔ یہ اندیشہ ہے کہ میری کال ٹیپ کی جائے اور پولیس والے مجھ تک پہنچ جائیں گے۔"

وہ جلدی سے بولی "نہیں...... نہیں بیٹے! فون بالکل نہ کرو۔ کوئی ضروری نہیں ہے۔ تم جہاں بھی رہو سلامت رہو۔ میں تمہارے لیے دعائیں کرتی رہتی ہوں۔"

"آپ لوگوں نے کہا تھا دردانہ بیگم ہم سے تعاون کر رہی ہے اور وہ مجھے قانون کی گرفت سے بچا سکتی ہے۔"

"بیٹے......! یہ سب باتیں ہی باتیں ہیں۔ وہ اپنے کو نہیں بچا پا رہی ہے تو تمہارے لیے کیا کرے گی؟ ہم نے ایک وکیل کی خدمات حاصل کی ہیں۔ وہ کہہ رہا تھا ... تک کورٹ سے تمہارے لیے ضمانت نامہ حاصل کر لے گا۔"

"ڈیڈ......! کل تک میری ضمانت ہو جائے گی تب میں اپنی پناہ گاہ سے باہر نہیں آؤں گا۔ ذیشان میری تاک میں رہے گا اور کسی نہ کسی بہانے مجھے قانون کی گرفت میں ... بری طرح ٹارچر کرے گا۔"

"تم درست کہتے ہو۔ ذیشان تمہارے خلاف کچھ ... سکتا ہے لیکن تم کب تک چھپتے رہو گے؟ آخر کبھی نہ کبھی ... جگہ سے باہر نکلو گے۔"

"میں اس ملک سے باہر جانے کے انتظامات ... ہوں۔ آپ بے فکر رہیں۔ جب میں یہاں سے ... جاؤں گا تو پھر آپ سے فون پر رابطہ کروں گا مجھے یہاں نکلنے کے لیے کم از کم پانچ لاکھ روپوں کی ضرورت ہے۔ کب تک رقم کا انتظام کر سکتے ہیں؟"

بیگم شاہ نے کہا "بیٹے......! تم رقم کی فکر نہ کرو۔ یہاں سے دور چلے جاؤ۔ اللہ تمہیں ہمیشہ دشمنوں سے ... رکھے۔ یہ بتاؤ، رقم تمہیں کہاں بھیجی جائے؟"

"یہ میں بعد میں بتاؤں گا۔ آپ میرے اگلے ... انتظار کریں فی الحال خدا حافظ۔"

حشمت نے مسکرا کر ڈاکٹر آرزو کو دیکھا پھر موبائل ... بٹن دبا کر اسے آف کر دیا۔ وہ اسے گھور کر بولی "تم نے ... سے جھوٹ کیوں کہا کہ ملک سے باہر جا رہے ہو؟"

وہ آنکھ دبا کر بولا "سمجھا کرو۔ یہاں گھر بیٹھے بیٹھے پانچ لاکھ روپے کما رہا ہوں۔ اب ہم عیش کریں گے۔"

وہ اس کی گردن میں بانہیں ڈال کر بولی "تم پکے بدمعاش ہو۔ ماں باپ سے بھی فراڈ کرتے ہو۔"

وہ اسے بازوؤں کی گرفت میں لے کر بولا "باپ کی ... آخر کس کے لیے ہے؟ میں ہی ایک بیٹا ہوں ... دولت اور جائیداد میرے ہی حصے میں آئے گی۔"

وہ بولی "ہم دس پندرہ دنوں کے لیے سنگاپور جائیں ... تمہیں زیادہ رقم کا مطالبہ کرنا تھا۔"

"فکر نہ کرو میری جان......! میں سنگاپور جا کر فون کے ... اپنی مصیبتیں بیان کروں گا تو بینک کے تھرو وہاں دس ... پہنچ جائیں گے۔ میری امی بہت بھولی ہیں۔ میرا دکھڑا سن ... نہیں سکیں گی۔ میں دنیا کے جس حصے سے پکاروں گا ... .! وہ اپنی ممتا کا سارا خزانہ لٹا دیں گی۔"

ڈاکٹر آرزو اپنے پیار کا خزانہ اس پر لٹانے لگی۔ وہ ... دونوں بڑی دیر تک چپ رہے۔ چپ کی زبان بڑی پراسرار ... ہے۔ وہ چپ چاپ ایک دوسرے سے بولتے رہے پھر ... بولی "پانچ لاکھ روپے اپنی ماں سے کس طرح لاؤ گے؟ میں ... وہاں جانے نہیں دوں گی۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "تم تو مجھے کھڑکی سے باہر بھی جھانکنے ... دیتی ہو پھر باہر کیا جانے دو گی...... تم وہاں جاؤ گی۔"

وہ تعجب سے بولی "میں......؟"

"ہاں...... میں فون پر کہہ دوں گا کہ امی بیماری کا بہانہ ... کریں۔ ڈاکٹر آرزو ان کا علاج کرنے آئے گی تو وہ تمہیں ... لاکھ روپے دے دیں گی۔"

"یہ اچھی تدبیر ہے۔"

"رقم لینے کے بعد تم سیدھی یہاں نہیں آؤ گی۔ اپنے کلینک میں جاؤ گی اور محتاط رہ کر معلوم کرتی رہو گی کہ کوئی تمہاری نگرانی کر رہا ہے یا نہیں؟ پھر رات کو کلینک بند کرنے کے بعد یہاں آؤ گی۔"

"جھوٹ اور فراڈ کے معاملات میں تمہارا دماغ خوب کام کرتا ہے۔"

"تمہارے دماغ کو بھی کام کرنا چاہیے۔ میں نے کہا تھا کہ عینی سے انتقام لیے بغیر مجھے سکون نہیں ملے گا۔ میں بھی سوچ رہا ہوں اور تم بھی کوئی تدبیر سوچو کہ آسانی سے انتقام لے سکوں اور ایسے وقت مجھے کوئی دیکھ نہ سکے۔"

"تم نے کہا تھا، اسے جان سے نہیں مارنا چاہتے لیکن اسے اپاہج بنا دینا چاہتے ہو۔ بدصورت بنا دینا چاہتے ہو۔"

"ہاں...... میں یہی چاہتا ہوں۔"

"اسے اپاہج بنانے کے لیے اس پر حملہ کرنا ہو گا۔ کیوں خواہ مخواہ رسک لینا چاہتے ہو؟ سیدھی سی بات ہے۔ وہ نیم اندھی ہے، اسے پوری طرح نابینا بنا دو۔ یہ کام آسانی سے ہو سکتا ہے۔"

"آسانی سے کیسے ہو سکتا ہے؟"

"عروج اسے آئی اسپیشلسٹ وغیرہ کے پاس لے جاتی ہے پھر خود ہی اسے دوائیں کھلاتی پلاتی ہے۔ اس کی آنکھوں میں جو آئی ڈراپس ڈالے جاتے ہیں۔ اگر اس میں میری دوا کے دو قطرے بھی ملا دیے جائیں تو وہ مکمل طور پر اندھی ہو جائے گی۔"

وہ اسے اپنی طرف کھینچ کر بولا "کیا بات ہے میری جان! تم نے تو دل خوش کر دیا۔ اب یہ سوچو کہ اس کے آئی ڈراپس میں تمہاری دوا کیسے ملائی جا سکتی ہے؟"

وہ ایک ذرا سوچنے کے بعد بولی "اس کے لیے یہ معلوم کرنا ہو گا کہ عروج یا عینی ان آئی ڈراپس کو کہاں رکھتی ہے؟ وہ دوا اس کے بیڈ روم میں ہوتی ہے یا عروج کے پاس......؟"

"وہ عروج کے پاس ہی ہوتی ہے۔ عینی اپنے ہاتھوں سے آنکھوں میں دوا نہیں ڈالتی ہے۔ عروج کے پاس ایک چھوٹا سا ہینڈ بیگ رہتا ہے وہ عینی کی تمام دوائیں اور نسخے اسی میں رکھتی ہے۔"

وہ دونوں تھوڑی دیر تک سر جھکائے سوچتے رہے پھر آرزو نے کہا "جب عروج اپنی ڈیوٹی پر ہو گی، تب ہم اس کے کوارٹر میں جائیں گے۔ وہ ضرور اس بیگ کو وہاں چھوڑ کر جاتی ہو گی۔"

حشمت نے کہا "ہاں...... ہم ایسے وقت جا کر اپنے منصوبے پر عمل کر سکتے ہیں۔"

"ہم نہیں...... صرف میں وہاں جاؤں گی۔ تمہیں اس چار دیواری سے باہر نہیں نکلنا ہے لیکن عروج جب اپنی ڈیوٹی پر ہو گی تو اس کے کوارٹر کا دروازہ مقفل ہو گا۔"

وہ سوچ میں پڑ گیا پھر بولا "اس دروازے کو کھولنے کے لیے مجھے تمہارے ساتھ جانا ہو گا۔"

وہ اس کے سینے پر سر رکھ کر بولی "میں نہیں چاہتی کہ تم یہاں سے باہر نکلو اور کسی کی نظروں میں آؤ مگر اس کام کے لیے تمہارا باہر جانا ضروری ہے۔"

وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولا "پہلے یہ معلوم کرنا ہو گا کہ عروج کی ڈیوٹی کب سے کب تک ہوتی ہے؟"

آرزو وہاں سے اٹھ کر ٹیلیفون کے پاس آئی پھر ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کرنے لگی۔ رابطہ ہونے پر اسپتال کی انکوائری سے پوچھا گیا ''ہیلو...... فرمایئے......؟''

''میں لیڈی ڈاکٹر عروج علی شاہ سے ملنا چاہتی ہوں۔ ان کے ڈیوٹی آورز کیا ہیں؟''

''آج ان کی نائٹ ڈیوٹی ہے۔ وہ رات نو بجے کے بعد اسپتال میں مل سکیں گی۔''

''بہت بہت شکریہ......!''

اس نے ریسیور رکھ کر حشمت کو دیکھا پھر معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا ''آج اس کی نائٹ ڈیوٹی ہے۔''

وہ خوش ہو کر بولا ''واؤ...... نائٹ ڈیوٹی...... یعنی آج رات کی تاریکی عینی کی آنکھوں کو مکمل طور پر تاریک کرنے کا سنگِ میل ثابت ہوگی۔''

☆☆☆

اسما نے دروازے پر دستک دی۔ عروج نے دروازہ کھولا۔ اس نے اندر آکر کہا ''تم دونوں سہیلیاں کل رات سے کمرے میں بند ہو۔ گھر والوں سے بھی ملنا ملانا چاہیے اور عینی! تم تو بڑی بے مروّت ہو۔ کل پاشا کو رہائی دلوانے کے لیے مجھے پکڑ کر کمرے میں لے گئی تھیں۔ مجھ سے سفارش کروا رہی تھیں۔ اگر میں تمہاری حمایت نہ کرتی تو کیا تمہارے بھائی جان پاشا کو رہا کر دیتے؟''

وہ مسکرا کر بولی ''بھابی جان! آپ نے واقعی میری حمایت کی تھی۔ آپ کی شکایت بجا ہے مگر خود ہی دیکھیں، اس کے بعد بات کرنے کا موقع ہی کب ملا؟ میں تو زخمی ہو گئی تھی اور نیند کے انجکشن کی وجہ سے سو گئی تھی۔''

وہ اس کے قریب آکر بولی ''ہاں...... اور جب نیند سے اٹھیں تو پھر عروج کی طرف دوڑنے لگی تھیں۔ یہ یہاں آ گئی تو اپنی بھابی جان کو بالکل ہی بھول گئیں۔''

عروج نے ہنستے ہوئے کہا ''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ یہ واقعی بے مروّت ہے، آپ ایسا کریں کہ پاشا جانی کو ایک بار پھر گرفتار کرا دیں پھر دیکھیں، یہ آپ سے کس طرح چپک کر رہے گی؟''

اسما نے عینی کے برابر بیٹھتے ہوئے عروج سے کہا ''تم ٹھیک کہتی ہو۔ مجھے ایسا ہی کرنا ہوگا۔ اسے ایسی ہتھکڑیاں پہناؤں گی کہ اس ہتھکڑی کا دوسرا حصہ ہماری بنّو کی کلائی میں ہوگا۔''

وہ تینوں ہنسنے لگیں پھر عینی نے اسما سے کہا ''بھابی جان! خانساماں سے کہہ دیجئے گا کہ وہ رات کا کھانا ذرا اسپیشل بنائے۔''

اس نے پوچھا ''کیوں...... کیا کوئی مہمان آنے والا ہے؟''

عروج نے کہا ''جی...... شام کو پاشا آئے گا۔''

اسما نے چہک کر کہا ''تب ہی تو کھانے کا آرڈر دیا جا رہا ہے۔ میں بھی سوچوں، کھانے سے دور بھاگنے والی آج فرمائش کر رہی ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ رات کے کھانے کا سارا اہتمام میں خود کراؤں گی۔''

اس کی بات ختم ہوتے ہی ایک ملازمہ نے آکر اسما سے کہا ''صاحب آ گئے ہیں۔''

وہ حیرت سے بولی ''تعجب ہے...... یہ آج جلدی کیسے آ گئے؟''

پھر وہ وہاں سے اٹھ کر چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آئی۔ ذیشان نے مسکرا کر پوچھا ''عینی کے پاس تھیں؟''

وہ اس کے قریب آکر اس کی گردن میں بانہیں ڈالے ہوئے بولی ''آپ نے کہا تھا۔ عینی پاشا کو چاہتی ہے لیکن کسی اور کو چاہتا ہے۔''

''ہاں...... یہی بات ہے۔''

''جی نہیں۔ ان دونوں کے درمیان تو اچھی خا انڈراسٹینڈنگ ہے۔ آج شام پاشا یہاں آ رہا ہے اور بہت خوش ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاشا اس کی محبت جواب محبت سے دے رہا ہے۔''

ذیشان تعجب سے سوچنے لگا پھر ذرا چونک کر بولا ''ہاں...... یاد آیا۔ میں نے پاشا کو سمجھایا تھا کہ عینی کو اس بچے اور ایماندار جیون ساتھی کی ضرورت ہے۔ ہو سکے تو وہ دوسری لڑکی کا خیال دل سے نکال کر عینی کے بارے سوچے۔''

اسما نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا ''ہوں...... بات ہوگی، پاشا آپ کا احسان مند ہے پھر ہماری عینی لاکھوں میں ایک ہے۔ وہ اس کی طرف مائل ہو گیا ہے۔''

''یہ ہمارے لیے خوشی کی بات ہے۔ عینی کو ایک کرنے والا محافظ مل جائے گا۔ اس خوشی میں، میں تمہیں تحفہ پیش کرنے والا ہوں۔''

وہ خوش ہو کر بولی ''واقعی......؟ آپ میرے لیے لے کر آئے ہیں؟''

''ہاں...... پوچھو کہ وہ کیا ہے؟''

وہ ذرا دور ہو کر اسے سر سے پاؤں تک دیکھنے لگی کے لباس کو ٹٹولنے لگی۔ وہ اس کا ہاتھ دور کرتے ہوئے

نہیں بھئی...... دور سے بتاؤ، میں تمہارے لیے...... کیا لایا ہوں؟''

''کوئی پہننے اوڑھنے کی چیز نہیں ہے۔ کوئی نیکلس بھی نہیں ہو سکتا، آپ کے دونوں ہاتھ خالی ہیں۔''

وہ مسکرا کر بولا ''تمہاری یادداشت بہت کمزور ہے۔ ورنہ تم فوراً بوجھ لیتیں کہ میں تمہارے لیے کیا لایا ہوں؟''

وہ ذہن پر زور ڈالتے ہوئے پھر اسے سر سے پاؤں تک دیکھنے لگی پھر بولی ''کوئی اشارہ تو دیں۔''

وہ مسکراتے ہوئے بولا ''اشارہ دوں گا تو تم فوراً بوجھ لو گی۔''

''نہیں...... آپ کو اشارہ تو دینا ہوگا۔''

''اچھی بات ہے۔ وہ چیز سفید ہے اور اس پر اوپر سے نیچے تک کالے کالے دھبّے پڑے ہیں۔''

وہ حیرانی سے بولی ''یہ کیا چیز ہو سکتی ہے؟ آپ نے تو اشارہ دے کر اور الجھا دیا ہے۔''

وہ ہنسنے لگا۔ کاغذ کو کھول کر اسے دکھاتے ہوئے بولا ''یہ ایک سفید کاغذ ہے اور اس پر جو کالے کالے دھبّے ہیں یہ دراصل تحریر ہے۔ یہ میری میڈیکل رپورٹ ہے کہ میں بچے کا باپ نہیں بن سکتا۔''

وہ خوشی سے چہک کر بولی ''اوہ ذیشان......! تم نے میری بات رکھ لی۔ اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنی جعلی میڈیکل رپورٹ لے آئے۔''

''جی ہاں...... بیگم صاحبہ کا حکم جو تھا میں بچے کا باپ بن سکتا ہوں لیکن مجھے ظاہر کرنا ہے کہ میں بانجھ ہوں۔ یہ میڈیکل رپورٹ بھی یہی کہتی ہے جو آپ چاہتی ہیں۔''

وہ اس سے کاغذ جھپٹ کر وہاں سے جانے لگی۔ وہ ہاتھ پکڑ کر بولا ''کہاں جا رہی ہو؟''

''ابھی جا کر آپ کے ممی ڈیڈی کو یہ رپورٹ دکھاؤں گی۔ آپ کی والدہ محترمہ نے میرا جینا حرام کر دیا تھا۔''

وہ ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑا کر کمرے سے باہر آئی۔ تیزی سے چلتی ہوئی بالکونی کی ریلنگ کے پاس آکر دیکھا نیچے ڈرائنگ روم میں بیگم آفتاب، فلک ناز اور فلک آفتاب بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ وہ سوچنے لگی ''اپنے ہاتھوں سے میڈیکل رپورٹ پیش کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ میں کیا کروں؟ کس کے ذریعے یہ رپورٹ وہاں تک پہنچاؤں؟''

اس نے عینی کے دروازے کی طرف دیکھا پھر تیزی سے چلتی ہوئی وہاں آئی۔ دستک دینے پر عروج نے دروازہ کھولا۔ وہ اندر آکر بولی ''عروج! تم ڈاکٹر ہو یہ میڈیکل رپورٹ پڑھو۔''

وہ کاغذ لے کر اسے کھولتے ہوئے بولی ''کس کی رپورٹ ہے؟''

''تمہارے بھائی جان کی نیگیٹو رپورٹ ہے۔ وہ کبھی باپ نہیں بن سکتے۔''

دونوں نے چونک کر اسما کو دیکھا۔ وہ بہت خوش دکھائی دے رہی تھی۔ عینی نے کہا ''بھابی! یہ رپورٹ نیگیٹو ہے اور آپ خوش ہو رہی ہیں؟''

''کیا مجھے خوش نہیں ہونا چاہیے؟ میری ساس صاحبہ پیچھے پڑ گئی تھیں کہ ذیشان کی دوسری شادی کرائیں گی تو دوسری بہو سے بچے ہوں گے۔ اب یہ رپورٹ میرے لیے ایک ڈھال ہے۔ میری سوکن کا راستہ روکنے والی دیوار ہے۔''

عینی نے قریب آکر اس کے بازو کو تھام کر کہا ''بھابی جان......! میں آپ کے جذبات کو اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ یہ رپورٹ آپ کے لیے خوشیاں لے کر آئی ہے لیکن یہ سن کر افسوس ہو رہا ہے کہ بھائی جان کبھی باپ نہیں بن سکیں گے۔''

عروج نے کہا ''ایسی کوئی بات نہیں ہے اگر علاج ہوتا رہے تو ان کے اندر تبدیلیاں آ سکتی ہیں۔''

''نہیں عروج......! علاج ہوگا تو پہلے میرا جب میں ماں بننے کے قابل ہو جاؤں گی اور میڈیکل رپورٹ میرے فیور میں ہوگی۔ تب میں تمہارے بھائی جان کا علاج کرانے دوں گی۔ ورنہ اپنی سوکن کے لیے کوئی راستہ کھلنے نہیں دوں گی۔''

عروج نے کہا ''مقدر جو چاہتا ہے۔ وہی ہوتا ہے اور اس وقت مقدر آپ سے بہت خوش ہے۔''

''ایک کام کرو عروج......! یہ رپورٹ لے جا کر ابھی میری ساس صاحبہ کو دو۔ وہ سب نیچے بیٹھے ہوئے ہیں۔''

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی ''آپ یہ کام مجھے دے رہی ہیں۔ جب کہ یہ آپ کے گھر کا معاملہ ہے اور میں باہر والی ہوں۔''

''عینی نے کہا ''کون کہتا ہے کہ تو باہر والی ہے۔ یہ گھر میرا ہے تو تیرا بھی ہے۔ میرا جو کچھ ہے وہ سب کچھ تیرے لیے ہے۔ چل میرے ساتھ اور یہ رپورٹ بڑی امی کے سامنے پیش کر۔''

وہ دونوں وہاں سے ڈرائنگ روم میں آئیں۔ انہیں سیڑھیوں سے اترتا دیکھ کر فلک آفتاب نے کہا ''آؤ بیٹی عینی......! کیسی طبیعت ہے تمہاری؟ سر کا زخم کیسا ہے؟''

وہ مسکراتے ہوئے بولی ''بڑے ابو......! ڈاکٹر میرے ساتھ ساتھ ہے تو پھر زخم کیسے اچھا نہیں ہوگا۔''

وہ سب ہنسنے لگے۔ حالانکہ ہنسنے کی بات نہیں تھی لیکن وہ جتانا چاہتے تھے کہ عینی کی باتیں انہیں بہت خوش کرتی ہیں۔

عروج نے کہا ''بڑے ابو......! بھائی جان نے اپنا میڈیکل چیک اپ کروایا تھا۔ وہ اس کی رپورٹ لے کر آئے ہیں۔ یہ آپ دیکھیں۔''

اس نے وہ کاغذ فلک آفتاب کی طرف بڑھایا۔ وہ اسے کھولتے ہوئے بولا ''یہ رپورٹ کس سلسلے میں ہے؟''

عروج نے کہا ''اولاد کے سلسلے میں......''

فلک ناز اور بیگم آفتاب نے سر اٹھا کر عروج کی طرف دیکھا پھر فلک آفتاب کو دیکھنے لگیں۔ وہ کاغذ پڑھنے کے بعد بے یقینی سے بولا ''نہیں...... یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ مجھے یقین نہیں آرہا ہے۔''

بیگم آفتاب نے پوچھا ''کیا بات ہے......؟''

''یہ ہمارے بیٹے ذیشان کی نیگیٹو رپورٹ ہے۔ اس کے مطابق ہمارا بیٹا کبھی باپ نہیں بن سکتا۔''

بیگم آفتاب نے غصے سے چیخ کر کہا ''کیا بکواس ہے۔ کس جاہل ڈاکٹر نے یہ رپورٹ لکھی ہے؟ میں نہیں مانتی......''

عروج نے کہا ''میں بھی ایک ڈاکٹر ہوں اور جانتی ہوں کہ یہ ایک بہت بڑے ڈاکٹر کی رپورٹ ہے۔ اسے جھٹلایا نہیں جاسکے گا۔''

بیگم آفتاب نے کہا ''میں پوچھتی ہوں۔ ذیشان کو ضرورت ہی کیا تھی کہ وہ اپنا میڈیکل چیک اپ کرواتا۔ ایسا کرنے سے پہلے وہ ہم سے مشورہ نہیں لے سکتا تھا؟''

اسما زینے سے اترتے ہوئے بولی ''آپ کیا مشورہ دیتیں کہ وہ چیک اپ نہ کروائیں اور گھر کے بزرگ اسی خوش فہمی میں مبتلا رہیں کہ صرف میں بانجھ ہوں اور آپ کے صاحبزادے اس معاملے میں پاز یٹو ہیں۔ لہٰذا ان کی دوسری شادی کرائی جاسکتی ہے۔ کیا آپ اب اس رپورٹ کے سامنے ان کی دوسری شادی کروائیں گی؟''

بیگم آفتاب اٹھ کر کھڑی ہوگئی ''ہاں کراؤں گی۔ ڈنکے کی چوٹ پر کراؤں گی۔ کیا تم مجھے دوسری بہو لانے سے روک سکو گی؟''

''بے شک...... پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر شوہر دوسری شادی نہیں کرسکتا۔ اگر کرے گا تو اسے شادی کا جواز پیش کرنا ہوگا اور میرے پاس یہ جواز ہے کہ آپ کے صاحبزادے دوسری شادی کے قابل نہیں ہیں۔''

پھر وہ عروج کی طرف دیکھتے ہوئے بولی ''عروج......! وہ رپورٹ مجھے دو۔''

بیگم آفتاب نے تیزی سے آگے بڑھ کر اپنے شوہر سے وہ رپورٹ لی پھر اسے پھاڑتے ہوئے کہا ''اس رپورٹ کو میں نہیں مانتی۔ یہ کسی کے پاس نہیں رہے گی۔''

اسما نے کہا ''خواہ مخواہ انگاروں پر لوٹ رہی ہیں۔ رپورٹ پھاڑ دینے سے حقیقت بدل نہیں جائے گی۔ میں رپورٹ کی دوسری نقل اسپتال سے حاصل کرلوں گی۔''

وہ واپس زینے پر چڑھتے ہوئے بولی ''خدا کی پناہ...... مجھے طعنے دے دے کر چھلنی کردیا گیا تھا۔ ایک انجانی سوکن کو آسیب بنا کر میرے حواس پر مسلط کردیا گیا تھا۔ آج میں سکون سے کھاؤں پیئوں گی اور آرام سے سوؤں گی۔''

وہ بولتی ہوئی اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ فلک آفتاب نے کہا ''بیگم......! غصہ ضبط کیا کرو۔ اس رپورٹ کو پھاڑنے کے بعد کیا حاصل کرلو گی؟ کیا واقعی حقیقت بدل دو گی؟ کبھی نہیں...... یہ تحریر جو تم نے پھاڑی ہے۔ یہ کسی ڈاکٹر نے نہیں لکھی تھی۔ مقدر نے لکھی ہے اور مقدر کا لکھا بدلا نہیں جاسکتا۔''

عینی نے کہا ''بڑی امی......! آپ کے دل میں کیسے کیسے ارمان ہیں یہ میں جانتی ہوں۔ آپ دوسری بہو لانا چاہتی ہیں لیکن کیا ضروری ہے کہ اولاد کے لیے آپ بھائی جان کی ہی دوسری شادی کریں، بابر بھی تو ہے آپ اس کی شادی کرسکتی ہیں۔ دوسری بہو لاسکتی ہیں۔''

ایسے ہی وقت بابر بیرونی دروازہ کھول کر اندر آیا۔ بیگم نے کہا ''بنی......! اس کی شادی کیسے کردوں؟ تم ہاں کردو گی تو بات بنے گی۔''

اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔ بابر بہت دھندلا سا دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے پوچھا ''کون ہے؟''

عروج نے اس کے قریب جھک کر کان میں کہا ''بابر ہے۔''

بابر نے ان کے قریب آتے ہوئے کہا ''عینی تم کوئی جواب نہ دو۔ تم سے پہلے میں کئی بار کہہ چکا ہوں کہ ہم دونوں کے مزاج مختلف ہیں اور میں نے کبھی خواب وخیال میں بھی تمہیں شریکِ حیات کی حیثیت سے نہیں دیکھا ہے۔''

بیگم نے ناگواری سے کہا ''اگر نہیں دیکھا ہے تو کیا ساری عمر کنوارے ہی رہو گے؟''

''ممی......! کیا دنیا میں لڑکیوں نے پیدا ہونا بند کردیا ہے؟ آپ کیوں عینی کے پیچھے پڑی ہوئی ہیں؟''

عینی نے کہا ''آپ سب نے پاشا صاحب کو دیکھا ہے؟ وہ ابھی شام کو آئیں گے۔ آئندہ بھی وہ یہاں اپنوں کی طرح آتے جاتے رہیں گے۔ میں آپ بزرگوں سے توقع کرتی ہوں کہ آپ سب انہیں محبت وعزت دیتے رہیں گے۔''

وہ عروج کا ہاتھ پکڑ کر زینے کے پاس آئی پھر اوپر اپنے کمرے کی طرف جانے لگی۔ وہ سب اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔ بابر نے اپنی ماں سے کہا ''سن لیا آپ لوگوں نے...... اس نے کوئی بات کھل کر نہیں کی ہے مگر بہت کچھ کہہ گئی ہے۔''

ناز نے مسکرا کر کہا ''ہاں میاں......! عقل مند کے لیے تو اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔ آپ یہ بتائیں کہ آپ کے لیے عینی ضروری ہے یا اس گھر کا ایک وارث؟ اگر آپ اپنے پوتے پوتیاں دیکھنا چاہتی ہیں۔ تو بابر کی شادی کردیں۔ عینی سے توقع نہ رکھیں۔ ورنہ اس کے سائے کے پیچھے بھاگتی رہیں گی۔''

''تم بھی تو اس کے پیچھے بھاگ رہی ہو۔ اپنے عدنان کے لیے خواہ مخواہ آس لگائے بیٹھی ہوئی ہو۔''

''میری بات الگ ہے۔ آپ کو میرے بھائی جان کی نسل آگے بڑھانی ہے۔ ذیشان سے نہ بڑھی تو بابر سے بڑھانی ہے۔ میرے ساتھ یہ مسئلہ نہیں ہے۔ مجھے اپنے مرحوم شوہر کی نسل بڑھانے کی اتنی زیادہ خواہش نہیں ہے۔ اس لیے میں آرام سے انتظار کررہی ہوں۔ اگر آج مایوسی ہورہی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہمیشہ مایوسی سے دن گزریں گے۔ کبھی ہمارا بھی مقدر چمکے گا۔''

بابر نے کہا ''ڈیڈ......! ہم چچا مرحوم کی طرح دولت مند نہیں ہیں۔ اس کے باوجود ہمارا اپنا کاروبار صحیح چل رہا ہے۔ لاکھوں روپے کی آمدنی ہے پھر بھی آپ اس گھر سے اور خاص طور پر عینی سے چپکے ہوئے ہیں۔''

''بیٹے......! مجھے لالچی نہ سمجھو۔ تمہارے مرحوم چچا نے مجھے عینی کا سرپرست بنایا ہے۔ میں اس گھر کی دیکھ بھال کرتا ہوں۔ یہاں کے اخراجات میرے ذمے ہیں۔ وکیل اخلاق احمد مجھے ماہانہ ایک لاکھ روپے دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ مجھے اس ایک لاکھ کا لالچ ہے۔ اس گھر میں دس افراد ہیں۔ اندر اور باہر کے سیکورٹی گارڈز کو ملا کر پندرہ ملازم ہیں۔ ان سب کے اخراجات کتنے ہوں گے؟ یہ سب اندازہ کرسکتے ہیں پھر عینی کس طرح شاہانہ زندگی گزارتی ہے یہ سب دیکھ رہے ہیں۔

وہ جو مجھے ایک لاکھ روپے ماہانہ دیے جاتے ہیں۔ اس میں سے ایک پیسہ بھی میرے پاس نہیں بچتا ہے۔ میں تو وکیل اخلاق احمد سے کہنے والا ہوں کہ مجھے ایسی ذمے داریوں سے نجات دیں۔ یہ ایک لاکھ اپنے پاس رکھ کر اس گھر کے اخراجات پورا کیا کریں۔

فلک ناز نے کہا ''بھائی جان......! آپ وکیل صاحب سے ایسا کیوں کہیں گے۔ صاف طور سے کہہ دیں کہ آپ یہاں کی ذمہ داریاں سنبھالنا نہیں چاہتے۔ وہ ذمہ داریاں مجھے دے دیں۔ میں ایک لاکھ روپے لے کر یہاں کے اخراجات پورے کردوں گی۔''

فلک آفتاب نے گھور کر بہن کو دیکھا۔ بیگم آفتاب نے کہا ''تم تو ہمیشہ ایسے ہی موقع کی تاک میں رہتی ہو۔ ہمارا پیچھا کبھی نہیں چھوڑو گی۔ ہم عینی کی طرف چلتے ہیں۔ ہمارے پیچھے چلی آتی ہو۔ ہم چاہتے ہیں کہ وکیل صاحب ایک لاکھ میں اضافہ کریں مگر تم چیلنج کرتی ہو کہ اتنی رقم میں اخراجات پورے کرلو گی۔''

''جب میں ایسا کرسکتی ہوں تو پھر ضرور کروں گی۔ اس میں چیلنج کرنے کی کیا بات ہے۔ جو کام بھائی جان سے نہیں ہو سکتا۔ وہ نہ کریں جو کام میں کرسکتی ہوں اس کام کے کرنے سے آپ کو تکلیف کیوں پہنچ رہی ہے؟''

''میں پوچھتی ہوں تم اپنی کوٹھی میں جا کر کیوں نہیں رہتیں؟''

''اور میں بھی یہی پوچھتی ہوں میرے مرحوم بھائی نے صرف مجھے کوٹھی اور لاکھوں روپے نہیں دیے ہیں۔ بھائی جان کو بھی دیے ہیں اور پھر بھائی جان کا اپنا الگ کاروبار ہے۔ آپ لوگ کیوں اپنی کوٹھی میں جا کر نہیں رہتے ہیں؟''

''اس لیے کہ ہمیں عینی کا سرپرست مقرر کیا گیا ہے۔''

''اور وہ میری بھتیجی ہے۔ میں بھی لہو کے رشتے سے اس کی سرپرست ہوں اور رہوں گی جب تک اس کی شادی نہیں ہوتی۔ میں اس کے سر پر سایہ بن کر رہوں گی۔''

بابر نے ان سب کو بیزاری سے دیکھا پھر تیزی سے چلتا ہوا، زینے پر چڑھتا ہوا، اپنے کمرے کی طرف جانے لگا۔ اوپر پہنچ کر دیکھا تو اسما ریلنگ کے پاس کھڑی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر مسکرا رہی تھی پھر بولی ''ان کے جھگڑے کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ ان جھگڑوں کا یہ فائدہ ہے کہ تمہاری ممی اپنے ایک بیٹے کے اولاد نہ ہونے کا غم بھول رہی ہیں۔''

وہ قریب آکر بولا ''اور آپ بہت خوش ہورہی ہیں؟''

''کیا مجھے خوش نہیں ہونا چاہیے؟''

''ہاں...... آپ کے لیے یہ بہتر ہوا کہ سوکن کا راستہ رک گیا لیکن یہ سوچ کر افسوس ہوتا ہے کہ بھائی جان کبھی باپ نہیں بن سکیں گے۔''

''افسوس کیوں کرتے ہو؟ اس کمی کو تم پورا کرد گے اور

ضرور کرو گے۔''

''اب تو آپ میرے پیچھے نہ پڑیں۔ آپ کو اب کسی سوکن کا ڈر نہیں ہے۔''

''ہاں بے شک...... مجھے کسی سوکن کا ڈر نہیں ہے لیکن میں اولاد سے محروم ہوں۔ مجھے ایک بچہ چاہیے اور اسی خاندان کا چاہیے اور وہ تم دو گے۔''

وہ ایک ہاتھ سے اپنا کان پکڑتے ہوئے بولا ''پہلے تو آپ میرے پیچھے پڑی رہتی تھیں اب میرے ممی ڈیڈی بھی یہی رٹ لگائیں گے کہ جلد از جلد مجھے شادی کر لینی چاہیے۔''

اسما نے ہنستے ہوئے کہا ''اب آیا ہے پنچھی دام میں......''

اس نے بڑی بے بسی سے مگر بڑی محبت سے اسے دیکھا پھر وہاں سے پلٹ کر اپنے کمرے کی طرف جانے لگا۔ وہ ریلنگ کے پاس کھڑی نیچے ڈرائنگ روم کی طرف دیکھتی رہی۔ واپس اپنے کمرے میں ذیشان کے پاس نہیں جا رہی تھی۔ ابھی ساس سسر کی بے بسی اور جھنجلاہٹ دیکھ رہی تھی۔ اسے بڑا مزہ آ رہا تھا۔

ذیشان اپنے کمرے میں کرسی پر بیٹھا ہوا موبائل فون کے ذریعے بول رہا تھا۔ ''ہیلو بچھو بابا......! میں ایس پی ذیشان بول رہا ہوں۔''

دوسری طرف سے بچھو بابا نے سلام کیا ''سلام صاحب......! شکاری بری طرح پھڑ پھڑا رہا ہے۔ اب اور زیادہ تشدد کروں گا تو مر جائے گا۔''

''نہیں......اسے مارنا نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کہ اس سے کیا اگلوایا ہے؟''

''وہ کہہ رہا ہے کہ اس کی ماں ایک شخص داؤد سبحانی سے ملتی ہے۔ وہ اس کے دور کے رشتے کا بھائی لگتا ہے یہ ایک امیر کبیر مجرم ہے اور اس کا تعلق انڈر ورلڈ سے ہے۔''

''یہ بات میرے حلق سے نہیں اتر رہی ہے کہ انڈر ورلڈ کا کوئی مجرم ہوم منسٹر پر دباؤ ڈال کر جواد کو رہا کروائے گا۔ اس کی ماں ضرور کسی اور بڑے پہنچے ہوئے شخص سے ملتی ہے۔''

''وہ اپنی ماں کی قسم کھا رہا ہے۔ خدا رسول کی قسم کھا کھا کر کہہ رہا ہے کہ اس سے زیادہ وہ اور کچھ نہیں جانتا۔''

''اسے کسی سڑک کے کنارے لے جا کر پھینک دو اور اس کے ماں کے موبائل فون پر اطلاع دو کہ اسے فلاں جگہ پھینک دیا گیا ہے اور پھر چھپ کر دیکھو کہ اسے کون لوگ اٹھا کر لے جاتے ہیں اور کہاں لے جاتے ہیں؟''

''جو حکم صاحب......! میں ابھی یہی کرتا ہوں مگر صاحب!......''

''ہاں......تمہیں آگے بولنے کی ضرورت نہیں ہے میں کل صبح تمہارے بھائی کو رہا کر دوں گا۔''

بچھو بابا نے خوش ہو کر کہا ''بہت بہت شکریہ صاحب......! آپ تو ہمارے مائی باپ ہیں۔''

''تم میرا کام کرتے رہو گے۔ میں تمہارا کام کرتا رہوں گا مگر اس بار بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ یہ بڑے پہنچے ہوئے لوگ ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تم تک پہنچ جائیں اور پھر تم تک پہنچ کر یہ اگلوالیں کہ تمہارے پیچھے میں جواد سے دشمنی کر رہا ہوں۔''

''صاحب......! بیس برس کی مجرمانہ زندگی میں میری گردن صرف آپ کے ہاتھ آئی ہے۔ آج تک کوئی مائی کا لعل مجھے اپنے شکنجے میں نہ لا سکا۔ آپ مجھے اپنے شکنجے میں ضرور رکھتے ہیں لیکن مہربانی کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے آپ کا نام کبھی زبان پر نہیں آئے گا۔ ایسا ہونے سے پہلے میں اپنی جان دے دوں گا۔''

''میں جانتا ہوں تم بہت جی دار ہو۔ فی الحال میں جو کہہ رہا ہوں وہ ابھی جا کر کرو۔''

''یہ کام ابھی ہو گا صاحب!''

''ٹھیک ہے میں ایک گھنٹے کے بعد تمہیں فون کروں گا۔''

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ اسی وقت اسما مسکراتے ہوئے اندر آئی۔ وہ بھی مسکرانے لگا۔ بچھو بابا سے باتیں کرتے وقت وہ ایک بہت ہی ظالم اور بے رحم پولیس آفیسر تھا۔ اب بیوی کو دیکھتے ہی ایک مہربان اور محبت کرنے والا شوہر بن گیا تھا۔

☆☆☆

پاشا وعدے کے مطابق شام کو آ گیا۔ عروج اور عینی دونوں ہی اس کی راہ میں آنکھیں بچھائے ہوئے تھے۔ اسے دیکھ کر خوش ہو گئیں۔ بڑی محبت سے اس کا استقبال کیا۔ اس کے بزرگ اسے پہلے بھی دیکھ چکے تھے۔ اسے جانتے تھے۔ اس کے باوجود اس کا پھر سے تعارف کروایا گیا۔

فلک ناز بیگم آفتاب اور فلک آفتاب ایسے جبراً مسکرا رہے تھے جیسے ان تینوں کو گن پوائنٹ پر رکھا گیا ہو اور کہا جا رہا ہو کہ مسکراؤ ورنہ عینی گولی مار دے گی۔ فلک آفتاب نے خوشی سے آگے بڑھ کر بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ بیگم آفتاب نے اس کی بلائیں لیں اور فلک ناز نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعائیں دیں پھر کہا ''آؤ بیٹا......! بیٹھو۔''

پاشا فلک آفتاب کے ساتھ ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ سامنے صوفے پر عینی اور عروج بیٹھ گئیں اور ان کے دائیں

بائیں والے صوفے پر فلک ناز اور بیگم آفتاب بیٹھی ہوئی تھیں۔ بیگم آفتاب نے پاشا سے کہا ''عینی تو تمہاری اتنی تعریفیں کرتی ہیں کہ بس ہم تو سنتے ہی رہتے ہیں اور خوش ہوتے رہتے ہیں۔''

فلک ناز نے کہا ''تعریفیں کیوں نہیں کرے گی۔ پاشا نے جان پر کھیل کر عینی کو جواد سے بچایا ہے۔ ایسے وقت نہ سگے کام آ سکتے تھے نہ سوتیلے۔ پاشا نے ہی انسانیت اور شرافت کا ثبوت دیا ہے۔''

عینی اس کی تعریفیں سن کر خوش ہو رہی تھی اور مسکرا کر اسے دیکھ رہی تھی لیکن فاصلہ اتنا تھا کہ وہ بہت ہی دھندلا دکھائی دے رہا تھا اور وہ یہ نہیں دیکھ سکتی تھی کہ وہ نظریں بچا کر عروج کو دیکھ رہا ہے۔ فلک آفتاب نے کہا ''پاشا......! یہ تم نے اچھا کیا جو لاہور سے یہاں چلے آئے۔ اب آئندہ تمہارا کیا پروگرام ہے؟''

وہ بولا ''زندگی سلیقے سے گزارنے کے لیے کچھ تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ میرے پاس کوئی کاروباری تجربہ نہیں ہے۔ میں ٹیکسیوں کے بارے میں بڑی حد تک معلومات رکھتا ہوں۔ اس لیے سوچا کہ میرے پاس جتنی رقم ہے اس سے دو ٹیکسیاں خرید کر آمدنی میں اضافہ کروں گا۔''

بیگم آفتاب نے کہا ''دو ٹیکسیوں سے کیا ہوتا ہے؟ تمہیں بیک وقت دس ٹیکسیاں خرید کر چلانی چاہئیں۔ رقم کی پروا نہ کرو۔ جتنے روپوں کی ضرورت ہو گی وہ یہاں سے مل جائیں گے۔''

پاشا نے کہا ''آپ مائنڈ نہ کیجئے گا میں آگے بڑھنے کے لیے کبھی کسی کا سہارا قبول نہیں کرتا۔''

عینی نے ناگواری سے کہا ''بڑی امی......! پہلے انسان کے مزاج کو سمجھنا چاہیے پھر کوئی بات کہنی چاہیے۔

''ہائے بیٹی......! میرا مطلب یہ تو نہیں تھا کہ ہم یونہی رقم اٹھا کر پاشا کو دے دیں گے۔ کیا کاروبار کرنے کے لیے بینک سے قرض نہیں لیا جاتا؟ اسی طرح پاشا کو ہم قرض دیتے پھر رفتہ رفتہ قرض کی رقم ہمیں واپس مل جاتی۔''

عینی نے عروج سے کہا ''ہم نے پاشا کے بارے میں کیا سوچا ہے؟ تم ذرا بتاؤ۔''

عروج نے پاشا کو دیکھا ''وہ اسے بڑی میٹھی مسکراہٹ سے دیکھ رہا تھا۔ وہ کچھ بتانے سے پہلے گڑبڑا گئی۔ نظریں چرانے لگی۔ فلک ناز بڑی گہری نظروں سے کبھی عروج اور کبھی پاشا کو دیکھ رہی تھی۔ عروج نے عینی کا ہاتھ پکڑ کر کہا ''میں نہیں بولوں گی۔ پلیز...... تم بولو۔''

عینی نے کہا ''پہلے ہم پاشا سے تنہائی میں باتیں کریں گے اور ان کی مرضی معلوم کریں گے۔ اس کے بعد آپ بزرگوں کو بتائیں گے۔''

فلک آفتاب نے کہا ''میں تو کہتا ہوں پاشا کو ٹیکسیوں کا کاروبار نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی ٹیکسی چلانا چاہیے۔ تمہارا اتنا بڑا کاروبار ہے وکیل اخلاق احمد سے کہہ کر پہلے اپنے کاروبار کی ایک چھوٹی موٹی سی ذمہ داری سونپی جائے۔ انہیں تجرباتی مرحلوں سے گزرنے کا موقع دیا جائے۔ رفتہ رفتہ یہ تمہارے پورے کاروبار کو سمجھ لیں گے۔''

عینی نے خوش ہو کر کہا ''بڑے ابو......! آپ نے تو ہمارے دل کی بات کہہ دی۔ ہم پاشا سے یہی کہنا چاہتے تھے۔''

فلک ناز نے پوچھا ''کیوں پاشا......! تم کیا کہنا چاہتے ہو؟''

پاشا نے کہا ''میں نے ابھی یہ بات سنی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ عینی کے مرحوم والد کا کاروبار کتنا وسیع ہے۔ میں اسے سمجھ بھی پاؤں گا یا نہیں۔ اس پر مجھے غور کرنا ہو گا۔''

عروج نے کہا ''کوئی غور نہیں کرنا ہو گا۔ جب ہم نے فیصلہ کیا ہے تو تم یہی کرو گے۔''

عروج نے ایسی نظروں سے پاشا کو دیکھا۔ جیسے آنکھوں آنکھوں میں اقرار کروا رہی ہو۔ وہ مسکرا کر بولا ''ٹھیک ہے عینی کی خواہش کے مطابق میں کوشش کروں گا۔''

فلک ناز بلی کی طرح عروج اور پاشا کو تک رہی تھی۔ ان کی نگاہوں کی زبان کو بڑی دور تک سمجھ رہی تھی اور عینی کو دیکھ کر سوچ رہی تھی کہ یہ بے چاری تو دیکھتے ہوئے بھی کچھ دیکھ نہیں پا رہی ہے۔

ویسے نہ دیکھ پائے تب بھی باتوں سے سمجھ سکتی تھی کہ جب پاشا کو اپنے کاروبار میں دلچسپی لینے کو کہا تو وہ ٹال رہا تھا لیکن جب عروج نے کہا تو راضی ہو گیا۔ فلک ناز کی سمجھ میں یہی آ رہا تھا کہ عروج اپنی سہیلی کے نیم اندھے پن سے فائدہ اٹھا رہی ہے اور پاشا سے فلرٹ کر رہی ہے۔ پاشا بھی عینی سے زیادہ عروج کی طرف مائل ہے۔

عروج پاشا جانی کی نظروں سے گھبرا رہی تھی۔ اس کے بار بار اس طرح دیکھنے سے ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں چوری پکڑی نہ جائے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی ''عینی......! تم بیٹھو میں کچن میں جا کر دیکھتی ہوں کہ کھانا تیار ہو چکا ہے یا نہیں۔''

عینی نے کہا ''ہاں...... تمہیں آٹھ بجے ڈیوٹی پر جانا

ہے۔ خانساماں سے کہو کھانا تیار ہے تو فوراً لگائے۔''

عروج کچن کی طرف چلی گئی۔ آدھے گھنٹے بعد وہ تمام افراد ڈائننگ ٹیبل کے اطراف جمع ہو کر کھانا کھا رہے تھے اور ہنس بول رہے تھے۔ بیگم آفتاب اور فلک آفتاب کی کوشش یہی تھی کہ عینی کو زیادہ سے زیادہ خوش کرنے کے لیے پاشا کے ساتھ محبت سے بولتے رہیں۔ ناز بھی محبت سے بول رہی تھی لیکن عروج اور پاشا کو گہری نظروں سے دیکھتی اور سمجھتی جا رہی تھی۔ عینی کوئی ڈش پاشا کی طرف بڑھاتی تھی تو پاشا اس میں سے کچھ لینے کے بعد وہ ڈش عروج کی طرف بڑھا دیتا تھا۔

کھانا شروع کرتے وقت عروج نے کہا تھا کہ اسے جھینگے پسند نہیں ہیں پھر پاشا نے بھی جھینگوں کے سالن کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ ناز نے آزمانے کے لیے وہ ڈش اٹھا کر پاشا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا ''یہ سالن چکھ کر دیکھو......''

اس نے وہ ڈش لے کر کہا ''میں جھینگے نہیں کھاتا۔''

یہ کہہ کر اس نے وہ سالن عینی کی طرف بڑھایا۔ عینی نے وہ ڈش لے کر ایک طرف رکھتے ہوئے کہا ''جو چیز عروج کو پسند نہ ہو اسے میں بھی پسند نہیں کرتی۔''

فلک ناز سوچنے لگی۔ یہ بات تو ہم سب جانتے ہیں کہ جو چیز عروج کو پسند نہیں ہوتی۔ اسے عینی بھی پسند نہیں کرتی۔ اب پاشا کے متعلق بھی معلوم ہو رہا تھا کہ وہ بھی عروج کی پسند کے مطابق کھاتا، پیتا ہے۔ وہ عینی کی طرف صرف بات کرتے ہوئے دیکھتا ہے لیکن عروج سے بات ہو یا نہ ہو اسے میٹھی نظروں سے دیکھتا رہتا ہے۔

اور عروج بھی جواباً اسے مسکرا کر دیکھتی ہے تو کبھی نظریں چرانے لگتی ہے۔ نظریں چرانے کے انداز میں بھی پیار ہی پیار ہوتا ہے۔''

کھانے کے بعد چائے یا کافی کا دور چلتا ہے لیکن عروج نے انکار کر دیا کیوں کہ اسے ڈیوٹی پر جانا تھا۔ دیر ہو رہی تھی۔ عینی نے کہا ''میں یہاں چائے نہیں پیوں گی۔ پاشا کے ساتھ ٹیرس پر جاؤں گی۔ ہم وہاں چائے پئیں گے اور باتیں کریں گے۔''

فلک ناز نے بھی چائے نہیں پی۔ وہاں سے اٹھ کر فوراً ہی کوٹھی کے باہر آ گئی۔ باہر پورچ میں عروج کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ وہ ایک دیوار کی آڑ میں آ کر کھڑی ہو گئی۔ عروج عینی اور پاشا دروازہ کھول کر باہر آئے۔ وہاں عینی نے عروج کا ہاتھ تھام کر کہا ''تیری ڈیوٹی رات کے تین بجے ختم ہو گی اور تو وہاں کوارٹر میں تنہا رہے گی۔ کیا تو یہاں نہیں آ سکتی؟ میں یہاں سے دو سیکورٹی گارڈز تیرے لیے بھیج دوں گی۔''

''میں تین بجے تک نہیں صبح پانچ بجے تک ڈیوٹی پر رہوں گی۔ اس کے بعد اپنے کوارٹر میں جاؤں گی۔ اپنا بیگ لوں گی پھر یہاں آؤں گی۔ اس وقت تک دن نکل چکا ہوتا ہے۔''

وہ عینی سے رخصت ہو کر پاشا کے ساتھ چلتی ہوئی اپنی کار تک آئی پھر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ پاشا نے کھڑکی پر جھک کر کہا ''میں دس بجے تم سے ملنے آؤں گا۔''

وہ بولی ''اتنی جلدی نہیں۔ میں یہاں سے جاتے ہی مریضوں کو اٹینڈ کرتی ہوں۔ بہت مصروف ہوتی ہوں۔ تم بارہ بجے کے بعد آ سکتے ہو۔''

''چلو یہی سہی مگر میں ضرور آؤں گا۔''

وہ کار اسٹارٹ کر کے شب بخیر کرتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔ پاشا عینی کے پاس آیا پھر اس کے ساتھ کوٹھی کے اندر چلا گیا۔ فلک ناز دیوار کی آڑ سے نکل کر سوچنے لگی ''میں ٹھیک سمجھ رہی ہوں۔ عروج اور پاشا کا چکر چل رہا ہے۔ یہ دونوں عینی کو بے وقوف بنا رہے ہیں۔ عروج اپنے اس یار کے ذریعے عینی کو پھانس رہی ہے۔ ان دونوں کی شادی کروانا چاہتی ہے پھر اپنے یار کے ذریعے اپنی سہیلی کی دولت پر عیش کرنا چاہتی ہے۔ یہ تو ہم سے بھی زیادہ مکاری دکھا رہی ہے۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ یک جان دو قالب بن کر رہنے والی سہیلی ایسی غضب کی چالیں چل رہی ہے۔''

ناز اپنے بیٹے عدنان کا مقدر بنانا چاہتی تھی اور دیکھ رہی تھی کہ عروج بڑی مکاری سے اپنا مقدر بنا رہی ہے۔ بے شک میں ایسا ہوں کہ مکاری سے چالیں چلنے والوں کا بھی ساتھ دیتا ہوں اور انہیں کامیابی کے راستے پر لے جاتا ہوں لیکن بہت دور تک نہیں...... آئندہ یہ دیکھنا ہے کہ میں فلک ناز کے ساتھ کتنی دور تک چلوں گا۔

☆☆☆

شہباز درانی غصے سے تلملا رہا تھا۔ یہ معلوم کرنے میں ناکام ہو رہا تھا کہ جواد کو کس نے اغوا کیا ہے۔ وہ بار بار ہوم منسٹر سے رابطہ کر رہا تھا۔ ہوم منسٹر انٹیلی جنس والوں سے سختی سے کہہ رہا تھا ''معلوم کرو کہ جواد ہاشمی کو کس نے اغوا کیا ہے؟''

پولیس کے تمام اعلیٰ افسران سے بھی کہہ رہا تھا کہ شہر میں جتنے چھوٹے بڑے بدمعاش ہیں سب کو گرفتار کرو۔ سب سے سختی سے پیش آؤ۔ تھرڈ ڈگری استعمال کرو۔ کوئی نہ کوئی سچ اگل دے گا۔

شہر کے ان تمام مجرموں کی شامت آ گئی۔ جو پولیس اور

انٹیلی جنس والوں کی بلیک لسٹ میں تھے۔ ان سب کو گرفتار کیا جا رہا تھا۔ ان کی پٹائی ہو رہی تھی۔ ذیشان یہ سارے ہتھکنڈے جانتا تھا۔

اسی لیے اس نے جواد ہاشمی کو اغوا کروانے سے پہلے بچھو بابا کو شراب فروخت کرنے کے الزام میں گرفتار کیا تھا۔ اور اسے حوالات میں بند کر دیا تھا۔ جتنے مجرم جیل یا حوالات میں تھے۔ ان سے باز پرس نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا تھا کہ کس مجرم نے ان حوالات سے نکل کر واردات کی ہے اور پھر واپس حوالات میں آ گیا ہے۔

بچھو بابا نے حوالات سے نکل کر اپنے تین حواریوں کے ذریعے جواد ہاشمی کو اغوا کیا تھا۔ اسے ایک ٹارچر سیل میں پہنچا دیا تھا۔ وہاں اس پر اس قدر تشدد کیا گیا تھا کہ وہ ادھ موا ہو گیا تھا۔

بچھو بابا واپس حوالات میں آ گیا تھا پھر ذیشان نے فون کے ذریعے رابطہ کیا اور اسے حکم دیا کہ اب اسے سڑک کے کنارے پھینک کر دردانہ بیگم کو اس کے بارے میں اطلاع دے دی جائے پھر دیکھا جائے کہ دردانہ اور اس کے آدمی جواد کو کہاں لے جا رہے ہیں۔

آخر شہباز درانی کی تلاش ختم ہوئی۔ دردانہ نے فون موصول کیا۔ کسی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا ''تمہارا بیٹا صدر کے بڑے کچرا گھر میں پڑا ہوا ہے۔ فوراً اسے اسپتال پہنچاؤ۔ ابھی اس کی سانس چل رہی ہے۔''

دردانہ نے ایک دم سے چیخ کر کہا ''نہیں...... نہیں میرے بیٹے کو کچھ نہیں ہو گا۔''

شہباز اٹھ کر بیٹھ گیا پھر بولا ''کس کا فون ہے؟''

''کوئی کہہ رہا ہے کہ میرا جواد صدر کے بڑے کچرا گھر میں پڑا ہوا ہے اور اس کی سانسیں چل رہی ہیں۔ اسے فوراً اسپتال پہنچایا جائے۔''

اس نے دردانہ سے فون لے کر اپنے کان سے لگا کر پھر ہیلو...... ہیلو کہا۔ دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ اطلاع دینے والا رابطہ ختم کر چکا تھا۔ شہباز تیزی سے چلتا ہوا اپنے بیڈروم سے باہر آیا۔ اسد عزیزی سے بولا ''جواد کا پتا چل گیا ہے۔ اسے کسی نے صدر کے بڑے کچرا گھر میں پھینک دیا ہے اور اس کی حالت بہت بری ہے۔ اسے وہاں سے اٹھا کر فوراً اسپتال پہنچاؤ اور مجھے ایک ایک پل کی رپورٹ دیتے رہو۔''

اسد عزیزی ''یس باس!'' کہتا ہوا وہاں سے دوڑتا ہوا چلا گیا۔ دردانہ نے روتے ہوئے کہا ''میں بھی جاؤں گی۔ اپنے بیٹے کو دیکھوں گی۔''

شہباز نے کہا ''نہیں...... تم نہیں جاؤ گی۔ جو تمہارے بیٹے سے دشمنی کر سکتے ہیں وہ تم سے بھی کر سکتے ہیں۔ تمہیں کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے۔''

''نقصان پہنچنے دو۔ مجھے جانے دو۔''

''فضول ضد نہ کرو۔ یہاں میرے پاس رہو۔ تمہیں ایک ایک پل کی خبر ملتی رہے گی۔ میرے آدمی اسے فوری طبی امداد کے لیے لے جا رہے ہیں۔''

وہ روتے ہوئے بولی ''میں اسے دیکھے بغیر سکون سے نہیں رہ سکوں گی۔ مر جاؤں گی۔ میں جانتی ہوں کہ تم بہت شہ زور ہو۔ بڑے وسیع ذرائع کے مالک ہو۔ مجھے حفاظت سے اس اسپتال میں پہنچا سکتے ہو۔ جہاں میرے بیٹے کو پہنچایا جا رہا ہے۔''

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا پھر کہا ''ٹھیک ہے...... ذرا انتظار کرو۔ ابھی اسد عزیزی فون پر بتائے گا کہ اسے کس اسپتال میں پہنچایا گیا ہے پھر میں تمہیں وہاں پہنچا دوں گا۔''

وہ ادھر سے اُدھر ٹہلنے لگا۔ پریشانی سے بڑبڑانے لگا ''یہ کون ہے؟ جس نے جواد کو اغوا کیا؟ میں حیران ہوں کہ اب تک وہ میری نظروں میں کیوں نہیں آیا۔ پولیس اور انٹیلی جنس والے...... اس کا سراغ لگانے میں کیوں ناکام ہو رہے ہیں؟''

وہ روتے ہوئے بولی ''جب پولیس والے ہی ایسا کر رہے ہیں تو انہیں کون پکڑ سکے گا؟''

اس نے چونک کر اسے دیکھا پھر کہا ''اچھا...... تو تم ابھی تک ایس پی ذیشان پر شبہ کر رہی ہو؟''

''میں یقین سے کہتی ہوں کہ اسی کمینے شخص نے ایسا کیا ہے۔''

''دیکھو دردانہ......! جب پہلی بار تم نے ذیشان پر شک کیا۔ تب سے ہی میں نے اپنے آدمی اس کے پیچھے لگا دیے۔ وہ اس کے دفتر سے لے کر گھر تک اس کا پیچھا کرتے رہے ہیں۔ اس کی مصروفیت معلوم کرتے رہے ہیں۔ میں اس کے گھر اور دفتر کا فون ٹیپ کروا رہا ہوں۔ کہیں سے ایسی کوئی بات معلوم نہیں ہو رہی ہے۔ جس کی بنا پر ایس پی ذیشان پر شبہ کیا جائے۔''

اس نے فون کے ذریعے اپنے ایک ماتحت سے رابطہ کیا پھر کہا ''ایس پی ذیشان کے بارے میں بتاؤ؟''

دوسری طرف سے کہا گیا ''باس!...... وہ اس وقت اپنی

کوٹھی میں ہے۔ میں نے دفتر سے اس کا تعاقب کیا۔ وہ شام کے چار بجے نکل کر دفتر سے اپنے گھر گیا تھا۔ تب سے اب تک باہر نہیں نکلا ہے۔"

"اس سے ملنے کوئی کوٹھی میں آیا ہے؟"

"جی ہاں...... ایک ٹیکسی ڈرائیور وہاں آیا ہے۔ اس کی ٹیکسی کوٹھی کے اندر کھڑی ہے۔ وہ شام کے چھ بجے آیا تھا اور اب تک وہیں ہے۔"

"تم اس پر نظر رکھو۔ جب بھی وہ ٹیکسی ڈرائیور باہر نکلے اس کا تعاقب کرو۔ معلوم کرو کہ وہ کون ہے؟"

اس نے فون بند کیا۔ تو دردانہ نے کہا "میں اس ٹیکسی ڈرائیور کو جانتی ہوں۔ جواد عینی کو بہلا پھسلا کر میرے پاس لانا چاہتا تھا لیکن اس ڈرائیور نے اس کی کوششوں کو ناکام بنا دیا تھا۔ اس کم بخت کی وجہ سے میرے بیٹے پر مصیبتیں آئی ہیں۔ میں اس دشمن کو تو بھول ہی گئی تھی۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ذیشان نے اس ٹیکسی ڈرائیور کے ذریعے میرے بیٹے کو اغوا کروایا ہو......؟"

"دردانہ! ایک ٹیکسی ڈرائیور کی کیا اوقات ہے؟ تم نے سنا تھا کہ جواد کو اغوا کرتے وقت کتنی زبردست فائرنگ ہوئی تھی۔ ہمارے دو آدمی مارے گئے تھے۔ میں جرائم کی دنیا کے منجھے ہوئے لوگوں سے کام لیتا ہوں۔ ایک ٹیکسی ڈرائیور کی کیا مجال ہے کہ ایسے چھٹے ہوئے مجرموں سے مقابلہ کرے؟ اور ان سے جواد کو چھین کر لے جائے؟ تم بچکانہ ذہن سے سوچ رہی ہو۔"

"تم یہ بتاؤ کہ ذیشان چھپ کر ہمارے خلاف ایسی دشمنی کر رہا ہوگا تو تمہیں کیسے معلوم ہو سکے گا؟"

"میں نے ذیشان کے پیچھے اپنے آدمی لگائے ہیں۔ اب وہ ٹیکسی ڈرائیور کی بھی نگرانی کرتے رہیں گے پھر یہ کہ جواد کو اسپتال پہنچایا جا رہا ہے۔ میرا خاص ماتحت اسد عزیزی بہت ذہین ہے۔ وہ جواد سے معلوم کرے گا کہ کن لوگوں نے اسے ٹارچر کیا ہے اور وہ اس سے کس طرح کی معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے؟ ٹارچر کرنے کے دوران میں اس سے کیا کیا کہتے تھے؟ اس طرح ہمیں کچھ نہ کچھ معلوم ہو ہی جائے گا۔"

تہمینہ نے آ کر کہا "باس......! اسد عزیزی کا فون ہے۔"

اس نے تیزی سے فون کے پاس آ کر ریسیور اٹھایا پھر کہا "ہیلو عزیزی......! بولو جواد کیسا ہے؟"

"سر بہت بری حالت ہے۔ ہم نے اسے اسپتال پہنچا دیا ہے۔ وہاں کے بڑے ڈاکٹر کو پکڑ کر لے آئے ہیں دوسرے ڈاکٹر بھی اسے اٹینڈ کر رہے ہیں۔"

"کیا جواد ہوش میں ہے؟"

"نہیں۔ بے ہوش ہے...... بڑی مشکلوں سے سانس لے رہا ہے۔ یوں سمجھیں کہ موت سے لڑ رہا ہے۔"

"ان تمام ڈاکٹروں سے کہو کہ جب تک اس کی حالت سنبھل نہ جائے وہاں سے کوئی نہیں جائے گا۔ سب موجود رہیں گے۔ ان ڈاکٹروں کو منہ مانگی رقم دی جائے گی۔ یہ بتاؤ کہ کس اسپتال میں ہو......؟"

"ہم اس وقت شری بائی اسپتال میں ہیں۔"

"میں ابھی آ رہا ہوں۔"

اس نے فون رکھ کر ایک مسلح ملازم کو حکم دیا "فوراً گاڑی نکالو۔"

ملازم دوڑتا ہوا چلا گیا۔ وہ اپنے بیڈروم کی طرف جاتے ہوئے بولا "دردانہ......! ہم ابھی اسپتال جا رہے ہیں۔"

وہ اس کے پیچھے چلتے ہوئے بولی "میرا بیٹا کیسا ہے؟ تمہاری باتوں سے پتا چل رہا تھا کہ اس کے ساتھ کوئی بڑا مسئلہ ہے؟"

"کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ فکر نہ کرو۔ ڈاکٹر اسے بچا لیں گے۔"

"بچا لیں گے کا مطلب کیا ہوا؟ اس کا مطلب ہے کہ اس کی جان خطرے میں ہے۔"

"پلیز...... صبر کرو۔ حوصلے سے کام لو۔ ہم ابھی وہیں جا رہے ہیں۔"

وہ بیڈروم میں آ کر اپنے ریوالور کو چیک کرنے کے بعد اسے لباس کے اندر چھپانے لگا پھر بولا "چلو......"

وہ اس کے ساتھ چلتی ہوئی باہر آئی۔ باہر گاڑی کھڑی ہوئی تھی۔ آگے پیچھے مسلح گارڈز اپنی اپنی گاڑیوں میں تھے۔ وہ اپنی گاڑی میں اسٹیرنگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ دردانہ اس کے ساتھ والی سیٹ پر آ گئی پھر وہ گاڑیاں قافلے کی صورت میں وہاں سے روانہ ہو گئیں۔

جواد اسپتال کے بیڈ پر بے حس و حرکت پڑا تھا۔ چہرے اور بازوؤں پر زخم ہی زخم دکھائی دے رہے تھے۔ اسے زخم پہنچانے والوں نے اتنی مہربانی کی تھی کہ لہو زیادہ بہنے نہیں دیا تھا۔ اپنے ایک ڈاکٹر کے ذریعے زخموں پر مرہم لگا دیا تھا اور لہو کو بہنے سے روک دیا تھا۔ پورا بدن بری طرح سوج گیا تھا۔ چہرہ بری طرح سوجا ہوا تھا۔ وہ پہچانا نہیں جا رہا تھا۔ تکلیف کی شدت سے کراہ رہا تھا۔ دردانہ نے وہاں پہنچ کر اپنے بیٹے کی

حالت دیکھی تو دونوں ہاتھوں سے سینہ کوٹنے لگی۔ رونے لگی۔

شہباز درانی نے وہاں کے بڑے ڈاکٹر سے کہا "اسے حال میں بچانا ہے۔ مجھے یہ بتائیں کہ کچھ بولنے کے قابل ہے یا نہیں؟ میں اس سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"اس کے دماغ کو بجلی کے جھٹکے پہنچائے گئے ہیں۔ آپ ان کا ایک گھٹنا دیکھیں۔ ڈرل مشین کے ذریعے اس کے گھٹنے میں سوراخ کیا گیا ہے۔"

دردانہ یہ سن کر لرز گئی۔ ڈاکٹر نے کہا "اس پر تھرڈ ڈگری استعمال کی گئی ہے اور اس سے کچھ اگلوانے کی کوشش کی گئی ہے۔"

دردانہ نے روتے ہوئے کہا "آپ صرف باتیں کر رہے ہیں۔ میرے بیٹے کا علاج کیوں نہیں کر رہے ہیں۔"

"میڈم......! ہم نے جو کرنا تھا وہ کر چکے ہیں اور ابھی بھی کر رہے ہیں۔ ان کی حالت بہت نازک ہے۔ ہم دوا کر رہے ہیں۔ آپ دعا کریں۔"

وہ بیٹے کی طرف جھک کر بولی "بیٹے......! مجھے دیکھو...... میں تمہاری ماں ہوں...... کیا مجھے پہچان رہے ہو؟"

اس نے سر گھما کر اسے دیکھا پھر بڑی کمزور سی آواز میں کہا "مم...... می......!......"

شہباز نے کہا "دردانہ! یہ بول رہا ہے۔ اس سے پوچھو وہ کون لوگ تھے؟"

اس نے پوچھا "بیٹے......! تم سے کس نے دشمنی کی ہے؟ وہ کون دشمن تھا؟"

وہ کمزور سی لرزتی ہوئی آواز میں بولا "مم...... میں...... نن...... نہیں...... جان...... تا......"

شہباز نے پوچھا "وہ تم سے کیا پوچھ رہے تھے؟"

دردانہ نے کہا "ہاں بیٹے......! کوشش کرو...... ہمیں بتاؤ وہ تم سے کیا پوچھ رہے تھے؟"

وہ اٹک اٹک کر سانس لے رہا تھا۔ اسے یاد تھا۔ اس نے ان دشمنوں کے پوچھنے پر بتایا تھا کہ اس کی ممی کے تعلقات داؤد سبحانی سے ہیں۔ جو انڈر ورلڈ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کی ممی نے داؤد سبحانی کے ذریعے ضمانت نامہ حاصل کیا تھا۔

یہ بات اگر وہ کہہ دیتا تو دردانہ اور شہباز سمجھ لیتے کہ ایسی اکوائری کرنے والا صرف ذیشان ہی ہو سکتا ہے۔

لیکن وہ کیسے کہہ سکتا تھا۔ میں اس کی زندگی کی لکیر پر کھڑا ہوا تھا اور جہاں کھڑا ہوا تھا وہاں وہ لکیر ختم ہو چکی تھی۔ میں اس لکیر پر آگے بڑھا تو گر پڑا۔ اس کی اوپر کی سانس اوپر ہی رہ گئی۔ وہ زندگی کے ہاتھوں سے چھوٹ گیا تھا۔

ڈاکٹر نے اس کی نبض ٹٹولی۔ اس کے سینے پر اسٹیتھسکوپ رکھا پھر سر جھکا کر کہا "سوری...... ہی از نو مور......"

دردانہ نے ایک زوردار چیخ ماری پھر بیٹے سے لپٹ کر دھاڑیں مار کر رونے لگی۔

گل خانم عجیب حالات سے گزر رہی تھی۔ اب وہ مطلقہ تھی۔ طلاق ہو چکی تھی لیکن دل نہیں مان رہا تھا۔ بار بار اپنے یادر خان کو مانگ رہا تھا۔

پچھلی شام ذیشان نے اس وعدے پر یادر خان کو رہا کیا تھا کہ گل خانم اس کے روبرو نہیں جائے گی۔ اس سے پردہ کرے گی۔ اسے اپنی کوٹھی میں آنے کی اجازت نہیں دے گی۔ کیونکہ وہ نامحرم ہو چکا ہے۔ اب شوہر اور بیوی کا رشتا باقی نہیں رہا ہے۔

وہ مان رہی تھی کہ شوہر بیوی کا رشتا ختم ہو چکا ہے لیکن دل سے دل کا رشتا ختم نہیں ہوا تھا۔ وہ عاشقی جو شادی سے پہلے دونوں کے درمیان تھی۔ اب پھر سے رنگ لا رہی تھی پھر سے مستحکم ہو رہی تھی اور بار بار اسے یادر خان کی طرف کھینچ رہی تھی۔ اگر وہ اس سے دور کہیں چلا جاتا۔ گم ہو جاتا۔ اس کا کوئی اتا پتا نہ ملتا تو اسے رفتہ رفتہ صبر آ جاتا۔

لیکن پچھلی رات یادر خان نے رہا ہوتے ہی پی سی او کے ذریعے اسے مخاطب کیا تھا۔ وہ ریسیور کان سے لگائے ہوئے تھی اور اس کی آواز کان سے اترتی ہوئی رگوں میں لہو کی طرح دوڑنے لگی تھی۔ دل بری طرح دھڑکنے لگا تھا پھر بھی اس نے بظاہر سخت لہجے میں کہا "یادرا......! میں نے تمہیں سمجھایا تھا کہ مجھے مخاطب نہ کرنا۔"

"تم نے کہا تھا کہ میں روبرو نہ آؤں۔ تمہاری کوٹھی میں قدم نہ رکھوں۔ تم جیسا کہتی ہو ویسا ہی کروں گا لیکن ہم فون پر باتیں تو کر سکتے ہیں؟"

"اب کچھ کہنے سننے کو کیا رہ گیا ہے۔ اب تمہیں معلوم ہو رہا ہے کہ غصہ حرام ہوتا ہے۔ تم نے غصے میں مجھے طلاق دے دی۔ اب اس کے نتیجے میں تم در بدر ہو گئے اور میں تم سے بچھڑ کر کانٹوں کے بستر پر پڑی ہوئی ہوں۔"

"گل جاناں......! میں نے اپنی زندگی کی بہت بڑی غلطی کی ہے۔ میں تم سے اس کی سزا پانا چاہتا ہوں لیکن یہ نہیں چاہتا کہ تمہیں بھی اس کی سزا ملے۔"

"تم جب بھی فون کرو گے۔ میرے کانوں کے راستے دل میں اترتے رہو گے اور میں تڑپتی رہوں گی۔ فون نہیں کرو گے تو تمہاری یادیں تڑپاتی رہیں گی۔ مجھے کسی بھی پہلو سے

سکون نہیں ملے گا۔ میں اب ساری زندگی سزا پاتی رہوں گی۔ اس کا تم اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔"

"میں شرمندہ ہو رہا ہوں۔ میں کسی عالم دین سے باتیں کروں گا۔ ان سے اس بارے میں مشورہ لوں گا۔ وہ ہمیں پھر سے میاں بیوی بننے کا راستہ دکھائیں گے۔"

"ہاں...... ضرور دکھائیں گے۔ وہ راستہ میں اور تم بھی جانتے ہیں کہ تم سے دوبارہ رجوع کرنے کے لیے مجھے عدت کے ایام گزارنے ہوں گے۔ اس کے بعد کسی دوسرے شخص سے شادی کرنا ہوگی پھر وہ شخص مجھے طلاق دے گا تو میں تم سے شادی کر سکوں گی۔"

"ایسی باتیں نہ کرو گل جاناں......!"

"تم میرے قریب کسی دوسرے شخص کا سایہ بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اب یہ کیسے برداشت کرو گے کہ کوئی دوسرا شخص میرا دوسرا شوہر بن کر میری تنہائی میں آئے...... بولو کیا یہ سب برداشت کر لو گے؟"

"نہیں...... نہیں...... نہیں...... تمہاری یہ باتیں میرے منہ پر جوتے کی طرح پڑ رہی ہیں۔"

"یاورا......! تم بہت غیرت مند ہو۔ میں جانتی ہوں یہ سب برداشت نہیں کرو گے۔ ہماری بہتری اب اسی میں ہے کہ ہم ایک دوسرے سے بہت دور ہو جائیں۔ تم یہاں سے دور چلے جاؤ پھر اپنے وطن کی طرف لوٹ جاؤ۔ اگر نہیں جاؤ گے تو میں یہ شہر چھوڑ کر کہیں گم ہو جاؤں گی۔"

"گل جاناں......! ایسا کبھی نہ کرنا۔ اگر تم گم ہو جاؤ گی۔ تمہارا کوئی پتا ٹھکانہ نہیں ملے گا۔ تمہاری خیریت معلوم نہیں ہو گی تو میں خود کو گولی مار لوں گا۔ تم تو جانتی ہو میں جو کہتا ہوں وہ ضرور کرتا ہوں۔"

"تم مجھے مشکل میں ڈال رہے ہو۔ میں کہیں جا بھی نہیں سکتی اور یہاں رہ بھی نہیں سکتی۔"

"گل جاناں......! یہ پی سی او بند ہو رہا ہے۔ اس کا مالک بار بار مجھے بات ختم کرنے کو کہہ رہا ہے۔"

وہ بولی "اب تو آدھی رات ہو چکی ہے۔ کسی اور جگہ سے فون نہیں کر سکو گے۔"

"کل صبح جیسے ہی پی سی او کھلے گا۔ میں تمہیں مخاطب کروں گا۔ مجبوری ہے گل جاناں......!"

رابطہ ختم ہو گیا۔ وہ بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ اس ریسیور کو حسرت سے دیکھنے لگی پھر اسے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ لگا کر کچھ سوچنے لگی۔ اس نے اسے کریڈل پر نہیں رکھا۔ دوسرے دن دس یا گیارہ بجے سے پہلے اس کا فون نہیں آ سکتا تھا اور وہ کسی اور کی کال ریسیو کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اس اسے دل کی دھڑکنوں سے لگائے رہی۔

صدمات نے اسے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ ایک تو شوہر طلاق دے دی تھی۔ اس پر ستم یہ ہوا کہ اپنے نوزائیدہ سے بھی محروم ہو گئی۔ اسے کبھی یاور خان کی جدائی تڑپاتی اور کبھی اس کے اندر کی ممتا چیخ چیخ کر کہتی تھی کہ اب میری کیسے بھرے گی؟ میرا گم شدہ بچہ مجھے واپس کیسے ملے گا؟ نہیں ملے گا تو اس کی جگہ کوئی اور مل سکتا ہے مگر کیسے؟

نہ اس کی زندگی میں یاور خان دوبارہ آ سکے گا اور نہ وہ دوبارہ اس کے بچے کی ماں بن سکے گی۔

ایسی محرومی کا احساس شدت اختیار کرتا تھا...تو ا ذیشان کی باتیں یاد آتی تھیں اس نے کہا تھا "تمہاری گود ایک نیا پھول کھلے گا۔ جو بچہ گم ہو چکا ہے وہ واپس آئے گا اس ننھے سے بچے کی خاطر تم مجبور ہو کر دوسری شادی ضرور کی۔"

"نہیں...... کبھی نہیں کروں گی۔ میری تنہائی میں یا خان کی جگہ دوسرا کوئی نہیں آئے گا۔ کبھی نہیں آئے گا۔"

میں تمام انسانی جذبوں کو سمجھتا ہوں۔ گل خانم جذبات کو بھی سمجھ رہا تھا۔ وہ پارسا تھی۔ اپنے سابقہ شوہر سوا کسی دوسرے کا تصور بھی کرنا نہیں چاہتی تھی لیکن حیا والی کہے کہ وہ بے حیائی نہیں کرے گی تو واقعی نہیں کرنا چاہیے لیکن یہ دعویٰ نہیں کرنا چاہیے کہ وہ دوسری شادی نہیں کرے گی ا اپنے دوسرے شوہر کی تنہائی میں نہیں جائے گی۔ وہ کیا جا ہے کہ میں کیا کرنے والا ہوں؟

یاور خان غیرت مند تھا۔ اس کی غیرت یہ کبھی گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ اس کی گل خانم دوسری شادی کے بہانے کر دوسرے کے پہلو میں جائے لیکن غصہ کرنے والوں کی ا غلطیاں کرنے والوں کی غیرت کھوکھلی ہو جایا کرتی ہے۔ ا ابتدا میں وہ نہیں مان سکتا تھا کہ وہ ہاتھ کی لکیر کا فقیر بن سکا ہے۔

وہ ابھی حالات کی دھیمی دھیمی آنچ میں پک رہے تھے ابھی وہ فون کال تک محدود تھے۔ آگے دیکھنے کی تمنا شدت اختیار کرنے والی تھی۔ دیکھنے کے بعد چھونے کی تمنا اور چھونے کے بعد پا لینے کی ضد انہیں پاگل بنا دینے والی تھی۔

☆☆☆

فلک ناز کو کسی پہلو سے سکون نہیں مل رہا تھا۔ پہلے تو اس نے عروج اور پاشا کی نگاہوں کے تبادلے دیکھے تھے۔ وہ ان کی نگاہوں کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کرتی رہی کر

اس نے پورچ کی ایک دیوار کی اوٹ کھڑے ہو کر باتیں سنیں اور یہ معلوم ہوا کہ پاشا آج رات کے بارہ سپتال میں اس سے ملنے جائے گا تو اسے یقین ہو گیا کہ اور پاشا نے بڑی زبردست پلاننگ کی ہے اور عینی کی ساری زندگی عیش کرنے کے لیے اس بے چاری کو بنا رہے ہیں۔

اس کے اندر یہ بے چینی پیدا ہو گئی تھی کہ ان کے فراڈ کو کس طرح سب کے سامنے کھول کر رکھ دے اور طرح عینی کے سامنے یہ ثابت کر دے کہ اس کی جان عزیز سہیلی اسے دھوکا دے رہی ہے۔ عینی پر عروج کا جادو چلا ہوا تھا کہ وہ ٹھوس ثبوت کے بغیر اپنی پھوپی کی بھی تسلیم نہ کرتی۔ فلک ناز کے سامنے یہ ایک اہم مسئلہ ان دونوں کے خلاف کس طرح ثبوت حاصل کیا جائے؟

اس وقت وہ لان میں کھڑی ہوئی تھی اور کبھی کبھی سر اٹھا کی چھت کی طرف دیکھتی تھی۔ عینی پاشا کو چھت پر لے اس کے ساتھ وہاں چائے پی رہی تھی۔ پتا نہیں پاشا کیا باتیں کر رہا تھا اور کس طرح اپنی چکنی چپڑی باتوں سے لبھا رہا تھا۔

وہ چھت پر جا کر ان کی باتیں سننا چاہتی تھی مگر نہیں جا سکتی چھت بالکل کھلی ہوئی تھی اور وہ کہیں چھپ کر ان کی نہیں سن سکتی تھی۔ ایسے ہی وقت اسے اپنے بیٹے عدنان کی سنائی دی۔ وہ اسے پکارتا ہوا آ رہا تھا۔ "مما...... آپ کہاں ہیں؟"

وہ اس کے قریب آ کر بولا "میں آپ کو پوری کوٹھی میں تا پھر رہا ہوں۔ پتا ہے ہماری کوٹھی میں وہ ٹیکسی ڈرائیور آیا ہوا ہے اور عینی کے ساتھ چھت پر گیا ہے۔ میں جانا چاہتا تھا لیکن ماموں جان (فلک ناز) نے مجھے جانے نہیں دیا۔ یہ تو اچھی بات نہیں ہے۔ مجھے وہاں سے کیوں روکا جا رہا ہے؟"

"یہ بتاؤ تم کہاں گھومتے پھر رہے ہو؟ یہاں آ کر پاشا کی ایسے اطلاع دے رہے ہو جیسے میں گھر میں نہیں رہتی اور مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔ تمہیں شرم آنی چاہیے۔ تم عینی کا دل نہیں جیت سکے۔ اب ایک ٹیکسی ڈرائیور جیتنے کے لیے آ گیا ہے۔"

"اماں مما......! آپ مجھے شرم نہ دلائیں۔ آپ عینی کی ہیں۔ ماموں اور ممانی جان بھی بزرگ ہیں۔ شرم تو سب کو آنی چاہیے کہ آپ لوگوں کی موجودگی میں وہ ایک ڈرائیور کو دل دینے کے لیے چھت پر گئی ہے۔ مجھے وہاں جانے نہیں دیا گیا اور وہ نیچے نہیں آئے گی۔ ورنہ میں اس ڈرائیور کے آگے دیوار بن جاتا۔"

"دیوار تو میں بنوں گی۔ میرے ذہن میں ایک تدبیر آئی ہے۔ اگر کسی طرح سے پاشا اور عروج کی تصویریں اتار لی جائیں تو ان کا پول کھولنے کے لیے تصویری ثبوت ہی کافی ہو گا۔"

"کیا عروج بھی چھت پر ہے؟"

"نہیں...... وہ اسپتال ڈیوٹی پر گئی ہے اور پاشا آج رات بارہ بجے اس سے ملنے وہاں جائے گا۔"

"کیا وہ علاج کے لیے جائے گا؟"

وہ جھنجلا کر بولی "سمجھا کرو۔ کوئی آدھی رات کو کسی لڑکی سے ملنے کیوں جاتا ہے؟"

وہ ہاں ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا "سمجھ گیا...... سمجھ گیا...... مگر اماں مما......! یہ تو گناہ ہے۔ اللہ میاں پاشا اور عروج کو جہنم کی آگ میں جلائیں گے۔"

"جب جلائیں گے تب جلائیں گے۔ ابھی تو میں جل رہی ہوں۔ کسی طرح ان کے خلاف ثبوت حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ تم تو اچھی فوٹو گرافی کر لیتے ہو؟ ہمارے گھر میں بہترین کیمرہ ہے۔ کیا تم ان سے تصویریں نہیں اتار سکتے؟"

"کیوں نہیں...... جب میں کیمرہ لے کر وہاں جاؤں گا تو دونوں ہی خوش ہو کر تصویریں اتروائیں گے۔"

"لعنت ہے تمہاری کھوپڑی پر۔ تم نے چھپ کر رازداری سے ان کی تصویریں اتارنی ہیں۔"

"اماں مما......! اب آپ اپنی کھوپڑی پر لعنت بھیجیں۔ بھلا رات کو چھپ کر کیسے تصویریں اتار سکتا ہوں۔ فلیش لائٹ کے آن ہوتے ہی دونوں کو خبر ہو جائے گی اور وہ میرے پیچھے پڑ جائیں گے۔"

وہ اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولی "اس معاملے میں دماغ ایسا الجھ گیا ہے کہ میری عقل بھی کام نہیں کر رہی ہے...... وہ کم بخت عشق کرنے کے لیے آدھی رات کو اسپتال جائے گا اور میں تصویری ثبوت حاصل نہیں کر سکوں گی۔ کوئی اور تدبیر سوچنی ہو گی۔"

"جب آپ جانتی ہیں کہ پاشا عروج سے آدھی رات کے بعد ملنے والا ہے۔ تو آپ وہاں جا کر انہیں رنگے ہاتھوں پکڑ لیں بلکہ پولیس کو بھی ساتھ لے جائیں۔"

اس نے چونک کر بیٹے کو دیکھا۔ تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر بولی "پولیس والا تو ہمارے ہی گھر میں ہے۔ مجھے ذیشان سے بات کرنا چاہیے۔"

وہ تیزی سے چلتی ہوئی کوٹھی کے اندر آئی پھر ذیشان کے دروازے پر پہنچ کر اس نے دستک دی۔ اندر سے اسما نے پوچھا ''کون ہے......؟''

''بیٹی......! میں ہوں...... تمہاری پھوپی جان......!''

دروازہ کھل گیا۔ اسما بولی ''اندر آجائیں......''

وہ اندر آتے ہوئے بولی ''سوری...... میں تم دونوں کے آرام میں خلل ڈال رہی ہوں مگر کیا کروں۔ ذیشان سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔''

ذیشان نے کہا ''کوئی بات نہیں پھوپی جان...... آپ آرام سے بیٹھ کر بات کریں۔''

وہ بولی ''بیٹے......! اب یہ بات تو چھپی ہوئی نہیں ہے کہ عینی پاشا کو چاہتی ہے اور آئندہ شاید اس سے شادی کرنا بھی چاہے گی؟''

''جی ہاں...... وہ سیدھی اور صاف دل کی لڑکی ہے۔ اس کے دل میں جو تھا اس نے ہم سب کو بتا دیا۔ پاشا جانی تعلیم یافتہ ہے۔ سلجھا ہوا ذہن رکھتا ہے۔ سچا اور ایماندار بھی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ عینی کا انتخاب بالکل درست ہے۔''

''عینی ابھی بچی ہے۔ اس نے دنیا ہی کہاں دیکھی ہے پھر یہ آنکھوں سے بھی مجبور ہے۔ کچھ دیکھ کر بہت کچھ دیکھ نہیں پاتی۔ اس لیے ہم بزرگوں کا فرض ہے کہ پاشا جانی کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کریں۔''

''میں نے آج پاشا کے بارے میں بہت کچھ معلوم کیا ہے اور آئندہ بھی معلوم کروں گا۔ میری بہن کی زندگی کا سوال ہے۔ میں آنکھیں بند کرکے یہ رشتہ نہیں ہونے دوں گا۔''

''بیٹے......! پتا نہیں تم کب آنکھیں کھول کر معلوم کرو گے؟ میری آنکھیں تو ہمیشہ کھلی رہتی ہیں۔ آج پاشا پہلی بار ایک مہمان کی حیثیت سے یہاں آیا ہے اور میں نے پہلے ہی دن اس کے بارے میں بہت کچھ معلوم کرلیا ہے۔''

''یہ تو اچھی بات ہے آپ ہمیں بتائیں کہ آپ کی معلومات کیا ہیں؟''

''سب سے پہلے تو میں یہ جانتی ہوں کہ عینی ضرور پاشا کو چاہتی ہے لیکن اس کی محبت یکطرفہ ہے۔ پاشا اسے نہیں چاہتا ہے۔''

اسما اور ذیشان نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ پچھلی رات پاشا نے کہا تھا کہ وہ عینی کو نہیں کسی اور لڑکی کو چاہتا ہے اور آج اس کی چاہت بدل گئی تھی۔ وہ مہمان بن کر عینی کے گھر آیا تھا اور ابھی اوپر بیٹھا اس کے ساتھ چائے پی رہا تھا اور باتیں کررہا تھا۔

اسما نے پوچھا ''آپ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ پاشا محبت نہیں کرتا؟''

وہ اپنی ایک ہتھیلی کو دوسری انگلی سے مار کر بو... دعوے سے کہتی ہوں کہ پاشا عینی کو نہیں عروج کو چاہتا...

اسما، ذیشان نے پھر ایک دوسرے کو حیرانی سے...

ذیشان نے کہا ''پھوپی جان......! آپ یہ بات دعو... کیسے کہہ سکتی ہیں؟''

''میں آج شام سے عروج اور پاشا کا تماشا... ہوں۔ گھر میں تو کسی نے ان دونوں پر توجہ نہیں دی... ان دونوں کا آنکھ مٹکا دیکھتی رہی ہوں۔''

''پھوپی جان......! نہ عروج ایسی ہے اور نہ ہی... ہے۔ ہم عروج کو بہت عرصے سے جانتے ہیں اور پا... پچھلی رات سے اچھی طرح جان چکا ہوں۔ پلیز...... آ... کے بارے میں ایسی باتیں نہ کریں۔''

''بیٹے!...... اگر میں یہ بات ثابت کردوں کہ عر... پاشا دونوں مل کر عینی کو بے وقوف بنا رہے ہیں تو......؟''

''آپ کیسے ثابت کریں گی؟''

''تم تو پولیس والے ہو۔ اگر رات کی تنہائی جوان لڑکی کو ایک جوان مرد کے ساتھ ملتے دیکھو... انہیں گرفتار نہیں کرو گے؟ کیا ان کا محاسبہ نہیں کرو گے... وہ رات کو چھپ کر مل رہے ہیں؟''

''بے شک...... اگر ان کے درمیان کوئی رشتا نہیں... پھر ان کا محاسبہ بھی کیا جاسکتا ہے اور انہیں گرفتار بھی کر... ہے۔''

اسما نے پوچھا ''کیا آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ عر... پاشا رات کی تنہائی میں کہیں ملتے ہیں؟''

''بے شک...... ملتے ہیں...... ذیشان!...... تم بہتری چاہتے ہو تو آج ہی ان دونوں کو رنگے ہاتھوں... ہو۔''

''آپ یہ کیسے جانتی ہیں کہ وہ دونوں آج رات... ملنے والے ہیں؟''

''بیٹے!...... میں نے چھپ کر ان دونوں کی با... ہیں۔ پاشا عروج سے کہہ رہا تھا کہ وہ ایک آدھ گھنٹا... باتیں کرنے کے بعد یہاں سے نکلے گا تو اس کے پاس... میں آئے گا۔ اس کے جواب میں عروج نے کہا تھا کہ... گیارہ بارہ بجے تک بہت مصروف رہے گی۔ ڈیوٹی پر... کتنے مریضوں کو اٹینڈ کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا اسے بارہ... بعد آنا چاہیے۔''

''وہ دونوں ایسی باتیں کہاں کررہے تھے؟ آپ نے ...ی باتیں کہاں سنی ہیں؟''

''میں نے کہیں بھی سنی ہوں۔ تمہیں اپنی پھوپی کی بات ...رسا کرنا چاہیے۔ میرے کہنے پر آج رات بارہ بجے کے ...اسپتال جاکر چھپ کر ان کا تماشا دیکھو۔''

...اسما بولی ''جب پھوپی جان اتنے یقین سے کہہ رہی ہیں ...پ کو جانا چاہیے۔''

وہ بولا ''یہ بات ایسی ہے کہ مجھے جانا ہی ہوگا۔''

...فلک ناز نے کہا ''یہ تو تم جانتے ہی ہو گے کہ اسپتالوں ...ڈاکٹرز نائٹ ڈیوٹی نہیں کرتے ہیں۔ اپنے اپنے ...بڑوں میں سوتے رہتے ہیں۔ کوئی ایمرجنسی کیس ہوتا ہے ...یں بلوایا جاتا ہے۔ عروج کیا خاک نائٹ ڈیوٹی کرتی ...۔ میں دعوے سے کہتی ہوں کہ وہ پاشا کے ساتھ گل ...ے اڑاتی ہوگی۔ تم جاکر دیکھ لینا۔''

''یہ بات آپ نے ممی ڈیڈی کو بتائی ہے؟''

''نہیں...... صرف تم سے کہہ رہی ہوں اور جب تک تم ...رنگے ہاتھوں نہ پکڑلو۔ اس وقت تک کسی کو معلوم نہ ہوتو ...ی ہے۔''

''اچھی بات ہے۔ میں آج آدھی رات کے بعد اسپتال ...گا۔''

اسما بولی ''کیا مصیبت ہے۔ کل بھی آپ ساری رات ...رہے اور آج بھی رت جگا ہوگا۔''

ذیشان بولا ''اگر پھوپی جان کی بات درست نکلی تو یہ ماننا ...عینی بہت ہی بدنصیب ہے۔ اس کے حصے میں بے انتہا ...آئی ہے لیکن محبت کے سلسلے میں وہ کنگال ہے۔ اسے ...ے بھی سچی محبت نہیں مل رہی ہے۔''

فلک ناز نے اٹھتے ہوئے کہا ''بیٹے!...... میں جارہی ...۔ جب تک سچ سامنے نہ آئے تب تک اس بات کو اپنے ...ے سے نکلنے نہ دینا۔ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ ...ج کے کانوں تک یہ بات پہنچے گی تو وہ ہوشیار ہوجائے ...تم اسے پکڑ نہیں سکو گے۔''

''آپ فکر نہ کریں۔ آرام سے سو جائیں۔''

''ہائے بیٹا!...... ہماری عینی کے ساتھ فراڈ ہورہا ہے۔ ...ام سے کیسے سو سکتی ہوں۔ کبھی نہیں...... میں تو تمہاری ...ک جاگتی رہوں گی۔ چاہے صبح ہی ہوجائے، اچھا میں ...ں۔''

وہ دروازہ کھول کر باہر چلی گئی۔ اسما نے کہا ''پچھلی دو ...ے یہی ہورہا ہے آپ سو نہیں پاتے ہیں۔ صبح آتے ہیں تو دو چار گھنٹے سونے کے بعد پھر ڈیوٹی پر چلے جاتے ہیں۔ آج بھی آپ کے ساتھ یہی ہوگا۔''

''کیا کیا جائے؟ مجبوری ہے۔ اگر پھوپی جان کی بات درست ہے تو اپنی بہن کو پاشا کے فراڈ سے بچانا ہی ہوگا۔''

''عروج ایسی لگتی تو نہیں ہے۔ میرا دل نہیں مانتا۔ کیا وہ عینی کو بھی دھوکا دے سکتی ہے؟''

''نیت بدل جائے تو محبت کے انداز بھی بدل جاتے ہیں۔ مجھے آج ہی دیکھنا ہے کہ بچپن سے محبت کرنے والی سہیلی اور عینی پر جان دینے والی کی نیت کیسے بدل گئی ہے؟''

''اب تک ان کی زندگی میں کوئی مرد نہیں آیا تھا اور جب کوئی مرد آتا ہے تو پھر وہ حواس پر چھا جاتا ہے۔''

وہ ذیشان کے شانے پر سر رکھ کر بولی ''وہی اس کا دل اور دنیا ہوتا ہے۔ اس کے آگے خون کے سارے رشتے کمزور ہو جاتے ہیں۔ تو پھر سہیلی کیا چیز ہے؟''

وہ گھڑی میں وقت دیکھ کر بولا ''ابھی نو بجے ہیں۔ میں ذرا دو گھنٹے سولوں پھر اسپتال جاؤں گا۔ لائٹ آف کردو۔''

اس نے لائٹ آف کردی۔ وہ بستر پر آرام سے لیٹتے ہوئے بولا ''تم بھی آجاؤ۔''

''نہیں...... میں آؤں گی تو آپ سو نہیں پائیں گے۔''

وہ پائنتی آکر بیٹھ گئی پھر اس کا پاؤں دابنے لگی۔ وہ ان شوہروں میں سے تھا جو شادی کے بعد بھی اپنی بیوی سے بے انتہا محبت کرتے ہیں۔ اپنی زندگی اور گھر میں اسی کو تمام رشتے داروں پر ترجیح دیتے ہیں۔

اور آج تو ذیشان نے اس کے لیے بہت بڑا کام کیا تھا۔ کسی آنے والی سوکن سے اسے نجات دلائی تھی اور یہ ثابت کر دیا تھا کہ اس کی زندگی میں صرف وہی رہے گی۔ کوئی دوسری کبھی نہیں آئے گی۔

شوہر ایسے ہوں تو بیویاں قربان ہونے لگتی ہیں۔ اس نے بڑی محبت اور عقیدت سے جھک کر اس کے پیروں کو چوم لیا۔

کمرے میں گہری خاموشی اور تاریکی تھی۔ ایسے وقت فون کے بزر نے چونکا دیا۔ اسما نے بیزاری سے کہا ''توبہ ہے۔ اب یہ فون آپ کے کان کھائے گا۔ سونے نہیں دے گا۔ کوئی نئی مصیبت لائے گا۔ آپ اسے بند کرکے کیوں نہیں سوتے ہیں؟''

اس نے فون اٹھاتے ہوئے کہا ''میں کیا کروں؟ میری ڈیوٹی ہی ایسی ہے۔ کوئی ایمرجنسی ہوسکتی ہے۔''

اس نے فون آن کرتے ہوئے کان سے لگا کر کہا ''ہیلو...... ایس پی ذیشان بول رہا ہوں۔''

دوسری طرف سے بچھو بابا کی آواز سنائی دی ''سر!...... میں بول رہا ہوں۔ میں نے آپ کے حکم کے مطابق جواد کو اس کی ماں تک پہنچا دیا ہے۔''

''وہ ماں بیٹا کہاں ہیں؟''

''اب تو بیٹا نہیں رہا۔ صرف ماں ہے۔''

''کیا کہنا چاہتے ہو......؟''

''سر!...... جو نہیں چاہتے تھے وہ ہو گیا۔ جواد مر چکا ہے۔''

''او مائی گاڈ!...... میں نے تم سے کہا تھا کہ ہاتھ ذرا نرم رکھو گے۔''

''سر!...... میں نے تو یہی کوشش کی تھی۔ اسے زیادہ ٹارچر نہیں کیا تھا۔ اب وہ برداشت نہ کر سکا تو میں کیا کروں؟ شاید مقدر کو یہی منظور تھا۔''

''ہاں...... اب تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ اسے مقدر نے مارا ہے۔ یہ بتاؤ تم نے اسے جہاں پھینکا تھا۔ وہاں سے اسے کون اٹھا کر لے گیا تھا؟''

''چار بندے ایک ایمبولنس لے کر آئے تھے پھر اسے شری بائی اسپتال لے گئے تھے۔ وہاں تھوڑی دیر کے بعد میں نے شہباز درّانی کو ایک عورت کے ساتھ دیکھا۔ بعد میں پتا چلا کی وہی جواد کی ماں دردانہ بیگم ہے۔''

''اچھا...... تو وہ شہباز درّانی کے ساتھ آئی تھی۔ یہ شخص بہت گہرا ہے۔ اس کی پہنچ بہت اوپر تک ہے اور دردانہ اس کے پاس پہنچی ہوئی ہے۔''

''سر!...... میرے لیے کیا حکم ہے؟''

''تمہیں کل حوالات سے نکال دیا جائے گا۔ تم کچھ عرصے کے لیے ملک سے باہر ہی چلے جاؤ۔ شہباز درّانی جواد کے قاتل تک پہنچنے کے لیے ہوم منسٹر کے سر پر سوار ہو جائے گا۔ پتا نہیں اس کی پہنچ اور کتنی اوپر تک ہے؟ تم یہاں رہو گے تو خطرہ سر پر منڈلاتا رہے گا۔''

''آپ میری بہتری کے لیے ہی مشورہ دے رہے ہیں۔ میں چوبیس گھنٹے کے اندر اس ملک سے باہر چلا جاؤں گا۔''

ذیشان نے فون بند کر دیا۔ اسما نے حیرانی اور بڑے دکھ سے پوچھا ''کیا جواد کو کسی نے قتل کیا ہے؟''

ذیشان نے چونک کر اسما کی سمت دیکھا۔ کھڑکی کے پردے کے باوجود باہر کی دھیمی سی روشنی اندر آ رہی تھی۔ جس میں وہ سائے کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ وہ فون پر بات کرتے وقت بھول گیا کہ وہ اس کے قریب ہی موجود ہے۔

بچھو بابا سے ایسی راز کی باتیں ہو رہی تھیں۔ جو کسی نہیں جا سکتی تھیں۔ اس نے پریشان ہو کر پوچھا ''تم ہے؟''

''میں ٹھیک طرح سے سمجھ نہیں پائی۔ آپ کہہ کہ شہباز درانی جواد کے قاتل تک پہنچنے کے لیے کرے گا؟ اور آپ کی باتوں سے ایسا لگ رہا تھا کہ جواد کے قاتل سے بات کر رہے ہوں اور اسے ملک بھاگ جانے کا مشورہ دے رہے ہوں۔''

''بات یہ نہیں ہے جو تم سمجھ رہی ہو۔ میں جسے باہر جانے کا مشورہ دے رہا ہوں۔ وہ میرا خاص آد اب صورتِ حال یہ ہے کہ جواد میری قید میں تھا۔ میں اسے رہائی دی تھی اور رہا ہوتے ہی اسے کسی نے تھا۔ اس پر اس قدر تشدد کیا تھا کہ وہ اسپتال پہنچ کر مر گیا میں دردانہ اور اس کے حمایتی یہی شبہ کریں گے کہ والوں نے اسے اغوا کروا کے مار ڈالا ہے۔

پھر وہ میرے خاص آدمی کو پکڑ کر اس پر تشدد کریں بے چارہ مفت میں ہی مارا جائے گا۔ اس لیے میں ملک سے باہر جانے کا مشورہ دیا ہے۔''

''پتا نہیں...... آپ کو پولیس کی ملازمت میں کیا خواہ مخواہ خطرات سے کھیلتے رہتے ہیں۔ جن مجرموں کرتے ہیں۔ انہیں سزا دلواتے ہیں۔ وہی آپ کے بن جاتے ہیں۔''

''اب تم مجھے نصیحتیں کرتے کرتے صبح نہ کر دینا سے کھیلنا ہی جوان مردوں کا کام ہے۔ موت ہر انسا مقدر میں لکھی ہوئی ہے۔ جو دفتروں میں کام کرتے ہیں گھر کی چار دیواری میں بیٹھ کر کام کرتے ہیں۔ انہیں موت آتی ہے تو پھر میں کیوں نہ جوانمردی سے خطر سامنا کرتے ہوئے موت کو گلے لگاؤں؟''

''آپ ایسی بات کرتے ہیں تو مجھے بڑا ڈر لگتا ہے''

''صبح اٹھ کر ڈرنا ابھی سو جاؤ اور ہاں...... یاد رکھو کے قتل ہونے والی بات تم گھر میں کسی سے نہ کہنا۔ اخبارات یا دردانہ کے ذریعے پہنچے دو اور اب خدا کے جاؤ۔''

وہ کروٹ بدل کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ وہیں اس کے قدموں کے پاس لیٹ اپنے شوہر کے لیے اس کے دل سے دعائیں نکلتی تھیں۔ یہ فخر بھی حاصل تھا کہ وہ صرف اسے چاہتا ہے اس پر کسی نہیں دیتا۔ وہ دوسری بیوی لا کر باپ بن سکتا ہے لیکن

بچہ بیوی کی خاطر ساری عمر لاولد رہنا پسند کر چکا ہے۔

☆☆☆

فلک ناز کو نیند آنے والی نہیں تھی۔ وہ بے چین روح کی طرح کوٹھی کے اندر باہر بھٹک رہی تھی۔ عینی اور پاشا اب تک اوپر ٹیرس پر ہی تھے۔ اس کا دل بار بار اوپر جانے کے لیے مچل رہا تھا۔

آخر اس سے رہا نہ گیا۔ اس نے اپنے بیڈ روم میں آ کر ایک سوئٹی پہنی تا کہ چلتے وقت قدموں کی آہٹ سنائی نہ دے پھر وہ چھت پر جانے والے زینے پر چڑھتی ہوئی اوپر آ گئی۔ خالی چھت پر کوئی دیوار یا ستون نہیں تھا۔ اگر ہوتا تو وہ چھپ کر ان کی باتیں سن سکتی تھی۔

اس نے زینے کے آخری پائیدان پر کھڑے ہو کر جھکتے ہوئے ادھر دیکھا تو ٹیرس کے آخری سرے پر وہ دونوں ایک میز کے اطراف بیٹھے ہوئے تھے اور باتیں کر رہے تھے۔ کیا باتیں کر رہے تھے؟ وہ اتنی دور سے سن نہیں سکتی تھی۔

ادھر پاشا کہہ رہا تھا ''عینی!...... اگر میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں محبت کا جواب تمہاری محبت جیسا نہیں دے سکوں گا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم محبت کے قابل نہیں ہو۔ تم بہت اچھی ہو۔ میں چاہوں گا کہ جس طرح تم عروج کو ایک سہیلی کی بھرپور محبت دے رہی ہو۔ اسی طرح مجھے ایک دوست سمجھ کر محبت کرو۔ میں بھی تمہیں ایک دوست کی صرف محبت ہی نہیں، وفاداری بھی دوں گا۔''

''مجھے تمہاری صاف گوئی بہت متاثر کرتی ہے۔ اسی لیے میں تمہیں چاہتی ہوں اور ہمیشہ چاہتی رہوں گی لیکن عروج مجھے اور تمہیں ازدواجی زندگی میں منسلک کرنا چاہتی ہے۔''

''تم اس کی ضد نہ مانو۔ اس کی بات سے انکار کر دو۔''

''تم عروج کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنا چاہتے ہو اگر وہ تمہاری ضد نہ مانے تمہاری بات سے انکار کر دے تو......؟''

''محبت کرنے والے صلہ نہیں مانگتے۔ وہ میری محبت کا جواب محبت سے نہیں دے گی۔ تب بھی میں آخری سانس تک اسے ہی چاہتا رہوں گا۔''

''میں بھی تم سے محبت کا صلہ نہیں چاہوں گی۔ کوئی ضروری نہیں کہ تمام عمر چلتے رہنے والے کو منزل مل جائے۔ وہ منزل تک پہنچنے سے پہلے ہی اس دنیا سے اٹھ جاتا ہے۔ میں بھی اس دنیا سے نامراد ہی جاؤں گی۔''

''عروج کبھی ایسا نہیں چاہے گی۔ وہ تمہاری خاطر اپنی محبت کی قربانی دینا چاہتی ہے۔''

''میں بھی اس کی خاطر اپنی محبت کی قربانی دے سکتی ہوں اور دوں گی۔''

''عروج نے ایک ایسی بات کہی ہے جو قابلِ عمل نہیں ہے۔''

''اس نے ایسی کیا بات کہہ دی؟''

''وہ کہتی ہے میں تم سے محبت کرتے کرتے تمہارا لائف پارٹنر بن جاؤں اور میں ایک ہی شرط پر ایسا کر سکتا ہوں کہ جب وہ مجھے اپنی طرف سے بھرپور محبتیں دے گی اور محبتیں دیتے دیتے ایک دن میری لائف پارٹنر بن جائے گی۔''

''میں جانتی ہوں مجھے دنیا جہان کی خوشیاں دینے کی خاطر وہ کسی بھی حد سے گزر سکتی ہے۔ وہ میری خاطر تم سے کتراتی رہے گی اور ایک دن کہیں دور چلی جائے گی اور میں بھی اس کی خاطر تم سے بہت دور ہو جاؤں گی۔''

''اتنی بات تو سمجھ میں آ گئی ہے کہ تم دونوں ایک دوسرے سے عشق کرتی ہو اور عشق دیوانگی کا دوسرا نام ہے۔ اس دیوانگی میں تم دونوں ہی مجھ سے دور ہو جاؤ گی اور میں خالی ہاتھ رہ جاؤں گا۔''

''میں ایک بات کہتی ہوں کہ عروج ساری زندگی ہم دونوں کو چاہتی رہے گی اور میں بھی ساری زندگی تم دونوں کو چاہتی رہوں گی۔ تم کہو تمہاری محبت کا انداز کیا ہوگا؟''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا ''تم نے مجھے ایسے مقام پر پہنچا دیا ہے۔ جہاں بیک وقت تم دونوں سے مجھے ایک جیسی محبت کرنی ہوگی۔''

''جبراً محبت کرو گے تو وہ قابلِ قبول نہیں ہوگی۔ انصاف کرنا ہوگا۔''

''بے شک...... محبت زیادہ سے زیادہ کی جاتی ہے۔ کم نہیں کی جاتی۔ اس لیے میں کسی سے کم نہیں کروں گا۔''

فلک ناز زینے کی بلندی پر تاریکی میں چھپی ہوئی تھی۔ ان کی باتیں سنائی نہیں دے رہی تھیں اور اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ آخر وہ ٹیرس پر آ کر بولی ''ہائے بیٹی!...... تم یہاں کتنی دیر سے بیٹھی ہو۔ کھلے آسمان کے نیچے اتنی دیر تک نہیں رہنا چاہیے۔''

پاشا نے پوچھا ''آنٹی!...... کیا وقت ہوا ہے؟''

''دس بج چکے ہیں۔ تم دونوں اتنے پیار سے باتیں کر رہے ہو کہ تم دونوں کو وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چل رہا ہے۔''

پاشا نے کہا ''جی ہاں...... کچھ پتا ہی نہیں چلا۔ ہم یہاں دو گھنٹے سے بیٹھے ہوئے ہیں۔''

عینی نے کہا ''تو کیا ہوا؟ تمہیں صبح ڈیوٹی پر نہیں جانا

ہے۔"

وہ اس کے قریب جھک کر بولا "بزرگوں کا تو کچھ خیال کرو۔ ہمیں اتنی دیر تک یہاں تنہا نہیں بیٹھنا چاہیے۔ پلیز...... چلو......"

وہ دونوں وہاں سے اٹھ گئے۔ زینے سے اتر کر ڈرائنگ روم میں آئے۔ فلک ناز پیچھے پیچھے تھی۔ عینی نے پلٹ کر ناگواری سے کہا "پھوپی جان!...... آپ کو اپنے کمرے میں جا کر آرام کرنا چاہیے۔"

"ہاں...... ہاں بیٹی!...... میں جا رہی ہوں۔ تم پاشا کو باہر جا کر سی آف کرو۔ کوئی بات نہیں...... میں جا رہی ہوں۔"

وہ پلٹ کر آہستہ آہستہ جانے لگی۔ عینی پاشا کے ساتھ باہر چلی گئی تو وہ سیڑھیاں چڑھ کر تیزی سے ذیشان کے کمرے کی طرف آنے لگی۔ وہاں دروازے کے قریب اسما ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ فلک ناز نے کہا "اے بیٹی!...... تم یہاں کرسی پر بیٹھی ہوئی ہو، کیا ذیشان سے ناراض ہو کر باہر آ گئی ہو؟"

اسما نے ناگواری سے کہا "پھوپی جان!...... میں جانتی تھی کہ نہ آپ سکون سے رہیں گی اور نہ ہی ذیشان کو سکون سے رہنے دیں گی۔ جب پاشا یہاں سے جائے گا تو آپ پھر یہاں پر ان کی نیند خراب کرنے آ جائیں گی۔"

"ہائے ہائے بیٹی!...... یہ کیا کہہ رہی ہو؟ کیا میں دشمن ہوں جو اس کی نیند حرام کروں گی؟ یہ تو میری بھتیجی کی عزت کا سوال ہے۔ میں یہ بتانے آئی ہوں کہ پاشا یہاں سے جا چکا ہے اب اس کا پیچھا کرنا چاہیے۔"

"ذیشان آپ سے زیادہ جانتے ہیں۔ کہ کس مجرم کا پیچھا کب کرنا چاہیے اور کیسے کرنا چاہیے۔ پلیز...... آپ اپنے کمرے میں جا کر سو جائیں۔ میں بارہ بجے انہیں جگا دوں گی تو وہ اسپتال چلے جائیں گے۔ خدا کے لیے آپ انہیں دو گھنٹے تک تو سونے دیں۔"

وہ واپس جاتے ہوئے بولی "میری عینی کے ساتھ دھوکا ہو رہا ہے لیکن میں اسے دھوکا کھانے نہیں دوں گی۔ اسے پاشا کے فراڈ سے بچاؤں گی۔ ابھی تو جا رہی ہوں مگر جاگتی رہوں گی۔"

وہ وہاں سے چلی گئی۔ عینی نے باہر آ کر پاشا سے کہا "یہاں کے سیکورٹی گارڈز کو دیکھ رہے ہو۔ میرے باہر آتے ہی سب الرٹ ہو گئے ہیں۔ مجھ پر پابندیاں عائد کی گئی ہیں ورنہ میں کل تم سے باہر کہیں ملتی۔"

"یہ پابندیاں تمہاری بہتری کے لیے ہیں۔ تمہیں کچھ عرصے تک یہاں سے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔"

"میں تو نہیں نکلوں گی لیکن وعدہ کرو کل یہاں آ[ؤ] سے ملاقات کرو گے؟"

وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اس سے پہلے وہ بولی "پل[یز] انکار نہ کرنا۔ کیوں کہ کل عروج بھی میرے ساتھ رہے [گی] تم سر کے بل آؤ گے۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولا "یہ بات نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہاں روز روز آنا مناسب نہیں ہے۔ تمہ[ارے] بزرگ برا مان جائیں گے۔"

"میں اپنے بزرگوں سے نمٹ لوں گی۔ یہ بتاؤ کر[ب] آؤ گے؟ چلو میں ہی بتا دیتی ہوں۔ عروج کل بھی رات [کو] بجے ڈیوٹی پر جائے گی۔ اگر تم آج کی طرح شام چھ [بجے آؤ] گے تو اس سے زیادہ بات کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ لہٰ[ذا] تم چار بجے آؤ گے۔ بولو ہاں......!"

وہ ہنستے ہوئے بولا "تم تو جبراً قبول کرا رہی ہو۔"

"جبراً نہیں جناب!...... میں جانتی ہوں تم چار [بجے] ضرور آؤ گے۔ چونکہ انکار کی تو گنجائش ہی نہیں رہی ہے [اس لیے] تم اب جا سکتے ہو۔"

وہ ٹیکسی کی طرف پلٹنا چاہتا تھا۔ عینی نے مصافحے [کے] لیے ہاتھ بڑھایا۔ اس نے اس کے ہاتھ کو دیکھا پھر مسکر[ا کر] اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کے ہاتھ کو تھام لیا۔ وہ ہاتھ نرم و گرم اور نازک سا تھا۔ جیسے ننھی سی کبوتری ہاتھوں میں ہو۔

ان لمحات میں وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ اگر پا[شا کو] لاشعوری طور پر ٹٹولا جاتا اس کا نفسیاتی تجزیہ کیا جاتا تو یہ [بات] فوراً معلوم ہو جاتی کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی طر[ف] جھک رہا تھا۔ وہ شعوری طور پر اس بات کو کبھی تسلیم نہ کر[تا] البتہ یہ مان رہا تھا کہ وہ اسے دل و جان سے چاہتی ہے [اور] اپنے حصے کی محبت اپنی نرم و نازک ہتھیلی کے ذریعے پیش کر [رہی] ہے۔

عینی کو جیسے اعتماد تھا کہ وہ اس کی طرف مائل ہو یا [نہ ہو] لیکن وہ یہاں سے جانے کے بعد مصافحے کے درمیان [چھپی] ہوئی چھپی ہوئی لرزتی ہوئی ہتھیلی کو یاد ضرور کرے گا۔

پھر وہ کوری اور کنواری ہتھیلی اس کے ہاتھوں کے درمی[ان] سے آہستہ آہستہ نکل گئی۔ مصافحہ کا اختتام ہو گیا۔ وہ ٹیکسی [میں] بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا "شب بخیر۔"

وہ آہستہ آہستہ ڈرائیو کرتا ہوا بڑے مین گیٹ [سے] باہر ایک مخصوص رفتار سے ڈرائیونگ کرنے لگا۔ وہ دونو[ں] ہاتھوں سے اسٹیئرنگ کو تھامے ہوئے تھا لیکن ابھی تک یو[ں]

لگ رہا تھا جیسے اس کا ہاتھ اس کے دونوں ہاتھوں کے درمیان ہی ہو اور آہستہ آہستہ پھسلتے ہوئے جدا ہو رہا ہو۔ وہ ایک عاشق کی طرح نہیں سوچ رہا تھا لیکن بڑے پیار سے یہ مان رہا تھا کہ عینی بہت اچھی ہے۔ بے شک مجھے دل سے چاہتی ہے لیکن میرا دل ایک ہی ہے۔ یہ ایک ہی لڑکی کے لیے دھڑکتا رہے گا اور وہ لڑکی عروج اور صرف عروج ہے۔

اس کی زندگی میں بیک وقت دو لڑکیاں آئی تھیں اور حالات بتا رہے تھے کہ وہ گیند کی طرح دونوں کے درمیان کبھی ادھر کبھی ادھر لڑھکتا رہے گا۔ ان دونوں نے اسے ایسا الجھایا تھا کہ وہ ان سے تعلقات رکھنے کے دوسرے پہلو پر غور نہیں کر رہا تھا۔

اور وہ دوسرا پہلو یہ تھا کہ اس کے دشمن پیدا ہو رہے تھے۔ عینی کے بزرگ تو دشمنی کرنے ہی والے تھے لیکن سب سے خطرناک انتقامی کارروائی دردانہ کر رہی تھی۔ شہباز درانی نے اپنے ایک ماتحت کو حکم دیا تھا کہ وہ پاشا کی نگرانی کرے۔

شہباز یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ پاشا عینی کے گھر کیوں گیا ہے؟ کیا وہاں ذیشان سے ملاقات کر رہا ہے؟ کیا ذیشان کا آلۂ کار بن کر اس نے جواد کو اغوا کیا تھا؟ اور اسی نے جواد کو قتل کیا تھا؟

شہباز جہاندیدہ تھا۔ شطرنج کا کھلاڑی تھا۔ اس کی عقل یہ تسلیم نہیں کرتی تھی کہ ایک معمولی ٹیکسی ڈرائیور بڑے منظم طریقے سے اس کے آدمیوں کے ساتھ فائرنگ کرے گا اور جواد کو اغوا کر کے لے جائے گا اور اسے قتل بھی کر دے گا۔

وہ صرف دردانہ کی تسلی کے لیے پاشا کی نگرانی کروا رہا تھا۔ اس وقت اس کا ماتحت ٹیکسی سے کچھ فاصلہ رکھ کر تعاقب کر رہا تھا۔ موبائل فون کے ذریعے اسد عزیزی سے کہہ رہا تھا "میں اس کے حکم سے ٹیکسی ڈرائیور پاشا جانی کی نگرانی کر رہا ہوں۔ وہ تقریباً چار گھنٹے ذیشان کی کوٹھی میں رہا تھا۔ اس کے بعد اب کہیں جا رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ اس کی نگرانی جاری رکھو۔ کوئی خاص بات معلوم ہو تو مجھے فوراً اطلاع دو۔"

جس طرح شطرنج کی بساط پر مختلف خانے ہوتے ہیں۔ اسی طرح تقدیر کی بساط پر کئی آڑھی ترچھی لکیریں ہوتی ہیں اور دنیا میں پیدا ہونے والے ان لکیروں پر چلنے کے پابند ہوتے ہیں۔ نہ چاہتے ہوئے بھی انہیں چلنا پڑتا ہے۔

انسان عام طور پر یہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق چل رہا ہے۔ جیسے پاشا سمجھ رہا تھا کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق عروج سے ملنے جا رہا ہے۔ عروج اور عینی سمجھ رہی تھیں کہ وہ پاشا کو اپنی مرضی کے مطابق بیک وقت دونوں کی طرف مائل کر سکیں گی۔

شہباز درانی اپنی پلاننگ کے مطابق اس کی نگرانی کروا رہا تھا۔ یہ نہیں جانتا تھا کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے؟ ذیشان بارہ بجے کے بعد اسپتال جانے والا تھا۔ اس طرح شہباز کو یہ اطلاع ملنے والی تھی کہ پاشا جانی وہاں گیا تھا پھر اس کے دو گھنٹے کے بعد ذیشان وہاں گیا۔ آخر یہ معاملہ کیا ہے؟

پاشا چار گھنٹے ذیشان کی کوٹھی میں رہا اس سے با[ت] کرتا رہا پھر دو گھنٹے بعد وہ دونوں اسپتال میں کیا رہے ہیں؟

اس طرح میری (مقدر) ہیرا پھیری سے حالات نئی نئی کروٹیں بدلنے والے تھے۔

اور حالات کا رخ بدلنے کے لیے حشمت بھی لیڈی ڈاکٹر آرزو کے ساتھ گھر سے نکل پڑا تھا۔ یہ تمام افراد بیک وقت اپنے اپنے عمل سے ایک دوسرے کی تقدیر پر اثر انداز ہونے والے تھے۔ اسی کو مقدر کا کھیل کہا جاتا ہے۔

آرزو کار ڈرائیو کرتی ہوئی اسپتال کے احاطے میں پہنچ گئی۔ حشمت اس کی ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ پہلے تو اس نے سوچا تھا کہ آرزو کے بنگلے سے باہر نہیں نکلے گا۔ وہیں روپوش رہے گا لیکن اس کے سوچنے سے کیا ہوتا ہے۔ میں نے اسے چار دیواری سے باہر نکلنے پر مجبور کر دیا تھا اور وہ سمجھ رہا تھا کہ عینی سے انتقام لینے کے لیے وہاں پر آیا ہے۔

بے شک...... وہ انتقامی کارروائی کرے گا لیکن کس حد تک جس حد تک میں چاہوں گا۔ وہ کار کے اندر چھپا بیٹھا تھا۔ اس کی کوشش تھی کہ کوئی اسے دیکھنے نہ پائے۔ رات اندھیری تھی۔ اسپتال کے احاطے میں جابجا روشنی تھی۔ آرزو نے ایسی جگہ پر کار روکی، جہاں پر تاریکی تھی۔ اس نے کہا "پہلے میں اسپتال میں جا کر دیکھتی ہوں۔ عروج ڈیوٹی پر آئی ہے یا نہیں؟ اور اگر آئی ہے تو کس قدر مصروف ہے؟"

وہ بولا "تمہیں عروج نے پہلے کبھی نہیں دیکھا ہے۔ کوشش کرنا کہ اس وقت بھی اس کی نظر تم پر نہ پڑے اور تم اسے دیکھتی رہو۔ اس کی مصروفیات کا اندازہ کرتی رہو۔"

وہ دروازہ کھول کر باہر نکلتے ہوئے بولی "فکر نہ کرو۔ میں محتاط رہوں گی۔"

وہ دروازہ بند کر کے تیزی سے چلتی ہوئی اسپتال کی عمارت کی طرف جانے لگی۔ اس وقت رات کے دس بجنے والے تھے۔ عروج نے پاشا سے کہا تھا کہ وہ بارہ بجے سے پہلے نہ آئے۔ لہٰذا حشمت کے لیے یہ اندیشہ نہیں تھا کہ پہلے کی طرح پاشا اسے وہاں دیکھ لے گا۔

پھر ذیشان بھی وہاں بارہ بجے کے بعد ہی آنے والا تھا۔ یوں کہنا چاہیے کہ میں ابھی حشمت پر مہربان تھا۔ آرزو اسپتال میں آ گئی۔ رات کے وقت زیادہ بھیڑ نہیں ہوتی ہے۔ صرف ایمرجنسی وارڈ میں لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔

آرزو اسپتال کے مختلف حصوں سے گزرتی ہوئی اس کمرے کی طرف آ گئی۔ جس کے دروازے پر لیڈی ڈاکٹر عروج کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔ دروازہ بند تھا۔ باہر دو سپاہی کھڑے ہوئے تھے۔ اس نے کھڑکی کے پاس آ کر دیکھا تو اندر پولیس انسپکٹر بیٹھا ہوا تھا لیکن عروج وہاں نہیں تھی۔ اس کی سیٹ خالی تھی۔

اس نے ایک سپاہی سے پوچھا "کیا لیڈی ڈاکٹر عروج نہیں ہیں؟"

سپاہی نے کہا "وہ ایک زخمی کا آپریشن کر رہی ہیں۔"

آرزو اپنے تجربات سے سمجھ گئی کہ کوئی پولیس کیس ہے۔ اس نے انجان بن کر پوچھا "کیا کوئی پولیس کیس ہے؟"

"ہاں...... ایک شخص کو گولی ماردی گئی ہے۔ اس کے بدن سے گولی نکالی جا رہی ہے۔ آپ ڈاکٹر سے ملنا چاہتی ہیں تو ایک گھنٹے کے بعد آئیں۔ ابھی وہ آپریشن میں مصروف ہیں پھر اس کی رپورٹ لے کر ہمیں دیں گی۔ تب وہ آپ کو اٹینڈ کر سکیں گی۔"

"کوئی بات نہیں۔ میں ایک گھنٹے بعد آ جاؤں گی۔"

وہ وہاں سے واپسی پر سوچتی رہی تھی کہ یہ اچھا موقع ہے۔ وہ ایک آدھ گھنٹے تک بری طرح مصروف رہے گی۔ اس وقت تک ہم اپنا کام کر کے نکل جائیں گے۔

اس نے کار کے پاس آ کر کھڑکی پر جھک کر یہی بات حشمت سے کہی۔ تو اس نے کہا "پھر تو ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ میں ابھی تمہارے ساتھ اس کے کوارٹر تک چلتا ہوں۔"

وہ بولی "حشمت!...... ہمیں عروج کی طرف سے تو اطمینان ہو گیا ہے پھر بھی میرا دل ڈرتا ہے۔ یہاں کوئی تمہیں دیکھ نہ لے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ یہاں سے اس کا کوارٹر صرف پچاس قدم کے فاصلے پر ہے۔ ہمیں وہاں تک جانے کا اور پھر واپسی کا رسک لینا ہی پڑے گا اور یہ تم جانتی ہی ہو کہ نو رسک، نو گیم......"

وہ دروازہ کھول کر باہر آ گیا پھر وہ دونوں روشنی سے بچتے ہوئے تاریکی سے گزرتے ہوئے کوارٹر کے دروازے تک پہنچ گئے۔ اس نے جیب سے دو قسم کے تار نکالے پھر دروازے کے لاک کو کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔

ہر کام آسانی سے نہیں ہوتا۔ کچھ تو محنت کرنی ہوتی ہے۔ کچھ انتظار بھی کرنا ہوتا ہے۔ آرزو گھبرا رہی تھی۔ اِدھر اُدھر دور تک محتاط نظروں سے دیکھ رہی تھی پھر وہ آہستگی سے بولا "کھل گیا۔"

وہ دروازہ کھول کر فوراً ہی اندر آ گئے۔ اسے اندر سے بند کیا پھر ایک ٹارچ کی روشنی میں کوریڈور سے گزرتے ہوئے ایک کمرے میں آ گئے۔ یہ وہی کمرا تھا جہاں حشمت نے عینی سے پہلی بار انتقام لینے کی کوشش کی تھی۔ اس کے کپڑے پھاڑ ڈالے تھے۔ اس کی عزت سے کھیلنا چاہتا تھا لیکن ناکام رہا تھا۔ وہاں سے بری طرح زخمی ہو کر گیا تھا۔

وہ ٹارچ کی روشنی میں کمرے کی ایک ایک چیز کو دیکھنے لگے۔ حشمت کی معلومات کے مطابق عروج اپنے چھوٹے سے ہینڈ بیگ میں ضروری سامان رکھتی تھی اور اسی میں عینی کی دوائیں بھی رکھا کرتی تھی۔ وہ بیگ وہاں نظر نہیں آ رہا تھا۔

وہ اس کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے میں آ گئے۔ وہاں بیڈ پر روشنی ڈالتے ہی وہ بیگ تکیے کے پاس رکھا ہوا دکھائی دیا۔ وہ تیزی سے چلتے ہوئے اس کے قریب آ گئے۔

آرزو چین کھول کر اس کے اندر کی چیزیں دیکھنے لگی۔ اس میں عروج کی ضرورت کا کچھ سامان تھا، دو مختلف قسم کی آئی ڈراپس کی شیشیاں تھیں اور کچھ ٹیبلیٹس اور کیپسول تھے۔

حشمت نے سرگوشی میں کہا "یہی عینی کی دوائیں ہیں۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولی "ہاں...... میں سمجھ رہی ہوں۔"

اس نے اپنا بیگ کھول کر ایک چھوٹا سا ڈبہ نکالا۔ اس میں کسی دوا سے بھری ہوئی ایک سرنج رکھی ہوئی تھی۔ اس نے اس کا سیفٹی کیپ ہٹا کر آئی ڈراپس میں چند قطرے انجیکٹ کیے پھر اسے بند کرنے کے بعد دوسری شیشی میں بھی یہی کیا۔ ایسا کرتے وقت اس کا دل خوف سے دھڑک رہا تھا۔ وہ اپنے محبوب کی خاطر پہلی بار ایسی واردات کر رہی تھی۔

وہ جلدی سے فارغ ہو کر وہاں سے جانا چاہتی تھی۔ کام ایسا تھا کہ اسے کرتے وقت اس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔ حشمت نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "تمہیں خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ بات بگڑے گی تو میں بناؤں گا۔ تم پر کسی طرح کی کوئی آنچ نہیں آنے دوں گا۔"

اس نے کارروائی مکمل کرنے کے بعد وہ دونوں آئی ڈراپس عروج کے بیگ میں رکھے پھر اسے بند کرتے ہوئے کہا "فوراً یہاں سے چلو۔"

حشمت نے ٹارچ کی روشنی سرنج کے ڈبے پر ڈالتے

ہوئے کہا "گھبراہٹ میں اپنی چیزیں نہ بھول جانا...... اسے بیگ میں رکھو۔"

وہ اسے بیگ میں رکھنے کے بعد ٹارچ کی روشنی میں اس کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی وہاں سے پہلے کمرے میں آ گئی۔ حشمت نے کوریڈور میں جانے سے پہلے ٹارچ بجھا دی۔ وہ اس سے لپٹ کر بولی "اندھیرے میں ڈر لگتا ہے۔"

وہ اس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے بولا "باہر قدموں کی آواز سنائی دے رہی ہے۔"

وہ ایک دم سے گھبرا کر بولی "کیا عروج آ گئی ہے؟"

"خاموش رہو...... مجھے سننے دو۔"

وہ دونوں دھڑکتے ہوئے دل سے سننے لگے باہر چوکیدار تھا۔ وہ کوارٹروں کے سامنے سے گزرتے وقت اپنی لاٹھی کو پختہ فرش پر بجاتے ہوئے چلتا تھا۔ وہ دونوں دم سادھے کھڑے رہے پھر حشمت نے اس کے کان میں کہا "میرے پیچھے پیچھے آؤ۔ قدموں کی آواز ابھرنی نہیں چاہیے۔"

آرزو نے اسے پیچھے سے پکڑ لیا۔ وہ دونوں تاریکی میں سنبھلتے ہوئے کوریڈور سے گزر کر بیرونی دروازے تک آئے۔ حشمت سمجھ گیا تھا کہ باہر گلی میں چوکیدار اپنی ڈیوٹی انجام دے رہا ہے۔ لاٹھی بجنے کی آواز دور ہوتے ہوتے گم ہو گئی تھی۔ یعنی وہ ایک گلی سے دوسری گلی میں چلا گیا تھا۔

حشمت نے دروازے کو کھولا۔ آرزو باہر آ گئی۔ حشمت نے دروازے کے لاک کو اندر سے پنچ کر کے باہر آ کر اسے بند کیا تو وہ لاک ہو گیا پھر وہ تیزی سے چلتے ہوئے، محتاط نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے اپنی کار میں آ کر بیٹھ گئے۔ میں ان پر مہربان تھا۔ اس لیے انہیں کسی نے نہیں دیکھا۔

آرزو کار میں بیٹھنے کے بعد ذرا مطمئن ہو گئی تھی۔ وہ گاڑی کو اسٹارٹ کر کے آگے بڑھانے لگی۔ وہ اسپتال سے دور ہوتے جا رہے تھے۔ کوئی ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا تھا۔ میں بھی انہیں کسی طرح کی کوئی سزا نہیں دے سکتا تھا۔ اگر دیتا تو کیا فرق پڑتا......؟ وہ ابھی سفر کے دوران کسی حادثے کا شکار ہو سکتے تھے۔ کسی بڑی مصیبت میں گرفتار ہو سکتے تھے لیکن یہ سب کچھ ہونے کے باوجود وہ دوائیں نہیں بدل سکتی تھیں۔ جو عروج کے بیگ میں رکھی ہوئی تھیں۔

وہ بیگ بند کمرے کے اندر رکھا ہوا تھا۔ اس میں رکھی ہوئی دوائیں کل کسی وقت بھی عینی تک پہنچنے والی تھیں اور اس کی جان سے زیادہ عزیز سہیلی عروج اپنی دواؤں کو اس کی آنکھوں تک پہنچانے والی تھی۔

ایسی ہونی کو کون روک سکتا تھا؟ ہونی تو ہو کر رہتی ہے۔ لوحِ مقدر پر جو لکھا تھا، وہ مٹ نہیں سکتا تھا اور یہ کوئی نہیں جان سکتا تھا کہ لوحِ مقدر پر کیا لکھا ہے؟

میں جانتا ہوں۔
میں ایک بازی گر ہوں
ہاتھوں کی لکیروں پر
تمہارا ہم سفر ہوں
تمہارا دوست بھی ہوں
اور دشمن بھی ہوں
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں
تمہارے ساتھ ہی مر جاتا ہوں
مقدر ہوں...... میں مقدر ہوں
اک بازی گر ہوں......

جناب ایم اے راحت
کا ناقابلِ فراموش ناول

حساس دِل رکھنے والوں کیلئے حساس کہانی
مصنف نے اس ناول میں معاشرے کی
دُکھتی رگوں پر ہاتھ رکھا ہے۔

قیمت: ۸۰/ روپے

کمرے میں گہری تاریکی تھی۔ اس تاریکی میں وہ بیگ بیڈ کے سرہانے رکھا ہوا تھا۔ اس کے اندر آئی ڈراپس کی دو شیشیاں تھیں۔ وہ دونوں دوائیں عینی کے نام ہو چکی تھیں۔ کل کسی وقت ان میں سے کوئی ایک دوا اس کی آنکھوں میں ٹپکنے والی تھی اور قیامت برپا کرنے والی تھی۔

وہ بیگ دونوں سہیلیوں کے درمیان محبت کا ایک پل تھا۔ ایک سہیلی محبت کے اس پل سے دوا لے کر گزرتی تھی اور بڑی محبت سے دوسری سہیلی کا علاج کرتی تھی۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ آج وہ پل ٹوٹ جاتا۔ وہ بیگ کہیں گم ہو جاتا۔ ابھی کوئی چور آ کر رات کی تاریکی میں اسے چرا کر لے جاتا۔

کیا ہی اچھا ہوتا کہ جب عروج وہاں آتی اور اس بیگ کو اٹھاتی تو چند سیکنڈ کے لیے اس بیگ کو زبان مل جاتی اور وہ بتا دیتا کہ ارے او سہیلی......! تو سوکن بن رہی ہے۔ اس کے لیے دوا نہیں لے جا رہی ہے بددعا لے جا رہی ہے۔

لیکن وہ بیگ بے زبان تھا۔ بول نہیں سکتا تھا۔ ایک بھری ہوئی بندوق کی طرح بستر پر رکھا ہوا تھا۔ بندوق بھی بے جان ہوتی ہے لیکن انسانی انگلیاں اس کے اندر کی گولیاں چلاتی ہیں۔ عروج کی انگلیاں بھی اس کے اندر کی دوا نکال کر ٹپکانے والی تھیں۔

یہ اچھا ہی ہے کہ انسان کو اپنی بدنصیبی کا علم پہلے سے نہیں ہوتا۔ اگر معلوم ہو جائے کہ اس کی شامت آنے والی ہے تو شامت آنے سے پہلے ہی ہیبت سے اس کا دم نکل جائے۔! پھر وہ پہلے سے اپنے بچاؤ کی تدبیر کر لے۔ لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔ اِدھر تدبیر ہوتی رہتی ہے۔ اُدھر تقدیر اپنا کام کر جاتی ہے۔

عروج نے گھڑی دیکھی۔ رات کے بارہ بجنے والے تھے۔ گھڑی ٹک ٹک کر رہی تھی اور دل دھک دھک کر رہا تھا۔ وہ جانِ حیات آنے والا تھا۔ اس کے آنے سے پہلے اس نے ایک بہت ہی سیریس کیس کو اٹینڈ کیا تھا۔ زخمی کے جسم سے دو گولیاں نکالی تھیں۔ اس کے بچنے کی امید نہیں تھی لیکن اس نے اپنی ذہانت اور بھرپور صلاحیتوں سے اسے بچا لیا تھا۔

پولیس والے اس سے مکمل میڈیکل رپورٹ لے کر انتہائی نگہداشت والے کمرے میں چلے گئے تھے جہاں ایک دوسرا ڈاکٹر اس پر بھرپور توجہ دے رہا تھا۔

اسے آپریشن اور پولیس والوں کے جھمیلوں سے نجات مل گئی تھی اور وہ اب دھڑکتے دل سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ یہ معلوم تھا کہ وہ عینی کے ساتھ اچھا خاصا وقت گزارنے کے بعد اب اس سے ملنے آ رہا تھا۔ دل نے پوچھا "اس نے گھنٹوں عینی کے ساتھ بیٹھ کر کیا باتیں کی ہوں گی؟"

اب تک تو یہی دیکھنے میں آ رہا تھا کہ وہ عینی کا نہیں اس کا دیوانہ ہے۔ وہ اس کے اصرار پر عینی سے محبت جتا رہا ہے۔ ایک طرح سے وہ ہی پاشا کو مجبور کر رہی تھی اور اس سے جبراً محبت کروا رہی تھی۔ جبکہ محبت تو خود بخود دل سے ہوتی ہے۔ جبراً نہیں ہوتی۔

لیکن ایک تدبیر یہ بھی ہوتی ہے کہ اگر نہ چاہتے ہوئے بھی وہ دونوں ایک دوسرے سے ملتے رہیں۔ ایک دوسرے کے گفتار و رفتار سے اور شخصیت سے متاثر ہوتے رہیں تو یہ تاثر محبت کرنا سکھا دیتا ہے اور عروج کو یقین تھا کہ پاشا عینی سے بھی محبت کرنا سیکھ جائے گا۔

کاروباری دنیا میں اپنی پروڈکٹس کو زیادہ سے زیادہ فروخت کرنے کے لیے یہ اشتہار دیا جاتا ہے کہ اگر فلاں ٹوتھ پیسٹ خریدا جائے گا تو ساتھ ایک برش مفت ملے گا۔ اگر فلاں شیمپو خریدا جائے گا تو اس کے ساتھ ایک برش مفت ملے گا۔ فی الحال پاشا کے ساتھ بھی یہی ہو رہا تھا کہ وہ اگر عینی سے محبت کرے گا تو اسے عروج حاصل ہوگی۔

ہر انسان عروج حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ بھی چاہت میں یہی کر رہا تھا۔ فون کے بزر نے اسے چونکا دیا۔ وہ اپنا موبائل آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے بولی "ہیلو......عینی کیا یہ تم بول رہی ہو؟ یہ تو تمہارے بڑے ابو کا فون ہے؟"

"ہاں میں نے ان سے لے رکھا ہے۔ کل میں نیا فون خرید لوں گی۔"

"کیا وہ جا چکے ہیں؟"

عروج نے نام نہیں لیا لیکن عینی سمجھ گئی۔ پاشا ان کا مشترکہ محبوب تھا۔ اس لیے نام لینا ضروری نہیں تھا۔ وہ بولی "ہاں وہ یہاں سے دس بجے گئے ہیں۔ ان کے جاتے ہی میں نے تجھے فون کیا تو پتا چلا تیرا موبائل آف ہے پھر اسپتال فون کیا تو معلوم ہوا کہ تو کسی پیچیدہ آپریشن میں مصروف ہے۔"

"ہاں بڑا ہی تھکا دینے والا کیس تھا۔ خدا کا شکر ہے کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ اب میں سکون سے بیٹھی ہوئی ہوں۔"

"کیا وہ ابھی تک تیرے پاس نہیں آئے؟"

وہ اسے یہ بتانے سے جھجکنے لگی کہ وہ ابھی آنے والا ہے اس نے بات بنائی۔ "ابھی تک تو نہیں آئے۔ کیا انہوں نے یہاں آنے کے بارے میں کچھ کہا تھا؟"

"نہیں مجھ سے تو کچھ نہیں کہا۔ میں نے آدھے گھنٹے بعد فون کیا تھا تو پتا چلا کہ وہ اپنے گھر پہنچے ہوئے ہیں۔ بڑی

دیر تک فون پر باتیں ہوتی رہیں۔ کیا بتاؤں عروج! میں تو سمجھ رہی تھی وہ تیرے اصرار کرنے پر مجھ سے رسمی محبت کریں گے لیکن بہت دیر تک ان سے باتیں ہوتی رہیں۔ میں نے ان کی باتوں میں کوئی بناوٹ محسوس نہیں کی۔ وہ واقعی بہت سچے اور صاف گو ہیں اور بڑی اچھی اور دلچسپ باتیں کرتے ہیں۔ ان کی باتیں دل میں اترتی جاتی ہیں۔"

"تو خوش تو ہے ناں؟"

"بہت خوش ہوں۔ تو واقعی سہیلی ہونے کا حق ادا کر رہی ہے۔ ہمیں ایک دوسرے کے قریب کر کے ایک دوسرے کو اچھی طرح جاننے کا موقع دے رہی ہے۔"

"میری جان! ہم نے آج تک اپنی کسی ضرورت کی چیز کے لیے ایک دوسرے سے چھینا جھپٹی نہیں کی ہے۔ اگر ہمیں ایک روٹی ملی ہے تو ہم نے اسے آدھا کر کے کھایا ہے۔ ان کی محبت بھی آدھی تجھے اور آدھی مجھے ملے گی لیکن وہ آدھی محبت ہی ہمارے لیے مکمل ہوگی۔"

"عروج! بعض اوقات انسان ایسی انہونی بات سوچتا ہے جو بظاہر ممکن نہ ہو لیکن وہ پھر بھی ہو جاتی ہے۔ یہ بھی انہونی ہے کہ ہم دونوں ایک ہی محبوب سے محبت کر رہی ہیں۔"

عروج نے مسکرا کر پوچھا "یہ بتا آج صرف باتیں ہی ہوتی رہیں یا کوئی پیش قدمی بھی ہوئی؟"

عینی نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ پیش قدمی ہوئی تھی۔ پاشا کے رخصت ہوتے وقت اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا۔ گویا اس بہانے اس کا ہاتھ مانگا تھا اور اس نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں میں دے دیا تھا۔ یہ پیار کا ایسا جذباتی مطالبہ تھا۔ مطالبہ کرنے والی پہلے پیار کی ابتدا کسی کو نہیں بتاتی۔ اپنے دل ہی میں چھپائے رکھتی ہے۔

پھر اس کی یہ جذباتی کمزوری بھی سامنے آتی ہے کہ اس نے اپنے محبوب کو پہلے ترسایا نہیں تڑپایا نہیں اور فوراً ہی اس کا مطالبہ پورا کر دیا۔ لڑکیاں اپنی یہ جذباتی کمزوری کسی سہیلی کو بھی نہیں بتاتیں اور پھر عروج تو ایسی سہیلی تھی کہ جو پاشا کے ہر معاملے میں اس کی حصے دار تھی۔

وہ دونوں ایک جان ہونے کے باوجود دو الگ الگ لڑکیاں تھیں۔ ان دونوں کے اندر یہ تجسس پیدا ہوتا تھا کہ ان کا محبوب کس کے ساتھ کس طرح پیش آ رہا ہے؟ اس کی کچھ باتیں بتانے کی ہوں گی اور کچھ باتیں چھپانے کی ہوں گی۔

عروج نے پوچھا "تو چپ کیوں ہو گئی؟ میں نے پوچھا ہے کیا ان کی طرف سے کوئی پیش قدمی ہوئی ہے؟"

"ہاں میں یہی سوچ رہی تھی کہ انہوں نے کوئی ایسی بات کی ہے جسے میں سمجھوں کہ وہ بات آگے بڑھانا چاہتے ہیں لیکن انہوں نے ایسی کوئی خاص بات نہیں کی ہے۔ کرنا بھی نہیں چاہیے۔ آج پہلی ہی تو ملاقات تھی۔ رفتہ رفتہ بات آگے بڑھے گی۔"

دروازہ کھلا تو کھلے دروازے کی طرف دیکھتے ہی عروج کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ وہاں پاشا کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اس نے فون پر ہاتھ رکھ کر آہستگی سے کہا "عینی ہے تم ذرا خاموش رہنا۔"

ادھر سے عینی نے پوچھا "اب تو کیوں خاموش ہو گئی ہے؟ کیا کوئی آیا ہے؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی "ہاں ہاں ایمرجنسی وارڈ سے بلاوا آیا ہے۔ رات کو اکثر بڑے پیچیدہ کیس آتے ہیں۔ میں پھر تجھ سے بات کروں گی۔ ابھی جا رہی ہوں۔ شب بخیر۔"

اس نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔

وہ میز کے دوسری طرف اس کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ بولی "تم نے اسے یہ تو نہیں بتایا ہے کہ یہاں آ رہے ہو؟"

اس نے انکار میں سر ہلایا "نہیں یہ میرا اور تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔ اسے بتانا کوئی ضروری نہیں تھا۔"

"اس سے چھپانا بھی مناسب نہیں ہے۔ ہم ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں چھپاتیں۔ جب سے تم ہماری زندگی میں آئے ہو۔ میں اس سے جھوٹ بولنے لگی ہوں۔ باتیں چھپانے لگی ہوں۔ میری ایک چوری تمہاری وجہ سے پکڑی گئی ہے۔"

"کون سی چوری؟"

"میں اس سے یہ چھپا رہی تھی کہ تم میری طرف مائل ہو لیکن پچھلی رات تم نے فون پر اسے عروج سمجھ کر ساری باتیں اگل دیں اور اسے معلوم ہو گیا کہ تم اسے نہیں مجھے چاہتے ہو۔"

"سچ کبھی چھپا نہیں رہ سکتا۔ کبھی نہ کبھی ظاہر ہو ہی جاتا ہے۔"

"تو پھر تم نے اس سے یہ بات کیوں چھپائی کہ آج مجھ سے ملنے آ رہے ہو؟"

وہ ہاں کے انداز میں سر ہلا کر بولا "چھپانا ضروری نہیں تھا مگر میں تمہاری ہر بات عینی یا کسی سے بھی نہیں کرنا چاہتا۔ ہماری اپنی ایک رازداری اچھی لگتی ہے۔"

وہ اس بات سے اندر ہی اندر لہرا گئی۔ اس کا چاہنے والا صرف اسے اہمیت دے رہا تھا۔ باقی دنیا کی نفی کر رہا تھا۔ ایسے وقت وہ بھول گئی کہ محبوب کی نظروں میں اپنی قدر و قیمت

بڑھ رہی ہے لیکن سہیلی کا بھاؤ گر رہا ہے۔

کیا کیا جائے زندگی میں صرف ایک ہی چاہنے والا آتا ہے۔ دل کا مکان کرائے پر بھی نہیں دیا جاتا ہے۔ کیونکہ کرائے دار بدلتے رہتے ہیں۔ اس مکان کا تو صرف ایک ہی گاہک آتا ہے جو اسے خرید لیتا ہے۔ اس مکان میں رہ کر بولتا ہے۔ اس کے لیے ہنستا ہے۔ اسی کے لئے روتا جیتا اور مرتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو اور وہ ہرجائی ہو تو اپنے وجود کا سارا مکان بیچنے والی گھاٹے میں رہتی ہے۔

اور عروج اپنی سہیلی کی محبت میں گھاٹے کا سودا کر رہی تھی۔ ابھی ابتدا تھی۔ ابھی دھیرے دھیرے ابھرنے والے چور جذبے سمجھا رہے تھے کہ دنیا والوں سے اور خصوصاً اپنی سہیلی سے بھی بہت سے جذبوں کو چھپانا ہوگا اور چھپانے کے لیے جھوٹ بولنا ہوگا۔ اگر جھوٹ نہیں بولے گی۔ سہیلی کو فریب نہیں دے گی تو اپنے مرد سے رازدارانہ محبت کرنے کی فطری خواہش بھی پوری نہیں ہوگی۔

ٹھیک ان ہی لمحات میں عینی اپنے بیڈ پر کروٹیں بدل رہی تھی۔ بار بار اپنے اس ہی ہاتھ کو دیکھ رہی تھی۔ جو پاشا جانی کے ہاتھوں میں پہنچ گیا تھا۔ وہ ہاتھ اب تک اسے اپنی گرفت میں لیے ہوئے تھے اور یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اسے اسی طرح ہمیشہ گرفتار کیے رہیں گے۔

اس نے مسکرا کر اس ہاتھ کو دیکھا۔ اس ایک ہاتھ کی اہمیت بہت بڑھ گئی تھی۔ وہ دوسرے ہاتھ کی انگلیوں سے اسے چھونے لگی۔ اس ہتھیلی کی نزاکت و حرارت کو اور جاذبیت کو وہ اتنا نہیں سمجھ سکتی تھی۔ جتنا کہ اسے تھامنے والے نے سمجھا ہوگا۔ وہ شرما گئی۔ اس نے ہتھیلی کو شرماتے ہوئے اپنے چہرے پر رکھا۔

پھر کیا ہوا؟...... وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ جذبے کتنی دور تک بھٹکانے لگتے ہیں۔ وہ ہتھیلی چہرے پر آئی تو ایک دم سے یوں لگا جیسے پاشا کا چہرہ چہرے پر آ گیا ہو۔ اس نے فوراً ہی ہتھیلی کو ہٹا دیا۔ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ سینے پر یوں ہاتھ رکھا جیسے دھڑکنوں کو سمجھا رہی ہو کہ چپ ہو جاؤ۔ شور نہ مچاؤ۔ کوئی سن لے گا۔ یہ باتیں کسی کو بتانے کی نہیں ہوتیں۔ اسی لیے تو میں نے زندگی میں پہلی بار اپنی جان سے زیادہ عزیز سہیلی سے یہ بات چھپائی ہے۔

چھپانا پڑتا ہے۔ اسے پہلی بار یہ معلوم ہو رہا تھا کہ اپنے چاہنے والے کی کچھ باتیں دل میں چھپا کر رکھی جائیں اور تنہائی میں سر جھکا کر دل میں جھانک کر انہیں دیکھا جائے تو پھر تنہائی، تنہائی نہیں رہتی۔ وہ بڑھانے والا اچانک آ کر خلوت کو جلوت میں بول دیتا ہے۔ جیسے کہ ابھی وہ ہتھیلی کے بہانے چہرے پر چھا گیا تھا۔

اس کے دل میں خیال آیا کہ کیا اس نے عروج کا ہاتھ بھی اپنے ہاتھوں میں لیا ہوگا؟

ہاں جب وہ بہت پہلے سے ایک دوسرے سے مل رہے ہیں تو بات بہت آگے بڑھی ہوگی۔ لیکن عروج نے کبھی نہیں بتایا کہ پاشا نے اسے چھو لیا ہے۔ وہ تو اپنی اور پاشا کی محبت کو شروع سے ہی چھپا رہی ہے۔ اگر پاشا فون پر انجانے میں اسے عروج سمجھ کر حقیقت نہ اگل دیتا تو وہ آج بھی اس سے حقیقت چھپاتی رہتی۔

"لیکن مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ بلکہ محبت اور بڑھ گئی ہے۔ وہ میری خاطر اپنی محبت کی قربانی نہیں دینا چاہتی تھی۔ پاشا سے دور ہو جانا چاہتی تھی لیکن اب اس شرط پر پاشا کو اپنا رہی ہے کہ وہ مجھے بھی اپنا تا رہے گا۔

میں عروج کی بے لوث محبت سے انکار نہیں کروں گی لیکن یہ کیا ہو رہا ہے کہ پاشا کے آنے سے وہ مجھ سے جھوٹ بولنے لگی ہے اور آج میں بھی اس سے جھوٹ بول رہی تھی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے سچی ہیں لیکن ہمارے اندر جھوٹ رینگنے لگا ہے۔ کیا آئندہ بھی ایسا ہوگا؟

آئندہ کیا ہوگا۔ یہ اس کی کیا، کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آ سکتا تھا۔ بس انسان اندازے لگاتا ہے کہ آگے یہ ہونے والا ہے وہ ہونے والا ہے اور میں وہ کر رہا تھا جو ان کے ہاتھوں کی لکیریں کہہ رہی تھیں۔

ذیشان رات کے ایک بجے کار ڈرائیو کرتا ہوا اسپتال کے احاطے میں آیا پھر ایک جگہ کار روک کر پچھلی سیٹ پر بیٹھے سپاہی سے بولا "تم جاؤ اور دیکھو کہ وہاں پاشا ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو کس کے ساتھ ہے؟ اور کیا کر رہا ہے؟"

وہ "یس" سر کہتا ہوا دروازہ کھول کر کار سے باہر آیا۔ ذیشان نے پھر کہا "سنو......"

وہ کھڑکی کے سامنے آ کر بولا "یس سر؟"

"تم نے پاشا کو صرف ایک بار میرے سامنے دفتر میں دیکھا ہے۔ کیا اسے پہچان لو گے؟"

"یس سر! میں کسی کو ایک بار دیکھ کر ہمیشہ اس کا چہرہ یاد رکھتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، جاؤ میں یہاں انتظار کروں گا۔"

وہ وہاں سے اسپتال کی عمارت کی طرف جانے لگا۔ ذیشان اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا اور سوچتا رہا "پاشا جانی اب تک ایک سچا اور کھرا انسان ثابت ہوتا رہا ہے۔ یقین نہیں آ رہا ہے کہ وہ بیک وقت دو لڑکیوں کو محبت کا فریب دے رہا ہے۔ کچھ مجرمانہ ذہن رکھنے والے بہت گہرے ہوتے ہیں۔ اوپر سے فرشتے اور اندر سے شیطان ایسے زبردست بہروپیے ہوتے ہیں کہ ہم پولیس والے بھی دھوکا کھا جاتے ہیں۔ میں دیکھوں گا کہ اب تک ایک ٹیکسی ڈرائیور سے میں کس طرح دھوکا کھاتا رہا؟"

سپاہی اسپتال کے اندر آ کر وہاں کے مختلف حصوں سے گزرتا ہوا اس راہداری میں آیا۔ جہاں ڈاکٹروں کے الگ الگ کمرے تھے۔ اس نے پاشا کو ایک کمرے کے دروازے کے سامنے دیکھا۔ اس دروازے پر ڈاکٹر عروج کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔

سپاہی اس سے انجان بن کر آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے سامنے سے گزر گیا۔ پاشا دروازے پر کھڑا عروج کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ ایمرجنسی وارڈ کی طرف گئی ہوئی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ جلد ہی واپس آ جائے گی۔ اسے وہاں دیر ہو رہی تھی اور ذیشان کمرے میں بیٹھے بیٹھے اکتا گیا تھا۔ اس لیے باہر آ گیا تھا۔

اس راہداری میں اِکا دُکا افراد آتے جاتے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ سپاہی راہداری کے آخری سرے تک گیا پھر وہاں سے پلٹ کر واپس آنے لگا۔ واپسی میں اس نے عروج کو دیکھا۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی آ رہی تھی اور پاشا کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ اس کے قریب آ کر بولی "باہر کیوں آ گئے؟ اندر آرام سے بیٹھیے۔"

وہ بولا "تم تو ایسے گئیں کہ واپسی بھول گئیں۔"

وہ دروازہ کھول کر اس کے ساتھ اندر جاتے ہوئے بولی "سوری ایمرجنسی وارڈ میں ایک کے بعد دوسرا مریض آ گیا تھا۔ اس لیے دیر ہو گئی۔"

ان کے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ بند ہو گیا۔ سپاہی دروازے سے کچھ فاصلے پر کھڑا ان کی باتیں سن رہا تھا۔ دروازہ بند ہونے کے بعد وہ تیزی سے چلتا ہوا اسپتال کے باہر آیا۔ ذیشان نے اسے آتے دیکھا۔ وہ قریب آ کر بولا "سر! وہ لیڈی ڈاکٹر عروج کے کمرے میں ہے۔"

"ہوں......" اس نے اپنی رسٹ واچ دیکھی۔ ایک بج کر تیس منٹ ہوئے تھے۔ وہ سوچنے لگا "پھوپی جان نے کہا تھا کہ پاشا بارہ بجے عروج سے ملنے جائے گا۔ اس حساب سے وہ ڈیڑھ گھنٹے سے اس کے ساتھ ہے۔ وہ ڈیوٹی کے ساتھ ساتھ عشق بھی کر رہی ہے۔"

یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ نائٹ ڈیوٹی کرنے والے سب ہی ڈاکٹر آدھی رات کے بعد اسپتال میں نہیں ہوتے اپنے کوارٹر میں چلے جاتے ہیں۔ کوئی بہت ہی سیریس کیس ہوتا ہے تو انہیں ان کے کوارٹر سے بلوایا جاتا ہے۔ اس نے سوچا "جب عاشق ساتھ ہے تو پھر عروج کو بھی اپنے کوارٹر میں ہونا چاہیے تھا۔ کیا ان دونوں کی ملاقات اسپتال تک محدود رہے گی؟"

اس نے سپاہی سے پوچھا "کیا ڈاکٹر عروج مصروف ہے یا پاشا سے بات کر رہی ہے؟"

"سر! میں جب وہاں گیا تو پاشا اس کے کمرے کے باہر کھڑا ہوا تھا۔ اس کے انتظار میں۔ ڈاکٹر عروج نے ایمرجنسی وارڈ سے آ کر کہا کہ وہ کچھ زیادہ مصروف تھی بس اتنا ہی میں نے سنا۔ پھر وہ دونوں کمرے کے اندر چلے گئے پھر دروازہ بند ہو گیا تھا۔"

ذیشان سمجھ گیا کہ ایمرجنسی وارڈ میں مریض ہیں۔ اس لیے عروج مصروف ہے۔ اس نے سوچا "میں آج یہاں بیٹھ کر دیکھوں گا پاشا اس کے ساتھ کب تک رہے گا؟ کب یہاں سے جائے گا؟"

اس نے سپاہی سے کہا "گاڑی میں آ کر بیٹھ جاؤ ہمیں یہاں اچھا خاصا وقت گزارنا ہے۔"

وہ پچھلی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ عروج کے کمرے میں ایک وارڈ بوائے نے چائے پہنچائی تھی۔ وہ دونوں چائے پی رہے تھے۔ پاشا نے پوچھا "کیا تم ہر رات اسی طرح مصروف ہوتی ہو؟"

"ایمرجنسی وارڈ میں میرے اسسٹنٹ ڈاکٹر مریضوں کو دیکھ لیتے ہیں۔ راتوں کو اکثر ایسے مریض بھی آتے ہیں جن کی حالت بہت ہی نازک ہوتی ہے۔ ایسے مریضوں کو میں خود اٹینڈ کرتی ہوں۔ ورنہ اپنے کوارٹر میں آرام کرتی ہوں اور ضرورت پر مجھے بلوالیا جاتا ہے۔"

"پھر تو تمہیں کوارٹر میں چل کر آرام کرنا چاہیے۔"

اس نے ہچکچا کر پاشا کو دیکھا۔ وہ منہ سے کچھ نہ بولی لیکن دل میں یہ بات تھی کہ میں کوارٹر میں جاؤں گی تو پاشا بھی میرے ساتھ آئے گا اور میں اسے منع نہیں کر سکوں گی۔

وہ مسکرا کر بولی "تم میرے ساتھ ہو۔ اس لیے مجھے یہاں اچھا لگ رہا ہے۔"

"کوارٹر میں بھی اچھا لگے گا۔"

وہ اس سے نظریں چرانے لگی۔ وہ بولا "تم کہتی ہو۔ مجھے تم دونوں کو برابر کا پیار دینا چاہیے۔ جیسے میں تمہارے ساتھ وقت گزاروں۔ اسی طرح عینی کے ساتھ بھی گزاروں۔"

"بے شک تم میرے ساتھ جتنی دیر رہو گے اتنی دیر عینی کے ساتھ بھی رہنا ہوگا۔"

"ضرور رہوں گا لیکن آج جس طرح میں نے عینی کے ساتھ وقت گزارا ہے۔ اسی طرح سے تمہارے ساتھ بھی گزارنا چاہتا ہوں اور تم انکار نہیں کرو گی۔"

"یہاں ہم اس کمرے میں تنہا ہیں۔"

"لیکن کوٹھی میں عینی کے ساتھ جو تنہائی تھی وہاں مداخلت کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ یہاں کوئی نہ کوئی آ جاتا ہے۔"

وہ سر جھکا کر سوچنے لگی۔ اس نے پوچھا "کیا تمہیں مجھ پر بھروسا نہیں ہے؟"

وہ جلدی سے سر اٹھا کر بولی "نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔"

"جب ایسی کوئی بات نہیں ہے تو چلو اٹھو یہاں سے۔"

دل تو اس کا بھی یہی چاہ رہا تھا کہ کوئی مداخلت کرنے والا نہ ہو وہاں ذرا ذرا سی بات پر نرس یا وارڈ بوائے بلانے آ جاتے تھے۔ جب وہ اپنے کوارٹر میں چلی جاتی تھی تو پھر کوئی اسے ڈسٹرب نہیں کرتا تھا۔ بہت ہی ایمرجنسی کے وقت اسے بلوایا جاتا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بولی "تم آہستہ آہستہ کوارٹر کی طرف چلو۔ میں ابھی ایمرجنسی وارڈ سے آتی ہوں۔"

وہ دونوں کمرے سے باہر آئے۔ راہداری سے گزرتے ہوئے ایمرجنسی کے پاس پہنچے تو پاشا آگے بڑھ گیا۔ عروج نے ایک اسسٹنٹ ڈاکٹر کو بلا کر کہا "میں ذرا م آرام کرنے جا رہی ہوں۔ کوئی ایمرجنسی ہو تو مجھے بلوا لینا۔"

وہ بولا "یس ڈاکٹر! آپ آرام کریں۔ ہم یہاں سنبھال لیں گے۔"

ذیشان کار کی اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے پاشا کو اسپتال سے باہر آتے دیکھا تو سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد عروج بھی آ گئی پھر وہ دونوں وہاں سے کوارٹرز کی طرف جانے لگے جب وہ آگے بڑھتے ہوئے عمارت کے ایک طرف مڑ کر نظروں سے اوجھل ہو گئے تو وہ سپاہی سے بولا "تم یہاں بیٹھو۔ میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔"

وہ کار سے نکل کر کوارٹرز کی طرف جانے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا "یہ دونوں محبت کی حد سے آگے بڑھ چکے ہیں۔ اسی لیے عروج اس کے ساتھ کوارٹر میں جا رہی ہے۔ اگر ان کے تعلقات تہذیب کے دائرے میں ہوتے تو وہ ایک غیر مرد کے ساتھ شادی سے پہلے اپنے بند کوارٹر میں نہ جاتی۔"

گنہگار بند مکان کے بند کمرے میں ہوتے ہیں۔ اس لیے کوئی ان کے گناہ کا چشم دید گواہ نہیں ہوتا۔ لیکن جب ایک جوان عورت اور مرد بند کمرے میں پائے جاتے ہیں تو ان کا محاسبہ کیا جاتا ہے کہ ان کے درمیان کیا رشتہ ہے۔ کیا وہ میاں بیوی ہیں؟ کیا ان کا نکاح پڑھوایا گیا ہے؟ اگر نہیں تو وہ کس رشتے سے ایک بند کمرے میں تھے؟

یہ تو موٹی عقل سے بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ بند کمرے میں کیا کر رہے تھے؟

عروج نے دروازہ کھولا اور وہ دونوں اندر آ گئے۔ اندر گہری تاریکی تھی وہ بولی "یہاں ٹھہرو...... میں لائٹ آن کرتی ہوں۔"

اس نے سوئچ بورڈ کے پاس آ کر لائٹ آن کی تو تاریکی دور ہو گئی۔ وہ روشنی راہداری میں بھی آنے لگی۔ پاشا اس کے ساتھ کمرے میں آ گیا۔ وہ کمرے کو چاروں طرف سے دیکھ کر بولا "یہاں پہلے بھی آ چکا ہوں لیکن آج یہ گھر مجھے اپنا لگ رہا ہے کیونکہ تم میری اپنی بن چکی ہو۔"

وہ شوخی سے مسکرا کر بولی "میں نے تو ایسی کوئی بات نہیں کی۔ کیا بی بی سی کی نیوز سنا رہے ہو؟"

وہ اس کے قریب آ گیا۔ عروج ذرا پریشان ہو گئی۔ وہ اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا کر بولا "اپنا ہاتھ مجھے دو۔"

وہ ایک قدم پیچھے ہو کر بولی "نہیں ہمارے درمیان ایک حد مقرر ہونی چاہیے۔"

"میں اپنی حد میں رہوں گا لیکن تم نے کہا تھا کہ مجھے تم دونوں سہیلیوں سے برابر انصاف کرنا ہے۔ لہٰذا انصاف کرنے میں تم مجھ سے تعاون کرو۔"

"تم کس طرح کا تعاون چاہتے ہو؟"

"یہی کہ جو میں نے عینی کے ساتھ کیا ہے وہی تمہارے ساتھ بھی ہونے دوں۔"

وہ الجھ سی گئی۔ دل گھبرانے لگا۔ پتا نہیں اس نے عینی کے ساتھ کیا کیا ہے؟

"میں نے آج عینی کا ہاتھ پکڑا تھا۔ اس کا ہاتھ میرے دونوں ہاتھوں میں آ چکا ہے۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی "تم جھوٹ بول رہے ہو۔ جھوٹ بول کر میرا ہاتھ پکڑنا چاہتے ہو۔"

"تم جانتی ہو۔ میں جھوٹ نہیں بولتا۔ اگر تمہیں یقین نہیں آ رہا ہے تو ابھی فون کر کے عینی سے پوچھو۔ وہ بتائے گی کہ میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تھا یا نہیں؟"

"تمہارے آنے سے پہلے فون پر عینی سے بات ہوئی تھی اور میں نے پوچھا بھی تھا کہ تم صرف اس سے باتیں کرتے

یا آگے بھی بڑھے؟ اس نے صاف طور پر کہا کہ تم صرف [illegible] تک محدود رہے تھے۔"

"پھر تو اس نے اصل بات چھپائی ہے۔ یہ اس کی حیا کا [illegible]نا ہوگا۔ وہ نہیں بتانا چاہتی کہ پہلی بار ایک چاہنے والے [illegible] اس کے ہاتھ کو تھام لیا تھا۔"

"وہ مجھ سے کبھی کوئی بات نہیں چھپاتی ہے۔"

"تمہارا ابھی یہی دعویٰ تھا کہ تم اس سے کوئی بات نہیں [illegible]پاتی ہو لیکن میری محبت اور دیوانگی اس سے چھپاتی رہی [illegible]یں۔ بولو! کیا تم نے ایسا نہیں کیا تھا؟"

"میں مانتی ہوں کہ لڑکیاں اپنے چاہنے والے کی کچھ [illegible] اپنی سہیلیوں سے بھی چھپاتی ہیں لیکن فی الحال ہمارے [illegible] درمیان فاصلہ رہنا چاہیے۔"

وہ پلٹ کر دوسرے کمرے کی طرف جانے لگی۔ وہ اس [illegible] پیچھے چلتے ہوئے بولا "تم انکار کرو گی تو میں کل عینی کا ہاتھ [illegible] پکڑوں گا۔ وہ ہاتھ پیش کرے گی تو میں انکار کر دوں گا۔"

وہ دوسرے کمرے میں آ کر رک گئی۔ پریشان ہو کر پاشا [illegible] دیکھ کر بولی "دیکھو...... اس کے ساتھ ایسا سلوک نہ کرنا کہ [illegible] کا دل ٹوٹ جائے۔"

وہ بیڈ کے سرہانے آ گئی۔ وہاں تکیئے کے پاس اس کا [illegible] رکھا ہوا تھا اور اس بیگ میں آئی ڈراپس کی دو بوتلیں رکھی [illegible] تھیں۔ پاشا بولا "عینی نے اپنا ہاتھ خود میرے ہاتھوں میں [illegible] تو میں نے یہ سوچ کر اس کا ہاتھ تھام لیا کہ اس کے بعد مجھے [illegible] تمہارا ہاتھ ملے گا۔ تم مجھے انصاف کرنے دو گی، انکار نہیں کرو [illegible] گی۔ اپنا ہاتھ دو۔"

پاشا نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا وہ ایک قدم پیچھے [illegible] ہٹ کر بیگ کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگا کر بولی "پلیز...... ذرا ٹھہرو...... ضد نہ کرو۔"

وہ مسکرا کر بولا "تم نے بیگ کو اپنے سینے سے لگایا ہے [illegible] مجھ سے بچنے کے لیے ڈھال سامنے کر رہی ہو......"

وہ بیگ سہلاتے ہوئے بولی "ہاں... یہ میری سہیلی کی دوا ہے اور مجھے اس وقت ایسا لگ رہا ہے جیسے تم میری عینی کی امانت ہو۔ اگر میں نے اپنا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دیا تو عینی کی امانت میں خیانت کروں گی۔"

"یہ تم بے تکی باتیں کر رہی ہو۔ اپنی زبان سے پھر رہی [illegible]۔ میں تمہاری سہیلی کی امانت نہیں ہوں۔ پہلے تمہارا پیار [illegible]وں۔ یہ بات تو عینی کو کہنا چاہیے کہ میں تمہاری امانت ہوں [illegible] تمہاری اس سہیلی کو امانت میں خیانت نہیں کرنا چاہیے۔"

پاشا کا ہاتھ اس کی طرف بڑھا ہوا تھا اور وہ سمجھ رہی تھی کہ انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر وہ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں نہیں دے گی تو وہ دونوں سہیلیوں کے درمیان پیار کا توازن قائم رکھنے کے لیے خود ہی اس کا ہاتھ پکڑ لے گا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح باتیں بنا کر اس سے ذرا فاصلہ رکھے۔ ایسے ہی وقت کال بیل کی آواز سنائی دی۔ تو اس کی جان میں جان آئی۔ پاشا نے چونک کر پوچھا "یہ اس وقت کون آیا ہے؟"

"کون ہو سکتا ہے۔ اسپتال سے وارڈ بوائے آیا ہوگا۔ کوئی ایمرجنسی ہو گی۔"

وہ ناگواری سے بولا "کیا مصیبت ہے؟"

وہ بیگ کو تکیئے کے پاس رکھ کر پاشا سے کتراتی ہوئی کمرے سے باہر جانے لگی۔ وہ بھی پیچھے چلتا ہوا دوسرے کمرے میں آیا۔ کال بیل دوبارہ بجی۔ عروج کوریڈور کی طرف جاتے ہوئے بولی "ایک منٹ...... آ رہی ہوں۔"

وہ سمجھ رہی تھی کہ معمول کے مطابق وارڈ بوائے بلانے آیا ہے لیکن یہ ضروری تو نہیں کہ جو سوچا جائے وہی سامنے آ جائے۔ سامنے تو وہ آتا ہے جسے میں لاتا ہوں۔ میں ان لمحات میں ذیشان، پاشا جانی، عروج، عینی کا مرکزی مقدر بنا ہوا تھا۔ ایک مرکز پر کھڑے رہ کر کسی کو آگے اور کسی کو پیچھے دھکیلنا تھا۔ کسی کو گرانا کسی کو سنبھالنا تھا۔

عروج نے دروازہ کھولا تو اوپر کی سانس اوپر رہ گئی۔ چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی "آ...... آپ......؟"

وہ اسے نفرت سے دیکھ کر بولا "ہاں...... کیا مجھے دیکھ کر ہوش اڑ گئے ہیں؟"

"آں...... نن...... نہیں...... ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔"

"تو پھر میں اندر آؤں یا تم دونوں باہر آؤ گے۔"

وہ خاموشی سے سر جھکا کر ایک طرف ہٹ گئی۔ وہ اندر آ کر کوریڈور سے گزرتا ہوا کمرے کے دروازے پر پہنچا تو پاشا اسے دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ ذیشان نے کمرے کے اندر آتے ہوئے پوچھا "تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

وہ ہچکچا کر بولا "میں اسپتال میں عروج سے ملنے آیا تھا۔"

"اسپتال میں ملنے آئے تھے تو یہاں کیا کر رہے ہو؟"

عروج نے کمرے میں آ کر کہا "بھائی جان!"

ذیشان نے اس کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا "نو...... مجھے بھائی جان نہ کہنا۔ میں اس وقت صرف ایک پولیس والا

ہوں۔ قانون کا محافظ ہوں۔ مجرموں اور گنہگاروں کو رات کی تاریکی میں پکڑتا ہوں اور میں نے تم دونوں کو رنگے ہاتھوں پکڑا ہے۔"

وہ ایک دم چیخ کر بولی "بھائی جان!...... یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ آپ مجھے عینی کی طرح بہن مانتے ہیں اور ایسا شرمناک الزام بھی لگا رہے ہیں؟"

"تمہاری جیسی بے شرم لڑکی میری بہن نہیں ہوسکتی۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں مجھے بھائی جان نہ کہنا ورنہ بہت بری طرح پیش آؤں گا۔"

وہ ایک کرسی پر بیٹھ کر پاشا کو دیکھ کر بولا "اور تم!...... تم بہت ہی مکار اور چھٹے ہوئے بدمعاش ہو۔ میری معصوم بہن کو محبت کا فریب دے رہے ہو۔"

"آپ اس وقت میرے خلاف نازیبا الفاظ استعمال کر سکتے ہیں۔ گالیاں دے سکتے ہیں۔ مجھے گرفتار کر کے لے جا سکتے ہیں لیکن مجھے صفائی پیش کرنے کا حق ہے۔ یہ حق تو دے سکتے ہیں؟"

"پہلے تمہیں تھانے پہنچایا جائے گا۔ وہاں تم اپنی صفائی میں بیان دے سکو گے۔"

عروج ناگواری سے بولی "ایس پی صاحب!...... آپ کس جرم میں پاشا کو گرفتار کریں گے؟"

"تم نادان بچی نہیں ہو۔ یہ اچھی طرح سمجھ رہی ہو کہ تم دونوں نامحرم ہوتے ہوئے ایک بند مکان کے بند کمرے میں پکڑے گئے ہو۔"

"آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ پاشا میرے محسن ہیں یہ اس وقت ایک ضرورت کے تحت میرے پاس آئے ہیں۔ میرا فرض ہے کہ میں ان کی ضرورت پوری کرنے اور کام آنے کے لیے انہیں مکان کے اندر بلاؤں۔"

وہ ایک طرف سے دوسری طرف جاتے ہوئے بولی "جناب ایس پی صاحب!...... آپ اپنے اعلیٰ عہدے کے بل پر مجھ پر کیچڑ نہیں اچھال سکتے۔ میں بھی ایک معزز ڈاکٹر ہوں اور کوئی بھی مریض میرے پاس کسی بھی وقت آ سکتا ہے۔"

"تم بہت چالاک بننے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس کے باوجود میں تمہیں بدکاری کے الزام میں گرفتار کر سکتا ہوں۔"

وہ چیخ کر بولی "شٹ اپ!...... میں اب تک لحاظ کر رہی ہوں۔ کیونکہ تم میری عینی کے بڑے بھائی ہو۔"

وہ موبائل فون نکال کر اسے دکھا کر بولی "میں ابھی یہاں کے سینئر ڈاکٹر کو بلا کر بیان دوں گی کہ ایس پی جبراً میرے کوارٹر میں گھس آیا ہے اور ایک مجبور شخص ... سے مجھے بدنام کر رہا ہے۔ اس سے پہلے کہ یہ مجھے الزام دے ابھی فوراً میرا میڈیکل چیک اپ کروایا جا... ثابت ہو جائے کہ میں نے کوئی بدکاری نہیں کی ہے۔"

ذیشان سوچ میں پڑ گیا۔ سوچ یہ تھی کہ اس نے ... میں آنے کے سلسلے میں جلدی کی ہے۔ اگر کچھ وقت ... آتا تو وہ دونوں رات کی تنہائی میں حد سے آگے بڑ... اور گنہگار بن جاتے۔ تب میڈیکل رپورٹ سے ان... ہونا ثابت ہو جاتا لیکن اب ایسا نہیں ہوسکتا تھا۔

عروج فون پر نمبر ملا رہی تھی۔ وہ جلدی سے ا...

"رک جاؤ......"

وہ طنزیہ انداز میں بولی "کیا ہوا ایس پی صاح... آپ کو اپنی قانونی کمزوریاں سمجھ میں آ گئی ہیں؟"

"مجھے طعنے نہ دو۔ میں تمہیں الزام نہیں دوں گا... حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ تم دونوں مل کر میری بہ... دے رہے ہو۔"

"کیا آپ بہن کو دھوکا دینے کے الزام میں گرفت... گے؟ عینی نادان بچی نہیں ہے۔ آپ ابھی میرے سا... سے فون پر بات کریں۔ اس کے سامنے مجھے اور پاشا ... دیں پھر دیکھیں کہ وہ آپ کو کتنا سخت جواب دے گی۔"

"یہ میں جانتا ہوں بلکہ سب ہی جانتے ہیں ک... اسے اپنے سحر میں جکڑ رکھا ہے۔ تمہاری جتنی بھی ... جائے وہ کبھی نہیں مانے گی۔"

"جب وہ مانے گی کہ ہم اسے دھوکا دے رہے ... جب ہم نہیں مانیں گے کہ ہم دھوکے باز ہیں تو پھر آ... کریں گے؟ آپ کے دل میں ہتھکڑیاں پہنانے کی ... ہی رہ جائے گی۔"

وہ ذرا نرم ہو کر بولا "مجھے غلط نہ سمجھو۔ اگر تم دونو... ثابت ہوتے تب بھی میں تمہیں گرفتار نہ کرتا۔ یہ اچھ... جانتا ہوں کہ عینی تمہارے خلاف میری کوئی بھی ... کارروائی برداشت نہیں کرے گی۔ تمہاری توہین پر پا... جائے گی۔ میں یہاں یہ سوچ کر آیا ہوں کہ تمہارے ا... کے خلاف کچھ کرنا ہوگا تو سب سے پہلے عینی کو اطلاع دو... اسے تم دونوں کے فراڈ کے بارے میں بتاؤں گا۔"

"تو پھر دیر کیوں؟ آپ ابھی اسے بتائیں۔"

"وہ سو رہی ہوگی۔ میں صبح اسے سمجھاؤں گا اور ا... دونوں سے دور رہنے کا مشورہ بھی دوں گا۔"

"آپ اور آپ کا پورا خاندان اسے مشورے د... بھی وہ مجھ سے دور نہیں ہوگی۔ اب تو آپ میرے مخالف ... گئے ہیں۔ میرا وہاں آنا بھی برداشت نہیں کریں گے لیکن ... رک بھی نہیں سکیں گے۔ میں ابھی پاشا کو رخصت کرنے کے بعد وہاں آؤں گی۔ پلیز! آپ جائیں مجھے روکنے کی کوشش کریں۔"

وہ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا پھر سخت لہجے میں بولا "تم نہیں جانتیں جب ہم پولیس والے اپنے مقصد میں ناکام رہتے ہیں تو کس طرح چور دروازوں سے انتقامی کارروائی کرتے ہیں۔ عروج! تم بہت پچھتاؤ گی۔"

"جب میرا مقدر میرا ساتھ نہیں دے گا اور پچھتانا ہوگا تو پچھتاؤں گی۔ فی الحال آپ یہاں سے جائیں ورنہ"

اس نے موبائل فون کو گرفت میں لے کر اس کے سامنے کیا۔ اس نے عروج کی طرف دیکھا پھر وہاں سے پلٹ کر غصے سے پاؤں پٹختا ہوا کوارٹر سے باہر آ گیا۔ اس کی ایک غلطی نے عروج کے سامنے اسے کمزور کر دیا تھا۔ اگر وہ کچھ دیر ٹھہر کر کوارٹر میں آتا تو اس کے خیال کے مطابق وہ دونوں گنہگار ہو چکے ہوتے اور میڈیکل رپورٹ بھی ان کے خلاف ہی ہوتی۔ تب وہ بھرپور قانونی کارروائی کر سکتا تھا لیکن اس سے غلطی ہو گئی تھی۔ جس کے نتیجے میں عروج کا پلڑا بھاری ہو گیا تھا۔

ذیشان کے وہاں سے جاتے ہی عروج دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر رونے لگی۔ کہنے لگی "تمہارے پیار کی دیوانگی نے مجھے کس مقام پر پہنچا دیا ہے۔ تم یہاں نہ آتے تو مجھ پر بدکاری کا الزام کبھی نہ لگتا۔"

وہ قریب آ کر بولا "یہ کیا کہہ رہی ہو؟ خوامخواہ رو رہی ہو۔ ہم پر بدکاری کا الزام ثابت نہیں ہوا ہے۔"

"ہاں ثابت نہیں ہوا ہے لیکن ہم پر الزام تو لگایا گیا ہے۔ میں نے تمہیں اپنا ہاتھ بھی پکڑنے نہیں دیا پھر بھی اتنا بڑا الزام برداشت کر رہی ہوں۔ تم میری شرم و حیا کو نہیں سمجھو گے۔ مجھے تم سے منسوب کر کے بے حیا کہا گیا ہے۔"

"ہم مارنے والے کا ہاتھ پکڑ سکتے ہیں لیکن بدنام کرنے والے کی زبان نہیں پکڑ سکتے۔ ایک سر پھرے پولیس افسر کے الزام لگا دینے سے تم بدنام نہیں ہو جاؤ گی۔"

وہ دونوں ہاتھوں سے چہرے کو چھپائے روتی رہی۔ اس نے کہا "دیکھو! اس وقت میرا دل تمہاری طرف کھنچا جا رہا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ آگے بڑھ کر تمہارے آنسو پونچھوں لیکن میں اب تم کو چھو کر الزام لینا نہیں چاہتا اور نہ ہی تمہاری بدنامی چاہتا ہوں۔ پلیز اپنے آنسو پونچھ لو۔"

وہ آنچل سے آنسو صاف کرتے ہوئے کہنے لگی "کوئی اور وقت ہوتا تو میں تمہیں جانے کو نہ کہتی لیکن تم حالات کی نزاکت کو سمجھو اور فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔ ذیشان بھائی جیسے افسر بڑے بدزماغ ہوتے ہیں۔ ناکامی برداشت نہیں کرتے۔ وہ پھر پلٹ کر ہمارے خلاف کارروائی کر سکتے ہیں۔ تم انہیں موقع نہ دو۔"

"ٹھیک ہے۔ میں جا رہا ہوں گھر پہنچ کر ایک بار فون پر بات کروں گا۔ اس کے بعد ہم سو جائیں گے۔"

وہ شب بخیر کہہ کر وہاں سے چلا گیا۔ عروج دروازہ بند کر کے پھر اپنے بیڈ پر اوندھے منہ گر کر رونے لگی۔ اب سے پہلے کسی نے اس پر اتنا بڑا الزام نہیں لگایا تھا اور پھر جسے وہ دل و جان سے چاہتی تھی۔ اس کے سامنے اسے بدکار کہا گیا تھا۔ یہ بات اس کے دل کو بہت ہی صدمہ پہنچا رہی تھی۔

وہ بیگ اس کے سامنے رکھا ہوا تھا اور اپنی زبان بے زبانی سے کہہ رہا تھا کہ ابھی تم نے صدمات دیکھے ہی کہاں ہیں۔ ابھی میرے اندر کے بارود کو آگ اگلنا ہے۔ ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں۔

☆☆☆

رات کے تین بجنے والے تھے۔ فلک ناز کی آنکھوں کی نیند اڑی ہوئی تھی۔ وہ بے چینی سے ذیشان کا انتظار کر رہی تھی۔ کبھی اپنے بیڈ روم میں جاتی تھی کبھی ڈرائنگ روم میں آ کر ٹہلنے لگتی تھی۔ ایسے ہی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس وقت وہ کچن میں اپنے لیے چائے بنا رہی تھی۔ وہ چائے کو چھوڑ کر تیزی سے چلتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آئی تو فون کی گھنٹی بج کر خاموش ہو چکی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ اس کوٹھی کے کسی کمرے میں ریسیور اٹھایا گیا ہے۔

اس فون کا کنکشن دوسرے کمروں میں بھی تھا۔ فلک ناز نے ریسیور کو آہستہ سے اٹھا کر کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے اسما کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ ذیشان سے کہہ رہی تھی "ہاں...... میں جاگ رہی ہوں۔ آپ تو جانتے ہیں جب تک آپ آ نہیں جاتے میں جاگتی ہی رہتی ہوں۔ یہ بتائیں کب تک آ رہے ہیں؟"

"بس ابھی آنے ہی والا ہوں۔"

فلک ناز نے کہا "بیٹے!...... میں بھی یہ کال سن رہی ہوں۔ مجھے بتاؤ میں نے عروج اور پاشا پر جو الزام لگایا ہے وہ درست ہے یا نہیں؟"

"ہاں پھوپی جان! آپ نے صحیح کہا تھا۔ میں ابھی آ کر بات کروں گا۔"

''بس بیٹے!...... تم نے میرا کلیجہ ٹھنڈا کر دیا۔ میری عزت رہ گئی کہ میں جھوٹی نہیں ہوں۔''

ذیشان بولا''اسما! تم ایسا کرو۔ ڈیڈی کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ میں آرہا ہوں اور کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

فلک ناز نے خوش ہو کر کہا''آج تو یقیناً ضروری باتیں ہوں گی اور ہم سب کے درمیان ہوں گی۔ میں ابھی جا کر بھائی جان کو جگاتی ہوں۔''

وہ بولا''ایک بات کا خیال رکھیں۔ عینی کو نیند سے جگایا نہ جائے۔ ابھی اسے یہ معلوم نہ ہو کہ ہم کیا باتیں کرنے والے ہیں۔''

''اسے بالکل معلوم نہیں ہوگا۔ وہ ابھی گہری نیند سو رہی ہوگی۔ صبح تک سوتی رہے گی۔''

رابطہ ختم ہو گیا۔ فلک ناز جیسے ہواؤں میں اڑنے لگی۔ خوشی سے پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی فلک آفتاب کے بیڈروم کے دروازے پر پہنچی پھر دستک دینے لگی۔ دوسری دستک پر بیگم آفتاب کی آواز سنائی دی۔ وہ بے زاری سے کہہ رہی تھی''اتنی رات کو کون آیا ہے؟ توبہ ہے چین سے سونا بھی نصیب نہیں ہوتا۔''

وہ بولی''بھابی جان!...... میں ہوں ناز...... دروازہ کھولیں۔ بھائی جان سے بات کرنا ہے۔''

''ایسی کیا قیامت آگئی ہے جو اتنی رات کو ہمیں جگا رہی ہو؟''

''آپ کے بڑے صاحب زادے ذیشان کا فون آیا ہے۔ وہ ابھی یہاں پہنچنے والا ہے اور آپ لوگوں سے بہت ضروری باتیں کرنا چاہتا ہے۔''

فلک آفتاب کی آنکھ کھل گئی تھی۔ وہ یہ باتیں سن رہا تھا۔ اٹھ کر بیٹھ گیا پھر گھڑی کی طرف دیکھ کر حیرانی سے بولا''اوہ رات کے تین بجے ایسی کیا بات ہے کہ ہمارا بیٹا ہمیں نیند سے جگا رہا ہے؟''

وہ فوراً ہی بیڈ سے اتر کر دروازے کے پاس آیا پھر اسے کھول کر ناز کو دیکھ کر بولا''کیا بات ہے ناز!...... خیریت تو ہے؟''

وہ خوشی سے بولی''بالکل خیریت ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ ہمارے فائدے کی ہی باتیں ہیں۔''

بیگم آفتاب نے قریب آ کر پوچھا''آخر بات کیا ہے کچھ معلوم تو ہو؟''

''پاشا نے ہماری نیندیں اڑا دی تھیں۔ یہاں داماد بننے آیا تھا۔ اب اس کا پول کھل گیا ہے۔ وہ پکا فراڈ ہے۔''

آفتاب نے کہا''یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا؟''

''آپ کے صاحبزادے ذیشان اس کے خ انکوائری کرنے گئے تھے اور اس کے بارے میں بہ معلوم کر کے آرہے ہیں۔ بس آنے ہی والے ہیں۔ ڈرائنگ روم میں چلنا چاہیے۔''

فلک آفتاب اور بیگم آفتاب نے پاشا کے فراڈ ہو بات سنی تو اطمینان کی سانس لی۔ وہ اپنے گھر اور عینی کی ز سے پاشا کے قدم اکھاڑنا چاہتے تھے۔ ان کی یہ آرزو پو رہی تھی۔ ان کا بیٹا ذیشان شاید ثبوت کے ساتھ پا اصلیت معلوم کر چکا تھا۔

وہ سب بڑے جذبے سے چلتے ہوئے ڈرائنگ رو آئے۔ ملازم کو جگا کر حکم دیا گیا کہ گرما گرم چائے بنا چائے تیار ہونے تک ذیشان بھی وہاں آگیا۔ اسما ڈرائنگ روم میں آگئی تھی۔ وہ سب ذیشان کو سوالیہ نظ سے دیکھنے لگے۔ وہ تھکے ہوئے انداز میں ایک صوفے گیا۔ اسما بولی''چائے آرہی ہے۔ کیا آپ پانی پیئ گے۔''

اس نے اثبات میں سر کو ہلایا۔ وہ پانی لانے کے جا رہی تھی کہ ملازم چائے کے ساتھ پانی بھی لے آیا نے گلاس اس کی طرف بڑھایا۔ وہ ایک گھونٹ پی ''اب اس میں کوئی شبہ نہیں رہا کہ ہماری عینی بہ بدنصیب ہے۔''

یہ کہہ کر وہ پھر پانی پینے لگا۔ سب اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ آدھا گلاس پینے کے بعد بولا''وہ دولت مند ہے لیکن پیار کے معاملے میں بالکل کنگال کوئی اس سے سچی محبت نہیں کرتا ہے۔ سب اسے دھوکا دیتے رہتے ہیں۔''

بیگم آفتاب بولی''بیٹے!...... ایسی باتیں نہ کرو۔ اس پر قربان ہوتے رہتے ہیں۔''

فلک ناز بھی کچھ کہنا چاہتی تھی۔ وہ ہاتھ اٹھا کر بولا''آپ بھی عینی سے محبت کا دعویٰ کریں گی؟ ڈیڈی بھی چاہیں گے؟ لیکن میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ اسے صرف اپنی بہو بنانے کے لیے خوشامدانہ محبتیں کی جاتی ہیں آپ صرف بزرگوں کی حیثیت سے اس سے محبت کر اپنی بزرگانہ سنجیدگی برقرار رکھتے تو وہ اپنی ضدی اور خو ہوتی۔ وہ آپ کی محبتوں کے پیچھے چھپی ہوئی خودغرضی ک طرح جانتی ہے۔ اسی لیے آپ لوگوں کی کوئی بات نہیں

ہی ایسا احترام کرتی ہے جیسا اسے کرنا چاہیے۔''

آفتاب بولا''آخر کچھ بتاؤ تو سہی۔ ناز کہہ رہی تھی۔ تم کو فراڈ ثابت کرنے والے ہو۔ جب کہ تم آتے ہی ہمیں یدھی باتیں سنا رہے ہو؟''

وہ بولا''پھوپی جان نے مجھے اور اسما کو بتایا تھا کہ پاشا سے محبت نہیں کر رہا ہے۔ بلکہ عروج کے ساتھ مل کر اسے ادے رہا ہے۔ میں اسی لیے اسپتال گیا تھا یہ ثابت ہو چکا کہ یہ الزام درست ہے۔''

فلک ناز نے بڑے ناز سے تن کر کہا''میں کبھی جھوٹ بولتی۔ کسی پر غلط الزام نہیں لگاتی۔ آخر میری سچائی ثابت ی۔''

وہ بولا''پھوپی جان کی یہ بات بھی درست ثابت ہو گئی عروج اور پاشا کا گٹھ جوڑ ہے۔ وہ دونوں مل کر عینی کو بے ن بنا رہے ہیں۔ وہ نادان ہے۔ ان کے فریب میں آگئی ۔ اگر میں اپنے ساتھ عینی کو اسپتال لے جاتا اور اسے وہ نا دکھاتا کہ پاشا اس سے ملنے کے بعد عروج سے ملتا ہے۔ می رات کو اسپتال جاتا ہے اور وہ دونوں وہاں کوارٹر میں ت گزارتے ہیں تو...... ؟''

بیگم آفتاب نے اپنے گالوں پر ہاتھ مار کر کہا''ہائے توبہ یہ تو کھلی بے شرمی ہے۔''

آفتاب بولا''بیٹے!...... یہ تو سراسر گناہ ہے۔ تم پاشا کو تار کر سکتے تھے؟''

''صرف پاشا کو نہیں عروج کو بھی گرفتار کیا ہوتا۔ کیونکہ ی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ وہ دونوں برابر کے گنہگار لیکن میں اگر عروج کو گرفتار کرتا تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ عینی یسے ہنگامے برپا کرتی۔ عروج نے اسے بری طرح سحر زدہ کر ا ہے۔ وہ کبھی یقین نہیں کرے گی کہ اس کی سہیلی پاشا کے اتھ مل کر اسے بہت بڑا فریب دے رہی ہے۔''

''تم ان دونوں کو گرفتار کر لیتے تو ثبوت مل جاتا۔ اس کی یلی کا فراڈ کھل جاتا۔ پاشا جانی کی اصلیت بھی اس کے امنے آجاتی اور اسے یقین ہو جاتا کہ ہم کس طرح اس کی تری کے لیے اس کے دشمنوں کو بے نقاب کرتے رہتے ں۔''

ذیشان بولا''میں آپ لوگوں کو تفصیل سے نہیں بتا سکتا۔ رف اتنا بتا رہا ہوں کہ عروج بہت ہی چالاک ہے۔ اس نے نے اور پاشا کے بچاؤ کا راستہ نکال لیا تھا۔ اس لیے نہ تو میں نہیں گرفتار کر سکتا تھا اور نہ ہی ان کے خلاف کوئی ثبوت حاصل کر سکتا تھا۔''

''تو پھر ہمیں حاصل کیا ہوا بیٹے؟ تم نے آج رات اتنی دوڑ بھاگ کی۔ انہیں رنگے ہاتھوں پکڑا۔ ان کی اصلیت معلوم کی لیکن اب ان کے خلاف ثبوت مل بھی گیا تو ہم عینی کو کیسے یقین دلائیں گے؟''

''ڈیڈی ہم عروج پر بھروسا کرتے تھے۔ اسے جان دینے والی سہیلی سمجھتے تھے تو یہ کیا کم ہے کہ اس کا اصلی چہرہ ہمارے سامنے آگیا ہے اور وہ پاشا جو اس گھر کا داماد بننا چاہتا تھا اب نہیں بن سکے گا۔ ہم آنکھوں دیکھی مکھی نہیں نگلیں گے۔''

بیگم آفتاب نے کہا''اب تو میں اس مکار لڑکی کو اپنے گھر میں گھسنے نہیں دوں گی۔''

ذیشان بولا''تو پھر عینی اس گھر سے نکل جائے گی۔ پچھلی بار بھی اسے عروج سے ملنے کو روکا گیا تھا تو اس نے کتنے لرزہ دینے والے ردعمل کا اظہار کیا تھا۔ یہ بات ذہن سے نکال دیں کہ آپ عروج کو یہاں آنے سے روک سکیں گی۔ اس نے آج مجھے چیلنج کیا ہے کہ اسے عینی سے ملنے سے کوئی نہیں روک سکے گا اور وہ اپنی ڈیوٹی پوری کر کے یہاں آنے والی ہے۔''

فلک ناز، بیگم آفتاب اور فلک آفتاب ایک دوسرے کو بے بسی سے دیکھنے لگے۔ اسما بولی''عروج کتنی اچھی لڑکی تھی۔ اس نے ہم سب کے دل جیت لیے تھے۔ تعجب ہے اچانک کیسے بدل گئی؟ اب وہ آئے گی تو ہمارے ذہن پر بوجھ بنی رہے گی۔''

فلک آفتاب بولا''بیٹا اس پورے میں گھر عینی سب سے زیادہ تمہاری عزت کرتی ہے اور تمہاری ہر بات مانتی ہے۔ تم ہی اسے کسی طرح اپنے قابو میں کرو اور عروج کا طلسم توڑنے کی کوشش کرو۔''

''وہ اسما کی بات بھی مانتی ہے۔ میں اور اسما اس کو سمجھائیں گے۔ کل کسی وقت اس کے سامنے عروج اور پاشا کا محاسبہ کریں گے۔ ان سے سچ اگلوانے کی کوشش کریں گے۔ مجھے امید ہے اچھی اور سچی باتیں عینی کی سمجھ میں آئیں گی اور اس کی آنکھیں کھل جائیں گی۔''

فلک آفتاب بولا''اگر دیوار مضبوط ہے اور ہم اسے گرا نہیں سکتے تو کم از کم اسے اینٹ اینٹ کر کے توڑ تو سکتے ہیں۔ اس طرح سے ایک دن پوری دیوار گر جائے گی۔ اسی طرح ہم عروج کی ایک ایک کمزوری اور خامی کو عینی کے سامنے لاتے رہیں گے تو اس کا طلسم ٹوٹتا رہے گا اور ایک دن وہ عینی کی نظر میں بالکل صفر ہو کر رہ جائے گی۔''

ذیشان ایک گہری سانس لے کر بولا''کچھ تو کرنا ہی ہو

گا۔ میں نے بڑے بڑے مجرموں کے چھکے چھڑا دیے ہیں یہ عروج اور پاشا کیا چیز ہیں؟ عینی کی طرف سے کچھ پریشانی ہو گی لیکن میں اس سے بھی نمٹ لوں گا۔"

☆☆☆

گل خانم رات دیر تک کروٹیں بدلتی رہی تھی۔ یاور خان سے فون پر باتیں ہوتی رہی تھیں۔ اگر پی سی او بند نہ ہوتا تو وہ صبح تک اس سے بات کرتا رہتا۔ یہ دیوانگی صرف یاور خان کی نہیں تھی۔ اس کی اپنی بھی تھی۔ وہ نامحرم ہو چکا تھا۔ اس سے مل نہیں سکتی تھی لیکن دل مچل مچل کر کہتا تھا "اس کی باتیں تو سن سکتی ہے؟"

رات کے تین بجے بڑی مشکل سے آنکھ لگی۔ وہ گہری نیند میں ڈوبتی چلی گئی۔ ایسے ہی وقت وہ رات کی تاریکی میں احاطے کی پچھلی دیوار پھلانگ کر اندر آیا لان سے چھپ چھپ کر گزرتا ہوا کوٹھی کے پچھلے دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔

وہ جانتا تھا کہ اگلے حصے میں باڈی گارڈز ہیں اور ان میں سے ایک گارڈ کبھی کبھی کوٹھی کے پچھلے حصے کا بھی چکر لگاتا تھا۔ وہ گارڈ وہاں سے چکر لگا کر اگلے حصے کی طرف چلا گیا تھا تو فوراً ہی یاور خان دیوار کود کر اندر آیا اور کوٹھی کے اندر پہنچ گیا تھا۔

گل خانم اپنے شاہانہ طرز کے بیڈ روم میں سو رہی تھی۔ وہ دروازہ کھول کر اندر آیا اور اسے بڑے پیار سے دیکھنے لگا۔ یہ وہی خواب گاہ تھی جہاں وہ کسی روک ٹوک کے بغیر اس کے پاس چلا آتا تھا اور وہ اسے اپنی بانہوں میں بلا لیتی تھی لیکن اب وہ ایک چور کی طرح چھپ کر وہاں آیا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا بیڈ کے قریب آیا۔ اس کے قدموں کے پاس کھڑا ہو گیا۔ بڑی حسرت اور محبت سے اسے دیکھنے لگا۔ وہی حسن و شباب تھا جو اسے بے اختیار اپنی طرف کھینچتا رہتا تھا۔ آج اس پر پابندیاں تھیں کہ وہ اسے چھونا تو دور کی بات ہے۔ دور سے دیکھ بھی نہیں سکتا تھا۔

جب پابندیاں عائد کی جاتی ہیں تو دیوانے پابندیوں کو توڑ دیتے ہیں۔ دیواریں کھڑی کی جاتی ہیں تو دیواریں پھلانگ کر آ جاتے ہیں اور وہ بھی اسی طرح چلا آیا تھا۔

اس نے ہولے سے آواز دی "گل خانم!"

آواز اس کے کانوں تک نہیں پہنچی۔ اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر اس کے پاؤں کو چھو لیا۔ پاؤں کی انگلیاں تلوے، ایڑھی، ٹخنے سب ہی کہہ رہے تھے کہ ہم کل بھی تمہارے تھے اور آج بھی تمہارے ہیں اور ہمیشہ تمہارے رہیں گے۔

اس کی انگلیاں اس کے پیروں کی چکناہٹ پر پھسل رہی تھیں۔ اس نے جھک کر وہاں اپنے ہونٹ رکھ دیے۔ ... سے گزر جائیں تو دیوانے قدم بوسی تک پہنچ جاتے ہیں۔

"ہائے گل! تیرے قدموں کی حرارت کہہ رہی ... تجھے کھو دینے کے بعد پا لینے کی کتنی شدت پیدا ہو گئی ہے۔ ... تو زمین تھی میں جھک کر تجھے چھو لیا کرتا تھا۔ اب آسمان ... ہے میں ہاتھ اٹھاتا ہوں تو ہاتھ نہیں آتی ہے۔"

وہ ہونٹ پیاسے تھے اور وہ بہتی ندیا تھی۔ وہ اس ند... لہر لہر پر اپنے ہونٹ رکھ رہا تھا۔ لہر لہرا آگے بڑھ رہا تھا ... بڑھتے بڑھتے چہرے تک پہنچ گیا پھر سانس لینے رک... سانسوں کی حرارت نے گل کے اندر بے چینی پیدا کی۔ و... میں کسمسائی پھر اس نے آنکھیں کھول دیں۔

نگاہوں کے سامنے اسے دیکھ کر پہلے حیران ہوئی پھر ... سے یاور! کہہ کر اس سے لپٹ گئی۔ کچھ نیند کا خمار تھا۔ ... لینے کی شدت تھی۔ وہ کچھ خواب خواب سا لگ رہا تھا اور ... وہ بھول گئی کہ نامحرم ہے۔ شجرِ ممنوعہ ہے۔ اسے اس شج... سائے سے بھی دور رہنا ہے۔

وہ دور نہ رہ سکی۔ سایہ خود آ کر اس پر چھا گیا تھا۔ ہوس غالب آتی ہے تو پھر کوئی اچھی بات سمجھ میں نہیں آ... نہ ہی یاد آتا ہے کہ کیا گناہ ہے کیا ثواب ہے؟

اور اگر گناہ ہے تو کیا اسی دنیا میں اس کی سزا ملے گی ... اچانک ہی منظر بدل گیا۔ پولیس والے آ گئے اور رنگے ہاتھوں پکڑ لیا گیا۔ انہیں سزا سنائی گئی کہ ان گنہگار ... پہلے کوڑے مارے جائیں پھر سنگسار کیا جائے۔ گل زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی اور دیکھ رہی تھی کہ اس کے کو...... باندھ دیا گیا ہے اور ایک ظالم اس پر کوڑ... رہا ہے۔ وہ گنہگار دیوانہ عاشق تکلیف کی شدت سے ... ہے۔

گل خانم ایک دم سے چیخ مار کر اٹھ بیٹھی۔ پھٹی ... آنکھوں سے خلا میں تکنے لگی۔ خواب گاہ میں زیرو بلب ... ہلکی روشنی تھی۔ اس نے دھڑکتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھ کر گہری سانس لی اور کہا "خدا کا شکر ہے۔ یہ خواب تھا۔"

اس نے دروازے کو دیکھا۔ اس کی چٹخنی اندر ... ہوئی تھی۔ باہر سے کوئی آ نہیں سکتا تھا پھر بھلا یاور ا... جاتا؟ وہ سچ مچ ایک خواب تھا۔

وہ بیڈ سے اتر کے ہلکے ہلکے چلتے ہوئے چھوٹے فریج کے پاس آئی۔ اسے کھول کر پانی کی ٹھنڈی بوتل اور اسے منہ سے لگا کر پینے لگی۔ سلگتے بدن میں ٹھنڈک لگی۔

...پنے کے بعد اس نے سوچا "ایسے کس طرح زندگی ... گی؟ ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہے گا کہ یاور دیوانہ اور ... کسی وقت بھی دیوانے کی طرح گھر میں گھس آئے گا ... روک نہیں سکے گی۔ اس زبردست کے آگے زیر ... جائے گی۔"

... اپنے آپ پر خود ہی اعتماد نہیں تھا۔ وہ بڑی کمزوری ... تھی کہ وہ جب کبھی تنہائی میں آئے گا تو اس کی ... سے پگھل جائے گی۔ دینی احکامات بھی یاد نہیں رہیں ... گمراہی لازم ہو جائے گی پھر گنہگاروں کا جو انجام ہوتا ہے ... خواب میں دیکھ چکی تھی۔

وہ بوجھل قدموں سے چلتی ہوئی بیڈ کے سرے پر آئی پھر ... ہو کر گر پڑی۔ چھت کی طرف تکتے ہوئے سوچنے لگی ... میرے لیے ضروری ہے۔ بہت ضروری ہے۔ اگر وہ ... زندگی میں پھر سے نہ آیا تو غضب ہو جائے گا۔ یا تو مجھ ... گناہ سرزد ہو جائے گا یا پھر میں اپنی جان دے دوں گی۔"

"ہم دونوں پھر ایک ہو سکتے ہیں۔ ہماری شادی ہو سکتی ... لیکن......؟"

لیکن کے بعد اسے اپنے اور یاور خان کے درمیان ایک ... نظر آتا تھا۔ اس پل کو عبور کر کے ہی وہ اپنے سابقہ شوہر تک ... سکتی تھی۔ اس پل کے سرے پر ایک اجنبی شخص کھڑا ہوا ... وہ اسے تھام کر بازوؤں میں اٹھا کر پل کے اس پار پہنچا ... تھا اور اسے یہ منظور نہیں تھا کہ اس کے بدن کو ہاتھ لگانے ... کوئی دوسرا شخص اس کی زندگی میں آئے۔

وہ زیر لب بڑبڑانے لگی۔ "یا خدا!...... میں کیا کروں؟ ... جاؤں؟ ایسا کون سا راستہ ہے جس پر چل کر میں اپنے ... تک پہنچ سکتی ہوں؟"

ایسا کوئی راستہ نہیں تھا۔ بس ایک پل تھا اور اسے اس پل ... سے گزرنا تھا۔ اس نے شرم سے آنکھیں بند کر لیں۔ سوچنے ... "کیا مجھے ایسا کرنا ہو گا؟ نہیں...... نہیں...... کل میں کسی ... دین سے رابطہ کروں گی۔ معلوم کروں گی کہ کیا یاور تک ... کا کوئی دوسرا راستہ مل سکتا ہے؟"

اس نے تکیے کو کھینچ کر اپنے سینے سے لگا کر بھینچ لیا پھر ... آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے بعد کبھی سوچتی رہی۔ کبھی سوتی ... مجھے اس سے ہمدردی تھی۔ وہ حالات کی دلدل میں ... رہی تھی اور میں چپ چاپ دیکھ رہا تھا۔ وقت کا انتظار کر ... تھا۔ جب وہ مجبور ہوتی تب ہی کوئی مناسب فیصلہ کر سکتی ...

☆☆☆

گھر کے تمام افراد جاگ رہے تھے۔ عینی کا مسئلہ اتنا پیچیدہ ہو گیا تھا کہ کسی کو نیند نہیں آ سکتی تھی۔ وہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد چائے پر چائے پی رہے تھے اور اس الجھے ہوئے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے اور زیادہ الجھ رہے تھے۔

باہر گاڑی کی آواز سنائی دی۔ فلک ناز نے کہا "شاید وہ آ گئی ہے۔"

وہ سب ذرا سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ گاڑی کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی پھر تھوڑی دیر کے بعد کوٹھی کا بیرونی دروازہ کھلا۔ وہ ہاتھ میں اپنا بیگ لیے کھڑی ہوئی تھی اور ان سب کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر کہا "السلام علیکم......"

کسی نے جواب نہیں دیا۔ صرف اسما نے کہا "وعلیکم السلام۔"

اس نے مسکرا کر ان سب کو دیکھا پھر زینے کی طرف جانے لگی۔ آفتاب نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا "رک جاؤ......"

وہ زینے کے ایک پائیدان پر پہنچ کر رک گئی۔ پلٹ کر بولی "فرمایئے......!"

"عینی ابھی سو رہی ہے۔ بہتر ہے اسے ڈسٹرب نہ کرو۔ ابھی دوسرے کمرے میں جا کر سو جاؤ۔"

"آپ جانتے ہیں کہ میں صرف عینی کی سہیلی ہی نہیں، اس کی ڈاکٹر بھی ہوں۔ میں بہتر جانتی ہوں کہ مریضہ کو ابھی جگانا چاہیے یا نہیں؟ ویسے میری کوشش ہو گی کہ میں خاموشی سے جا کر اس کے پاس سو جاؤں۔"

ذیشان بولا "تم اس کی ڈاکٹر نہیں ہو۔ ایک آئی اسپشلسٹ اس کا علاج کر رہا ہے۔"

"بے شک وہ اس کا معائنہ کرتا ہے۔ دوائیں تجویز کرتا ہے۔ اس کے بعد میں ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے اس کی نگرانی کرتی ہوں۔"

اس نے اپنے ہینڈ بیگ کو اوپر کر کے دکھایا پھر کہا "اس بیگ میں اس کی دوائیں ہیں وہ کبھی کوئی دوا نہ اپنے ہاتھ سے کھاتی ہے نہ آئی ڈراپس ڈالتی ہے اور نہ ہی دواؤں کو کہیں ٹھکانے سے رکھتی ہے۔ اِدھر اُدھر پھینک دیتی ہے۔ یا گم کر دیتی ہے۔ اس بچی کی دیکھ بھال کوئی بزرگ نہیں کرتا۔ میں ہی کرتی ہوں۔"

بیگم آفتاب بولی "طعنے کیا دے رہی ہو؟ ہم نے ہی اسے پال پوس کر جوان کیا ہے۔ تم نے تو اماں جان بن کر اس کی پرورش نہیں کی ہے؟"

"میں اماں جان نہیں ہوں لیکن اس کی ماں سے بڑھ کر

ہوں۔''

اسما بولی ''عروج!...... بزرگوں سے بحث نہ کرو۔ یہ کیا ضروری ہے کہ تم ابھی اس کے کمرے میں جاؤ؟ کل تو ملنا ہے۔''

''سوری کل کبھی نہیں آتا اور جب آتا ہے تو آج بن جاتا ہے۔''

وہ سیڑھیاں چڑھتی ہوئی عینی کے کمرے کی طرف چلی گئی۔ آفتاب نے اپنے بیٹے ذیشان کو دیکھتے ہوئے کہا ''ہم کل صبح عینی کو اپنے طور پر سمجھانے والے تھے لیکن یہ تو ابھی جا کر اسے جگائے گی اور پتا نہیں کیا الٹی سیدھی باتیں سمجھائے گی۔''

بیگم آفتاب بولی ''وہ ہمارے خلاف ایسا زہر اگلے گی کہ عینی ہمیں دیکھنا بھی گوارا نہیں کرے گی۔ دشمن بن جائے گی ہماری۔''

وہ بولا ''ممی!...... ہمیں زیادہ پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ جا کر آرام سے سو جانا چاہیے۔ صبح جو ہوگا دیکھا جائے گا، چلو اسما!''

وہ اسما کے ساتھ زینے کی طرف جانے لگا۔ ناز نے آگے بڑھ کر اسما سے کہا ''بیٹی!...... ذرا وہاں سے گزرتے وقت دیکھنا عینی کے کمرے کی لائٹ جل رہی ہے یا نہیں؟ اور عینی سو رہی ہے یا بیدار ہو گئی ہے؟''

ذیشان زینے پر رک کر بولا ''پھوپی جان! پلیز آپ جائیں اور آرام سے سو جائیں۔''

وہ اسما کے ساتھ اوپر آیا پھر عینی کے کمرے کی طرف دیکھ کر اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ عینی کے کمرے میں روشنی تھی۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی تھی کہ وہ بیدار ہو گئی ہے۔ وہ تو نیند میں بھی عروج کی آہٹ سن لیتی تھی پھر بھلا بیدار کیسے نہ ہوتی۔ عروج نے پوچھا ''تو جاگ رہی ہے؟''

''مجھے معلوم تھا ڈیوٹی آف ہوتے ہی تو یہاں آئے گی۔ اس لیے کبھی سو رہی تھی۔ کبھی جاگ رہی تھی۔''

وہ اپنے بیگ کی دوائیں نکال کر سرہانے والی میز پر رکھ کر بولی ''ڈاکٹر نے کچھ دوائیں تبدیل کی ہیں۔ کل سے تو انہیں استعمال کرے گی۔''

''آتے ہی ڈاکٹر نہ بن۔ یہ بتا جلدی کیسے آ گئی؟ تیری ڈیوٹی تو پانچ بجے تک تھی؟''

''ہاں بات ہی کچھ ایسی تھی کہ میں نے تین بجے چھٹی لے لی۔ تجھ سے بہت سی باتیں کرنی تھیں۔''

''ڈیوٹی سے تھک کر آئی ہے اور باتیں کرنا چاہتی ہے۔ کیا بہت ضروری باتیں ہیں؟''

''ہاں ضروری ہیں۔ اسی لیے تو جلدی آئی ہوں۔''

''پھر تو میرے اندر بے چینی پیدا ہو رہی ہے۔ بتا وہ باتیں کیا ہیں؟''

''ہم دونوں کی زندگی میں پاشا بہت اہم ہو... جب بھی کوئی بات چلے گی تو اس کے حوالے سے ہی ہو...''

''اب تو تمہید باندھے گی پھر اصل بات کی طرف... گی۔ تو ڈی پوائنٹ بات کر۔''

''پہلی بات تو یہ ہے بلکہ پہلا سوال یہ ہے کہ کیا... دونوں کو برابر کی محبت دے گا؟''

''یہ تو پاشا کی دیانتداری پر ہے۔ ویسے م... طرح جانتی ہوں کہ وہ تجھے زیادہ چاہتا ہے۔ تجھے زیا... دے گا۔''

''یہی باتیں تیرے دل میں خلش پیدا کریں گ... پاشا کی کوئی بات مجھ سے چھپائے گی تو میرے دل م... پیدا ہو گی۔ ہمیں ایسا راستہ اختیار کرنا چاہیے کہ ہم... دوسرے سے بدگمانی نہ ہو۔ پاشا ہم دونوں کے معا... دیانتدار ہو یا نہ ہو۔ ہمیں ایک دوسرے سے دیانت... چاہیے اور ایک دوسرے سے کبھی کوئی بات نہیں... چاہیے۔''

''بالکل درست کہہ رہی ہے۔ ہمیں یہ طے کر لین... کہ پاشا کے تعلق سے ہم کبھی کوئی ایسی بات نہیں چھپا... جس سے بعد میں بدگمانی پیدا ہو۔''

''لیکن ہم دونوں نے آج یہ غلطی کی ہے۔''

عینی نے چونک کر پوچھا ''میں نے کیا غلطی کی ہے؟''

''میں نے فون پر پوچھا کہ پاشا سے صرف با... ہوتی رہی یا کچھ آگے بھی بڑھے؟ تو، تو نے مجھ سے جو... کہ صرف باتوں تک ہی محدود رہے جبکہ اس نے تیرا ہا... تھا۔''

عینی نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔ ''سوری عروج... میں یہ بات کہتے ہوئے جھجک رہی تھی، شرما رہی تھی۔... جب تو یہاں آئے گی تو تنہائی میں تجھ سے لپٹ کر... بتاؤں گی۔''

عروج اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی ''کو... نہیں...... میں نے بھی تجھ سے ایک بات چھپائی تھی۔''

عینی نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بولی... نے مجھ سے کہا تھا یہاں بزرگوں کی وجہ سے کھل کر با... ہو سکیں۔ لہٰذا وہ آج رات بارہ بجے مجھ سے ملنے اسپتال

ا۔''

''تو کیا وہ آیا تھا؟''

''ہاں آیا تھا لیکن مجھے یہ بات چھپانی نہیں چاہیے تھی۔ مجھے بتا دیتی تو اچھا ہوتا۔''

''چل کوئی بات نہیں مجھ سے غلطی ہوئی تو مجھے معاف کر دے۔ میں تجھے معاف کر دیتی ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ ہنسنے لگی۔ عروج سنجیدگی سے بولی ''بات بہت آگے بڑھ گئی ہے۔ تیرے بھائی جان نے پاشا کا پیچھا کیا تھا۔ ہاں ہم دونوں کو پہلے اسپتال پھر کوارٹر میں دیکھ لیا۔''

''تو اتنی پریشان کیوں ہے؟ اگر انہوں نے دیکھ لیا ہے تو پریشانی کی کیا بات ہے؟''

''وہ ایک پولیس والے بن کر آئے تھے اور انہوں نے یہ الزام لگایا کہ ہم بند کوارٹر میں گنہگار بن رہے تھے۔''

عینی نے چونک کر اسے دیکھا ''اوہ گاڈ...... ! بھائی جان نے تجھ سے اتنی بڑی بات کہہ دی؟''

''جب مجھ جیسی جوان لڑکی اور پاشا جیسا جوان مرد تنہا بند مکان کے ایک کمرے میں ہوں تو ساری دنیا ہی طرح طرح کے الزامات لگائے گی۔ تیرے بھائی کو ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔ جبکہ میں اپنی صفائی کے طور پر بہت کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن وہ پولیس والے بن گئے تھے اور ہمیں گرفتار کرنا چاہتے تھے۔''

''تعجب ہے...... یہ بھائی جان کو کیا ہو گیا تھا؟''

''پہلے تو یہ بتا کہ تو یہ سمجھتی ہے کہ میں گنہگار ہوں؟''

''ہرگز نہیں...... میں ایسا کبھی سوچ بھی نہیں سکتی۔''

''یہ بات ہی میں نے تیرے بھائی جان سے کہی پھر چیلنج کیا کہ ابھی میرا میڈیکل چیک اپ کروایا جائے اس سے یہ ثابت ہوگا کہ میں پاک دامن ہوں یا نہیں؟''

''یہ تو نے اچھا کیا کہ میڈیکل چیک اپ والی بات کہہ دی پھر کیا ہوا؟''

''ہونا کیا تھا۔ میرا یہ چیلنج سن کر تیرے بھائی ٹھنڈے پڑ گئے۔ پتا نہیں وہ کیوں دشمن بن کر آئے تھے؟ میں نے بھی دشمن بن کر کہہ دیا کہ میرے کوارٹر سے وہ فوراً چلے جائیں۔ ورنہ میں الٹا ان پر الزام لگا دوں گی کہ وہ کسی وارنٹ کے بغیر میرے کوارٹر میں گھس آئے تھے اور مجھے پریشان کر رہے تھے۔''

وہ حیرانی سے بولی ''میرے خدا!...... کیا بھائی جان سے ایسی سخت کلامی ہوئی ہے؟''

''کیوں نہ ہوتی؟ جس زبان سے وہ مجھے بہن کہتے تھے۔ اسی زبان سے پاشا کے سامنے انہوں نے بدکار کہا ہے۔ یقین کر مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے میرے بدن سے سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو۔ پاشا کے سامنے مجھے اتنی شرم آ رہی تھی کہ میں اس سے نظریں نہیں ملا سکتی تھی۔''

''بے شک یہ شرم سے ڈوب مرنے والی بات تھی جسے تو دل و جان سے چاہتی ہے اس کے سامنے تجھے بدکار کہا گیا۔ میں بھائی جان سے لڑائی کروں گی۔''

''تو لڑ یا نہ لڑ۔ لیکن میں نے صاف طور پر کہہ دیا ہے کہ آج سے میں انہیں کبھی بھائی نہیں کہوں گی۔ اگر وہ پولیس والے ہیں تو میں بھی ایک معزز لیڈی ڈاکٹر ہوں۔ دیکھتی ہوں وہ میرا کیا بگاڑ لیں گے۔''

''عروج! غصہ تھوک دے۔ میں پوچھوں گی۔ انہوں نے تیرے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا تھا؟ جسے بہن کہتے ہیں اس پر اتنا شرمناک الزام کیوں لگایا تھا؟''

''وہ سمجھتے ہیں کہ میں پاشا سے مل کر تیرے ساتھ فراڈ کر رہی ہوں۔ ایک طرف چوری چھپے پاشا سے محبت کا چکر چلا رہی ہوں اور دوسری طرف تجھے اس کے فریب میں مبتلا کر رہی ہوں۔''

''میں کیا نادان بچی ہوں جو تو فریب دے گی اور میں آسانی سے فریب میں آ جاؤں گی؟ ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔ بھائی جان کو یہ معلوم کیسے ہوا کہ پاشا آج رات بارہ بجے تجھ سے ملنے جائیں گے؟''

''وہ پولیس والے ہیں۔ شبہ کرنا تو ان کی گھٹی میں پڑا ہے۔ انہوں نے پاشا کا پیچھا کیا ہوگا۔ اس طرح ہماری خفیہ ملاقات ان کی نظروں میں آ گئی۔''

وہ دونوں سر جھکا کر سوچنے لگیں پھر عینی نے کہا ''اب یہ بات سمجھ میں آ رہی ہے کہ بھائی جان کا تعاقب کرنا ہمارے حق میں اچھا نہیں ہوا۔ سب ہی یہ سوال کریں گے کہ جب وہ مجھے چاہتا ہے تو آدھی رات کے بعد تجھ سے کیوں ملتا ہے؟''

''تیرے بھائی جان آج کوارٹر میں آ کر یہی سوال کر رہے تھے کہ پاشا کس رشتے سے میرے پاس آیا ہے؟ میں نے کہا کہ وہ میرا محسن ہے کسی وقت بھی ملاقات کرنے آ سکتا ہے پھر یہ کہ میں ایک ڈاکٹر ہوں۔ یہ ایک مریض کی حیثیت سے میرے پاس آ سکتا ہے۔ اس پر تو کوئی گرفت نہیں ہو سکتی۔ اسی بات سے تو تمہارے بھائی بری طرح بھنا گئے ہیں اور چیلنج کے طور پر یہ کہا ہے کہ جب پولیس والے اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتے تو پھر انتقامی کارروائی کے لیے چور راستے اختیار کرتے ہیں۔''

''بھائی جان تو بالکل ہی پولیس والے بن گئے ہیں۔ ن

الحال ہمیں یہ سوچنا ہے کہ ہم اپنے بزرگوں کے سوال کا جواب کیا دیں گے؟"

"تو فکر کیوں کرتی ہے؟ میں نے جواب دے دیا ہے۔ کہہ دیا ہے وہ ایک محسن کی حیثیت سے مجھ سے ملتا ہے اور پھر وہ تجھے چاہتا ہے تجھ سے آئندہ رشتہ ہونے والا ہے۔ اس وجہ سے بھی میں اس سے مل سکتی ہوں۔ کہیں بھی مل سکتی ہوں۔"

وہ قائل ہو کر بولی "ہاں یہ کسی حد تک مناسب جواب ہے لیکن تو اپنے لیے پاشا کی محبت کو کب تک چھپائے گی؟ یہ کہاوت ازل سے ثابت ہوتی آئی ہے کہ عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتے۔"

"عینی! ہمیں یہ بات اس وقت تک چھپانا ہے۔ جب تک تیری شادی پاشا سے نہ ہو جائے۔ بعد میں میری اور اس کی محبت کا راز کھلے گا تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ جب تو مجھ سے راضی رہے گی۔ میری اور پاشا کی محبت پر اعتراض نہیں کرے گی تو پھر دنیا والے کیا کریں گے؟"

اسی وقت فون کا بزر سنائی دیا "عروج بولی "پاشا کا فون ہے۔ تو بات کر۔"

"نہیں...... پہلے تو بات کر۔"

"تو بات کرے گی تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ میں تیرے پاس پہنچ گئی ہوں۔"

"تو بات کرے گی۔ تب بھی اسے معلوم ہو جائے گا۔"

"تو بحث بہت کرتی ہے۔ دیکھ بیل بج رہی ہے۔ وہ انتظار کر رہا ہے۔"

"عروج! پاشا پہلے تیری زندگی میں آیا ہے۔ اسی لیے ہر کام پہلے تو کرے گی پھر میں کروں گی۔"

"تو بہت ضدی ہے۔ پتا نہیں اپنے شوہر کے ساتھ کیسے گزارہ کرے گی؟"

اس نے فون آن کر کے کان سے لگا کر کہا "ہیلو...... میں بول رہی ہوں۔"

پاشا بولا "تم کہاں ہو؟"

"عینی کے پاس ہوں۔"

"کیا تم نے اسے تمام باتیں بتا دی ہیں؟"

"ہاں تم فکر نہ کرو۔ ہم ایک دل ایک جان ایک دماغ ہیں۔ کوئی ہمارے درمیان عداوت پیدا نہیں کر سکے گا۔"

"عینی کو فون دو۔"

اس نے فون اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "وہ بات کرنا چاہتا ہے۔"

اس نے فون کان سے لگا کر کہا "ہیلو...... میں بول رہی ہوں۔"

"عینی!...... عروج نے تمہیں تمام باتیں بتائیں۔ یہ یقین تھا کہ تم ہم سے بدظن نہیں ہو گی اور عروج کے خلا کبھی تمہارے دل میں میل نہیں آئے گا۔"

"تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی ہو گا۔ جیسے میں عروج اندھا اعتماد کرتی ہوں۔ تم پر بھی کرتی رہوں گی۔"

"ویری نائس آف یو عینی! اسی طرح ہم ایک دوسرے اندھا اعتماد کرتے رہیں گے تو دشمن ہمارے خلاف کبھی ساز نہیں کر سکیں گے۔"

عینی نے مسکرا کر عروج کو آنکھ مار کر کہا "تم اندھے اع کی بات کرتے ہو تو پھر مجھے یہ کیوں نہیں بتایا کہ یہاں رخصت ہونے کے بعد عروج سے ملنے جاؤ گے؟"

"ہاں مجھ سے غلطی ہوئی اور یہ غلطی تم سے بھی ہوئی نے بھی عروج سے کچھ چھپایا اور عروج سے بھی غلطی ہوئی اس نے بھی تم سے کچھ چھپایا۔ ہم تینوں کو یہ طے کر لینا چا کہ ہم اب کوئی غلطی نہیں کریں گے۔"

"میں نے اور عروج نے تو قسم کھا لی ہے آئندہ ایک دوسرے سے کبھی کوئی بات نہیں چھپائیں گی۔"

"تم دونوں کو اب مجھ سے بھی یہ شکایت نہیں ہو گی۔ اچ اب عروج تو تمہارے پاس آ گئی ہے۔ کسی نے اسے تم ملنے سے نہیں روکا اور نہ ہی روک سکتا ہے۔ مگر میرا کیا ہو گا؟ ابھی جو کچھ ہوا ہے اس کے پیشِ نظر تمہارے بھائی جا مجھے گھر میں گھسنے نہیں دیں گے۔ تم سے ملنے نہیں دیں گے۔"

عینی نے سوالیہ نظروں سے عروج کو دیکھا پھر بولی "میر اتنی دیر سے تم دونوں سے باتیں کر رہی ہوں۔ یہ تو سوچا نہیں تھا۔ یہاں تم پر پابندی عائد کی جائے گی۔ تم مجھ سے مل نہیں سکو گے۔"

عروج فون کے قریب ہو کر بولی "پاشا! یہ بات تو ہے تمہارے خلاف ضرور محاذ آرائی ہو گی۔ ایسی محاذ آرائی کو ختم کرنے کے لیے ہمیں کچھ کرنا ہو گا۔ اس سلسلے میں کوئی تدبیر کرنی ہو گی۔ ابھی ہمارا ذہن تھکا ہوا ہے پھر یہ کہ کل اس گھر میں میرے خلاف بھی محاذ آرائی ہو گی۔ مجھے ان تمام حالات کا مقابلہ کرنا ہے۔ میں بہت تھک گئی ہوں۔ مجھے آرام کرنا ہے سونا ہے اور عینی سے بھی یہی کہوں گی کہ یہ بھی سو جائے۔"

"ٹھیک ہے۔ تم دونوں آرام کرو۔ میں بھی اب نیند پوری کروں گا۔ اللہ نے چاہا تو کل حالات ہمارے موافق ہوں گے۔ اچھا۔ شب بخیر۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ عینی نے فون بند کر دیا۔ ابھی ان تینوں

کے درمیان محبت کی ابتدا ہوئی تھی اور ابتدا ہی میں بڑے جذبوں سے پیار بھری باتیں کی جاتی ہیں لیکن وہ مسائل میں گرفتار ہو رہے تھے۔ یہ کہاوت ان پر صادق آ رہی تھی کہ "سر منڈاتے ہی اولے پڑنے لگے۔"

محبت کی ابتدا ہوتے ہی ان کی طرف پتھر آنے لگے تھے۔

☆☆☆

دوسری صبح جواد کی آخری رسومات ادا کر دی گئیں۔ اسے منوں مٹی تلے سلا دیا گیا انسان جب تک سانس لیتا رہتا ہے۔ تب تک یہ نہیں سوچتا کہ اسے ایک اچھے انسان کی طرح زندگی گزارنی چاہیے۔ کوئی غیر انسانی فعل اس سے سرزد نہ ہو۔ لیکن وہ غیر انسانی حرکتیں یوں کرتا رہتا ہے۔ جیسے وہ کبھی نہیں مرے گا۔ ہمیشہ زندہ ہی رہے گا اور زندوں پر عذاب نازل کرتا رہے گا۔

جواد بھی ان میں سے ایک تھا۔ آخر حرام موت مر گیا۔ اس کے بعد بھی اس کی ماں یا شہباز درانی نے یہ سبق نہیں سیکھا کہ غلط راستے ہمیشہ حرام موت کی طرف لے جاتے ہیں۔ جب بیٹے کا جنازہ اٹھایا گیا تو دردانہ نے قسم کھائی کہ اس کے قاتل اور قاتل کے گھر والوں سے بھیانک بدلہ لے گی۔ اب تو وہ درانی کے سائے میں رہ کر بے انتہا دولت، طاقت وسیع ذرائع اور لامحدود اختیارات کے ذریعے کسی کو بھی الٹا لٹکا سکتی تھی۔ کسی کی بھی زندگی چھین سکتی تھی۔

شہباز نے کہا "دردانہ! تم جوان بیٹے کا صدمہ برداشت کر رہی ہو۔ میرا مشورہ ہے ملک سے باہر چلی جاؤ۔ یہاں رہ کر اس کی یادیں ستائیں گی۔"

"میں دنیا کے کسی حصے میں بھی چلی جاؤں۔ اس کی یاد تو آخری سانس تک میرے ساتھ رہے گی۔"

"پھر میں کیا کروں؟ تمہیں غم زدہ دیکھتا ہوں تو میرا دل کٹتا ہے۔"

"تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ میری آنکھیں دیکھو۔ یہ خشک ہو گئی ہیں۔ میں صبر کر رہی ہوں۔ تمہاری خاطر جلد ہی مسکرانے لگوں گی۔ لیکن بیٹے کی موت کا بدلہ ضرور لوں گی۔"

"میں تمہارے جذبوں کو سمجھ سکتا ہوں۔ اور میں نے اسد زیزی سے کہہ دیا ہے کہ جلد سے جلد قاتل کا سراغ مل جانا چاہیے۔"

"شہباز! میں نے پہلے بھی کہا ہے پھر کہتی ہوں اور آئندہ بھی کہوں گی کہ ایس پی ذیشان ہی میرے بچے کا قاتل ہے۔"

"ہو سکتا ہے تمہارا خیال درست ہو۔ آخر وقت میں اسی نے جواد سے دشمنی کی تھی۔ لیکن وہ سرکاری ملازم ہے۔ حکم کا بندہ ہے۔ حکم ملتے ہی اس نے تعمیل کی اور اسے رہا کر دیا۔"

"تم نہیں جانتے وہ بہت ہی خطرناک شخص ہے۔ جس کا دشمن بن جاتا ہے۔ اسے پھر معاف نہیں کرتا۔ تم دیکھ لینا وہ حشمت کو بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"یہ حشمت کون ہے؟"

"ایک نوجوان ہے۔ اس نے بھی ذیشان کی بہن عینی پر حملہ کیا تھا۔ اب چھپتا پھر رہا ہے اور ذیشان کے آدمی اسے ڈھونڈ رہے ہیں۔ تم ایک تدبیر سے میرے بیٹے کے قاتل تک پہنچ سکتے ہو۔"

"تم تدبیر بتاؤ۔ میں ابھی اس پر عمل کروں گا۔"

"میں چاہتی ہوں تم حشمت کی گرفتاری سے قبل اس کا ضمانت نامہ حاصل کرو۔ تمام اعلیٰ افسران کے ذریعے ذیشان کو تاکید کرو کہ حشمت کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ اس نے اس کی بہن کو نقصان پہنچایا ہے تو قانونی کارروائی کرے اور اسے عدالت میں بلائے۔"

"اس سے کیا ہم جواد کے قاتل تک پہنچ جائیں گے؟"

"ہاں میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ حشمت کے خلاف جو قانونی کارروائی ہو گی۔ اسے عدالت سے جو سزا ملے گی وہ بہت معمولی ہو گی اور ذیشان یہ برداشت نہیں کرے گا اور در پردہ اس کے لیے مصیبت بنے گا یا اس پر کسی طرح حملہ کروائے گا۔ جس طرح میرے بیٹے کی رہائی کے بعد اس پر حملہ کیا گیا تھا۔ میں ذیشان کو پچھلے پندرہ برس سے جانتی ہوں۔ تم میری بات مانو اور میری تدبیر پر عمل کرو۔"

"ٹھیک ہے یہ ابھی لو۔"

اس نے اسد عزیزی کو طلب کیا پھر بولا "دردانہ بیگم! تمہیں ایک نوجوان حشمت شاہ کا پتا بتا رہی ہے۔ ذیشان اس نوجوان کو گرفتار کرنا چاہتا ہے۔ اور وہ کہیں روپوش ہے میں اس نوجوان کی ضمانت حاصل کرا رہا ہوں۔ ضمانت کے بعد جب وہ اپنی پناہ گاہ سے باہر آ جائے تو تمہارے آدمی اس کی نگرانی کریں گے۔"

"یس باس! آپ کے حکم کی تعمیل ہو گی۔"

"میں اس کی ضمانت کیوں لے رہا ہوں۔ یہ تمہیں معلوم ہونا چاہیے۔"

"جی باس! بتائیے۔"

"ایس پی ذیشان نے جواد کو بھی گرفتار کیا تھا۔ ہم نے

اسے رہا کروایا تھا۔ دردانہ بیگم کو یقین ہے کہ اسی نے جواد کو اغوا کر کے ہلاک کرایا ہے۔ اب ہم دوسرا کھیل شروع کریں گے۔ حشمت کو ضمانت پر رہا کروائیں گے۔ دیکھیں گے کہ وہ ایس پی حشمت کے خلاف کچھ کرتا ہے یا نہیں؟"

اگر اس نے انتقامی کارروائی کی تو یہ یقین ہو جائے گا کہ اسی نے ہمارے جواد سے بھی دشمنی کی ہے۔"

"باس! میں سمجھ گیا معلومات کی روشنی میں بہت سوچ سمجھ کر یہ گیم کھیلوں گا۔ ایک اور رپورٹ دینا چاہتا ہوں۔"

"ہاں بولو کیا رپورٹ ہے؟"

"ہمارا ایک آدمی ذیشان کی نگرانی کر رہا ہے۔ اس نے رپورٹ دی تھی کہ ٹیکسی ڈرائیور پاشا جانی شام کو اس کی کوٹھی میں آیا تھا۔ وہ رات کے دس بجے تک وہاں رہا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ ایس پی کے ساتھ پاشا کی اتنی طویل ملاقات کیوں رہی؟"

دردانہ بولی "کوئی ضروری نہیں ہے کہ وہ ذیشان سے ہی ملاقات کرتا رہا ہو۔ وہ اس رئیس زادی میں دلچسپی لے رہا ہے۔ جواد عینی کو میرے پاس لانا چاہتا تھا۔ لیکن اس نے انکار کر دیا اور پاشا نے بھی اس کی شہ پر میرے بیٹے کو نقصان پہنچایا۔ وہ رئیس زادی اس ڈرائیور سے پھنسی ہوئی ہے۔"

اسد عزیزی بولا "میڈم اگر ایسی بات ہے تو پھر وہ ڈرائیور آدھی رات کے بعد لیڈی ڈاکٹر عروج سے ملنے کیوں گیا تھا؟ وہاں وہ بارہ بجے سے ایک بجے تک اسپتال میں اس کے ساتھ رہا تھا۔ پھر اس کے کوارٹر میں آ گیا وہ دونوں تقریباً پندرہ بیس منٹ تک بند کوارٹر میں رہے تھے۔ پھر ذیشان وہاں پہنچ گیا۔ وہ آدھے گھنٹے تک وہاں رہا پھر واپس چلا گیا۔ یہ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ ان کے درمیان کیا کھچڑی پک رہی ہے؟"

دردانہ بولی "ہاں یہ بات تو میری سمجھ میں بھی نہیں آ رہی ہے کہ پاشا آدھی رات کو عروج کے پاس کیوں گیا تھا؟ بند کوارٹر میں رہنے کا مطلب یہی ہے کہ ان کے درمیان جسمانی تعلقات قائم ہیں۔"

شہباز نے پوچھا "لیکن وہ ایس پی اتنی رات کو وہاں کیوں گیا تھا؟ کیا وہ تنہا تھا؟"

اسد بولا "نہیں اس کے ساتھ ایک سپاہی بھی تھا۔"

دردانہ بولی "عینی، عروج، پاشا اور ذیشان کے درمیان کیا ہو رہا ہے؟ یہ بھاگ دوڑ کیوں لگی ہوئی ہے؟ اسے سمجھنا ہو گا۔ ایک ٹیکسی ڈرائیور بیک وقت عینی اور عروج میں دلچسپی لے رہا ہے اور ذیشان اس بات کا برا نہیں مان رہا۔ بلکہ اسے اپنے گھر بلاتا ہے۔ وہ اسپتال جاتا ہے تو وہ ایس پی بھی ا[illegible] کے پیچھے وہاں پہنچ جاتا ہے۔ آخر ان دونوں میں اتنی گہ[illegible] دوستی کیوں ہے؟"

شہباز بولا "ہمیں اس گھر میں گھس کر وہاں کے حالا[illegible] معلوم کرنے ہوں گے۔ عینی تمہاری سوتیلی بیٹی ہے۔ اس میں تمہارا آنا جانا رہا ہے۔ کیا تم اب وہاں نہیں جا سکتیں؟"

"میں نے سوچا تھا اب اس خاندان پر تھوکنے بھی نہ[illegible] جاؤں گی۔ لیکن حالات مجبور کر رہے ہیں تو مجھے وہاں جانا ہو گا۔"

"تم وہاں ضرور جاؤ۔ اگر ہمیں ناکامی ہوئی تو ہم ا[illegible] سپاہی کو بڑی سے بڑی قیمت دے کر خرید لیں گے جو ذیشا[illegible] کے ساتھ اسپتال گیا تھا۔ اس سے ہمیں بہت کچھ معلوم ہو[illegible] ہے۔"

وہ اٹھتے ہوئے بولی "کسی کو خریدنے کی ضرورت نہیں گی۔ میں تنہا ہی کافی ہوں۔ وہاں سے ساری معلومات حا[illegible] کر کے ہی آؤں گی۔ میرے لیے گاڑی نکلواؤ۔"

شہباز نے اسد عزیزی سے کہا "ڈرائیور سے کہو گاڑ[illegible] نکالے۔ گاڑی کے آگے پیچھے مسلح گارڈز کی گاڑیاں ہو گی۔"

دردانہ فخر سے تن گئی۔ آج پہلی بار وہ بڑے ہی شاہا[illegible] انداز میں سوتیلی بیٹی کے گھر جانے والی تھی۔ شہباز ا[illegible] رخصت کرنے کے لیے کوٹھی کے باہر آیا پھر بولا "جلدی واپ[illegible] آنا۔ مجھے بے چینی سے انتظار رہے گا۔ اور مجھ سے فون پر برا[illegible] رابطہ رکھنا۔"

وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اتنا شہ زور اور رعب دبدبہ رکھنے والا یہ شخص اس کا طلبگار ہو گا کہ وہ ذرا دیر کے [illegible] کہیں جائے گی تو اس کی کمی محسوس کرے گا۔ وہ بیٹے [illegible] صدمے سے نڈھال تھی۔ اس کے باوجود اس نے بے اختیا[illegible] اسے مسکرا کر دیکھا۔ پھر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اس گاڑی [illegible] آگے پیچھے دو اور گاڑیاں تھیں۔ جن میں مسلح گارڈز تھے۔ [illegible] تینوں گاڑیاں وہاں سے روانہ ہو گئیں۔ وہ راستے میں سو[illegible] لگی کہ عینی سے رابطہ کرنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے اس سے با[illegible] کرنے کے دوران میں پہلے سے کچھ اہم باتیں معلوم [illegible] جائیں۔ اس نے پرس میں سے موبائل نکال کر عینی کے موبا[illegible] کے نمبر ملائے اور رابطے کا انتظار کرنے لگی۔ دوسری طرف پاشا گہری نیند میں تھا۔ سرہانے رکھا موبائل بولے جا رہا تھا۔ اس نے آنکھ کھول کر دیکھا۔ پھر فوراً ہی اٹھ کر بیٹھ گیا۔

ذہن میں یہ بات تھی کہ عروج اور عینی نے اسے مخاطب کیا ہے۔ اس نے موبائل اٹھا کر جب نمبر دیکھا تو وہ کسی اور کا نمبر تھا۔ ان دونوں نے فون نہیں کیا تھا۔ اس نے اسے کان سے لگایا۔ پھر کہا "ہیلو کون؟"

دردانہ کو امید نہیں تھی کہ عینی کے فون پر کسی مرد کی آواز سنائی دے گی۔ اس نے پوچھا "تم کون ہو......؟ یہ تو عینی کا فون ہے؟"

"جی ہاں فی الحال یہ میرے پاس ہے۔ آپ کون ہیں؟ اگر کوئی پیغام ہے تو دے دیں۔ یا پھر عینی کے گھر کے نمبر پر رابطہ کر لیں۔"

"وہ تو میں کر ہی لوں گی۔ لیکن تم کون ہو؟ تمہاری آواز کچھ مانوس سی لگ رہی ہے۔"

"آپ کی آواز بھی کچھ مانوس سی لگ رہی ہے۔"

"میں یہ سوچ رہی ہوں کہ عینی کا فون تمہارے پاس کیسے آ گیا؟ وہ عروج کو تو کسی ضرورت کے وقت یہ فون دیتی ہے ورنہ اس نے کبھی کسی کو اپنا فون نہیں دیا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ آپ عینی کے بارے میں بڑی وسیع معلومات رکھتی ہیں اور اسے قریب سے جانتی ہیں۔ لیکن یہ بتانا نہیں چاہتی کہ آپ کون ہیں؟"

"تم بھی اپنے بارے میں نہیں بتا رہے ہو؟ کم از کم یہ تو بتا دو کہ یہ فون تمہارے پاس کیسے آ گیا؟"

"میں سمجھ گیا آپ باتیں بنا رہی ہیں۔ تو پھر سن لیں۔ میں نے عینی سے یہ فون خرید لیا ہے۔ اس بے چاری پر برا وقت آ گیا ہے۔ اس کے پاس پیسے نہیں تھے۔ یہی ایک چیز تھی۔ اس نے بیچی اور میں نے خرید لی۔"

"تم تو باتیں بنانا بھی نہیں جانتے۔ ایک رئیس زادی کو اس قدر کنگال کہہ رہے ہو کہ اس نے مجبور ہو کر اپنا موبائل فون بیچ دیا۔"

"بعض حالات میں امیر زادیوں کے پرس بھی خالی ہو جاتے ہیں۔ وہ میری ٹیکسی میں سفر کر رہی تھی۔ اپنا پرس گھر بھول گئی تھی۔ کرائے کے لیے رقم نہیں تھی اس لیے اس نے یہ فون مجھے دے دیا۔"

دردانہ نے چونک کر کہا "او مائی گاڈ! اب میں نے پہچان لیا ہے تم وہی ذلیل ٹیکسی ڈرائیور ہو۔ جو میرے بیٹے سے آٹھ لاکھ روپے چھین کر لے گیا تھا۔"

وہ چہک کر بولا "آہا میں نے بھی پہچان لیا ہے۔ تم وہی چڑیل بیگم ہو۔ جس نے آٹھ لاکھ کی چوری کا الزام لگایا تھا۔ مجھے ہتھکڑیاں پہنوائی تھیں مگر افسوس وہ ہتھکڑیاں فوراً ہی اتر گئی تھیں۔"

"وہ رئیس زادی تمہارا پہلو گرم کرتی ہے۔ تمہاری دیوانی ہے۔ اسی لیے تمہاری ہتھکڑیاں کھلوا دیں۔ یہ کتنی بڑی بات ہے کہ اس نے آٹھ لاکھ کی چوری کے الزام سے تمہیں بری کروا دیا؟ بڑا لمبا ہاتھ مارا ہے تم نے۔ مگر یہ مت سمجھنا کہ میں تم سے غافل رہتی ہوں۔ تمہارے بارے میں بڑی معلومات رکھتی ہوں۔"

"میں نہیں پوچھوں گا کہ تم میرے بارے میں کتنی قیمتی معلومات رکھتی ہو۔"

"مگر میں بتاؤں گی وہ قیمتی معلومات یہ ہیں کہ تم ڈبل گیم کھیل رہے ہو۔ دونوں سہیلیوں کو پھانس رہے ہو۔ ایک طرف عینی اور دوسری طرف عروج کو اسی لیے تو اس کے اسپتال والے کوارٹر میں پہنچے ہوئے تھے۔"

پاشا نے حیرانی و پریشانی سے کہا "اوہ گاڈ! پھر تو تم واقعی بہت خطرناک ہو۔ میرے دن رات کا حساب رکھ رہی ہو!"

"میں اپنے بیٹے کے قاتل تک پہنچنے کے لیے تمہارا اور ذیشان کا پیچھا کر رہی ہوں اور کرتی رہوں گی۔"

"تمہارے بیٹے کا قاتل؟ کیا تمہارے بیٹے کو قتل کیا گیا ہے؟"

"انجان بننے کی بہت اچھی ایکٹنگ کر رہے ہو۔ مگر میں نادان بچی نہیں ہوں۔ تمہارے اور ذیشان کے گٹھ جوڑ کو اچھی طرح سمجھ رہی ہوں۔

"تم میرے بارے میں غلط اندازے لگا رہی ہو۔ ایس پی جیسے اعلیٰ افسر سے بھلا میرا گٹھ جوڑ کیا ہو گا؟ وہ تو میرا دشمن بنا ہوا ہے۔ مجھ پر آٹھ لاکھ کی چوری ثابت نہیں ہوئی۔ یہ ثابت ہو گیا ہے کہ میں نے اپنا مکان فروخت کیا تھا۔ اور اس طرح مجھے آٹھ لاکھ روپے حاصل ہوئے تھے۔ جو میرے بینک کے اکاؤنٹ میں ہیں۔ بہرحال میں تمہاری جیسی عورت کے سامنے صفائی پیش نہیں کرنا چاہتا۔ تم میرے بارے میں کچھ بھی سوچو۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

اس نے فون بند کر دیا۔ پھر پریشانی سے سوچا "تعجب ہے دردانہ کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی کہ میں پچھلی رات عروج کے کوارٹر میں تھا۔ عینی کے گھر والوں کی طرح دردانہ بھی یہی سوچ رہی ہے۔ کہ میں ڈبل گیم کھیل رہا ہوں۔ ایک طرف عروج سے محبت کر رہا ہوں۔ دوسری طرف عینی کو پھانس رہا ہوں۔"

وہ بستر سے اتر کر باتھ روم میں آ گیا۔ وہ بھی سوچتا رہا "یہ خبر افسوس ناک ہے کہ جواد کو قتل کیا گیا ہے۔ بھلا اسے کس نے قتل کیا ہو گا؟ دردانہ کی باتوں سے یوں لگ رہا ہے۔ جیسے

وہ مجھ پر شک کر رہی ہے۔ پاگل کی بچی ہے۔ پہلے چوری کا الزام لگایا۔ اب بیٹے کا قاتل سمجھ رہی ہے۔

دردانہ بھی سوچ رہی تھی "ذیشان نے عینی کی سفارش پر اس کی ہتھکڑیاں کھول دی تھیں۔ لیکن اسے اپنے ساتھ دفتر لے گیا تھا۔ وہاں کیا ہوا میں نہیں جانتی۔ اب تک میں سمجھ رہی تھی کہ ذیشان سے اس کا گٹھ جوڑ ہو گیا ہے۔ اور یہ دونوں میرے بیٹے کی مخالفت میں کارروائی کر رہے ہیں۔ لیکن پاشا نے ابھی یہی کہا ہے کہ ذیشان اس کا بھی دشمن ہو گیا ہے۔ یہ بات کہاں تک درست ہے۔ مجھے معلوم کرنا ہوگا۔"

وہ عینی کی کوٹھی کے احاطے کے سامنے پہنچ گئی۔ اس کوٹھی کے مین گیٹ اور احاطے کے اندر مسلح گارڈز موجود تھے۔ انہوں نے جب کار کے آگے پیچھے مسلح گارڈز کو دیکھا تو دردانہ کے لیے گیٹ نہیں کھولا۔ سیکورٹی افسر نے اسے سلام کر کے کہا "میڈم! آپ اپنی کار میں احاطے کے اندر جا سکتی ہیں۔ لیکن آپ کے گارڈز نہیں جائیں گے۔"

اس نے اپنے ایک گارڈ سے کہا "تم سب باہر رہو۔ میں اندر جا رہی ہوں۔ کوئی بات ہو گی تو فون پر رابطہ کروں گی۔"

وہ دونوں گاڑیاں گیٹ کے اطراف کھڑی ہو گئیں۔ گیٹ کھول دیا گیا۔ وہ کار وہاں سے رینگتی ہوئی احاطے کے اندر پورچ میں آ کر رک گئی۔ وہ اپنا پرس سنبھال کر پچھلی سیٹ سے باہر آئی۔ تو ایک سیکورٹی گارڈ نے روک کر کہا "ایکسکیوزمی مجھے پرس چیک کرنے دیں۔"

وہ اپنا پرس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے حیرانی سے بولی "تعجب ہے۔ یہاں تو ایسی سختی سے چیکنگ ہو رہی ہے۔ جیسے یہ ہمارے ملک کا کوئی حساس علاقہ ہو۔"

گارڈ نے چیک کرنے کے بعد کہا "اب آپ جا سکتی ہیں۔"

وہ آگے بڑھ کر دروازہ کھول کر کوٹھی کے اندر آئی۔ ڈرائنگ روم میں گھر کا کوئی فرد نہیں تھا۔ ایک ملازم صفائی کر رہا تھا... اس نے پوچھا "تمہارے بڑے صاحب کہاں ہیں؟"

"وہ سو رہے ہیں۔"

"دن کے گیارہ بج رہے ہیں اور وہ ابھی تک سو رہے ہیں؟"

"جی ہاں رات کو سب ہی جاگتے رہے اس لیے سب ہی سو رہے ہیں۔"

"تعجب ہے اس گھر کے طور طریقے ہی بدل گئے ہیں۔ باہر سخت سیکورٹی ہے۔ اور اندر گھر والے رات کو جاگتے ہیں۔ جاؤ انہیں اطلاع دو کہ میں آئی ہوں۔"

ملازم پلٹ کر جانے لگا اسی وقت فلک ناز دروازہ کھول کر ڈرائنگ روم میں آئی تو اسے دیکھ کر ٹھٹک گئی پھر آگے بڑھتے ہوئے بولی "اوہ تو آپ آئی ہیں؟"

دردانہ بیگم کو بیٹے کا تو غم تھا ہی اس نے اپنے چہرے کو مزید غم زدہ کر لیا۔ فلک ناز کو یوں دیکھا جیسے رونے ہی والی ہو۔ پھر اس نے آنچل کے کونے کو اپنے چہرے پر رکھ لیا۔ اس کے لرزتے ہوئے بدن سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ہچکیاں لے کر رو رہی ہے۔

فلک ناز اس کی مدھم ہچکیوں کو سن کر آگے بڑھی پھر تعجب سے بولی "آپ رو رہی ہیں......؟ کیا ہوا......؟"

وہ اسی طرح آنچل سے چہرے کو ڈھانپ کر بولی "میرا بیٹا...... میرا جوان بیٹا...... میرا جواد اب اس دنیا میں نہیں رہا۔"

فلک ناز نے ایک دم سے چونک کر بے یقینی سے اسے دیکھا پھر پوچھا "یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی "میرے بچے کو کسی بدبخت دشمن نے قتل کر دیا ہے۔ میں یہی اطلاع دینے یہاں آئی ہوں۔"

فلک ناز نے اس کے لباس پر غور کیا۔ وہ سر سے پاؤں تک سیاہ ماتمی لباس میں تھی۔ اس نے اس کے بازو کو ہمدردی سے تھام کر کہا "آئیں! یہاں بیٹھیں۔"

وہ اس کے ساتھ ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ فلک ناز نے اس کی پشت پر ہاتھ رکھ کر بڑی ہمدردی سے کہا "مجھے یہ سن کر بہت دکھ ہو رہا ہے۔ کیا آپ جانتی ہیں کہ یہ دشمنی کس نے کی ہے؟"

اس نے انکار میں سر ہلایا پھر دوپٹے سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا "میں نہیں جانتی کہ وہ نامراد کون ہے؟ خدا اسے غارت کرے۔ اس نے میرے معصوم اور بے گناہ بچے کو مار ڈالا ہے، خدا اسے بھی حرام موت مارے گا۔"

فلک ناز اسے تھپکتے ہوئے بولی "بھابی آپ بیٹھیں۔ میں آپ کے لیے پانی لاتی ہوں اور بھائی جان کو بلاتی ہوں۔"

وہ وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔ عروج عینی کے ساتھ اس کے کمرے میں سو رہی تھی۔ موبائل فون نے انہیں پکارا تو وہ فوراً ہی جاگ گئیں۔ عروج نے اس کا بٹن دبا کر کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے پاشا نے کہا "ہیلو میں بول رہا ہوں! کیا تم دونوں سو رہی ہو؟"

"ہاں...... تمہارے فون نے ہمیں جگایا ہے۔ تم نے نیند

ری کی ہے یا نہیں؟"

"ہاں مجھے بھی فون کی آواز نے جگایا تھا۔ جانتی ہو۔ کس نے فون کیا تھا؟"

عروج نے عینی کو دیکھتے ہوئے فون پر پوچھا "کس نے کیا تھا؟"

"دردانہ بیگم نے وہ سمجھ رہی ہو گی کہ اس فون سے عینی کی آواز سنائی دے گی۔ لیکن میری آواز سن کر انکوائری کرنے لگی کہ میں کون ہوں اور عینی کے فون پر کیوں بول رہا ہوں؟"

پاشا اسے دردانہ بیگم سے ہونے والی باتیں تفصیل سے بتانے لگا۔ عروج سنتی رہی اور سننے کے دوران میں کچھ نہ کچھ بولتی رہی۔ اس طرح عینی کی سمجھ میں آ گیا کہ دردانہ بیگم کے سلسلے میں باتیں ہو رہی ہیں۔

پھر تمام باتیں سننے کے بعد عروج نے تعجب سے پوچھا "پاشا! کیا یہ حیرانی کی بات نہیں ہے؟ پہلے تو ذیشان بھائی کو معلوم ہوا کہ تم آدھی رات کے بعد مجھ سے اسپتال میں ملنے آ رہے ہو۔ پھر یہ بات دردانہ آنٹی کو بھی معلوم ہو گئی۔ ایسا لگتا ہے کہ میرے، تمہارے اور عینی کے تمام مخالفین ہمارے خلاف جاسوسی کر رہے ہیں۔ اور آئندہ بھی یہی کرتے رہیں گے۔"

عینی نے اس کے ہاتھ سے فون لے کر اپنے کان سے لگاتے ہوئے کہا "پاشا! وہ میرے بارے میں کیا کہہ رہی تھیں؟"

وہ اسے بتانے لگا۔ وہ خاموشی سے سنتی رہی پھر تمام باتیں سننے کے بعد بولی "بھائی جان بھی تمہیں فراڈ سمجھ رہے ہیں۔ اور یہ محترمہ بھی یہی سمجھ رہی ہیں کہ تم بیک وقت ہم دونوں سے محبت کر رہے ہو۔"

پاشا نے کہا "ہاں پہلے مجھ پر آٹھ لاکھ کی چوری کا الزام عائد کیا جا رہا تھا۔ اور جب وہ الزام ثابت نہ ہو سکا تو اب مجھے تمہارے حوالے سے فراڈ کہا جا رہا ہے۔ تمہارے بھائی جان اس بات کو بھی بہت الجھائیں گے اور ہماری ملاقاتوں کے تمام راستے بند کر دیں گے۔"

"تمہیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ تم جلد ہی دیکھو گے کہ میں کیسی ضدی ہوں؟ اور کس طرح اپنی بات منوا لیتی ہوں؟"

ادھر ڈرائنگ روم میں فلک ناز نے فلک آفتاب اور بیگم آفتاب کو بلا لیا تھا۔ وہ دردانہ بیگم کے آس پاس بیٹھ گئے تھے۔ اور جواد کی ناگہانی موت پر صدمہ ظاہر کر رہے تھے۔

بیگم آفتاب نے ایک گہری سانس لے کر کہا "جواد کیسا گبرو جوان تھا! مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا ہے کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ کسی نے اسے قتل کر دیا ہے۔ یہ سچ ہے، زندگی کا کوئی بھروسا نہیں ہوتا جوان ہو یا بوڑھا کسی کو بھی کسی وقت بھی موت آ سکتی ہے۔"

فلک آفتاب نے کہا "ہم تمہارا دکھ کم نہیں کر سکتے۔ لیکن بانٹ سکتے ہیں۔ ہم تمہارے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ بس صبر کرو۔ اور اپنا مقدمہ خدا کی عدالت پر چھوڑ دو۔ جس کم بخت نے بھی تم سے دشمنی کی ہے۔ ایک ماں کو تڑپایا ہے۔ وہ بھی سکون سے نہیں رہے گا۔ اوپر والے کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ پولیس والے آج نہیں تو کل اس بدبخت قاتل کو گرفتار کر لیں گے۔"

ذیشان اسما کے ساتھ زینے سے اترتا ہوا آ رہا تھا۔ دردانہ کو دیکھ کر ناگواری سے بولا "یہ محترمہ یہاں کیوں آئی ہیں؟"

فلک آفتاب نے کہا "بیٹے! کوئی ایسی ویسی بات نہ کرنا۔ ان پر صدمات کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ جواد کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔"

اسما اور ذیشان کو یہ خبر پچھلی رات ہی مل گئی تھی۔ پھر بھی انہوں نے انجان بن کر حیرانی ظاہر کی۔ ذیشان نے زینے سے اتر کر ان کے درمیان ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا "یہ کب ہوا......؟ کس تھانے کی پولیس تفتیش کر رہی ہے؟ میں اس وقت تمام اختلافات بھلا کر آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کے کام آنا چاہتا ہوں۔"

دردانہ بیگم نے بھیگی ہوئی آواز میں کہا "تم نے اسے رہا کر دیا تھا۔ رہائی کے بعد وہ میرے پاس آ رہا تھا۔ ایسے وقت کسی منحوس نے اسے اغوا کر لیا۔ اسے اپنی حراست میں رکھ کر ٹارچر کیا۔ وہ تشدد نہ سہ سکا۔ اسپتال میں پہنچتے ہی ہمیشہ کے لیے مجھ سے دور ہو گیا۔ میں نہیں جانتی کہ کس نے میرے بیٹے سے ایسی جان لیوا دشمنی کی ہے؟ لیکن میری پہنچ بہت اوپر تک ہے۔ اور میں بڑی سختی سے انکوائری کرا رہی ہوں۔ مجھے امید ہے، جلد ہی اس کا قاتل گرفتار ہو جائے گا۔"

ذیشان نے کہا "جو پولیس افسر اس کیس کی تفتیش کر رہا ہے۔ میں اس سے ملاقات کروں گا اور اس نامعلوم قاتل کو تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔"

دردانہ نے کہا "میں اس وقت تم سے مدد حاصل کرنے نہیں آئی ہوں۔ میری مدد کرنے والے اور میرے برے وقت میں کام آنے والے بہت ہیں۔ لیکن جوان بیٹے کی موت کے بعد مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں آپ لوگوں کے بغیر بالکل تنہا ہوں۔ میرے اپنے میرے پاس ہوتے ہوئے

بھی پاس نہیں ہیں۔ میرے مرحوم شوہر کا یہی ایک خاندان ہے، جہاں آ کر میں رو سکتی ہوں، اپنے آنسو بہا سکتی ہوں۔ اور آپ سب کی ہمدردیاں حاصل کر سکتی ہوں۔ اس طرح میرے دل کو کچھ تو اطمینان ہوگا کہ میرا دکھ سمجھنے والے میرے اپنے ہیں۔''

فلک آفتاب نے کہا'' بے شک ہم سب تمہارے اپنوں میں سے ہیں۔ تم نے یہاں آ کر بہت اچھا کیا۔ میں ابھی عینی کو بلاتا ہوں۔ وہ بھی تمہارے دکھ میں برابر کی شریک رہے گی۔''

''عینی میری بیٹی ہے۔ دنیا والوں کی نظروں میں، میں سوتیلی ماں ہوں۔ لیکن میں نے کبھی اسے سوتیلی بیٹی نہیں سمجھا۔ اگر میرے بیٹے جواد سے جانے انجانے میں کوئی غلطی ہوگئی ہے تو میں اس کی طرف سے معافی مانگ رہی ہوں۔ خدا کے لیے میرے مظلوم اور مقتول بیٹے کو معاف کردیں۔''

اس نے ایسے گڑگڑا کر کہا کہ سب ہی متاثر ہوگئے۔ بیگم آفتاب نے اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے کہا'' ہم نے معاف کیا ہمارے خدا نے معاف کیا۔''

ذیشان نے پوچھا'' کیا تدفین ہو چکی ہے؟''

وہ سر ہلاتی ہوئی بولی'' آج صبح ہو چکی ہے۔''

فلک آفتاب نے کہا'' تم تدفین کے بعد آئی ہو۔ ہمیں پہلے اطلاع کیوں نہیں دی؟''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی'' ایک تو میں صدمے سے نڈھال تھی پھر میرے اندر یہ شرمندگی تھی کہ میں نے آپ لوگوں کو ناراض کیا ہے، میرے مرحوم بیٹے سے بھی آپ کو شکایتیں رہی ہیں۔ میں نے یہی سوچ کر اطلاع نہیں دی کہ پتا نہیں آپ جنازے میں شریک ہوں گے یا نہیں؟ میں کشمکش میں تھی۔ آخر مجھ سے رہا نہ گیا۔''

عینی اور عروج کمرے سے نکل کر ریلنگ کے پاس آئیں۔ عروج نے نیچے دیکھتے ہوئے کہا'' اوہو...... آنٹی آئی ہوئی ہیں۔''

اس کی آواز سن کر اس نے اوپر دیکھا۔ عینی بھی اس کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی۔ فلک آفتاب نے کہا'' بیٹی عینی! یہاں آؤ...... تمہاری ممی کے ساتھ بہت بڑی ٹریجڈی ہوگئی ہے۔ کسی نے جواد کو قتل کردیا ہے۔''

وہ دونوں سیڑھیاں اترتی ہوئی وہاں آئیں۔ انہوں نے نہ تو ہمدردی کا اظہار کیا اور نہ ہی محبت جتائی۔ بڑی خاموشی سے آ کر صوفوں پر بیٹھ گئیں۔ پھر عینی نے دردانہ کو دیکھتے ہوئے کہا'' بے شک یہ صدمہ آپ کے لیے بہت بڑا ہے۔ ایسے وقت سب ہی صبر کی تلقین کرتے ہیں۔ میں بھی یہی کہوں گی کہ آپ صبر کریں۔''

وہ روتے ہوئے بولی'' بیٹی! میں اپنے جوان بیٹے سے محروم ہو چکی ہوں۔ اب صرف تم ہی میری ایک بیٹی رہ گئی ہو۔ یہاں میرے پاس آ کر بیٹھو۔''

''سوری ممی! جواد بھائی کی زندگی میں جو کچھ میرے ساتھ ہو چکا ہے۔ وہ ان کی موت کے بعد بھی نہیں بھلایا جا سکتا۔ چونکہ مرنے والوں سے دشمنی نہیں کی جاتی۔ انہیں معاف کردیا جاتا ہے۔ اس لیے میں نے انہیں معاف کردیا ہے۔ لیکن میں آپ سے فاصلہ رکھوں گی، مجھ سے یہ توقع نہ رکھیں کہ آپ کے پاس آ کر بیٹھوں گی۔ اور پہلے کی طرح رشتہ داری نبھاؤں گی۔''

دردانہ نے کہا'' میں جانتی ہوں۔ میرے مقتول بیٹے سے جو شکایتیں ہیں، وہ کبھی ختم نہیں ہوں گی۔ تمہاری ناراضگی بجا ہے۔ میں یہ عزم کر کے آئی ہوں کہ میرے بیٹے نے جو غلطیاں کی ہیں، جو دکھ تمہیں پہنچایا ہے اس کی تلافی کروں اور اس طرح کروں کہ تم میری محبت اور دیانتداری کی قائل ہو جاؤ

''ٹوٹے ہوئے آئینے کو لاکھ جوڑو۔ تب بھی اس میں بال پڑ جاتا ہے، بھلا آپ کس طرح تلافی کریں گی؟''

اس نے ایک نظر عروج اور ذیشان پر ڈالتے ہوئے عینی سے کہا'' میں ثبوت کے ساتھ تمہیں یہ بتاؤں گی کہ تمہارے دشمن کون ہیں اور کس طرح دوستی کے پردے میں چھپ کر تم سے دشمنی کر رہے ہیں؟''

عینی نے طنزیہ انداز میں مسکرا کر کہا'' اس طرح آپ میری معلومات میں اضافہ کریں گی۔ بتائیں، کون مجھ سے دشمنی کر رہا ہے؟''

دردانہ بیگم نے پوچھا'' بیٹی! ایک بات بتاؤ، کیا تم اس ٹیکسی ڈرائیور پاشا جانی کو چاہتی ہو؟ اس سے دلچسپی رکھتی ہو؟''

''جی ہاں...... میں یہ بات اپنے تمام بزرگوں کو بتا چکی ہوں۔''

دردانہ نے بڑی گہری نظروں سے عروج کو دیکھا پھر عینی سے کہا'' اور اگر میں یہ ثابت کردوں کہ پاشا تم سے محبت نہیں کر رہا ہے، تمہیں دھوکا دے رہا ہے تو کیا تم میری بات پر اعتبار کرو گی؟''

کوئی مداخلت نہیں کر رہا تھا۔ سب ہی خاموشی سے ان کی گفتگو سن رہے تھے۔ عینی نے کہا'' ثبوت کے ساتھ کہیں گی

ردو اعتبار کرلوں گی۔''

دردانہ نے عروج کی طرف دیکھا پھر کہا'' عروج! خدا کو ردو ناظر جان کر کہو، کیا تم پاشا سے فلرٹ نہیں کر رہی ہو؟ وہ تنہائی میں تم سے ملنے نہیں آتا ہے؟ کل رات بھی اس تمہاری ملاقات ہوئی ہے۔''

عروج نے کہا'' میں اس سے فلرٹ کر رہی ہوں۔ یہ غلط ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ وہ تنہائی میں مجھ سے ملنے آیا ''

''وہ کس رشتے سے تمہاری تنہائی میں آیا تھا؟ اور وہ بھی تال کے بند کمرے میں؟''

عروج نے وہاں بیٹھے ہوئے تمام افراد کو دیکھا۔ فلک اب، بیگم آفتاب، فلک ناز، ذیشان، اسماء وغیرہ سب ہی یہ لہ اٹھانے والے تھے۔ لیکن ان سے پہلے ہی دردانہ بیگم یہ لہ پیش کر رہی تھی۔ اس لیے سب ہی دلچسپی سے دردانہ اور رج کو دیکھنے لگے۔

عروج نے کہا'' آنٹی! کل رات آپ کے بیٹے کو قتل کیا یا۔ کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ آپ کو اس کے قتل کی اطلاع ب ملی تھی؟''

دردانہ نے کہا'' یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔''

عروج نے کہا'' میرے سوال کا جواب دیں گی تو آپ کو پنے سوال کا جواب خود ہی مل جائے گا۔''

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگی پھر بولی'' میں نے وقت نہیں دیکھا تھا۔ لیکن آدھی رات سے پہلے میرے بیٹے نے شری بائی اسپتال میں دم توڑا تھا۔''

عروج نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا'' جوان بیٹے کی ات سے ماں کا کلیجہ پھٹ جاتا ہے۔ آپ کیسی ماں ہیں کہ بیٹے کی موت بھول کر ہماری جاسوسی کر رہی ہیں؟ اور صرف اتنا ناہیں، آپ نے ذیشان بھائی کی بھی جاسوسی کی ہے۔ آپ لو یہ بھی معلوم ہے کہ ذیشان بھائی کل آدھی رات کے بعد سپتال گئے تھے۔ آپ کو شبہ ہے کہ پاشا اور ذیشان بھائی کے رمیان گٹھ جوڑ ہے اور انہوں نے مل کر آپ کے صاحبزادے لو قتل کیا ہے یا کرایا ہے۔''

سب چونک کر عروج کو دیکھ رہے تھے۔ اور اس کی باتیں ن رہے تھے۔ دردانہ نے چیخ کر کہا'' تم بکواس کر رہی ہو۔ لہ ذیشان پر کوئی شبہ نہیں کر رہی ہوں۔''

''آپ بزرگ ہو کر ہمارے سامنے جھوٹ بول رہی ہیں۔ آپ نے یہاں آنے سے پہلے پاشا سے فون پر باتیں کی تھیں۔ اس سے جھگڑا کیا تھا۔ اور اسے چیلنج کیا تھا۔ جس کے جواب میں پاشا نے آپ کو یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ ذیشان بھائی سے اس کا کوئی گٹھ جوڑ نہیں ہے۔ بلکہ بھائی جان تو اس کے خلاف ہیں۔ اس سے ان کی کوئی دوستی نہیں ہے۔''

دردانہ بیگم نے ذیشان کو دیکھ کر کہا'' بیٹے! تم یقین کر دیا نہ کرو۔ یہ عروج بہت ہی مکار ہے۔ میں پاشا کو جانتی ضرور ہوں لیکن اس حد تک نہیں کہ مجھے اس کا فون نمبر بھی معلوم ہو۔ میں نے اس سے کوئی بات نہیں کی ہے۔''

عروج نے کندھے اچکا کر کہا'' پھر تو میں یہی کہوں گی کہ ہم دونوں میں کوئی جھوٹ بول رہا ہے۔''

ذیشان نے عروج کو ناگواری سے دیکھتے ہوئے کہا'' اور میں جانتا ہوں کہ تم ہی جھوٹ بول رہی ہو۔ کل رات میں نے تمہارا اصلی روپ دیکھ لیا ہے۔ اور آج میں عینی سے تمہارے بارے میں بات کرنے والا تھا۔ میں نہیں جانتا کہ تم مجھ سے پہلے عینی کے پاس پہنچ کر کیا کچھ کہہ چکی ہو اور کیسی الٹی سیدھی باتیں بنا کر اس کا اعتماد حاصل کر چکی ہو''

عینی نے ذرا سخت لہجے میں کہا'' بھائی جان......! میں کوئی نادان بچی نہیں ہوں کہ یہ مجھے بہکائے گی اور میں بہک جاؤں گی۔''

''اور تم کوئی دادی اماں بھی نہیں ہو۔ تم نہیں جانتیں کہ لوگ کس طرح ایک چہرے کے پیچھے کئی چہرے چھپا کر رکھتے ہیں۔ یہ زبان سے تمہیں سہیلی کہتی ہے لیکن در پردہ دھوکا دیتی رہتی ہے۔''

''آپ درست کہتے ہیں۔ انسانوں پر بھروسا نہیں کرنا چاہیے۔ کسی کی زبان پر بھی اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ خود آپ کی مثال سامنے ہے۔ آپ جس زبان سے اسے بہن کہا کرتے تھے آج اسی زبان سے اس پر بدکاری اور دھوکا دہی کا الزام لگا رہے ہیں۔ منہ زبانی بہن کہنے والے بھائی تو نہ ہوئے۔ دشمن ہوئے۔''

''میں نے کوئی جھوٹا الزام نہیں لگایا ہے۔''

''عینی نے دھندلے سے ذیشان کو دیکھا پھر پوچھا'' کیا آپ اس الزام کو سچ ثابت کرسکیں گے؟''

وہ عروج کو گھور رہا تھا پھر عینی سے بولا۔'' کل مجھ سے ایک غلطی ہوگئی۔ میں نے جلد بازی کی، اگر انتظار کرتا، کچھ دیر کے بعد اس کے کوارٹر میں جاتا تو میڈیکل رپورٹ کے ذریعے ثابت کردیتا کہ تمہاری یہ سہیلی بدترین گناہ گار ہے۔''

عینی نے چیخ کر کہا'' بس کریں بھائی جان! بنا ثبوت کے ایسا شرمناک الزام نہ لگائیں۔ آپ مجھے بہن کہتے ہیں، اپنی

بہن کے سامنے کسی ثبوت کے بغیر ایک لڑکی پر بہتان لگاتے ہوئے آپ کو شرم آنی چاہیے۔"

بیگم آفتاب نے کہا "تعجب ہے بیٹی! تم اپنے بھائی سے لڑ رہی ہو؟ اتنی سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئی کہ پاشا آدھی رات کو تمہاری اس سہیلی سے ملنے بند کوارٹر میں کیوں گیا تھا؟"

وہ بولی "پاشا خود نہیں گیا تھا۔ میں نے اسے عروج کے پاس بھیجا تھا۔"

سب نے چونک کر اسے دیکھا۔ ذیشان نے ہمدردی سے کہا "عینی میں جانتا ہوں، عروج تمہیں اچھی طرح سحر زدہ کر دے گی اور تم ہمیشہ کی طرح اس پر اندھا اعتماد کرو گی۔ اس وقت تم جھوٹ بول رہی ہو۔ اور میرے لگائے ہوئے الزام کو غلط ثابت کرنے کے لیے یہ جھوٹ بول رہی ہو۔"

پھر وہ ایک ذرا توقف سے بولا "تم بچپن سے دیکھتی آ رہی ہو کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں اور ہر معاملے میں تمہاری حمایت کرتا ہوں۔ تم اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر یہ سوچو کہ یہ محبت کرنے والا بھائی تمہیں ایک سچی محبت کرنے والی سہیلی سے کیوں جدا کرے گا؟ کیوں خوا مخواہ اس سے دشمنی کرے گا؟ جس دن اس کے بھائی حشمت نے تمہاری عزت پر حملہ کیا۔ مجھے اسی دن سے اس کے گھر والوں سے نفرت ہو گئی ہے۔ میں صرف تمہاری خاطر عروج کی عزت کرتا رہا۔ لیکن کل رات یہ بھی میری نظروں سے گر گئی۔ اس کے باوجود یہ دیکھو کہ میں نے اسے یہاں آنے سے نہیں روکا۔ میں ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتا ہوں کہ میرے کسی بھی عمل سے تمہیں کوئی صدمہ یا نقصان نہ پہنچے، میں تمہارا بڑا بھائی ہوں۔ ممی ڈیڈی اور پھوپی جان تمہارے بزرگ ہیں۔ ہم سب فیصلہ کریں کہ عروج کو یہاں نہیں آنا چاہیے تو تمہیں ہمارے فیصلے کے سامنے سر جھکانا ہوگا۔"

"بے شک آپ ابھی حکم دیں کہ عروج کو یہاں نہیں آنا چاہیے۔ یہ ابھی چلی جائے گی۔ میں اس گھر میں بزرگوں کا حکم مان لوں گی لیکن اس کے ساتھ میں بھی چلی جاؤں گی۔"

فلک آفتاب نے کہا "نہ تم یہاں سے جاؤ گی نہ عروج جائے گی۔ ہمیں اس کے یہاں آنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن پاشا جانی یہاں نہیں آئے گا۔ اگر تم اسے پسند کرتی ہو تو ہم بزرگوں کا فرض ہے کہ ہم اس کے بارے میں اچھی طرح چھان بین کریں۔ اس کی پوری ہسٹری معلوم کریں۔ فی الحال ابتدائی معلومات کے مطابق وہ قابلِ قبول نہیں ہے۔ ہم مزید معلومات حاصل کریں گے۔ اگر وہ واقعی تمہارے شایانِ شان ہوگا تو ہم بھی اسے داماد بنانے سے انکار نہیں کریں گے۔"

عینی نے کہا "آپ جانتے ہی ہیں کہ میں بالغ ہو[ں۔] اپنے مستقبل کا کوئی بھی فیصلہ خود کر سکتی ہوں۔ آپ ابھی [وکیل] انکل کو فون کریں۔ میں ان سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

سب نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بڑ[ے] ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی "جو فیصلہ ہونا ہے۔ وہ آج ہو جائے تو بہتر ہے۔"

فلک آفتاب نے گہری سنجیدگی سے کہا "ہوں..... معاملہ بہت ہی پیچیدہ ہوتا جا رہا ہے۔ وکیل اخلاق احمد کو یہ[اں] آ کر اس معاملے کو سلجھانا ہوگا۔"

اس نے ریسیور اٹھا کر ان کے نمبر ملائے۔ عینی اپنی [جگہ] سے اٹھ کر ٹیلی فون کے قریب آ گئی۔ فلک آفتاب نے ر[ابطہ] ہوتے ہی ریسیور اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اسے کان سے [لگا] کر سننے لگی۔ دوسری طرف سے وکیل اخلاق احمد کی آواز [سنائی] دی "ہیلو...... بیرسٹر اخلاق احمد اسپیکنگ!"

وہ سلام کے بعد بولی "انکل! میں عینی بول رہی ہوں"

"ہاں بیٹی! بولو......"

"آپ نے ڈیڈی کی وصیت سنانے کے ساتھ سات[ھ بتایا] تھا کہ اس وصیت کے دو حصے ہیں۔ دوسرا حصہ اس وقت [سنایا] جائے گا جب میں بالغ ہو جاؤں گی۔ اور شادی کا فیصلہ کر[وں] گی۔ جس دن منگنی ہوگی اس دن آپ وصیت کا دوسرا [حصہ] سنائیں گے۔"

"ہاں بیٹی! اس وصیت کا دوسرا حصہ میرے پاس م[حفوظ] ہے۔ تمہیں جلد سے جلد اپنی شادی کا فیصلہ کر لینا چاہیے۔"

"انکل! میں نے یہی کہنے کے لیے فون کیا ہے، [میں] شادی کا فیصلہ کر چکی ہوں۔ ڈیڈی کی وصیت کے مطابق اپنی پسند سے شادی کر رہی ہوں۔ اور آج ہی منگنی کی رسم [ادا] کی جائے گی۔"

وہ ایک دم سے چونک گئے۔ وہ کیا ڈرائنگ روم [میں] بیٹھے ہوئے سب ہی افراد چونک گئے تھے۔ ذیشان نے کہنے کے لیے منہ کھولا تو اسما نے اس کا پاؤں دبا کر ا[سے] خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ فلک ناز کے ارمانوں پر تو جیسے ا[وس] پڑ گئی تھی۔ بیگم آفتاب کی حالت بھی اپنی نند سے جدا نہیں تھی۔

وکیل نے فون پر عینی سے کہا "بیٹی! کیا اس فیصلے کا [علم] تمہارے بزرگوں کو ہے؟ تم نے ان سے کوئی مشورہ کیا ہے؟"

اس نے ایک ایک کی صورت دیکھتے ہوئے کہا "ہاں...... علم ہے مگر انہیں میری پسند پر اعتراض ہے۔ لیکن [میں] وہی کروں گی، جو بہتر سمجھوں گی۔ اس سلسلے میں آپ

[میرے] بزرگوں سے باتیں کرنا چاہیں تو ابھی آ جائیں۔ اس [وقت] دوپہر کا ایک بج رہا ہے۔ اور میں چاہوں گی کہ شام چھ [بجے] منگنی کی رسم ادا ہو جائے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں ابھی ایک گھنٹے کے اندر وہاں پہنچ رہا [ہوں۔]"

عینی نے ریسیور رکھ کر کہا "وکیل انکل ایک گھنٹے کے اندر [یہاں] آ رہے ہیں۔"

سب کو چپ لگ گئی تھی۔ کوئی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ [وہ اتنی] جلدی اپنی منگنی کی رسم ادا کرنا چاہے گی۔ فلک آفتاب [نے ک]ہا "بیٹی! وصیت کے مطابق تم اپنی پسند سے شادی کر سکتی [ہو۔ لیک]ن اتنی جلدی منگنی کرنا کیا ضروری ہے؟"

وہ حتمی لہجے میں بولی "آج ہی منگنی ہوگی۔ پھر پاشا اس [گھر] کے ہونے والے داماد بن جائیں گے۔ تب کوئی انہیں [یہاں] آنے سے نہیں روک سکے گا۔"

"شادی بیاہ کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ یہاں سے [یورپ] اور امریکہ تک ہمارے رشتہ دار ہیں۔ ان سب کو اطلاع [دینا] ہوگی۔ رئیس خاندانوں میں رشتہ داروں کی موجودگی میں بڑی بڑی تقریبات ہوتی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو بدنامی ہوتی [ہے۔ ط]رح طرح کی باتیں بنائی جاتی ہیں۔"

عینی نے کہا "میں صرف ایک بات جانتی ہوں، مجھے اپنی [عرو]ج کو بدنامی سے بچانا ہے۔ جب میری منگنی پاشا سے [ہو ج]ائے گی تو اسے بدنام کرنے والوں کی زبانیں بند [ہو ج]ائیں گی۔"

ذیشان نے کہا "ڈیڈ! ہم عینی کو نہیں سمجھا سکیں گے۔ وکیل [صا]حب آ رہے ہیں۔ انتظار کریں۔ شاید وہ ہی اسے کوئی [عق]ل کی بات سمجھا سکیں۔"

دردانہ بیگم نے کہا "عینی نے مجھ سے دور رہنے کا فیصلہ [کر] لیا ہے۔ اب مجھے یہاں نہیں رکنا چاہئے چلے جانا چاہئے۔ [لیک]ن وکیل صاحب آ کر وصیت کا دوسرا حصہ سنانے والے [ہیں]۔ اور میں مرحوم فلک سکندر حیات کی بیوہ ہوں۔ مجھے یہ حق [پہنچت]ا ہے کہ میں ان کی وصیت کو آخر تک سنوں۔ شاید اس میں [میر]ے متعلق بھی کچھ کہا گیا ہو۔"

پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بولی "ذیشان! میں تم سے کچھ [کہن]ا چاہتی ہوں۔ کیا تم دس پندرہ منٹ کے لئے میرے ساتھ [میر]ی لاؤنج میں چل سکتے ہو؟"

وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا "آپ میرے ساتھ [ڈر]ائنگ روم والے کمرے میں آ جائیں۔"

وہ دونوں وہاں سے چلتے ہوئے ایک کمرے میں آ گئے اور ایک دوسرے کے سامنے صوفوں پر بیٹھ گئے۔ دردانہ بیگم نے کہا "عینی اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگانے جا رہی ہے۔ کیا ہم اسے ایسا کرنے دیں گے؟"

"میں اس کے اس احمقانہ فیصلے سے پریشان ہوں۔ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ اسے کس طرح روکا جائے؟"

"تم بہت بڑے پولیس افسر ہو۔ چاہو تو اسے وقتی طور پر روک سکتے ہو۔ کسی جھوٹے سچے الزام میں گرفتار کرا کے حوالات میں بند کر سکتے ہو۔ اس طرح نہ وہ آج شام کو یہاں آ سکے گا اور نہ ہی منگنی ہو سکے گی۔"

"آنٹی یہ مسئلے کا حل نہیں ہے۔ عینی کل صبح ہی اپنے وکیل کے ذریعے اس کی ضمانت کرا لے گی۔ منگنی آج نہ ہوئی تو کل ہو جائے گی۔ پھر میں اسے خوا مخواہ گرفتار کراؤں گا تو عینی اور بھی مجھے اپنا دشمن سمجھنے لگے گی۔"

وہ دونوں سر جھکا کر سوچنے لگے۔ ذیشان نے کہا "آپ کی پہنچ بہت اوپر تک ہے۔ آپ نے ہوم منسٹر کے ذریعے جواد کو رہا کرایا تھا۔ میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ آپ کس طرح اوپر والوں تک پہنچ جاتی ہیں۔ صرف اتنا چاہوں گا کہ پاشا آج ہی یہ شہر چھوڑ کر جانے پر مجبور ہو جائے یا اسے اغوا کرا لیا جائے۔"

"تم اپنی بہن کو پاشا کے فریب سے بچانا چاہتے ہو۔ میں اس معاملے میں تمہاری مدد کروں گی پاشا یہاں نہیں آ سکے گا، کہیں گم ہو جائے گا۔ لیکن وعدہ کرو، تم بھی میرے برے وقت میں کام آیا کرو گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں، آپ عینی کو عروج اور پاشا سے نجات دلائیں گی تو میں آئندہ آپ کے کام آیا کروں گا۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی "ہاں...... عروج کو بھی عینی کی زندگی سے نکالنا ہے۔ مگر فی الحال منگنی کی رسم کو رد کرنے کے لئے پہلے پاشا سے نمٹنا ہوگا۔"

"پلیز، آپ ابھی کچھ کریں۔"

"تم اطمینان رکھو۔ میں وکیل صاحب کا انتظار کر رہی ہوں۔ پہلے دیکھو کہ ان کی موجودگی میں کیا باتیں ہوتی ہیں۔ پاشا کی فکر نہ کرو۔ وہ دودھ کی مکھی کی طرح یہاں سے نکل جائے گا۔ مجھے اس کی ٹیکسی کا نمبر اور مکان کا پتا لکھ کر دے دو۔"

وہ ایک کاغذ پر ٹیکسی کا نمبر اور مکان کا پتا لکھنے لگا۔ دردانہ بیگم اسے مکاری سے دیکھ رہی تھی۔ اور دل ہی دل میں کہہ رہی تھی۔

"اس گھر کے سب ہی لوگ مجھ سے دشمنی کر رہے تھے۔ میرے یہاں آنے کا راستہ بند کر رہے تھے۔ اب میں سرنگ

بنا رہی ہوں۔ یہ ایس پی میرا سب سے بڑا دشمن ہے۔ اسے دوست بنا رہی ہوں۔ یہ پاشا جانی کا ایڈریس لکھ رہا ہے اور اس کا ایڈریس تو میں نے اپنے دل پر لکھ لیا ہے۔ یہ سمجھتا ہے کہ اس نے میرے بیٹے سے جو دشمنی کی ہے میں اسے بھول جاؤں گی۔ نہ یہ اسے گرفتار کرتا اور نہ وہ رہائی پانے کے بعد اغوا کیا جاتا اور قتل کیا جاتا۔ میرے اندر یہ شبہ چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ اسی نے میرے جواد کو قتل کرایا ہے اور میں نے بھی اس گھر میں دوبارہ گھس آنے کا ذریعہ اسی کو بنایا ہے۔ اب برابر میرا آنا جانا لگا رہے گا اور میں اس کی درپردہ سازشوں کو سمجھتی رہوں گی۔ پھر عینی کے بھی قریب رہوں گی۔ وہ مجھ سے کترا رہی ہے۔ شکار تو اپنے شکاری سے کتراتا ہی ہے۔ ہاتھ آ آ کر پھسلتا ہے اور پھسل پھسل کر پھر ہاتھ آتا ہے۔ شکار کا لطف اسی طرح حاصل ہوتا ہے۔"

ذیشان پاشا کا پتا ٹھہر ٹھہر کر یوں لکھ رہا تھا جیسے سوچ سوچ کر یاد کر رہا ہو اور لکھ رہا ہو۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا "وردانہ بیگم! تم صحیح وقت پر آئی ہو۔ جوان بیٹے کی موت نے تمہاری کمر توڑ دی ہے۔ اب تم نے جتنے بھی اپنے وسیع ذرائع بنائے ہیں، میں ان کی ایک ایک تفصیل معلوم کرتا رہوں گا۔ اسی لئے تم سے دوستی کر رہا ہوں۔ ان حالات میں یہی ہوتا ہے۔ دشمنی بھی دوستی کی طرح کی جاتی ہے۔"

☆☆☆

ڈاکٹر آرزو کی گاڑی احاطے میں داخل ہوئی تو سید تراب علی شاہ سامنے ہی کھڑا تھا۔ وہ کار سے اتری تو وہ آگے بڑھ کر مسکراتے ہوئے بولا "تم ڈاکٹر آرزو ہو؟"

جی ہاں۔ مجھے آپ کے بیٹے حشمت نے بھیجا ہے۔"

"میں تمہیں دیکھتے ہی سمجھ گیا تھا۔ آؤ۔ اندر آ جاؤ۔"

وہ اس کے ساتھ کوٹھی کے اندر آ گئی۔ تراب علی نے کہا "اس کی ممی بیڈ روم میں ہیں۔ اس نے کہا تھا کہ خود کو بیمار ظاہر کرنا چاہئے۔ ہو سکتا ہے کوئی تمہارا تعاقب کرتا ہوا یہاں آ جائے۔ تو معلوم ہونا چاہئے کہ تم اپنی مریضہ کو دیکھنے آئی ہو۔"

وہ دونوں ڈرائنگ روم سے گزرتے ہوئے ایک بیڈ روم میں آئے۔ وہاں بیگم شاہ مسہری پر لیٹی ہوئی تھیں۔ انہیں دیکھتے ہی اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ تراب نے آرزو کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "یہ تمہارے بیٹے کی پسند۔ تمہاری ہونے والی بہو ہے۔"

آرزو نے اپنی ہونے والی ساس کو سلام کیا۔ بیگم شاہ نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔ "خدا تمہیں خوش رکھے۔ تم نے میرے بیٹے کو پناہ دی ہے، ایسے برے وقت میں اس کے کام آ کر ہمارا دل جیت لیا ہے۔"

پھر وہ الگ ہو کر اس کی بلائیں لیتے ہوئے بولی "ماشاء اللہ بہت پیاری ہو اور ڈاکٹر بھی ہو۔ حشمت کہہ رہا تھا، تمہارا اپنا کلینک ہے۔ ماشاء اللہ! اتنی سی عمر میں تم نے بڑی ترقی کی ہے۔"

تراب نے کہا "کیا کھڑے کھڑے ہی باتیں کرتی رہو گی؟"

وہ آرزو کا ہاتھ تھام کر اسے مسہری کے سرے پر بٹھاتے ہوئے بولی۔ "یہاں بیٹھو میرے پاس۔"

تراب نے کہا "بیٹی! چائے پیو گی یا کوئی ٹھنڈا......؟"

وہ بولی "نہیں انکل! میں کچھ نہیں پیوں گی اور نہ ہی زیادہ دیر یہاں رکوں گی۔"

بیگم شاہ نے کہا "ارے بیٹی! تم پہلی بار آئی ہو۔ اتنی جلدی چلی جاؤ گی؟"

"میں پھر کسی دن آؤں گی تو آپ کے ساتھ کھانا بھی کھاؤں گی اور خوب باتیں بھی کروں گی۔ ابھی دل کو دھڑکا ہوا ہے کہ کسی نے میرا پیچھا نہ کیا ہو۔ ویسے میں بہت محتاط رہی ہوں۔ واپسی میں بھی محتاط رہنا ہوگا۔"

"بیگم! یہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ حشمت وہاں اکیلا ہوگا اندیشوں میں مبتلا رہ کر اس کا انتظار کر رہا ہوگا۔"

ایک سینٹر ٹیبل پر چھوٹا سا بریف کیس رکھا ہوا تھا۔ تراب نے اسے اٹھا کر آرزو کو دیتے ہوئے کہا "اس میں پورے پانچ لاکھ روپے ہیں۔ بیٹی! سنبھال کر لے جانا۔"

"آپ اطمینان رکھیں۔ میں یہاں سے سیدھی حشمت کے پاس نہیں جاؤں گی۔ سڑکوں پر اِدھر اُدھر گھومتے ہوئے دیکھوں گی کہ کوئی میرا تعاقب تو نہیں کر رہا ہے۔ پھر مطمئن ہو کر ہی حشمت کے پاس جاؤں گی۔"

وہ خوش ہو کر بولا "شاباش بیٹی! تم بہت سمجھدار ہو۔"

وہ جانا چاہتی تھی۔ بیگم شاہ نے کہا "بیٹی! ایک ذرا رک جاؤ۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے چلتی ہوئی اپنی الماری کے پاس گئی۔ پھر اسے کھول کر اس کے سیف میں سے زیورات کا ایک بکس نکالتے ہوئے بولی "پہلی بار آئی ہو۔ اس گھر کی ہونے والی بہو ہو۔ ہماری جان ہو۔ اس لئے ہماری طرف سے یہ تحفہ قبول کرو۔"

آرزو نے شکریہ کہتے ہوئے اس بکس کو اپنے بیگ میں رکھا۔ پھر بیگم شاہ کے گلے لگ کر بولی "مجھے اندازہ نہیں تھا

آپ لوگ مجھے اتنی محبتیں اتنا مان دیں گے۔"

بیگم شاہ نے اس کی پیشانی کو چومتے ہوئے کہا "تم حشمت کی پسند ہو۔ ہمارے لئے بہت اہم ہو۔ اس گھر سے تمہیں ہمیشہ محبتیں ملیں گی۔"

آرزو نے اپنا ہینڈ بیگ اور بریف کیس اٹھاتے ہوئے کہا "اب مجھے اجازت دیجئے۔"

وہ اس سے رخصت ہو کر تراب علی شاہ کے ساتھ چلتی ہوئی کوٹھی کے باہر آئی۔ وہ بولا "بیٹی! خیریت سے پہنچنے کے بعد ہمیں فون ضرور کرنا۔"

وہ کار میں بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کرتے ہوئے بولی "جی کلینک میں پہنچتے ہی آپ کو فون کروں گی اور پوچھوں گی کہ آپ کی بیگم کی طبیعت کیسی ہے؟ تو آپ جواب دیں گے کہ ان کی طبیعت سنبھل گئی ہے۔ تب میں کہوں گی کہ وہ بہتری محسوس کر رہی ہیں تو انہیں وہ کیپسول نہ دیں۔ کیپسول کا لفظ سن کر آپ سمجھ لیجئے گا کہ میں رقم لے کر بہ خیریت حشمت کے پاس پہنچ چکی ہوں۔ اگر میں نے کوئی اور بات کی تو سمجھ لیجئے گا کہ ہم خطرہ محسوس کر رہے ہیں اور میں پھر کسی وقت فون کروں گی۔"

"ٹھیک ہے بیٹی، میں سمجھ گیا۔ اگر پولیس والے ہماری کال ٹیپ کر رہے ہوں گے تو وہ ہمارے کوڈ ورڈز کو کبھی سمجھ نہیں پائیں گے۔"

وہ کار ڈرائیو کرتی ہوئی کوٹھی سے باہر آ کر مین روڈ کی طرف جانے لگی۔ ڈرائیونگ کے دوران میں محتاط نظروں سے اِدھر اُدھر اور عقب نما آئینے میں دیکھتی رہی۔ اسے کوئی مشکوک گاڑی یا آدمی نظر نہیں آیا۔ کوئی اس کا تعاقب نہیں کر رہا تھا۔ وہ مطمئن ہو کر گاڑی کی رفتار بڑھانے لگی۔

اس کا رخ اپنے کلینک کی طرف نہیں تھا۔ وہ یوں ہی ایک سڑک سے دوسری سڑک پر مڑتی جا رہی تھی۔ بہت دور جا کر اس نے ایک کیمسٹ کی دکان کے سامنے گاڑی روکی۔ دروازے کو لاک کر کے اس دکان میں گئی۔ وہ کیمسٹ اسے دوائیں سپلائی کیا کرتا تھا۔ وہ اس سے باتیں کرنے لگی اور باتوں کے دوران میں دور دور تک سڑک کے دائیں بائیں دیکھتی رہی پھر اپنی کار میں آ کر بیٹھ گئی۔ وہ تقریباً ایک گھنٹے تک بے مقصد گھومنے پھرنے کے بعد اپنے کلینک میں آ گئی۔ کلینک کے اوپری حصے میں ہی اس کی رہائش تھی۔ حشمت وہیں چھپا ہوا تھا۔ وہ اوپر رہائش گاہ کی طرف نہیں گئی۔ اس نے کلینک میں آ کر ایک چھوٹی الماری کو کھولا۔ بریف کیس کو اس میں رکھا۔ پھر کرسی پر آ کر بیٹھ گئی۔ وہاں ایک مریضہ اس کی منتظر تھی۔ وہ اسے اٹینڈ کرنے لگی۔

آرزو کو کسی حد تک اطمینان ہو گیا تھا کہ کسی نے اس کا پیچھا نہیں کیا ہے۔ اس کے باوجود وہ مزید ایک گھنٹے تک کلینک میں رہنے کے بعد حشمت کے پاس جانا چاہتی تھی۔

اس نے مریضہ کو دوائیں دینے کے بعد رخصت کر دیا۔ ایسے ہی وقت اسد عزیزی ایک جوان لڑکی کے ساتھ وہاں آیا اور میز کے دوسری طرف کرسی پر بیٹھ گیا۔ آرزو نے اس لڑکی سے پوچھا "ہاں بولو! کیا تکلیف ہے؟"

لڑکی نے سر جھکا لیا۔ کچھ شرمانے لگی۔ اسد عزیزی نے کہا "یہ نہیں بتا سکے گی۔ بات یہ ہے کہ اس کے پاؤں بھاری ہو گئے ہیں اور یہ شرما رہی ہے۔"

آرزو نے کہا "شرمانے کی کیا بات ہے؟ شادی کے بعد تو دنیا کی ہر لڑکی ماں بنتی ہے۔"

اسد عزیزی نے کہا "یہی تو پرابلم ہے، اس کی شادی نہیں ہوئی ہے میں یہ حمل ضائع کرانا چاہتا ہوں۔"

وہ ذرا ناگواری سے بولی "آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں یہ غیر قانونی کام کروں گی۔"

وہ ایک پھولا ہوا لفافہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا "اس میں پچاس ہزار ہیں۔ ایک لیڈی ڈاکٹر نے اسے چیک کیا تھا، یہ ماں بننے والی ہے، مجھے پوری طرح یقین نہیں ہے۔ پلیز...... آپ اس کا مکمل چیک اپ کریں۔"

وہ بولی "میں اس کا چیک اپ تو کر دوں گی اور یہ بھی بتا دوں گی کہ یہ ماں بننے والی ہے یا نہیں۔ مگر اس کے بعد آپ مجھ سے کوئی توقع نہ کریں۔ میں کوئی غلط کام نہیں کروں گی۔"

وہ بولا "چلیں آپ ہماری تسلی تو کر دیں۔ اگر یہ ماں بننے والی نہیں ہوگی تو میں اس خوشی میں یہ پچاس ہزار آپ کے پاس چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔"

"یعنی آپ رشوت دینے سے باز نہیں آئیں گے۔ پلیز اس رقم کو اپنے پاس رکھیں۔ ورنہ میں معائنے سے بھی انکار کر دوں گی۔"

اسد عزیزی نے وہ لفافہ اٹھا لیا۔ آرزو اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے اس لڑکی سے بولی "میرے ساتھ آؤ۔"

وہ لڑکی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پیچھے چلتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ اسد عزیزی بھی اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا اسی کمرے کے دروازے پر آیا۔ وہاں کچھ دیر انتظار کرتا رہا۔ پھر دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ آرزو نے پلٹ کر اسے دیکھا، پھر کہا "پلیز۔ آپ تو باہر بیٹھیں۔"

اس نے لباس کے اندر سے ریوالور نکال کر اسے دکھاتے ہوئے کہا "اس میں سائلنسر لگا ہوا ہے۔ تمہارے چیخنے سے پہلے ہی گولی چلے گی اور کوئی آواز نہیں ہوگی۔"

وہ سمجھ گئی کہ پولیس والے اس کا تعاقب کرتے ہوئے وہاں چلے آئے ہیں۔ اس نے پریشان ہو کر پوچھا "آپ کون ہیں؟"

وہ بڑے ہی سفاک لہجے میں بولا "تم کوئی سوال نہیں کرو گی۔ صرف میرے سوالوں کا جواب دو گی۔ یہ بتاؤ حشمت کے گھر کیوں گئی تھیں؟"

"آ...... آپ کس حشمت کی بات کر رہے ہیں؟ میں کچھ دیر پہلے سوسائٹی کے بنگلے میں اپنی مریضہ کو دیکھنے گئی تھی۔"

"تم نے مریضہ کا معائنہ کیا ہوگا۔ اسے دوائیں دی ہوں گی؟"

"ظاہر ہے میں اسی لئے گئی تھی۔"

"اس مریضہ کو کیا بیماری ہے؟"

وہ اس کے سوالوں سے بوکھلا گئی تھی۔ پھر بولی "وہ ایک خاتون ہیں۔ انہیں شاک پہنچا ہے، ان کا بیٹا کہیں گم ہو گیا ہے۔"

"تم نے اسے ذہنی سکون کے لئے دوائیں دی ہوں گی۔؟"

وہ الجھ کر بولی "بے شک میں نے یہی کیا ہے، اسے انجکشن بھی لگایا ہے، تاکہ وہ گہری نیند سو جائے۔"

"تمہاری فیس کتنی ہے؟"

"میں مریضوں کے گھر جا کر معائنہ کرنے کے آٹھ سو لیتی ہوں اور دواؤں کے الگ لیتی ہوں۔"

وہ طنزیہ انداز میں بولا "آٹھ سو روپے اتنے زیادہ تو نہیں ہوتے کہ انہیں بریف کیس میں رکھ کر لایا جائے؟"

آرزو کے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ وہ ایک دم پیچھے ہٹ گئی پریشان ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ فوراً ہی بات بنا کر کوئی معقول جواب نہ دے سکی۔ ہچکچاتے ہوئے بولی "آ...... آپ کون ہیں؟"

وہ مسکرا کر بولا "میں پولیس والا نہیں ہوں۔"

آرزو نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ بولا "میں حشمت کا دوست ہوں اور اسے تلاش کر رہا ہوں۔ تم سیدھی طرح مجھے اس کے پاس نہیں لے جاؤ گی اس لئے پہلے بریف کیس دکھاؤ۔ اسے کہاں رکھا ہے؟"

وہ ہچکچانے لگی۔ پھر بولی "اس کمرے میں چلو۔ وہ الماری میں رکھا ہے۔"

"نہیں الماری کی چابی اس لڑکی کو دو۔"

آرزو نے نہ چاہتے ہوئے بھی الماری کی چابی ا اور وہ لڑکی وہاں سے چلی گئی۔"

وہ بولا "اگر تم میرے احکامات کی تعمیل کرتی ر حشمت کے ساتھ خیریت سے رہو گی۔ تم یقین کرو میں اس کا دشمن نہیں ہوں۔ اس لئے بہتر ہوگا، مجھے ا پاس لے چلو۔"

"کیا تم واقعی حشمت کے دوست ہو؟"

وہ مسکرانے لگا۔ پھر بولا "نہیں۔ دوست نہیں ہو وہ مجھے جانتا ہے۔ نہ میں نے کبھی اس کی صورت دیکھی میں نے تم سے کہا ہے، مجھ سے کوئی سوال نہ کرو۔ میرے سوال کا جواب دو۔ ابھی مجھے اس کے پاس لے نہیں۔؟"

وہ لڑکی بریف کیس لے آئی۔ اس نے آرزو "اسے کھولو!"

آرزو نے اسے لے کر اسٹریچر بیڈ پر رکھ کر کھولا۔ کیس نوٹوں سے بھرا ہوا تھا۔ اسد عزیزی نے کہا "ا کر دو۔ میں یہ رقم نہیں لوں گا۔ آخری بار... پوچھتا مجھے حشمت کے پاس پہنچاؤ گی یا نہیں؟"

وہ سائلنسر لگے ہوئے ریوالور کو دیکھ کر تھوک نگلتے بولی "ہاں۔ پہنچاؤں گی۔ میرے ساتھ چلو!"

"کتنی دور جانا ہے؟"

"وہ۔ اوپر۔ اسی کلینک کے اوپر رہائشی حصے میں۔"

"کیا سیڑھیاں باہر سے ہیں؟"

"نہیں۔ یہاں کوریڈور میں زینہ ہے۔"

اسد عزیزی نے لڑکی سے کہا "جاؤ۔ تم گاڑی میں میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ آرزو کے ساتھ چلتا ہوا کوریڈور میں آیا۔ پھر ا پیچھے پیچھے سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپری حصے میں پہنچا۔ آرز آگے بڑھ کر ایک دروازے پر دستک دی۔ پھر کہا " میں ہوں۔ دروازہ کھولو۔"

دروازہ فوراً ہی کھل گیا۔ حشمت اسد عزیزی کو ایک دم سے بوکھلا گیا۔ اسد نے دروازے پر ایک لات تو وہ پوری طرح کھل گیا۔ حشمت پیچھے ہٹتے ہوئے آرز بولا "یہ...... یہ کیا ہو رہا ہے؟"

وہ روتی ہوئی صورت بنا کر بولی "میں دھوکا ہوں۔ پتا نہیں یہ کیسے میرا تعاقب کرتا ہوا یہاں پہنچ گیا۔"

حشمت نے اس سے پوچھا "تم کون ہو؟"

"اگر مجھ پر بھروسا کرو گے تو دوست ہوں۔ ورنہ دشمن۔"

"میں دوست بنانا چاہتا ہوں۔ اس لئے بھروسا کروں

ا۔ آؤ۔ بیٹھو!"

وہ تینوں میز کے اطراف کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ اسد زیزی نے کہا "تم نے کسی کا مرڈر نہیں کیا ہے۔ کسی بینک کو یں لوٹا ہے، کوئی چھوٹی سی چوری بھی نہیں کی ہے، صرف ایک کی عزت لوٹنا چاہتے تھے، اس میں بھی ناکام رہے ہو۔ تم ے کوئی بہت بڑا جرم نہیں کیا ہے۔ پھر کیوں چوروں اور دلوں کی طرح یہاں چھپے ہوئے ہو؟"

"تم نہیں جانتے، اس لڑکی کا بھائی ایس پی ہے اور بہت خرد ماغ ہے۔ میں نے اس کی بہن کی عزت نہیں لوٹی ہے۔ بے عزتی کی ہے اور وہ اس بے عزتی کا انتقام لے گا۔"

اسد عزیزی نے اپنی جیب سے ایک تہ شدہ کاغذ نکال کر ں کی طرف بڑھایا۔ پھر کہا "اسے پڑھو۔"

حشمت نے اسے کھول کر دیکھا تو وہ کورٹ سے جاری ہ ضمانت نامہ تھا۔ وہ اسے پڑھنے کے بعد حیرانی سے بولا کیا میری ضمانت منظور ہو چکی ہے؟"

"تم تعلیم یافتہ ہو۔ پڑھے لکھے ہو۔ دیکھو۔ اس پر الت کی مہر لگی ہوئی ہے۔ ایک جج کے دستخط ہیں۔ اب وہ ں پی تمہارا کیا بگاڑ لے گا؟"

"میں نے کہا نا...... وہ بہت ہی خرد ماغ ہے۔ میرے ڈی نے مجھے فون پر بتایا ہے کہ دردانہ بیگم نے کورٹ سے پنے بیٹے کے لئے ضمانت نامہ حاصل کیا تھا، اس ایس پی نے ضمانت نامے کو جلا ڈالا تھا اور جواد کو گرفتار کر کے لے گیا ا۔ وہ میرے ساتھ بھی ایسا کر سکتا ہے۔"

عزیزی نے کہا "اس کا باپ بھی ایسا نہیں کر سکے گا۔ اد کا ضمانت نامہ غیر قانونی تھا۔ لیکن ہم نے پکا کام کیا ہے۔ اسے جلائے گا تو اس کی وردی اتر جائے گی۔"

حشمت نے سوچتی ہوئی نظروں سے آرزو کو دیکھا وہ اس ے ضمانت نامہ لے کر پڑھ رہی تھی۔ پھر بولی "یہ تو واقعی پکا م ہے۔ وہ ایس پی تمہیں گرفتار نہیں کر سکے گا۔"

حشمت نے کہا "تم تو واقعی دوست بن کر آئے ہو۔ پھر والور دکھا کر ہمیں دھمکیاں کیوں دے رہے تھے؟"

"اسے سہارا نہ بناتا تو یہ ڈاکٹر مجھے تمہارے پاس نہ لاتی ر بھی مجھے کوئی دشمن سمجھ کر یہاں سے بھاگ جانے کی شش کرتے۔"

حشمت نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا واقعی تم میرے دوست ہو۔ دشمن نہیں ہو۔"

عزیزی نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا "اب یہاں سے اٹھو اور اپنے گھر واپس چلو!"

"میں تھوڑی دیر بعد جاؤں گا۔ ابھی آرزو سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

آرزو نے کہا "میں حشمت کے ساتھ جاؤں گی۔"

عزیزی نے کہا "پھر یہاں باتیں کرنا کیا ضروری ہے؟"

انہوں نے تائید میں سر ہلایا۔ پھر وہ تینوں نیچے کلینک میں آ گئے۔ آرزو تمام دروازے لاک کر کے ان کے ساتھ باہر آئی۔ وہاں گاڑی میں وہ لڑکی دو مسلح افراد کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ عزیزی نے ان سے کہا "میں حشمت کے ساتھ اسی گاڑی میں جا رہا ہوں۔ تم میرے پیچھے آؤ۔"

آرزو ڈرائیونگ سیٹ پر آ گئی تھی۔ حشمت اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔ اسد عزیزی بھی اپنے حواریوں کو حکم دے کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔ آرزو کار اسٹارٹ کر کے اسے آگے بڑھانے لگی اور اسد عزیزی کے گارڈ نے اس کے حکم کے مطابق ان کے پیچھے اپنی گاڑی لگا دی۔

حشمت نے پوچھا "تم نے یہ نہیں بتایا کہ تم کون ہو؟ اور کیوں میرے کام آ رہے ہو؟"

وہ بولا "میں ابھی تمہارے گھر چل رہا ہوں۔ وہاں تمہارے والدین کے سامنے اہم باتیں ہوں گی۔"

آرزو کار ڈرائیو کر رہی تھی اور دل ہی دل میں سوچ رہی تھی "ایک طرح سے یہ اچھا ہی ہوا کہ حشمت کی ضمانت ہو گئی اور ایس پی ذیشان اسے گرفتار نہیں کر سکے گا۔ لیکن دوسری طرف میرا نقصان ہو رہا ہے۔ وہ پانچ لاکھ روپے میں اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرنے والی تھی۔ مگر اب حشمت کے والدین کہیں گے کہ ملک سے باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اتنی بڑی رقم واپس لے لیں گے اور میں خالی ہاتھ رہ جاؤں گی۔"

وہ جان بوجھ کر اس بریف کیس کو اپنے کلینک میں چھوڑ آئی تھی۔ فی الحال حشمت کے ممی ڈیڈی سے کوئی بات بنانا چاہتی تھی۔ اس کے بعد حشمت کو سمجھانا چاہتی تھی کہ وہ ایسی کوئی تدبیر کرے جس سے وہ رقم واپس نہ کرنی پڑے۔

وہ کوٹھی تک پہنچ گئے۔ تراب علی نے بیٹے کو دیکھا تو حیران رہ گیا۔ آگے بڑھ کر اسے گلے لگاتے ہوئے پوچھا "بیٹے! تم اچانک کیسے آ گئے؟"

آرزو نے عزیزی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "انکل! یہ ہمارے محسن ہیں۔ انہوں نے کورٹ سے ضمانت

نامہ حاصل کیا ہے۔ یہ دیکھیں......"

آرزو نے وہ ضمانت نامہ اس کی طرف بڑھایا۔ وہ اسے لے کر پڑھنے لگا۔ پھر خوش ہوکر اسد عزیزی سے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا "مسٹر! ہم آپ کا احسان کبھی نہیں بھولیں گے۔"

بیگم شاہ نے وہاں آ کر بیٹے کو دیکھا تو خوشی سے چیخ پڑی۔ تیزی سے آگے بڑھ کر اس کے گلے لگ گئی اور خوشی سے رونے لگی۔ پھر اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں لے کر چومنے لگی۔

تراب علی نے عزیزی سے کہا "کیا آپ اپنا تعارف کرانا پسند کریں گے؟"

وہ سب مختلف صوفوں پر بیٹھ گئے تھے۔ عزیزی نے کہا "میرا نام اسد عزیزی ہے، میں دردانہ کا خادم ہوں۔ میں نے ان کے حکم سے ہی حشمت کی ضمانت حاصل کی ہے۔"

بیگم شاہ نے خوش ہوکر کہا "دردانہ نے ہم پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ میں ابھی ان کا شکریہ ادا کروں گی۔"

عزیزی نے کہا "آپ لوگ میری باتیں ذرا توجہ سے سنیں اور ان پر عمل کریں۔ میں یہاں یہ کہنے آیا ہوں کہ حشمت کی ضمانت کے سلسلے میں دردانہ بیگم کا نام نہیں آنا چاہئے۔"

تراب علی نے پوچھا "آپ منع کیوں کررہے ہیں؟ انہوں نے اتنا بڑا کام کیا ہے۔ پھر وہ اپنا نام کیوں چھپانا چاہتی ہیں؟"

"انہوں نے کہا ہے کہ آپ اس سلسلے میں بحث نہ کریں۔ صرف ایک بات کا جواب دیں، انہوں نے آپ سے نیکی کی ہے، آپ کے بیٹے کو صحیح سلامت گھر پہنچایا ہے اور آئندہ وہ ایس پی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ اس کے صلے میں کیا آپ ان کی اتنی سی بات نہیں مانیں گے؟"

تراب علی نے بیٹے اور اپنی بیگم کو دیکھا پھر کہا "ٹھیک ہے۔ اگر دردانہ بیگم یہی چاہتی ہیں تو ہم کسی کے سامنے ان کا نام نہیں لیں گے۔ اپنی طرف سے یہی کہیں گے کہ ہم نے اپنی کوششوں سے بیٹے کی ضمانت حاصل کی ہے۔"

بیگم شاہ نے پوچھا "ہم ان سے فون پر تو بات کرسکتے ہیں؟"

"ان سے آج شام کے بعد آپ باتیں کرسکیں گی۔ ابھی وہ کسی اور معاملے میں مصروف ہیں۔"

"جب انہوں نے ہمارے بیٹے کو اس مغرور ایس پی سے بچایا ہے تو اپنے بیٹے کو بھی رہا کرالیا ہوگا؟"

عزیزی نے کہا "جی ہاں۔ رہا کرایا تھا۔ لیکن بہت ٹریجڈی ہوگئی۔ کسی نے جواد کو قتل کردیا ہے۔" ... چونک کر اسے دیکھا۔ پھر حشمت نے پوچھا "اسے کون کرسکتا ہے؟"

"اس معاملے کی تحقیقات ہورہی ہیں۔ دردانہ بیگم پریشان ہیں۔ اس لئے میرا مشورہ ہے کہ ابھی انہیں ڈسٹرب نہ کریں۔ میرا خیال ہے، وہ خود ہی فون پر آپ سے ... کریں گی۔"

اتنا کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا "اب چلنا چاہئے۔"

تراب علی نے کہا "یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ آپ کچھ ٹھنڈا تو پئیں۔ ہم باتوں میں ایسے الجھ گئے کہ آپ کی خاطر مدارات بھی بھول گئے۔"

"کوئی بات نہیں۔ میں بہت مصروف رہتا ہوں۔ وقت بھی ذرا جلدی میں ہوں۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ دردانہ بیگم کے بیٹے کا مرڈر ہوا ہے اور ہم اس سلسلے میں کتنے مصروف ہوں گے؟"

"بے شک میں سمجھ رہا ہوں۔ آیئے۔ میں آپ کو ... تک چھوڑ آؤں۔"

وہ تراب علی کے ساتھ باہر چلا گیا۔ ماں نے بیٹے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "خدا تمہیں ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ پتا نہیں جواد کو کس نے قتل کیا ہے؟"

"ممی یہ دردانہ بیگم بہت پہنچی ہوئی ہے۔ پتا نہیں کیسے بڑے لوگوں سے اس کے تعلقات ہیں؟ اور ان لوگوں میں کوئی اس کا دشمن بھی ہوسکتا ہے۔ وہ چین سے نہیں بیٹھے گی۔ اس قاتل کا سراغ لگا کر ہی رہے گی۔"

تراب علی واپس آ کر ایک صوفے پر بیٹھتے ہو... "جواد کے قتل نے تو مجھے پریشان کردیا ہے بلکہ گھبراہٹ میں مبتلا کردیا ہے۔"

بیگم شاہ نے پوچھا "آپ کیوں گھبرا رہے ہیں؟"

"بیگم! ایس پی ذیشان نے ہمیں فون پر دھمکی دی ... ہم نے حشمت کو اس کے سامنے حاضر نہ کیا تو وہ بہت بری طرح پیش آئے گا۔ حشمت جہاں بھی چھپ کر رہے ... اسے ڈھونڈ نکالے گا۔ جب پولیس والے اپنی ضد پر آ... سے انتقام لیتے ہیں تو اس مجرم کو پولیس مقابلوں کے ذریعے ہلاک کردیتے ہیں۔ ہمارے بیٹے کا بھی یہ حشر ہوسکتا ہے۔"

اس کی باتیں سن کر سب ہی چپ ہوگئے تھے۔ ... نے گھبرا کر اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "آ...

... نہیں کررہے ہیں؟ کیوں میرا دل دہلا رہے ہیں؟ کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ذیشان نے جواد کو قتل کیا ہے؟"

"اگر اس نے قتل نہیں کیا ہے تو کسی سے کرایا ہے۔"

حشمت نے کہا "اوہ ڈیڈ! ذیشان ایسا بھی تیس مار خان نہیں ہے کہ جسے چاہے گولی سے اڑا دے۔ میرا دل نہیں مانتا کہ اس نے ایسا کیا ہے۔"

"بیٹے! میں بھی یقین سے نہیں کہہ رہا ہوں۔ جو بات میرے دل میں آرہی ہے وہی زبان پر لا رہا ہوں۔ خدا کرے میرا خیال غلط ہو۔ خدا کرے، وہ تم سے دشمنی نہ کرے۔ ہم آج ہی کسی وکیل کی خدمات حاصل کریں گے۔ پھر اس کے ذریعے ذیشان کو اطلاع دیں گے کہ تمہاری ضمانت ہوچکی ہے۔ ہمیں قانونی طور پر ہر پہلو سے مضبوط رہنا چاہئے۔ میں ابھی یہ ضمانت نامہ لے کر کسی وکیل کے پاس جاؤں گا اور اس کی کئی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں کرالوں گا۔"

بیگم شاہ نے کہا "میرا دل گھبرا رہا ہے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ جواد کو کس نے قتل کیا ہے میں شام کو دردانہ سے فون پر بات کروں گی۔ اس سے پوچھوں گی کہ قاتل کا کچھ سراغ لگا یا نہیں؟"

"اگر قاتل کا سراغ لگ چکا ہوتا تو اسد عزیزی ابھی ہمیں بتا دیتا۔"

آرزو نے اپنی ہونے والی ساس کا ہاتھ تھام کر کہا "آنٹی! آپ کی طرح میرا بھی دل گھبرا رہا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ ضمانت حاصل کرنے کے بعد بھی حشمت یہاں رہیں۔ انہیں کچھ عرصے کے لئے ملک سے باہر چلے جانا چاہئے۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو۔ میں اپنے بیٹے کو یہاں نہیں رہنے دوں گی۔"

پھر اس نے اپنے شوہر سے پوچھا "کیوں جی! آپ کیا کہتے ہیں؟"

"ہاں۔ یہ یہاں سے چلا جائے تو بہتر ہے۔ ہمیں بھی اطمینان رہے گا کہ یہ ہم سے دور ہے لیکن جہاں بھی ہے محفوظ ہے۔"

آرزو خوش ہوگئی۔ اس کا تیر نشانے پر بیٹھا تھا۔ وہ پانچ لاکھ روپے اس کے ہاتھوں سے پھسل رہے تھے لیکن اب وہ اس کے اکاؤنٹ میں پہنچنے والے تھے۔

☆☆☆

وکیل اخلاق احمد نے آ کر دیکھا۔ خاندان کے تمام افراد ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے اپنا بریف کیس میز پر رکھتے ہوئے عینی سے کہا "مجھے یہ سن کر خوشی ہورہی ہے کہ تم شادی کے لئے راضی ہوگئی ہو۔ شادی کے بعد ففٹی پرسنٹ کاروبار تمہارے ہاتھوں میں ہوگا۔ دولت اور جائیداد کے آدھے حصے پر بھی تمہیں پورا اختیار حاصل ہوگا۔"

فلک آفتاب نے کہا "اخلاق صاحب! آپ پہلی بار یہ کہہ رہے ہیں کہ عینی آدھے کاروبار اور آدھی جائیداد کی مالکہ ہوگی لیکن باقی آدھا حصہ کس کا ہوگا؟"

فلک ناز، بیگم آفتاب اور دردانہ بیگم نے ذرا بے چینی سے وکیل کو دیکھا وہ بولا "میں وصیت کا دوسرا حصہ سناؤں گا تو آپ کو معلوم ہوجائے گا۔"

پھر وہ اپنا بریف کیس کھول کر اس میں سے ایک فائل نکالتے ہوئے بولے "مرحوم فلک سکندر حیات نے وصیت میں بھی لکھا ہے اور مجھے تاکید بھی کی تھی کہ جب تک عینی شادی کے قابل نہ ہوجائے اور راضی نہ ہوجائے اور کسی سے منسوب نہ ہوجائے، اس وقت تک وصیت کا دوسرا حصہ محفوظ رکھا جائے اور اسے کسی دوسرے کے علم میں نہ لایا جائے۔ میں اسے پڑھنے سے پہلے عینی سے پوچھنا چاہوں گا کہ اس نے اچانک ہی شادی کا فیصلہ کیسے کرلیا؟ آج شام منگنی کی رسم ادا کی جارہی ہے۔ اتنی جلدی کی کوئی خاص وجہ ہے؟"

ذیشان نے کہا "ہم اس کی پسند کے خلاف ہیں۔ یہ جس شخص کو اس گھر کا داماد بنانا چاہتی ہے وہ ہمارے معیار کا نہیں ہے۔ ہماری معلومات کے مطابق وہ عادتاً فریبی ہے۔"

اخلاق احمد نے سوچتی ہوئی نظروں سے عینی کو دیکھا پھر پوچھا "بیٹی تم کیا کہتی ہو؟"

"اگر میں بزرگوں کی پسند کے مطابق کسی سے شادی کروں گی تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ وہ عادتاً فریبی نہیں ہوگا؟ ہمارے بزرگوں کے قول کے مطابق ہر انسان اپنے چہرے کے پیچھے کئی چہرے چھپا کر رکھتا ہے اور ان پوشیدہ چہروں کو سمجھنا بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔ بعد میں جا کر علم ہوتا ہے کہ ان کی اصلیت کیا ہے؟"

عروج نے کہا "اگر لڑکیاں بالغ ہونے کے بعد لائف پارٹنر کے انتخاب میں دھوکا کھا سکتی ہیں تو لڑکیوں کے بزرگ بھی دھوکا کھا سکتے ہیں اور جب دھوکا کھاتے ہیں تو خود کو شرمندگی سے بچانے کے لئے یہ بزرگ اپنی غلطی نہیں مانتے۔ یہی کہتے ہیں کہ لڑکی کا مقدر خراب تھا۔ عینی اپنی تقدیر سنوارنے کا حق رکھتی ہے۔"

ذیشان نے ناگواری سے کہا "تم ہمارے گھریلو معاملات میں نہ بولو۔"

عینی نے کہا "بے شک عروج کو ہمارے گھریلو معاملات میں بولنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ لیکن اس وقت میرا ذاتی معاملہ زیر بحث ہے اور یہ میرے ہر معاملے میں بول سکتی ہے۔ میں اس کے علاوہ کسی اور کو اپنے ذاتی معاملات میں بولنے کا حق نہیں دوں گی۔"

ذیشان نے کہا "جب تم اچھے برے کی تمیز سکھانے کا حق ہمیں نہیں دو گی تو پھر ہم یہاں بیٹھ کر کیا کریں؟"

وہ کندھے اچکا کر بے پروائی سے بولی "یہ میں نہیں جانتی کہ آپ بیٹھیں گے یا چلے جائیں گے۔ میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ میرے بزرگ ضرور یہاں بیٹھے رہیں گے۔ کیونکہ وصیت کا دوسرا حصہ سنایا جانے والا ہے۔"

وہ سب ایک دوسرے کو تکنے لگے۔ عینی کی منگنی اور شادی کا معاملہ بہت اہم تھا۔ لیکن اس سے بھی زیادہ اہم وصیت کا دوسرا حصہ تھا۔ جسے سننے کے لئے سب ہی بے تاب تھے۔

ذیشان نے کہا "میں خوا مخواہ تمہیں اپنا سمجھ کر غصہ دکھا رہا ہوں۔ لیکن اتنا بتا دو، اگر ہم نے یہ ثابت کر دیا کہ پاشا جانی جھوٹا اور فریبی ہے اور تم سراسر دھوکا کھا رہی ہو تو کیا ثبوت اور گواہوں کی موجودگی میں بھی تم حقیقت سے انکار کرو گی؟"

"ثبوت اور گواہوں کی موجودگی میں کوئی بھی سچائی سے انکار نہیں کر سکتا، میں بھی نہیں کروں گی۔ لیکن منگنی کی رسم نہیں رکے گی اور آپ سب سن لیں کہ ٹھیک ایک ہفتے کے بعد میں شادی بھی کرنے والی ہوں۔ اگر آپ اپنے دعوے کو درست ثابت کر دیں گے تو میں شادی سے انکار کر دوں گی۔"

وکیل نے کہا "عینی کی بات معقول ہے۔ ایک تو وصیت کی رو سے یہ اپنی پسند سے شادی کرنے کا حق رکھتی ہے۔ پھر اس بات کو بھی تسلیم کر رہی ہے کہ اگر اس کے انتخاب کو غلط ثابت کر دیا گیا تو یہ اس شادی سے باز آ جائے گی۔ آج شام جو منگنی ہونے والی ہے اسے سچائی ثابت ہو جانے کے بعد توڑا بھی جا سکتا ہے۔"

پھر اس نے عینی سے پوچھا "بیٹی اگر یہ منگنی کنفرم ہے تو میں یہ وصیت پڑھوں؟"

"جی انکل منگنی بالکل کنفرم ہے۔ ہم نے فون کے ذریعے پاشا جانی کو اطلاع دے دی ہے شام تک دوسرے رشتے داروں کو بھی مطلع کر دیا جائے گا۔ آپ سے بھی درخواست ہے ضرور شرکت کیجئے گا۔ آپ کے بغیر منگنی کی رسم ادا نہیں کی جائے گی۔"

وکیل نے گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے۔ مجھے وصیت سنا دینی چاہئے۔ دن کے دو بج رہے ہیں آپ لوگوں کو دوسرے کام بھی نمٹانے ہوں گے۔"

سب ہی وصیت سننے کے لئے بے چین ہو رہے تھے۔

وکیل نے چشمہ لگا کر فائل کو پڑھتے ہوئے کہا "اس وصیت کے پہلے حصے کے مطابق عینی کو کروڑوں روپے کی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد مل چکی ہے۔ پانچ سو کروڑ روپے یہاں سے اوورسیز تک پھیلے ہوئے کاروبار میں گردش کر رہے ہیں۔ یہ کاروبار میری اور ایک نوجوان کی نگرانی میں جاری ہے اور جاری رہے گا۔ لیکن شادی کے بعد میں اس کاروبار کی ذمے داری سے بری الذمہ ہو جاؤں گا۔ عینی اپنے شوہر کے ساتھ اس کاروبار کو سنبھالنے کی ذمے داری قبول کر لے گی۔"

عینی نے کہا "نہیں انکل! میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں اور اب بھی کہتی ہوں کہ میری شادی کے بعد بھی آپ اس کاروبار کے نگران اعلیٰ رہیں گے۔ پاشا کو کاروبار کا تجربہ نہیں ہے۔ وہ آپ کی رہنمائی میں تجربات حاصل کرتے رہیں گے اور اپنی ذمے داریاں پوری کرتے رہیں گے۔"

فلک آفتاب نے پوچھا "جناب اخلاق احمد صاحب! وہ نوجوان کون ہے جو آپ کے ساتھ اس کاروبار کو سنبھال رہا ہے؟ آج سے پہلے آپ نے کبھی اس کا ذکر نہیں کیا۔"

اخلاق احمد نے کہا "اس سے پہلے میں نے وصیت کا دوسرا حصہ سنایا بھی نہیں تھا۔ اب چونکہ سنایا جا رہا ہے اس لئے اس نوجوان کا ذکر بھی ضروری ہے۔ اس وصیت کے مطابق اب وہ تین سو کروڑ روپے کی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کا مالک ہے اور مرحوم فلک سکندر حیات کے کاروبار میں عینی کا ففٹی پرسنٹ کا حصے دار ہے۔"

دردانہ بیگم، بیگم آفتاب، فلک آفتاب اور فلک ناز کی سانسیں اوپر کی اوپر رہ گئیں تھیں۔ یہ نیا انکشاف ہو رہا تھا کہ مرحوم کی دولت، جائیداد اور کاروبار میں عینی کا کوئی ففٹی پرسنٹ کا پارٹنر بھی ہے اور عینی سے بھی زیادہ دولت اور جائیداد کا مالک ہے۔

فلک آفتاب نے حیرانی سے پوچھا "آخر یہ نوجوان ہے کون؟ جسے میرے مرحوم بھائی نے آدھا کاروبار اور عینی سے زیادہ دولت سونپ دی ہے۔"

وکیل اخلاق احمد نے باری باری ایک ایک کے چہرے کو دیکھا پھر کہا "آپ لوگوں کو یاد ہوگا کہ مرحوم نے عینی کی والدہ سے شادی کی تھی۔ لیکن شادی کے چھ برس گزر جانے کے بعد بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ اس قدر پھیلے ہوئے کاروبار کے لئے ایک وارث بہت ضروری تھا۔ اس لئے مرحوم نے چھپ کر ایک اور شادی کی۔"

سب نے ایک دم سے چونک کر بے یقینی سے اسے دیکھا۔ وہ بولا "میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ اسی وصیت میں لکھا ہوا ہے۔ آپ ابھی باری باری اسے پڑھ سکیں گے۔ اس دوسری بیوی سے ایک بیٹے نے جنم لیا تھا۔ مرحوم اپنی پہلی بیوی کو بہت چاہتے تھے۔ انہیں دوسری شادی کی بات بتا کر ان کا دل نہیں توڑنا چاہتے تھے۔ اس لئے یہ شادی ہمیشہ راز میں رکھی۔ تین برس بعد ان کی پہلی بیوی بھی ماں بن گئیں، اور انہوں نے عینی کو جنم دیا۔"

عینی نے عروج کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ اس کے باپ نے اب تک جو رازداری برتی تھی، اسے اس سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ جو ہونا تھا، وہ ہو چکا تھا اور جو ہو چکا تھا اس سے ایک نئی دلچسپی پیدا ہو رہی تھی۔ وہ بولی "انکل! یہ سن کر حیرت بھی ہو رہی ہے اور مسرت بھی کہ میرے ایک بڑے بھائی ہیں۔"

پھر وہ دردانہ بیگم کی طرف دیکھ کر بولی "مگر افسوس۔ میں ایک سوتیلے بھائی کا زخم کھا چکی ہوں اب نہ جانے میرے یہ دوسرے سوتیلے بھائی کیسے ہوں گے؟"

اخلاق احمد نے کہا "میں تمہیں یقین دلاتا ہوں، وہ سگوں سے بھی بڑھ کر ہے، تمہیں بہت چاہتا ہے، اس کی دیانت داری کا ثبوت یہی ہے کہ اس نے بڑی ذہانت سے اور بڑی ایمانداری سے یہ کاروبار سنبھالا ہوا ہے۔ اتنا پھیلا ہوا بزنس ہے کہ میں پوری طرح توجہ نہیں دے سکتا۔ لیکن ہر سال آڈیٹر کی رپورٹ بتاتی ہے کہ وہ بڑی ایمانداری سے تمہارا حصہ ادا کرتا جا رہا ہے اور کوئی ہیرا پھیری نہیں کر رہا ہے۔"

عینی نے خوش ہو کر کہا "میں ایسے سچے اور دیانتدار بھائی سے آج ہی ملنا چاہوں گی۔"

"ابھی وہ لندن میں ہے۔ جلد ہی آئے گا تو تم سے ملاقات ہوگی۔"

فلک ناز، بیگم آفتاب اور دردانہ بیگم کو تو جیسے سکتہ سا ہو گیا تھا۔ وہ ان کی باتیں سن رہی تھیں لیکن چاہنے کے باوجود کچھ بول نہیں پا رہی تھیں۔ مخالفین میں ایک اور مخالف کا اضافہ ہو گیا تھا۔ دردانہ بیگم انتظار ہی کرتی رہ گئی تھی کہ شاید اس کے جواد کے بارے میں بھی وصیت میں کچھ لکھا ہو۔

فلک آفتاب نے پوچھا "اس نوجوان کا نام کیا ہے؟"

"وہ قسمت کا دھنی ہے۔ مقدر کا سکندر ہے، اس کا نام مقدر حیات ہے۔ فلک مقدر حیات۔"

بیگم آفتاب کو یوں لگا جیسے مقدر حیات کے آنے سے اس کے مقدر کا ستارہ چمکنے والا ہے۔ بیگم آفتاب کی ایک جوان بیٹی نمرہ تھی۔ جو ذیشان اور بابر سے چھوٹی تھی۔ وہ بھی کبھی وہاں آتی تھی۔ ورنہ زیادہ تر لاہور اپنے ننھیال میں رہا کرتی تھی۔

بیگم آفتاب اور فلک آفتاب کے ذہن میں فوراً ہی یہ بات آئی کہ عینی کی طرف سے ناکام ہونے کے بعد ان کے لئے پھر دولت کے حصول کا ایک نیا راستہ کھل رہا ہے۔ نمرہ کی لاٹری نکل سکتی ہے۔

فلک ناز کے دماغ میں بھی یہ خیال بجلی کی طرح کوندا۔ اس کی بھی ایک جوان بیٹی تھی۔ جو بچپن ہی سے اپنی دادی اور دادا کے پاس پرورش پا رہی تھی۔ اس کا نام آسرا تھا اور وہ کہا

محی الدین نواب کے قلم سے ایک
دل گداز داستان
شارٹ کٹ
قیمت: ۱۲۵ روپے
ان لوگوں کی کہانی جو کم سے کم وقت میں بہت کچھ حاصل کرنے کے لئے شارٹ کٹ اختیار کرتے ہیں۔
ایک ایسا ناول جسے آپ شروع کرنے کے بعد ختم کئے بغیر نہ رہ سکیں گے۔
اپنے ہاکر یا قریبی بک اسٹال سے طلب فرمائیں

کرتی تھی'' میں کسی پر آسرا نہیں کرتی۔ اپنا مقدر آپ بناتی ہوں۔''

فلک ناز نے فوراً ہی یہ سوال داغا۔'' کیا مقدر حیات کی شادی ہوچکی ہے؟''

اخلاق احمد نے انکار میں سرہلا کر کہا'' وہ کہتا ہے، شادی کرے گا تو اپنے خاندان میں۔ اسی لئے وہ لندن سے یہاں آنے والا ہے۔''

سب ہی کے چہرے ایک دم سے کھل گئے وہ ایک دوسرے کو خوشی سے دیکھنے لگے۔ دیکھنے کا انداز ایسا تھا، جیسے وہاں بیٹھے نہ ہوں۔ ہواؤں میں اڑ رہے ہوں۔ اب وہ عینی کو بھول گئے تھے۔ اپنے جوان بیٹوں کو بھی بھول گئے تھے کہ ان میں سے کسی کو عینی سے منسوب کرنا ہے۔ اب تو وہ اپنی اپنی جوان بیٹیوں کے بارے میں سوچ رہے تھے۔

بیگم آفتاب نے اخلاق احمد سے کہا'' پلیز آپ مقدر حیات کا فون نمبر ہمیں دیں۔ میں ابھی اس سے باتیں کروں گی۔''

فلک ناز بھلا کیوں پیچھے رہتی جلدی سے بولی'' اخلاق بھائی! آپ مجھے مقدر حیات کا مکمل ایڈریس لکھ کردیں۔ میں کل ہی کی فلائٹ سے لندن جاؤں گی۔''

بیگم آفتاب نے اسے گھور کر دیکھا۔ پھر کہا'' ناز! تم تو ہوا کے گھوڑے پر سوار ہوجاتی ہو۔ تیز دوڑنے والے ہمیشہ منہ کے بل گرتے ہیں۔''

دردانہ بیگم نے طنزیہ انداز میں مسکرا کر کہا'' اب اس گھر میں ایک نئی رسہ کشی شروع ہوگی۔''

عروج اور عینی ان کی حالت پر مسکرا رہی تھیں۔ فلک آفتاب نے اپنی بیگم کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔'' خاموش رہو۔ جب موقع ملتا ہے، آپس میں الجھنے لگتی ہو۔ ہمیں ابھی اخلاق صاحب سے بہت کچھ سننا ہے۔ بہت کچھ سمجھنا ہے۔''

ایسے ہی وقت عروج کے موبائل کا بزر سنائی دیا۔ اس نے نمبر پڑھا۔ پاشا کی کال تھی۔ اس نے اسے کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے وہ بولا'' ہیلو! تم کون ہو؟ عروج۔ یا عینی؟''

'' میں عروج بول رہی ہوں۔ تم شام کو چھ بجے آرہے ہو ناں؟''

'' ہاں۔ آنا تو ہے۔ لیکن راستے میں دیواریں کھڑی ہورہی ہیں۔''

'' کیا مطلب؟''

'' ابھی مجھ پر فائرنگ ہوئی ہے۔ اگر میں اپنی ٹیکسی میں نہ ہوتا تو شاید اس وقت اس دنیا میں نہ ہوتا۔''

عروج نے ایک دم سے پریشان ہوکر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا:'' اوہ نو۔ تم پر کون فائرنگ کرسکتا ہے؟''

یہ سنتے ہی عینی بھی اچھل کر کھڑی ہوگئی۔ وہ عروج سے فون چھین کر اپنے کان سے لگا کر بولی'' ہیلو۔ میں عینی بول رہی ہوں۔ پاشا! یہ تمہارے ساتھ کیا ہورہا ہے؟''

جو ہورہا تھا۔ مقدر سے ہورہا تھا اور جو مقدر سے ہوتا ہے، وہ چھپتا نہیں ہے۔ سب کے سامنے آتا ہے۔ پاشا کے ساتھ جو ہورہا تھا۔ وہ بھی آگے چل کر سب کے سامنے آنے والا تھا۔

اس وقت ذیشان نے چور نظروں سے دردانہ بیگم کی طرف دیکھا۔ وہ ایسی خاموش اور سنجیدہ بنی بیٹھی تھی، جیسے کچھ جانتی ہی نہ ہو۔ عروج گھور گھور کر کبھی ذیشان کو اور کبھی دردانہ کو دیکھ رہی تھی۔

میں یہ کہتا آرہا ہوں کہ، مقدر ہوں، ہر انسان کے ساتھ جنم لیتا ہوں اور اسی کے ساتھ مرجاتا ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں ہر پیدا ہونے والے کا ہمزاد ہوں۔ وہ ہمزاد جو کسی کو نظر نہیں آتا۔ میرا کوئی ٹھوس جسمانی وجود نہیں ہے۔

نہیں ہے تو کیا ہوا؟

جو نہیں ہے وہ ہوسکتا ہے، اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ وہ انہونی کو ہونی کردیتا ہے۔ اس دنیا میں عجیب وغریب حیرت انگیز تماشے ہوتے رہتے ہیں۔ ایک تماشا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مجھے ایک انسانی جسم مل جائے۔ قدرت کے کارخانے میں ایسی چیز بھی تخلیق ہوجاتی ہے، جس کی انسان کبھی توقع نہیں کرسکتا۔ کوئی یقین کرے یا نہ کرے میں جسمانی طور پر پیدا ہوچکا ہوں۔ اور میرا نام ہے۔ مقدر حیات۔ فلک مقدر حیات......

میں کیا ہوں......؟
میں اک بازی گر ہوں۔
ہاتھوں کی لکیروں پر۔
تمہارا ہم سفر ہوں۔
تمہارا دوست بھی ہوں۔
اور دشمن بھی ہوں۔
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں۔
تمہارے ساتھ ہی مرجاتا ہوں۔
مقدر ہوں۔ مقدر حیات۔
حیات کی دہلیز پر مقدر رکھ چکا ہوں۔''

یہ پچیس برس پہلے کا ذکر ہے۔ فلک سکندر حیات اولاد سے محروم تھا۔ شادی کو چھ برس ہوگئے تھے۔ یہ فکر لاحق تھی کہ اتنے وسیع کاروبار، دولت اور جائداد کو سنبھالنے والا وارث نہیں ہوگا تو کیا ہوگا؟ کیا اتنی محنت سے کمائی ہوئی دولت خود غرض رشتے داروں میں تقسیم ہوجائے گی یا محکمۂ اوقاف میں چلی جائے گی؟

وہ اپنی بیوی کو بہت چاہتا تھا۔ ایک سوکن لا کر اس کا دل نہیں دکھانا چاہتا تھا لیکن مجبور ہوگیا تھا۔ ایک وارث نہایت ضروری تھا۔ آخر اس نے دوسری شادی چھپ کر کی اور یہ طے کرلیا کہ وہ کبھی اس شادی کا ذکر اپنی بیوی اور دوسرے رشتے داروں سے نہیں کرے گا۔ اس دوسری بیوی نے ایک بیٹے کو جنم دیا۔

سکندر حیات نے خوش ہوکر بیوی سے کہا'' یہ بیٹا مجھے تقدیر سے ملا ہے۔ اس لیے میں اس کا نام مقدر حیات رکھتا ہوں......''

مقدر نام رکھنے سے مقدر مہربان نہیں ہوتا۔ وہ بچہ پیدائش کے دن سے ہی کمزور تھا۔ اکثر بیمار رہتا تھا۔ خوب صورت اور ذہین ہونے کے باوجود ہمیشہ مسئلہ بنا رہتا تھا۔ بڑے بڑے مہنگے ڈاکٹر اس کا علاج کرتے تھے۔ علاج اور دواؤں میں لاکھوں روپے خرچ ہوتے رہتے تھے۔ وہ اتنا ذہین تھا کہ اس نے بارہ برس کی عمر میں ہی دس جماعتیں پاس کرلی تھیں۔ بہت ہی حاضر دماغ تھا۔ یادداشت بھی غیر معمولی طور پر مستحکم تھی۔ اردو، عربی، انگریزی اور فارسی زبانوں کو پڑھ کر سمجھتا رہتا تھا پھر رفتہ رفتہ روانی سے بولنے بھی لگا تھا۔

اتنا باصلاحیت ہونے کے باوجود بیماریوں کی آماجگاہ بنا رہتا تھا۔ روز ہی کوئی نہ کوئی بیماری آکر اسے دبوچ لیا کرتی تھی۔ جب وہ بیس برس کا ہوا تو میڈیکل رپورٹ کے ذریعے معلوم ہوا کہ اسے برین کینسر ہے۔

ماں تو یہ سنتے ہی صدمے سے مرگئی۔ باپ اسے لاہور والی کوٹھی میں لے آیا۔ دوائیں بے اثر ہوگئی تھیں۔ ایسے میں صرف دعاؤں کا ہی سہارا ہوتا ہے، جب انسان ہر طرف سے مایوس ہوجاتا ہے تو پھر اسے اللہ تعالیٰ یاد آتا ہے۔

فلک سکندر حیات ساری زندگی دولت کمانے کی دھن میں لگا رہا تھا۔ بے انتہا مصروفیات کے باعث کبھی عید کی نماز پڑھ لیا کرتا تھا۔ اپنے اکلوتے بیٹے کی نبض ڈوبنے لگی تو اسے خدا یاد آیا۔

وہ پانچوں وقت کی نمازیں پڑھنے لگا۔ مسجدوں اور دینی درس گاہوں میں لاکھوں روپے زکوۃ اور عطیے کے طور پر دینے لگا۔ اس نے رمضان المبارک کا چاند دیکھ کر اپنے ایک خاص ڈاکٹر سے کہا'' میں مقدر حیات کو تمہارے حوالے کرتا ہوں۔ جب تک اس کی سانسیں چل رہی ہیں، تب تک اس کی دیکھ بھال کرتے رہو۔ میں اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعائیں مانگتا رہوں گا۔''

وہ داتا دربار میں آیا، وہاں دوزانو ہوکر سر جھکا کر بڑی عاجزی سے بولا'' میں حضرت داتا گنج بخش کے وسیلے سے دعا مانگتا ہوں۔ مجھے نماز پڑھنی آتی ہے لیکن کبھی نہیں پڑھی۔ میں روزہ رکھ سکتا ہوں، لیکن نہیں رکھتا۔ کل پہلا روزہ ہے۔ میں کل سے تیس روزوں تک یہاں رہوں گا، روزے رکھوں گا اور پانچوں وقت کی نمازیں پڑھوں گا۔ مسلسل عبادت میں مصروف رہوں گا۔ اس کے عوض بس ایک چھوٹی سی التجا کروں گا کہ میرے بیٹے کو زندگی دے دے، اسے بیماریوں سے نجات دلا میرے مالک! اسے شفائے کلی عطا فرما! میں اس لمحے سے زندگی کی آخری سانس تک عبادت میں مصروف رہوں گا۔ میرا بیٹا بہت ذہین ہے۔ اگر تو نے اسے زندگی اور صحت دی تو میں کاروبار اس کے حوالے کرکے صرف داتا صاحب کے در کا بھکاری بن کر رہوں گا اور یہیں ساری زندگی گزار دوں گا۔''

وہ داتا دربار کے فرش پر دوزانو بیٹھا ہوا تھا۔ صدقِ دل سے روزے نماز کی نیت کررہا تھا اور پاک پروردگار تو نیتوں کا حال جانتا ہے۔ وہ انتظار نہیں کرتا کہ بندہ نماز پڑھے گا، روزے رکھے گا، دعائیں مانگے گا تو وہ اس کی دعا قبول کرے گا۔ وہ تو دعائیں مانگنے سے پہلے ہی دنیا جہان کی نعمتیں عطا کرتا رہتا ہے۔

وہ معبود ہمارے روزے نماز یا عبادتوں کا محتاج نہیں ہے، ہم بندے ہی اس کے محتاج ہیں۔ نماز اور روزوں کا حکم اس لیے ہے کہ ہم تہذیبی اور اخلاقی زندگی دینی اصولوں کے مطابق گزاریں۔ ہماری زندگی میں نیکی، شرافت، ایمان داری اور دیانت داری ایک حسنِ ترتیب کے ساتھ رہے۔

جن لمحات میں فلک سکندر حیات صدقِ دل سے دعاؤں میں مصروف تھا، ان ہی لمحات میں اس کی دعاؤں کو شرفِ قبولیت حاصل ہوگئی تھی۔ باہر موسلا دھار بارش تھی۔ طوفانی ہوائیں چل رہی تھیں۔ بادل گرج رہے تھے۔ بجلیاں کڑک رہی تھیں اور مقدر حیات بسترِ مرگ پر پڑا ہوا تھا۔

وہ موت کا بستر تھا، اسے زندگی کی طرف واپس نہیں آنا تھا۔ اس کی ہتھیلی پر زندگی کی جو لکیر تھی وہ بجھ رہی تھی لیکن بجھتے

بجھتے اس کو جوت ملنے لگی۔ ہتھیلی کی سطح پر جو لکیر ڈوب گئی تھی۔ وہ ابھرنے لگی۔ مقدر سانس لینے لگا اور اس طرح میرا جنم ہونے لگا۔

وہ مقدر حیات جس نے بیس برس پہلے جنم لیا تھا، جو فلک سکندر حیات کا بیٹا تھا، اس کی طبعی عمر کے مطابق زندگی تمام ہو چکی تھی۔ جہاں سے وہ ڈوبتا چلا گیا تھا، وہاں سے میں ابھرتا چلا آیا تھا۔

انسان کے ساتھ اس کا مقدر جیتا ہے اور اس کے ساتھ ہی مر جاتا ہے۔ لہٰذا جب میں جی رہا تھا تو میرے ساتھ وہی مقدر حیات زندگی پا رہا تھا لیکن اب وہ تبدیل ہو چکا تھا۔ اس کے دل و دماغ میں۔ اس کے جسم و جاں میں۔ اس کی رگوں کے اندر دوڑتے ہوئے لہو میں صرف میں ہی میں تھا۔

اور جہاں مقدر ہوتا ہے، وہاں دکھ بیماریاں نہیں ہوتیں۔ لہٰذا اب نہ برین کینسر تھا اور نہ ہی کوئی اور بیماری۔ صحت مندی اور تندرستی انگڑائی لے کر اٹھ بیٹھی تھی۔ میں دونوں ہاتھوں سے اپنے جسم کو چھو کر دیکھنے لگا۔ یقین کرنے لگا کہ اب میرا ایک انسانی وجود ہے۔

میں بیڈ سے اتر کر ایک قد آدم آئینے کے سامنے آیا، خود کو مختلف زاویوں سے دیکھنے لگا۔ پہلے اس جسم کو کوئی اور اس آئینے میں دیکھا کرتا تھا۔ آج میں دیکھ رہا تھا۔ شکل و صورت وہی تھی، جسم وہی تھا۔ اتنی تبدیلی ہوئی تھی کہ برین کینسر کے مریض کا مقدر سراپا انسانی ہو گیا تھا۔

کمرے کے باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ میں فوراً ہی بیڈ پر آ کر لیٹ گیا۔ ہمارا فیملی ڈاکٹر دروازہ کھول کر ایک نرس کے ساتھ اندر آیا۔ میں یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ اچانک ہی حیرت انگیز طور پر میں صحت مند ہو چکا ہوں۔ ڈاکٹر نے خود ہی معائنہ کرنے کے دوران مجھے دیکھ کر کہا ''آج تو تمہارے چہرے پر بڑی رونق ہے۔ لگتا ہی نہیں ہے کہ بیمار ہو۔''

میں مسکرا کر رہ گیا۔ یوں رفتہ رفتہ دن گزرنے لگے۔ میرا طبی معائنہ ہوتا رہا اور میڈیکل رپورٹ کہتی رہی کہ میں حیرت انگیز طور پر صحت مند ہو رہا ہوں پھر میری برین اسکیننگ ہوئی تو بڑے بڑے ڈاکٹر حیران رہ گئے۔ کہنے لگے ''یہ تو معجزہ ہو رہا ہے۔ برین میں کینسر کے آثار نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اگر موجودہ دوائیں جاری رکھی گئیں تو کینسر کا نام تک نہیں رہے گا۔''

میرے ڈیڈی زیادہ سے زیادہ وقت داتا دربار میں گزارتے تھے۔ چوبیس گھنٹوں میں دو بار گھر آیا کرتے تھے اور مجھے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہتے تھے۔ ایک ماہ بعد ہی میں ہیلتھ کلب جانے لگا۔ صبح سے شام تک ڈیڈی کے کاروبار میں دلچسپی لینے لگا۔

میں مقدر ہوں، یہ جانتا ہوں کہ کس حال سے گزر رہا ہوں اور مجھے کیسے مستقبل کی طرف جانا ہے میں اپنی ذات میں ایک ایسا نجومی تھا، جسے ہاتھ کی لکیریں دیکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ ڈیڈی کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ میں چند ماہ میں کاروبار کے وہ تمام گر سیکھ لوں گا، جنہیں بہت کم لوگ سمجھ پاتے ہیں۔

میں کاروبار کو اتنی ذہانت سے سنبھال رہا تھا کہ ڈیڈی مطمئن ہو گئے تھے اور گوشہ نشین رہ کر صرف عبادت الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ دو برس بعد وہ میرے اور عینی کے نام تمام دولت و جائداد اور کاروبار لکھ کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔

ان کے انتقال کے بعد وکیل اخلاق احمد نے مجھ سے کہا ''مرحوم کی وصیت کے مطابق تمہیں اب بھی اپنے خاندان والوں سے دور رہنا ہوگا۔ تمہارے بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا ہے۔ جب عینی شادی کرنا چاہے گی اور کسی سے اس کا رشتہ طے ہوگا تو اس روز میں انہیں وصیت کا دوسرا حصہ پڑھ کر سناؤں گا اور تمہارے بارے میں انکشاف کروں گا۔''

ڈیڈی کے انتقال کے تقریباً ڈیڑھ برس بعد عینی نے سلامت پاشا عرف پاشا جانی کو اپنا لائف پارٹنر بنانے کا فیصلہ کیا تو وکیل اخلاق احمد نے ڈیڈی کی وصیت کا دوسرا حصہ انہیں سنا دیا اور یہ بتا دیا کہ میں جلد ہی اپنی بہن عینی سے اور تمام دوسرے رشتے داروں سے ملنے کے لیے آنے والا ہوں۔ میرا ذکر سننے کے بعد سب ہی مجھے دیکھنے اور مجھ سے ملاقات کرنے کے لیے بے چین ہو گئے تھے۔ اخلاق احمد نے یہی بتایا تھا کہ میں لندن میں ہوں۔ جبکہ میں لاہور آ چکا تھا۔

میں اکثر اپنے کاروبار کے سلسلے میں کراچی، اسلام آباد اور لاہور آتا جاتا رہتا ہوں۔ میں نے عینی کو اور دوسرے تمام رشتے داروں کو دور ہی دور سے دیکھا ہے۔ لاہور میں تو نمرہ کو دیکھتا ہی رہتا ہوں۔

اسے دیکھتے رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر کچھ بات ہے۔ میرے دل سے پوچھا جائے تو یہ دھڑک دھڑک کر کہے گا ''اس کے اندر کچھ نہیں۔ بہت کچھ ہے۔ وہ بہت ہی حسین اور دل نشین ہے۔ اداؤں سے بھرپور ہے۔ وہ منہ پھیر کر بیٹھتی ہے تو دل بیٹھنے لگتا ہے۔ اٹھتی ہے تو انگڑائی کی اٹھان پر آ جاتی ہے، چلتی ہے تو لگتا ہے، قیامت کی چال چل رہی ہے اور بولتی ہے تو کانوں میں رس گھولنے لگتی ہے۔ وہ میرے

اس پر چھا گئی ہے۔ لہٰذا پہلے میں اس سے چھیڑ چھاڑ شروع کروں گا۔ کچھ ابتدائی ملاقاتیں ہوں گی، اس کے بعد میں عینی اور اس کے بزرگوں سے ملنے جاؤں گا۔''

☆☆☆

ڈرائنگ روم میں خاندان کے تمام افراد موجود تھے۔ وکیل اخلاق احمد مرحوم فلک سکندر حیات کی وصیت کا دوسرا حصہ سنا چکا تھا اور میرے بارے میں بتا چکا تھا کہ میں کون ہوں، کیا ہوں اور جلد ہی وہاں آنے والا ہوں۔ بیگم آفتاب، فلک ناز اور فلک آفتاب کو اس بات سے گہری دلچسپی تھی کہ میں کنوارہ ہوں۔

اور ایسے ہی وقت پاشا جانی نے فون پر عروج اور عینی کو بتایا کہ اس کے راستے میں دیواریں کھڑی کی جا رہی ہیں۔ کچھ نادیدہ افراد نے فائرنگ کی ہے اور وہ ان سے بچتا پھر رہا ہے۔

عروج نے ایک دم سے پریشان ہو کر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا ''او نو! تم پر کون فائرنگ کر سکتا ہے؟''

یہ سنتے ہی عینی بھی کھڑی ہو گئی۔ اس سے فون چھین کر اپنے کان سے لگا کر بولی ''ہیلو...... میں عینی بول رہی ہوں۔ پاشا! یہ تمہارے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟''

ایسے وقت عروج گھور گھور کر کبھی ذیشان کو اور کبھی دردانہ بیگم کو دیکھ رہی تھی۔ وہ دونوں بھی ایک دوسرے کو چور نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ پاشا نے کہا ''میں کسی محفوظ جگہ پہنچنے کے بعد فون کروں گا۔ اپنا موبائل آن رکھو۔ خدا حافظ......''

عینی فون بند کر کے عروج سے لپٹ گئی اور رونے لگی۔ وہ پریشان ہو کر بولی ''ارے...... کیا ہوا، کیوں رو رہی ہے؟ وہ خیریت سے تو ہے؟''

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا پھر کہا ''وہ کہیں چھپتا پھر رہا ہے۔ کسی محفوظ جگہ پہنچنے کے بعد ہم سے رابطہ کرے گا۔''

اخلاق احمد نے کہا ''اس نے کچھ تو بتایا ہوگا، کون اس پر فائرنگ کر رہا ہے؟''

''فائرنگ کرنے والے کہیں ادھر ادھر چھپے ہوئے تھے۔ وہ انہیں دیکھ نہیں سکتے ہیں۔ ابھی کچھ دیر بعد فون کر کے تفصیل سے باتیں کریں گے۔''

عروج نے اخلاق احمد سے کہا ''انکل! اب آپ ایک نیا مقدمہ لڑنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اس سلسلے میں میرا اور عینی کا بیان یہ ہوگا کہ پاشا سے دشمنی رکھنے والے اسے آج ہی جان سے مار ڈالنا چاہتے ہیں تاکہ وہ منگنی کی رسم ادا کرنے کے لیے یہاں نہ آ سکے۔''

فلک آفتاب نے کہا ''عروج! تم یہاں ہمارے درمیان خوامخواہ آگ لگا رہی ہو۔ صاف صاف کہو، کیا کہنا چاہتی ہو؟ یہاں ہم پاشا کی مخالفت کر رہے ہیں، اسے داماد نہیں بنانا چاہتے ہیں مگر مخالفت کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم اس کے جانی دشمن بن گئے ہیں۔''

عینی نے کہا ''چچا جان! ہم آپ کو الزام نہیں دے رہے ہیں لیکن یہ بھی تو سوچیں کہ آج سے پہلے پاشا سے کسی نے ایسی دشمنی نہیں کی۔ کسی نے اس پر گولی نہیں چلائی پھر آج ہی ایسا کیوں ہو رہا ہے؟''

ذیشان نے کہا ''وہ ایک ٹیکسی ڈرائیور ہے۔ اس کے کتنے ہی دوست اور کتنے ہی دشمن ہو سکتے ہیں۔ یہ ضروری تو نہیں ہے کہ تم اس کے تمام دوستوں اور دشمنوں کو جانتی ہو۔ اگر تم ہم میں سے کسی پر شبہ کر رہی ہو تو صاف صاف کہہ دو۔''

''آپ ہمیں صاف صاف بتائیں کہ وکیل انکل کے آنے سے پہلے آپ دردانہ آنٹی کو یہاں سے دوسرے کمرے میں لے گئے تھے، آپ دونوں وہاں بڑی دیر تک باتیں کرتے رہے تھے۔ میں پوچھتی ہوں، محفل سے اٹھ کر، چپکے سے رازداری کی باتیں کرنا خلاف تہذیب نہیں ہے؟ وہاں ضرور ہماری مخالفت میں باتیں ہوئی ہیں جواب تک ہم سے چھپائی جا رہی ہیں۔''

دردانہ بیگم نے کہا ''ہم نے تمہاری مخالفت میں کوئی بات نہیں کی ہے۔ مجھے اپنے بیٹے کی ہلاکت کا صدمہ ہے۔ میں اندر سے ٹوٹ رہی ہوں۔ میں ذیشان سے کہہ رہی تھی کہ یہ جلد از جلد میرے جواد کے قاتلوں کا سراغ لگائے۔''

اخلاق احمد نے کہا ''آپ یہ باتیں یہاں بھی کر سکتی تھیں۔ الگ کمرے میں جا کر کہنے کی کیا ضرورت تھی؟''

دردانہ بیگم ایک ذرا گڑبڑائی پھر بولی ''دیکھیں! کچھ ایسی ذاتی باتیں ہوتی ہیں جو سب کے سامنے نہیں کی جاتیں۔ میں کہنا نہیں چاہتی تھی لیکن اب کہہ رہی ہوں، عروج کا بھائی حشمت عینی کے ساتھ اپنی ذلالت دکھانے کے بعد چھپتا پھر رہا ہے اور ذیشان اسے گرفتار کرنا چاہتا ہے لیکن اچانک پتا چلا کہ اس کی ضمانت ہو گئی ہے۔ اب یہ اسے گرفتار نہیں کر سکے گا۔ ذیشان کو شبہ ہے کہ میں نے اس کی ضمانت لی ہے۔ ہم دوسرے کمرے میں اسی بات پر بحث کر رہے تھے۔ میں یقین دلا رہی تھی کہ میں نے حشمت کی ضمانت نہیں لی ہے۔ مجھے اس سے کوئی لگاؤ، کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

پھر وہ عروج کو بڑی حقارت سے دیکھتے ہوئے بولی ''جس کی بہن مجھے دشمن سمجھتی ہے، میں اس کے بھائی سے

کیوں ہمدردی کروں گی؟"

ذیشان نے وکیل سے کہا "جب دلوں میں میل آ جائے تو اپنے بھی میلے دکھائی دینے لگتے ہیں۔ عینی مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔ اس خاندان میں سب سے زیادہ مجھ پر ہی اعتماد کرتی ہے لیکن آج میری مخالفت صرف اس لیے کر رہی ہے کہ میں نے پاشا کی مخالفت کی ہے۔ جبکہ یہ مخالفت اسی کی بہتری کے لیے ہے۔ خدا نے چاہا تو میں جلد ہی یہ ثابت کر دوں گا کہ پاشا جھوٹا اور فراڈ ہے۔ تب ہی اسے یقین آئے گا کہ میں اس کا سچا محبت کرنے والا بھائی ہوں۔"

عینی وہاں بیٹھے ہوئے دھندلے دھندلے سے افراد کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنی آنکھوں سے مجبور تھی۔ ایسے وقت فون کا بزر بولنے لگا۔ اس نے اسے آن کر کے کان سے لگا کر کہا "ہیلو...... پاشا! تم ہو؟"

"ہاں...... میں ہوں۔ محفوظ جگہ پہنچ گیا ہوں۔ یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"دیکھو! اگر وہ جگہ محفوظ ہے تو وہیں رہنا، وہاں سے بالکل نہ نکلنا۔ تمہیں کچھ تو اندازہ ہوگا کہ کون تم سے دشمنی کر رہا ہے؟"

اس نے کہا "ہاں...... یقین کی حد تک اندازہ کر رہا ہوں، فائرنگ سے ایک گھنٹا پہلے کسی نے فون پر مجھ سے کہا تھا کہ میں نے پولیس والوں سے پنگا لے کر اپنی موت کو دعوت دی ہے۔ اگر زندگی چاہتے ہو تو جس راستے پر چل رہے ہو، وہاں سے لوٹ آؤ۔"

عینی نے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے ذیشان کو گھورا پھر کہا "پاشا! جسٹ اے منٹ۔ یہی بات پھر دہراؤ میں وکیل انکل کو یہ بات سنانا چاہتی ہوں۔"

اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر اخلاق احمد کو فون دیتے ہوئے کہا "آپ پاشا کی باتیں سنیں۔"

وہ فون کان سے لگا کر بولا "ہیلو...... میں بیرسٹر اخلاق احمد بول رہا ہوں۔ مجھے بتاؤ، کیا ہو رہا ہے؟"

وہ بولا "جناب اخلاق صاحب! ابھی کچھ دیر پہلے مجھ پر فائرنگ ہوئی تھی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ دشمن کون تھے؟ میں ٹیکسی کے اندر تھا۔ اس لیے محفوظ رہا پھر وہاں سے فرار ہو گیا۔ بڑی مشکل سے جان بچا کر یہاں ایک جگہ آ کر چھپا ہوا ہوں۔"

"یہ بتاؤ! تمہیں کس پر شبہ ہے؟"

"فائرنگ سے ایک گھنٹا پہلے کسی نے مجھ سے فون پر کہا تھا کہ میں نے پولیس والوں سے پنگا لے کر اپنی موت کو دعوت دی ہے، اگر زندگی عزیز ہے تو اس راستے سے لوٹ جاؤ۔ اس کے بعد ہی رابطہ ختم کر دیا گیا تھا۔ میں ہیلو...... ہیلو کہہ کر چیختا رہا، پوچھتا رہا، لیکن مجھے کوئی جواب نہیں ملا۔ میں نے ری کال کی تو کسی نے فون ریسیو ہی نہیں کیا۔"

اخلاق احمد نے کہا "لیکن دشمنی کی کوئی وجہ تو ہونی چاہیے۔ آخر پولیس والے تم سے دشمنی کیوں کریں گے؟"

پولیس کا ذکر سنتے ہی سب نے چونک کر ذیشان کو دیکھا۔ وہ بھی حیرت زدہ تھا۔ پاشا نے فون پر کہا "میں کیا کہہ سکتا ہوں؟ آپ یہ سوال ایس پی ذیشان سے کریں۔"

اخلاق احمد نے ذیشان کو دیکھتے ہوئے کہا "فائرنگ سے پہلے پاشا کو کسی نے فون پر کہا تھا کہ پولیس والوں سے پنگا لینے کا مطلب موت کو دعوت دینا ہے اور اس کال کے بعد ہی اس پر فائرنگ ہوئی ہے۔ پاشا آپ پر شبہ ظاہر کر رہا ہے۔"

عروج نے کہا "اور میں بھی یقین کی حد تک شبہ کر رہی ہوں۔"

ذیشان اچھل کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ دھاڑتے ہوئے بولا "بکواس مت کرو۔ عروج! میں عینی کی وجہ سے تمہارا بہت لحاظ کر رہا ہوں۔ ورنہ ابھی دھکے دے کر یہاں سے نکال دیتا۔"

عینی نے کہا "بھائی جان! ذرا ہوش میں رہ کر بات کریں۔ یہ میرا گھر ہے۔ آپ اسے یہاں سے نہیں نکال سکیں گے۔ جب سچائی سامنے آ رہی ہے تو آپ غصہ کیوں دکھا رہے ہیں؟"

دردانہ بیگم یہ ساری باتیں سن رہی تھی اور اندر ہی اندر مسکرا رہی تھی۔ یہ فون اسی نے اپنے آدمیوں کے ذریعے کرایا تھا اور پولیس والوں کا حوالہ دے کر پاشا کو دھمکی دی تھی۔ اب یہ تدبیر بڑی کارگر ثابت ہو رہی تھی۔ ان سب کے درمیان آپس میں ہی پھوٹ پڑ گئی تھی اور وہ سب ہی ایک دوسرے کو دشمن سمجھ رہے تھے۔

ایسے وقت فلک آفتاب، بیگم آفتاب اور فلک ناز خاموش بیٹھے ان کی باتیں سن رہے تھے۔ ان کے لیے یہ اطمینان کی بات تھی کہ موت پاشا کا پیچھا کر رہی ہے، آج شام کو منگنی نہیں ہو سکے گی۔ وہ اس سے منسوب نہیں ہو سکے گی۔

دوسری طرف سے پاشا نے فون پر کہا "جناب وکیل صاحب! یہ بات صاف طور پر سمجھ میں آ رہی ہے کہ میری اور عینی کی منگنی کو روکنے کے لیے ایسا کیا جا رہا ہے لیکن میں بزدل اور کمزور نہیں ہوں۔ میں آج شام ضرور عینی کو منگنی کی انگوٹھی پہنانے آؤں گا پلیز عینی اور عروج سے میری بات کرائیں۔"

اخلاق احمد نے عینی کو فون دیتے ہوئے کہا "پاشا کہہ رہا ہے کہ اس کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کی جا رہی ہیں تا کہ یہ منگنی نہ ہو سکے لیکن آج شام وہ ہر حال میں تمہیں منگنی کی انگوٹھی پہنانے آئے گا۔"

عینی فخر سے تن گئی۔ خوش ہو کر عروج کو دیکھنے لگی۔ اس نے کہا "فون مجھے دو۔ میں پاشا سے ایک ضروری فیصلہ کرنا چاہتی ہوں۔"

عینی نے اسے فون دیا۔ وہ اسے کان سے لگا کر بولی "پاشا! آج شام عینی تم سے ضرور منسوب ہوگی لیکن تم یہاں نہیں آؤ گے۔ ہم نہیں چاہتے کہ تم کوئی خطرہ مول لو۔ تمہاری جان ہمارے لیے قیمتی ہے۔"

اس نے پوچھا "اگر میں نہیں آؤں گا تو وہ مجھ سے کس طرح منسوب ہوگی؟"

"جب حالات مجبور کرتے ہیں تو نئے راستے خود بہ خود سمجھ میں آ جاتے ہیں۔ کیا تم نے سنا نہیں ہے کہ ٹیلی فون کے ذریعے نکاح پڑھایا جاتا ہے؟ تم کسی عالم دین سے رجوع کر کے معلوم کر سکتے ہو۔ آج شام منگنی نہیں ہوگی بلکہ تمہارا اور عینی کا نکاح پڑھایا جائے گا۔"

اس کی یہ بات دھماکے کی طرح سب کے دماغوں تک پہنچی۔ وہ سب چونک کر عروج کو اور عینی کو دیکھنے لگے۔ فلک آفتاب نے غصے سے کہا "عروج! اپنی اوقات میں رہو۔ ہم بزرگوں کی موجودگی میں تم کون ہوتی ہو ہماری بیٹی کے نکاح کا فیصلہ کرنے والی......؟"

عینی نے کہا "بڑے ابو! آپ ناراض نہ ہوں۔ یہ میرے دل کی بات کہہ رہی ہے۔"

بیگم آفتاب نے کہا "بیٹی! یہ سراسر نادانی ہے۔ شادی گڑیا گڈے کا کھیل نہیں ہوتا کہ بیٹھے بٹھائے نکاح پڑھا لیا۔"

وہ بولی "دشمن ہمیں ایسا گڑیا گڈے کا کھیل کھیلنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ اب میں جیوں گی تو پاشا کی سہاگن بن کر۔ خدانخواستہ دشمن کامیاب ہوں گے تو میں بیوہ بن کر جیوں گی...... لیکن پاشا کے نام سے ہی زندگی گزاروں گی۔"

فلک ناز نے کہا "اخلاق بھائی! آپ اس کے وکیل ہیں، یہ آپ کی باتیں مانتی ہے، آپ اسے سمجھائیں۔"

اخلاق احمد نے کہا "میں کیا سمجھاؤں؟ حالات موافق نہیں ہیں، ایسے وقت شادی بیاہ کی بات ذہن میں نہیں لانا چاہیے لیکن عینی کو حالات مجبور کر رہے ہیں۔ میں نے بھی اسی شرط پر وصیت کا دوسرا حصہ سنایا ہے کہ آج عینی کسی سے منسوب ہو جائے گی۔ لہٰذا میرے اصولوں کے مطابق آج اسے پاشا سے منسوب ہو جانا چاہیے۔ خواہ یہ منگنی کرے یا نکاح پڑھوائے۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔ اس وقت میں جا رہا ہوں۔ شام چھ بجے یہاں آ جاؤں گا۔"

وہ اٹھ کر جانے لگا۔ عروج نے کہا "انکل! آپ سے گزارش ہے، آپ عینی کو بیٹی کی طرح چاہتے ہیں۔ اب تک اس کی دولت و جائداد کی نگرانی کرتے چلے آئے ہیں۔ ہر اچھے برے وقت میں اس کا ساتھ دیتے رہے ہیں۔ آج اس کی زندگی کا بہت اہم دن ہے، یہ نکاح پڑھوانے والی ہے۔ آپ اپنا ایک فرض ادا کریں۔"

اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ بولی "جب آپ شام کے وقت یہاں آئیں تو قاضی صاحب کو ساتھ لائیے گا۔"

بیگم آفتاب، فلک ناز، دردانہ بیگم اور ذیشان خوں خوار نظروں سے اس غیر لڑکی کو بڑھ چڑھ کر بولتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ ہر ایک کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ اسے دھکے دے کر کوٹھی سے نکال دے۔ وہ ایسا سوچ تو سکتے تھے مگر کر نہیں سکتے تھے۔ اخلاق احمد نے کہا "ٹھیک ہے۔ میں نکاح کے تمام انتظامات کر کے آؤں گا۔"

اس دوران میں عینی فون کو کان سے لگائے ہوئے تھی اور دھیرے دھیرے وہاں کے حالات بتا رہی تھی۔ دوسری طرف پاشا وہاں کی تفصیلات سن رہا تھا۔ جب وکیل وہاں سے چلا گیا تو عروج نے فون لے کر کان سے لگاتے ہوئے کہا "تم جہاں چھپے ہوئے ہو، وہیں رہو۔ تم اور عینی فون پر نکاح قبول کرو گے۔"

وہ بولا "تم فکر نہ کرو۔ میں اپنی حفاظت خود کرتا رہوں گا۔ عروج...... میری جان! تم بہت دل والی ہو، کتنی محبت سے مجھے اور عینی کو منسوب کر رہی ہو؟ آئی لو یو مائی سویٹ ہارٹ......!"

عروج نے ایک ذرا جھجک کر آس پاس بیٹھے ہوئے افراد کو دیکھا پھر فون پر کہا "اچھا...... اب میں فون بند کر رہی ہوں۔ تم تھوڑی تھوڑی دیر بعد فون کر کے ہمیں اپنی خیریت سے آگاہ کرتے رہو۔"

عینی نے کہا "مجھے تو بات کرنے دو......"

عروج نے فون بند کرتے ہوئے کہا "ہرگز نہیں۔ تم اس کی ہونے والی دلہن ہو، جب تک نکاح نہیں پڑھایا جاتا اور وہ دولہا کی حیثیت سے تمہارے سامنے نہیں آتا، تب تک تم اس سے بات نہیں کرو گی۔"

عینی بڑی محبت سے اسے دیکھ رہی تھی، پھر خوش ہو کر اس سے لپٹ گئی۔ فلک ناز نے فلک آفتاب سے کہا" بھائی جان! یہ کہاوت درست ہے۔ میاں بیوی راضی، تو کیا کرے گا قاضی۔ عینی راضی ہے، پھر وکیل صاحب بھی اس کی حمایت کرر ہے ہیں۔ تو ہم بھی کیوں نہ اس کی خوشی میں خوش رہیں؟"

فلک آفتاب نے کہا" میں کب ناخوش ہوں؟ یہ ہماری بیٹی ہے۔ ہمیں ہر حال میں اس کی خوشی عزیز ہے۔"

بیگم آفتاب نے کہا" صرف اس سے کچھ نہیں ہوگا۔ شام کو اس کا نکاح پڑھایا جائے گا، جتنے رشتے داروں کو انہوں نے فون کیا ہے ان کے کھانے پینے کا انتظام کرنا چاہیے۔ آپ یہاں بیٹھ کر صرف باتیں کرتے رہیں گے تو یہ تمام انتظامات کون کرے گا؟"

دردانہ بیگم نے اٹھتے ہوئے کہا" میں تو عینی کی ماں ہو کر بھی ماں نہیں سمجھی جا رہی ہوں۔ مجھے دشمن سمجھا جا رہا ہے۔ لہٰذا مجھے چلے جانا چاہیے۔"

عینی نے کہا" اگر ہم آپ کو دشمن سمجھ رہے ہیں تو آپ تو بیٹی کو دشمن نہ سمجھیں، اس کی خوشی میں شریک رہیں۔"

"سوری۔ تم یہ بھول رہی ہو کہ کل ہی میرا جوان بیٹا مجھے عمر بھر کا صدمہ دے کر اس دنیا سے جا چکا ہے، اپنے اس غم کے پیشِ نظر میں کسی خوشی میں شریک نہیں ہو سکتی۔"

وہ پلٹ کر جانے لگی۔ ذیشان نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا" چلیں میں آپ کو باہر تک چھوڑ دوں۔"

وہ دونوں وہاں سے چلتے ہوئے باہر آئے۔ ذیشان نے دھیمی آواز میں کہا" آنٹی! یہ آپ نے اچھا نہیں کیا......"

وہ انجان بن کر بولی" میں نے کیا کیا ہے؟"

"آپ کے آدمیوں نے آپ کے حکم سے پاشا کو فون پر کہا ہے کہ پولیس والوں سے ٹکر لینا گویا موت کو دعوت دینا ہے۔ یہ ایسی بات ہے کہ ڈائریکٹ مجھ پر شبہ کیا جا رہا ہے۔"

"میرے کسی آدمی نے فون پر ایسی کوئی بات نہیں کی ہے۔ پاشا جھوٹ بول رہا ہے۔"

"اسے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟"

وہ بولی" جب تم اس سے دشمنی کرر ہے ہو تو کیا وہ جواباً تم سے دشمنی نہیں کرے گا؟ تم پر جھوٹا سچا الزام نہیں لگائے گا؟"

ایسے وقت موبائل فون کا بزر سنائی دیا۔ ذیشان نے جیب سے فون نکالتے ہوئے کہا" جسٹ اے منٹ......"

پھر اسے آن کر کے کان سے لگایا تو دوسری طرف سے ماتحت نے کہا" سر! آپ کو اہم اطلاع دینا چاہتا ہوں۔ کسی نے حشمت علی شاہ کی ضمانت کرائی ہے۔ وہ جہاں بھی روپوش تھا اب وہاں سے نکل کر اپنے گھر پہنچ چکا ہے۔ ہم اسے نہیں کر سکیں گے۔"

"تم نے معلوم نہیں کیا، کس نے اس کی ضمانت ہے؟"

"میں معلوم کرنے کی کوشش کرر ہا ہوں مگر انداز ہے کہ شہباز درانی نے ہی ایسا کیا ہوگا۔"

ذیشان نے چبھتی ہوئی نظروں سے دردانہ کو دیکھا فون پر کہا" ٹھیک ہے۔ معلومات کنفرم ہونے کے بعد فون کرو۔"

اس نے فون بند کر کے دردانہ بیگم سے کہا" آنٹی تو پولیس والے سے ہی ڈبل گیم کھیل رہی ہیں۔"

وہ انجان بن کر بولی" تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"ابھی آپ نے ڈرائنگ روم میں وکیل اخلاق سامنے کہا تھا کہ ہم دونوں دوسرے کمرے میں جا کر کے بارے میں باتیں کرر ہے تھے۔ مجھے آپ پر شبہ آپ نے حشمت کی ضمانت کرائی ہے۔ آپ نے کہا تھا نا؟"

"ہاں...... کہا تھا...... تو کیا ہوا......؟"

"ہوا یہ کہ آپ تب سے اب تک اندر ڈرائنگ روم بیٹھی ہوئی تھیں پھر آپ کو یہ کیسے پتا چل گیا کہ حشمت ضمانت ہو چکی ہے؟"

وہ کندھے اچکا کر بولی" میں کیا جانوں کہ ضمانت ہے یا نہیں؟ میں نے تو بات بنانے کے لیے ایسا کہا تھا۔"

"بے شک۔ آپ نے بات بنائی، لیکن بات وقت آپ کے منہ سے سچ نکل گیا۔"

"دیکھو ذیشان! تم خوانخواہ مجھ پر شبہ کرر ہے ہو۔ طرح ہماری دوستی قائم رہ سکے گی؟"

اس نے پھر اسے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھا "میرے آدمی معلوم کرنے کی کوشش کرر ہے ہیں کہ حشمت ضمانت کس نے کرائی ہے اور یہ معلوم کرنا زیادہ مشکل ہے۔ جب حقیقت معلوم ہوگی تو پھر میں سوچوں گا کہ سے دوستی قائم رکھنی چاہیے یا نہیں فی الحال خدا حافظ......"

وہ اپنی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ آگے ڈرائیور ایک مسلح گارڈ تھا۔ باہر بھی اس کے مسلح گارڈز کی دو گا کھڑی ہوئی تھیں۔ اس کی کار ان دو گاڑیوں کے درمیان وہاں سے جانے لگی۔

ذیشان اسے وہاں سے جاتے ہوئے دیکھتا رہا ہی دل میں کہتا رہا" بہت مکار عورت ہو، یہ جانتی ہو کہ

ری بہن کی عزت پر ہاتھ ڈالا تھا۔ اس کا لباس پھاڑ ڈالا ب میں اسے چیر پھاڑ کر رکھ دینا چاہتا ہوں، اسے کسی میں معاف نہیں کروں گا، یہ جانتے ہوئے بھی تم نے کے ذریعے اس کی ضمانت حاصل کی ہے، ادھر میرے انجان بن رہی ہو، مجھے دوستی کا فریب دے رہی ہو۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر پھر سوچنے لگا" مجھ سے بڑی ہوئی، پاشا کا راستہ روکنے اور اسے عینی سے دور کرنے لیے مجھے دردانہ کا تعاون حاصل نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ادھر بل گیم کھیل رہا ہے۔ ایک طرف عروج سے محبت کرر ہا ر دوسری طرف عینی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ میں اپنی ی زندگی تباہ نہیں ہونے دوں گا۔ پاشا کا جھوٹ اور کھول کر رہوں گا۔"

پھر وہ حشمت کے بارے میں سوچنے لگا" اب بات سمجھ رہی ہے کہ دردانہ نے اس کی ضمانت کیوں کرائی ہے۔ رت کو پورا یقین ہے کہ میں نے ہی جواد کو ہلاک کرایا میرے بارے میں یہ مشہور ہے کہ میں کسی مجرم کو معاف کرتا۔ اگر اسے ضمانت پر رہا کرا لیا جائے، یا کسی شاطر کے ذریعے عدالت سے اسے رہا کرا لیا جائے تو بھی میں مجرم کو معاف نہیں کرتا ہوں۔ وہ رہا ہونے کے بعد چند میں اپاہج بن جاتا ہے یا پھر موت کے گھاٹ اتر جاتا "

وہ دردانہ بیگم کی یہ چال سمجھ رہا تھا۔ وہ یہ ثابت کرنا چاہتی کہ جس طرح اس کے بیٹے کو رہائی کے بعد ہلاک کیا گیا ٹھیک اسی طرح حشمت بھی عدالت سے ضمانت لینے کے ارا جائے گا اور اس کی موت یہ ثابت کرے گی کہ ذیشان ں کو اور اپنے دشمنوں کو کبھی معاف نہیں کرتا ہے۔

اور واقعی وہ حشمت کو معاف کرنے والا نہیں تھا۔ کم از کم اپاہج بنا کر چھوڑنے والا تھا تا کہ آئندہ وہ کسی لڑکی کی ت پر حملہ نہ کر سکے اور عینی کے لباس کی طرح کسی کے لباس جیاں نہ اڑا سکے۔

لیکن اب دردانہ کی چالبازیوں کو سمجھنے کے بعد وہ ایسی غلطی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اسی وقت سوچ لیا کہ وہ ت کو ڈھیل دے گا۔ کافی عرصے تک اس کے خلاف کوئی روائی نہیں کرے گا پھر موقع دیکھ کر اسے کسی ایسے حادثے دو چار کرے گا کہ وہ اپاہج ہو جائے اور اس پر کوئی شبہ نہ ے۔

دردانہ بیگم کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی شہباز درانی کے پاس ہی تھی۔ دل ہی دل میں کہہ رہی تھی" اونہہ...... ایس پی ذیشان! تم خود کو بہت چالاک سمجھتے ہو۔ میں کیسے کیسے گھیر کر تمہیں قانون کی گرفت میں لا رہی ہوں، یہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔"

وہ زیرِ لب مسکرائی پھر دل میں کہنے لگی" شیر کا شکار کرنے کے لیے بکرے کو جنگل میں چھوڑا جاتا ہے۔ اسی طرح میں نے حشمت کو ضمانت نامے پر چھڑایا ہے۔ ذیشان اسے ضرور شکار کرے گا۔ اگر وہ میری چالبازی کو سمجھ کر ایسا نہیں کرے گا، تب بھی بری طرح پھنسے گا۔ میں چوبیس گھنٹوں تک انتظار کروں گی کہ وہ حشمت کو کوئی نہ کوئی نقصان پہنچائے یا تو اسے اپاہج بنا ڈالے یا پھر مار ہی ڈالے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو میں شہباز سے کہوں گی، اس کے آدمی حشمت کو ہلاک کریں گے اور الزام ذیشان پر آئے گا۔"

پھر اس نے حقارت سے منہ بنا کر سوچا" ایس پی ذیشان! تم نے ایک ناگن کے سنپولیے کو مارا ہے۔ تم میرے زہر سے نہیں بچو گے۔ میں وہ عورت ہوں، جو اپنے دو شوہروں کو کھا چکی ہے۔ تم کیا چیز ہو؟"

☆☆☆

حشمت مطمئن ہو گیا تھا کہ ضمانت مل چکی ہے۔ ذیشان اسے گرفتار نہیں کر سکے گا۔ اب وہ آزادی سے گھر کی چار دیواری سے باہر جا سکے گا۔

گھر سے تو کیا، اس نے اور اس کی محبوبہ ڈاکٹر آرزو نے ملک سے باہر جانے کی پلاننگ کی تھی اور اس منصوبہ بندی کے تحت انہوں نے ماں باپ سے پانچ لاکھ روپے حاصل کر لیے تھے۔ اب آرزو یہ چاہتی تھی کہ یہ رقم اس کے اکاؤنٹ میں چلی جائے اور اس کے ماں باپ کو واپس نہ کی جائے اور اس کے لیے ان کا ملک سے باہر جانا ضروری تھا تا کہ وہ یہ بہانہ کر سکے کہ وہ تمام رقم خرچ ہو چکی ہے۔

آرزو نے اپنی ہونے والی ساس بیگم شاہ سے کہا" آنٹی ضمانت تو ہو چکی ہے پھر بھی خطرہ سر پر منڈلاتا رہے گا۔ ذیشان بہت ہی خبیث افسر ہے۔ اس نے حشمت کے خلاف ایف آئی آر درج کی ہے۔ جب تک عدالت سے آپ کے بیٹے کو رہائی نہیں ملے گی، تب تک وہ ان کے پیچھے پڑا رہے گا۔ کسی نہ کسی طرح انہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا رہے گا۔"

بیگم شاہ نے کہا" ہاں بیٹی! یہ دھڑکا تو مجھے بھی لگا ہوا ہے۔"

"اسی لیے کہہ رہی ہوں۔ ہمیں کچھ دنوں کے لیے ملک سے باہر چلے جانا چاہیے۔ جب عدالت میں پیشی کی تاریخ آئے گی تو ہم دونوں واپس آ جائیں گے۔"

تراب علی شاہ نے حشمت کو ناگواری سے دیکھتے ہوئے کہا ''ہم تمہاری وجہ سے بہت پریشان رہے ہیں۔ تمہاری سلامتی کی دعائیں مانگتے رہے ہیں۔ تمہیں ملک سے باہر بھیجنے کے لیے پانچ لاکھ روپے بھی دیئے۔ خدا کا شکر ہے، ضمانت ہو چکی ہے اور دردانہ کی مہربانی سے تمہارا تحفظ ہو رہا ہے لیکن میں تم سے سخت ناراض ہوں۔ جی چاہتا ہے، تمہیں گھر سے نکال دوں۔ عاق کر دوں۔ اپنی دولت و جائداد میں سے ایک پھوٹی کوڑی بھی نہ دوں۔''

بیگم شاہ نے کہا ''خدا کو مانیں۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میرا بچہ اتنی مصیبتیں اٹھا کر آج گھر آیا ہے اور آپ اسے غصہ دکھا رہے ہیں؟''

''تو اور کیا کروں......؟ اس کی وجہ سے میری ہیرے جیسی بیٹی گھر سے چلی گئی ہے۔ وہ لڑکی ہے۔ اس کی ذہانت اور صلاحیت دیکھو۔ کامیاب ڈاکٹر بن کر آج اپنے پیروں پر کھڑی ہوئی ہے۔ ہماری محتاج نہیں ہے اور یہ...... جواں مرد ہو کر ہمارے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے۔ میں اس عمر میں تنہا اپنا کاروبار سنبھال رہا ہوں۔ اسے بزنس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ یہ آگے چل کر کیا کرے گا؟ یہی کہ میری آنکھیں بند ہوتے ہی یہ پھلتے پھولتے کاروبار کو تباہ کر کے رکھ دے گا؟''

حشمت نے کہا ''ایسی بات نہیں ہے ڈیڈ! مجھے ذرا اس مقدمے سے نجات حاصل کر لینے دیں، پھر دیکھیں، میں آپ کے کاروبار میں کس طرح دلچسپی لیتا ہوں؟ بزنس کو ایسا سنبھالوں گا کہ آپ دنگ رہ جائیں گے اور گھر بیٹھ کر کہیں گے کہ لو بیٹا! اب تم ہی اس کاروبار کو سنبھالو۔''

بیگم شاہ نے فخر سے بیٹے کو دیکھا پھر خوش ہو کر کہا ''دیکھیں! اس کے اندر کیسا جذبہ ہے۔ اسے موقع ملے گا، دشمنوں سے نجات ملے گی تو آپ کے بزنس کو چار چاند لگا دے گا۔''

تراب علی نے جل کر کہا ''پچھلے سال میں نے اپنی ایک برانچ آفس اسے سنبھالنے کے لیے دی تھی۔ اس نے پورے پچاس لاکھ کا نقصان پہنچایا تھا۔ تم چار چاند کی بات کر رہی ہو۔ میں جو ایک چاند کا اجالا کیے ہوئے ہوں، یہ اسے بھی بجھا دے گا۔''

''ڈیڈ! گرتے ہیں شہسوار ہی میدانِ جنگ میں۔ جب آپ میری عمر کے تھے تو کیا غلطیاں نہیں کرتے تھے؟ دادا جان بھی آپ کو باتیں سناتے ہوں گے۔ میں بھی آپ سے باتیں سنتا ہوں، لیکن کبھی برا نہیں مانوں گا۔ کچھ کر کے ہی دکھاؤں گا۔''

''فی الحال تو یہ کرو کہ میری بیٹی کو کسی طرح واپ[س] آؤ۔ تمہاری ماں سے اتنا نہیں ہوتا کہ یہ خود جائے، ا[س سے] ملے اور اسے سمجھا منا کر یہاں لے آئے۔''

بیگم شاہ نے کہا ''آپ تو ایسے بول رہے ہیں، ج[یسے] اپنی بیٹی سے کوئی محبت ہی نہیں ہے؟ آپ کیا جانیں کہ [...] کی کمی کیسے برداشت کر رہی ہوں؟ اپنے بیٹے کے [لیے] پریشان تھی۔ خدا کا شکر ہے یہ گھر آ گیا ہے۔ اب بیٹی کو لے آؤں گی۔''

فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ بیگم نے ریسیور اٹھا کر کا[ن سے] لگایا پھر کہا ''ہیلو......!''

دوسری طرف سے دردانہ نے کہا ''میں بو[ل رہی] ہوں۔''

وہ بولی ''السلام علیکم دردانہ بھابی! آپ نے [جو] احسان کیا ہے، اسے ہم زندگی بھر نہیں بھولیں گے۔''

دردانہ نے کہا ''میں بھی یہی چاہتی ہوں، آپ [اس] احسان کو کبھی نہ بھولیں لیکن یہ بھی یاد رکھیں، کسی کو یہ [معلوم نہ] ہونے پائے کہ میں نے آپ کے بیٹے کی ضمانت کرائی [ہے۔]''

''آپ فکر نہ کریں۔ ہم مرتے مر جائیں گے مگر یہ کس[ی کو نہیں] بتائیں گے کہ ضمانت آپ نے کرائی ہے۔''

دردانہ بیگم نے کہا ''آپ تو جانتی ہیں، ذیشان آ[پ کے] بیٹے کا دشمن بنا ہوا ہے۔''

''میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ پتا نہیں، اس ا[...] میرے بیٹے سے کیا دشمنی ہو گئی ہے؟ اب وہ اس[ے] عدالت میں پہنچائے گا اور وہاں سے اسے سزا دلوا[نے کی] کوشش کرے گا۔''

''آپ بے فکر رہیں۔ ہمارا وکیل حشمت پر کو[ئی آنچ] نہیں آنے دے گا۔ اسے باعزت طور پر بری کرائے گا[۔''] بیگم شاہ خوشی سے کھل کر بولی ''بھابی! آپ کے [...] تھی شکر۔ میں آپ کا جتنا بھی شکریہ ادا کروں کم ہے۔ [...] ہی اندیشہ ہے، وہ ایس پی میرے بیٹے سے پھر ہم[...] کرے گا، اسے قانون کی گرفت میں لے گا اور اگر نا[کام ہوا] تو در پردہ اسے نقصان پہنچانا چاہے گا۔ اس لیے ہم [نے یہ فیصلہ] کیا ہے کہ جب تک عدالت میرے بیٹے کو بری نہ کر[ے، تب] تک یہ ملک سے باہر رہے۔''

دردانہ بیگم نے چونک کر سنا، سوچا، پھر کہا ''نہ[یں...] ہرگز نہیں...... حشمت کو ملک سے باہر نہ جانے دیں۔ د[...] ہو جائے گی۔''

دردانہ نے وضاحت نہیں کی کہ گڑبڑ کیسے ہو گی[...]

[...]رہی ہے، کیا منصوبہ بنا رہی ہے؟ یہی کہ ذیشان نے [...] کے خلاف انتقامی کارروائی نہیں کی تو وہ خود شہباز [...] کے آدمیوں کے ذریعے حشمت کو ٹھکانے لگوا دے گی۔

[...]نے کہا ''آپ نہیں جانتی ہیں، ضمانت پر رہا ہونے والوں [...]ی پابندیاں عائد کی جاتی ہیں۔ انہیں ایک ہی شہر اور [...]ی علاقے تک محدود رہنا پڑتا ہے۔ پولیس والے مسلسل [نظ]ر رکھتے ہیں تاکہ وہ فرار نہ ہونے پائیں۔ حشمت ملک [سے با]ہر جائے گا تو اس پر کوئی نیا کیس بن سکتا ہے۔''

بیگم شاہ پریشان ہو کر شوہر کو اور بیٹے کو دیکھنے لگی پھر فون [...] ''لیکن یہ تو کاروبار کے بہانے جائے گا۔''

''وہ کسی بھی بہانے سے جائے...... مگر یہی سمجھا جائے گا [کہ مقدمے] سے فرار ہو رہا ہے۔ آپ تراب بھائی کو فون دیں۔''

کچھ دیر بعد تراب علی کی آواز سنائی دی ''ہاں بھابی! میں [بول ر]ہا ہوں۔''

وہ بولی ''میں ایک بات اچھی طرح سمجھا دوں، میں نے [آپ] کے بیٹے کی ضمانت لی ہے اور یہ کبھی نہیں چاہوں گی کہ وہ [ملک] سے باہر جائے۔ ایسا ہونے سے مجھ پر الزام آئے گا کہ [میں] نے ضمانت لے کر اسے یہاں سے بھگا دیا ہے۔''

تراب علی نے کہا ''ہاں...... ہم نے اس پہلو پر غور نہیں [کیا تھ]ا۔ حشمت کو ملک سے باہر تو کیا اس شہر سے بھی باہر نہیں [جانا چا]ہیے۔ آپ اطمینان رکھیں۔ یہ اس شہر کی حدود میں ہی [رہے] گا۔''

آرزو یہ باتیں سن رہی تھی اور پریشان ہو رہی تھی۔ اسے [پانچ ل]اکھ روپے کی موٹی رقم اپنے ہاتھوں سے نکلتی دکھائی دے [رہی تھ]ی۔ اس نے حشمت کو دیکھا۔ اس نے ذرا جھک کر اس [کے ک]ان میں کہا۔ ''صبر کرو۔ میں ابھی بات بناؤں گا۔ اتنی [بڑی ر]قم ہاتھ سے نہیں نکلنے دوں گا۔''

ادھر دردانہ بیگم نے پوچھا ''کیا عروج سے آپ کا رابطہ [ہوا]ہے؟''

''نہیں...... وہ حشمت کی وجہ سے ناراض ہو کر گئی ہے۔ [اس]ے منا کر واپس گھر لانے کی کوشش کریں گے۔''

''آپ کی بیٹی کی سہیلی عینی کی زندگی میں بہت بڑا [انقلا]ب آنے والا ہے۔ کیا عروج نے آپ کو کچھ نہیں بتایا؟''

''کیسا انقلاب آنے والا ہے؟ عروج نے ہمیں کچھ نہیں [بتایا۔] آپ کو علم ہے تو ہمیں بھی بتائیں۔''

''ہاں...... میں نے یہی بتانے کے لیے فون کیا ہے۔ [آج] شام چھ بجے عینی کی شادی ہے، ایک ٹیکسی ڈرائیور سے نکاح پڑھایا جا رہا ہے۔''

تراب علی نے حیرت سے پوچھا ''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ عینی کی شادی یوں اچانک کیوں ہو رہی ہے؟ اور وہ بھی ایک ٹیکسی ڈرائیور سے؟ بھابی! مجھے تو یقین نہیں آ رہا ہے۔''

وہ مسکرا کر بولی ''یقین بھی آ جائے گا۔ آپ عینی کے گھر فون کریں۔ آپ کی بیٹی وہاں موجود ہے، اس سے بات کریں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ میں جھوٹ نہیں بول رہی ہوں۔ جب میں آپ کے بیٹے کی بھلائی چاہتی ہوں، اور یہ بھی چاہتی ہوں کہ عروج واپس گھر آ جائے تو آپ کا فرض ہے کہ ابھی اسے فون کریں اور یہ خواہش ظاہر کریں کہ لاکھ اختلافات کے باوجود آپ عینی کی خوشیوں میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔ اس طرح میں چاہوں گی کہ آپ کا اس خاندان سے تعلق رہے۔''

وہ قائل ہو کر بولا ''آپ درست کہتی ہیں۔ ہم اس خاندان سے تعلقات رکھیں گے تو ہماری بیٹی بھی خوش ہو گی اور ہماری بات مان کر گھر واپس آ جائے گی۔ میں ابھی اس سے فون پر بات کرتا ہوں۔''

دردانہ بیگم نے رابطہ ختم کر دیا۔ تراب علی نے ریسیور رکھتے ہوئے کہا ''میں حیران ہوں۔ وہاں اتنی بڑی بات ہو رہی ہے اور ہم بے خبر ہیں؟''

بیگم شاہ اور حشمت نے اس کی باتوں سے اندازہ لگا لیا تھا کہ عینی کی شادی ایک ٹیکسی ڈرائیور سے آج شام ہو رہی ہے۔ وہ دونوں بھی حیران تھے۔ تراب نے کہا ''عروج ہم سے اس قدر ناراض ہے کہ اس نے اتنی بڑی خبر ہمیں نہیں سنائی اور نہ ہی شادی میں شریک ہونے کے لیے ہمیں فون کیا ہے۔''

حشمت اچانک ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر بولا ''ڈیڈ! ہم ذرا اپنے کمرے میں جا رہے ہیں۔''

پھر وہ آگے بڑھتے ہوئے بولا ''آرزو! میرے ساتھ آؤ۔''

وہ اسے لے کر اپنے کمرے میں آ گیا پھر پریشان ہو کر بولا ''تم نے اس کی دواؤں میں کیا ڈالا تھا؟ وہ تو اب تک اندھی نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ سہاگن بننے جا رہی ہے۔''

وہ بھی پریشان تھی۔ بولی ''میں تو خود حیران ہوں۔ وہاں ماتم ہونا چاہیے تھا مگر شادی کی خوشیاں منائی جا رہی ہیں۔''

''وہ نیم اندھی لڑکی میرے لیے چیلنج بن گئی ہے۔ میں جب بھی انتقامی کارروائی کرتا ہوں۔ اسے نقصان پہنچانا چاہتا ہوں تو الٹا مجھے نقصان پہنچتا ہے۔ اس کی وجہ سے میں اب تک پولیس والوں سے چھپتا رہا، آئندہ اس کی وجہ سے عدالت میں پیشیاں بھگتتا رہوں گا۔ تم نے کہا تھا، اب اس سے ایسا انتقام لیا

جائے کہ کسی کو مجھ پر شبہ نہ ہو۔''

''ہاں تو میں نے تمہاری بھلائی کے لیے ہی کہا تھا۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ اسے کوئی نقصان پہنچے اور شبہ تم پر کیا جائے۔''

وہ الجھ کر بولا ''مگر نتیجہ کیا نکلا......؟ تم نے اس کی دوا میں تبدیلی کی اور یہ یقین سے کہا کہ وہ مکمل طور پر اندھی ہو جائے گی لیکن وہ تو اب تک ٹھیک ہے، دیکھ رہی ہے...... اور نکاح نامے پر دستخط کر کے اس ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ جانے والی ہے۔''

آرزو پریشان ہو کر سوچنے لگی، اِدھر سے اُدھر ٹہلنے لگی پھر ایک جگہ ٹھہر کر بولی ''یہ نہیں ہوسکتا کہ اس دوا نے اپنا اثر نہ دکھایا ہو۔ بس ایک ہی بات سمجھ میں آرہی ہے۔''

اس نے پوچھا ''کون سی بات......؟''

''وہ یہ کہ اس نے ابھی تک آنکھوں میں دوا نہیں ڈالی ہے۔''

''یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ عروج اس کا بہت خیال رکھتی ہے۔ اسے باقاعدگی سے دوائیں وغیرہ دیتی رہتی ہے۔''

''تو پھر اس نے کوئی اور آئی ڈراپس استعمال کیے ہوں گے۔ ہم نے جن دو شیشیوں میں تبدیلی کی ہے، وہ ابھی استعمال نہیں کیے گئے ہیں۔''

وہ ایک ذرا سوچنے کے بعد بولا ''اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ آئی ڈراپس استعمال نہیں کیے جائیں گے؟''

وہ اس کے قریب آ کر بولی ''ایسی بات نہیں ہے، اس کی بینائی بہت کمزور ہے، عروج اس کمزور بینائی کو بحال رکھنے کے لیے نسخے میں کچھ تبدیلیاں کرتی ہوگی۔ کیا پتا وہ آئی ڈراپس ایک ایک یا دو دو دنوں کے وقفے سے ٹپکائے جاتے ہوں؟''

''میں اس اندھی کی وجہ سے مصیبتوں میں مبتلا ہو رہا ہوں، اس کی وجہ سے مجرم کہلا رہا ہوں۔''

وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی ''فکر نہ کرو۔ آج نہیں تو کل وہ دوائیں استعمال ہوں گی اور اس نیم اندھی کو مکمل طور پر اندھی بنا دیں گی۔''

وہ اِدھر سے اُدھر ٹہلنے لگا، کہنے لگا ''ہمیں وہاں کی خبر رکھنی چاہیے۔ ہم اندھیرے میں ہیں۔ پتا نہیں چل رہا ہے کہ وہاں کیا ہو رہا ہے؟ پتا نہیں وہ کب ان دواؤں کو استعمال کرے گی؟''

آرزو نے کہا ''عینی سے تو ہمارے تعلقات بحال نہیں ہوسکتے...... مگر عروج تمہاری بہن ہے، تم اس سے رابطہ کرو۔ اس سے محبت سے پیش آؤ۔ اس طرح وہ یہاں واپس آئے گی تو اس کے ذریعے ہمیں عینی کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہوتا رہے گا۔''

وہ بولا ''ممی ڈیڈی کے پاس چلو۔ آج عینی کی ہے۔ وہ عروج سے باتیں کررہے ہوں گے۔ ہم دیکھ کہ اسے گھر واپس بلانے اور اس کا اعتماد حاصل کر سلسلے میں کیا کیا جاسکتا ہے؟''

وہ جانے لگا۔ آرزو نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا ''جاؤ۔ تم تو اپنے ہی معاملے میں پریشان ہوتے رہتے کچھ خیال نہیں ہے۔ کیا وہ پانچ لاکھ روپے ہاتھ سے نکل دو گے؟''

''نہیں...... تم اس کی فکر نہ کرو۔ کل بینک کھلتے ہی اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرادو۔ میں یہاں ممی ڈیڈی لوں گا۔''

وہ دونوں کمرے سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آ تراب علی فون پر عروج سے باتیں کررہا تھا۔ کہہ ''بیٹی......! تمہاری سہیلی کی زندگی میں اتنی بڑی خوشی ہے اور تم ہمیں اس خوشی سے محروم رکھ رہی ہو۔''

عروج نے کہا ''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں ابھی کو فون کرنے والی تھی۔''

''تو پھر کیوں نہیں کیا......؟''

''یہاں بہت سے مسائل سے نمٹنا پڑ رہا ہے۔ بتاؤں کہ عینی کی شادی کن حالات میں ہو رہی ہے؟''

''تم نہ بتاؤ۔ تب بھی کسی حد تک اندازہ ہو جب اچانک ہی ہنگامی حالت میں شادی جیسی بڑی خوشی جائے تو اس کے پیچھے بہت سے اچھے برے عوامل ہیں۔ بیٹی! تم باپ کو غیر سمجھتی ہو۔ کیا اپنے مسائل میں شریک نہیں کرسکتیں؟ کیا تمہیں مجھ پر بھروسا نہیں ہے ایسے وقت تمہارے اور تمہاری سہیلی کے کام آؤں گا؟''

وہ خوش ہو کر بولی ''ڈیڈی! آپ کی باتیں مجھے دے رہی ہیں۔ میں چاہوں گی کہ آپ ممی کے سا یہاں چلے آئیں۔ ممی سے بات کرائیں۔''

اس نے ریسیور اپنی بیگم کی طرف بڑھایا۔ وہ سے لگا کر بولی ''میں ابھی سوچ رہی تھی کہ تم جہاں بھی وہاں تمہیں منانے آؤں گی۔ ایسے وقت پتا چلا کہ عینی کی آج شام کسی ٹیکسی ڈرائیور سے ہونے والی ہے۔ یہ بات بھی ہے اور حیرانی کی بھی۔ میں نہیں جانتی کہ تمہاری یافتہ اور دولت مند سہیلی نے ایک ٹیکسی ڈرائیور کا انتخا کیا ہے؟ بہرحال تم دونوں نادان نہیں ہو۔ عینی نے سمجھ کر ہی ایسا کیا ہوگا۔ میں تمہاری خوشیوں میں شر

ی ہوں بیٹی......!''

''ممی! آپ ابھی ڈیڈی کے ساتھ آئیں گی تو مجھے بہت ہوگی۔''

''ہم ابھی آرہے ہیں لیکن پہلے ایک خوش خبری دوں، تمہارا بھائی اب کہیں روپوش نہیں ہے۔ گھر آگیا ''

''سوری ممی! یہ آپ کے لیے خوش خبری ہوگی مگر میرے بری خبر ہے اور میں آپ کو یہ بری خبر سنا دوں کہ میرا ایک تھا جو مر چکا ہے۔ اب وہ بھی زندہ نہیں ہوگا۔''

بیگم شاہ نے غصے سے بپھر کر کہا ''عروج! یہ تم کیا بکواس رہی ہو؟ بیٹے کو ماں کے سامنے مردہ کہہ رہی ہو۔''

وہ سپاٹ لہجے میں بولی ''جب وہ میرے لیے مر چکا تو میں اسے مردہ ہی کہوں گی۔''

''خدا کرے، تمہاری زبان جل جائے۔ تم بولنے کے ل نہ رہو۔''

تراب علی نے اس سے ریسیور چھین کر کان سے لگاتے ئے کہا ''بیٹی! یہ کیا ہو رہا ہے؟ تمہاری ماں ایک دم سے غصے کیوں آگئی ہے؟ تم نے کیا کہا ہے؟''

''ڈیڈی! وہ صرف یہ سن کر غصہ ہو رہی ہیں کہ میرا ایک ئی تھا جو مر چکا ہے۔ اب جو آپ کے گھر میں ہے وہ میرا ئی نہیں لگتا ہے۔ میں اس کے لیے بھائی جیسا مقدس لفظ تعمال نہیں کروں گی۔''

تراب علی نے حشمت کی طرف غصے سے دیکھا، پھر کہا ٹھیک ہے۔ میں تمہارے جذبات کو سمجھ رہا ں۔ اس کم بخت نے جو حرکت کی ہے، وہ ہمارے لیے بھی رمناک ہے لیکن تمہاری ماں اپنی ممتا سے مجبور ہے۔ بہرحال سے نہیں سمجھا منا کر ابھی تمہارے پاس لا رہا ہوں۔''

اس نے ریسیور رکھ کر رابطہ ختم کر دیا پھر بیگم کی طرف کھ کر غصے سے کہا ''تم بیٹی کو کیا غصہ دکھا رہی تھیں، کیا مصلحت سے کام نہیں لے سکتی ہو؟ وہ حشمت کے خلاف جو کہہ ہی ہے، سچ ہی تو کہہ رہی ہے۔ تم صرف ممتا کو نہیں۔ اس بہن کے، اس کی سہیلی کے جذبات کو بھی سمجھو...... اور اپنے بیٹے کی بہتری پر سر جھکاؤ۔''

حشمت نے ناگواری سے کہا ''ڈیڈ! آپ اس کی کچھ یادہ ہی حمایت کررہے ہیں۔''

''شٹ اپ...... ایسے وقت تو میں تم سے بولنا بھی گوارہ ہیں کرتا۔''

''ڈیڈ! آپ ناراض ہو رہے ہیں۔ سچ پوچھیں تو میں ابھی آرزو سے یہی کہہ رہا تھا کہ مجھے شرمندہ ہونا چاہیے اور کسی طرح عروج سے سمجھوتا کرنا چاہیے۔ آخر کو وہ میری بہن ہے کوئی دشمن نہیں ہے۔ اگر وہ مجھ سے ناراض ہے تو اس کی ناراضگی بجا ہے۔ آپ ایک بار مجھے اس سے ملا دیں۔ میں اپنی بہن کو منالوں گا۔''

ماں نے بیٹے کی یہ مصلحت اندیشی دیکھی تو وہ بھی نرم پڑتے ہوئے بولی ''دیکھیں! میرا بیٹا کتنا سمجھ دار ہے؟ اپنی غلطی تسلیم کر رہا ہے۔ آپ عروج کو یہاں بلائیں تو سہی۔ دونوں بھائی بہن ملیں گے، گلے شکوے کریں گے پھر ایک دوسرے کے گلے لگ جائیں گے۔''

تراب علی نے کہا ''ابھی تو یہ ممکن نہیں ہے۔ شام چھ بجے عینی کا نکاح پڑھایا جائے گا۔ وقت بہت کم ہے، شادی کے بعد ہم عروج کو اپنے ساتھ یہاں لے آئیں گے پھر ان بھائی بہن کو ملائیں گے۔''

''ٹھیک ہے ڈیڈی! آپ ابھی ممی کے ساتھ وہاں جائیں۔''

پھر اس نے آرزو کو معنی خیز نظروں سے دیکھا، اس کے بعد کہا ''ممی! کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ آپ آرزو کو اپنے ساتھ اس تقریب میں لے جائیں؟ اور وہاں اپنی ہونے والی بہو کی حیثیت سے اس کا تعارف کرائیں؟''

بیگم شاہ نے خوش ہو کر کہا ''ہاں ہاں بیٹے! کیوں نہیں؟ میں تو بڑے فخر سے اپنی آرزو کا تعارف کراؤں گی۔''

آرزو اور حشمت نے مسکرا کر ایک دوسرے کو دیکھا وہ دل میں بولے ''اسے کہتے ہیں، راستہ ہموار کرنا۔ اس نیم اندھی کی آنکھوں میں دوائیں ٹپکانی ہیں۔ وہ دوائیں عروج کے بیگ میں بند ہیں۔ انہیں نکلوانا ہے اور سپیرے جانتے ہیں کہ سانپ کو بل سے کیسے نکالا جاتا ہے۔''

☆☆☆

ڈرائنگ روم سے بھیڑ چھٹ گئی تھی۔ دردانہ تو پہلے ہی چلی گئی تھی۔ اسما اور ذیشان اوپر اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ عروج اور عینی بھی اپنے بیڈروم کی طرف جانے لگیں۔ فلک ناز، بیگم آفتاب اور فلک آفتاب وہیں بیٹھے ہوئے تھے۔ تینوں کے دلوں میں یہ کھلبلی مچی ہوئی تھی کہ عینی اور پاشا کا معاملہ جلد از جلد نمٹ جائے تو وہ مقدر حیات سے رابطہ کریں۔

میدان صاف ہوتے ہی سب سے پہلے فلک ناز نے لپک کر ریسیور اٹھایا پھر نمبر ملاتے ہوئے کہا ''میں ابھی مقدر سے بات کرتی ہوں۔''

بیگم آفتاب نے اسے ناگواری سے دیکھا پھر وہاں سے اٹھتے ہوئے اپنے میاں سے کہا ''آپ کے پاس تو موبائل ہے اپنے کمرے میں چلیں۔ ہم مقدر سے باتیں کریں گے۔''

وہ اور فلک آفتاب وہاں سے جانے لگے۔ بیگم نے جاتے جاتے پلٹ کر کہا ''زیادہ لمبی باتیں نہ کرنا۔ ہمیں بھی اس سے رابطہ کرنا ہے۔''

فلک ناز نے کندھے اچکا کر کہا ''مقدر حیات میرا بھتیجا ہے، میں اس کی پھوپی ہوں۔ اگر وہ محبت سے لمبی بات کرے گا تو کیا میں اس سے یہ کہوں گی کہ وہ بات ختم کردے؟ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔''

بیگم آفتاب ناگواری سے منہ بنا کر جانے لگی۔ فلک ناز نے کریڈل پر ہاتھ رکھ کر اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا ''سنیے! میں مقدر سے بات کرنے والی ہوں۔ اول تو آپ اپنے کمرے میں ریسیور اٹھا کر ہماری باتیں نہ سنیں اور اگر سنیں تو بیچ میں مداخلت نہ کریں۔''

''مجھے کیا پڑی ہے کہ میں تمہاری باتیں سنوں؟ میں تو خود اس سے بات کرنے والی ہوں۔''

فلک آفتاب نے کہا ''تم دونوں کی نوک جھونک کبھی ختم نہیں ہوگی۔ اب یہاں سے چلو بھی......''

وہ بیگم کا بازو پکڑ کر اسے کھینچتا ہوا وہاں سے لے گیا۔ فلک ناز نمبر ملا کر انتظار کرنے لگی۔ کچھ دیر بعد ہی ایک مردانہ بھاری بھرکم آواز سنائی دی ''ہیلو...... میں مقدر حیات بول رہا ہوں۔''

''ہیلو بیٹے! میں جانتی تھی، ادھر سے نمبر گھماؤں گی تو تم لاٹری کی طرح مجھے مل جاؤ گے۔''

''ایکسکیوزمی۔ آپ کون ہیں؟''

''اے ہے بیٹے! میں تمہاری پھوپی جان ہوں۔ میرا تمہارا خون کا رشتہ ہے۔''

''آپ کو میرے موبائل کا نمبر کہاں سے ملا؟''

''اے بیٹا! دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ کیسے نہ ملتا؟ میں نے بڑی مشکل سے تمہارا نمبر حاصل کیا ہے۔''

میں نے کہا ''پھوپی جان! آپ کی آواز سن کر...... آپ کی باتیں سن کر مجھے بہت خوشی ہورہی ہے۔ زندگی میں پہلی بار کسی سے اپنائیت مل رہی ہے۔ آئی لو یو پھوپی جان......!''

وہ تو خوشی سے کھل اٹھی۔ مسرت سے لرزتی ہوئی آواز میں بولی ''آئی لو یو ٹو مائی چائلڈ!''

بیگم آفتاب اس کی باتیں سننے کے لیے بے چین تھی۔ کمرے میں آکر بولی ''پتا نہیں۔ آپ کی بہن مقدر حیات سے کیا کیا کہہ رہی ہوگی؟ کیسی باتیں بنا رہی ہوگی؟ میں اس کی فطرت سے اچھی طرح واقف ہوں، وہ بات شروع کرے گی ہمیں اس کی نظروں میں گرانے کی کوشش کرے گی اور اپنی بیٹی کا بھاؤ بڑھانا چاہے گی۔''

''اسے اپنے طور پر کچھ بھی کہنے دو۔ مقدر حیات نادان نہیں ہے جو اس کی باتوں میں آجائے گا۔ وہ کاروبار سنبھال رہا ہے جس میں پانچ سو کروڑ روپے گر کررہے ہیں۔ وہ فلک ناز کی باتوں میں نہیں آئے گا۔''

''مرد دنیا کے ہر شعبے میں بہت ذہین ہوتا ہے اپنی دو[لت] اور شہرت کے ڈنکے بجاتا رہتا ہے لیکن عورت کی چاپلوسی چالاکی کے سامنے اس کی ذہانت دھری کی دھری رہ [جاتی] ہے۔ وہ عورت چاہے اس کی محبوبہ ہو یا پھوپی جان!''

''وہ پھوپی جان ہے تو تم اس کی چچی جان ہو تم بھی ا[سے] اپنی باتوں سے مائل کرسکتی ہو۔''

''اس سے بات کروں گی تب ہی تو اسے اپنی طرف کرسکوں گی۔ پتا نہیں وہ کب تک اسے اپنی باتوں [میں] الجھائے رکھے گی؟ میں ابھی سنتی ہوں، وہ کیا باتیں کر [رہی] ہے؟''

وہ فون کی طرف بڑھنے لگی۔ فلک آفتاب نے کہا '' رک جاؤ۔ جب اس نے منع کیا ہے تو اس کی باتیں نہ سنو۔''

''کیوں نہ سنوں......؟ وہ ہماری بیٹی نمرہ کے مقا[بلے] میں اپنی بیٹی آسرا کو مقدر کے سامنے لانے والی ہے وہ فو[ن پر] کیا کہہ رہی ہے؟ کیسی باتیں بنا رہی ہے؟ کیسی چالیں [چل] رہی ہے؟ یہ ہمیں معلوم ہونا چاہیے۔''

اس نے میاں کے منع کرنے کے باوجود آگے بڑ[ھ کر] ریسیور اٹھالیا پھر اسے کان سے لگا کر سننے لگی۔ اس وقت [مقدر] فون پر اپنی پھوپی فلک ناز سے کہہ رہا تھا ''پھوپی جان! آ[پ] تو آسرا کی ایسی تعریفیں کررہی ہیں کہ کوئی شاعر بھی نہیں کر[ے] گا۔ آپ کہہ رہی ہیں کہ وہ لاہور میں ہے۔ آپ ایڈر[یس] بتائیں۔ میں اس سے ضرور ملوں گا۔''

''میں بتارہی ہوں۔ تم فوراً نوٹ کرو اور فون نمبر بھی لو بیٹے! ویسے تو وہ بہت ذہین ہے، خوب صورت ہے، مگر نادان ہے۔ کم سن ہے نا۔ ابھی سترہ برس کی ہے۔''

فلک ناز نے اپنی بیٹی کی عمر اتنی کم بتائی تھی جسے سنتے [ہی] بیگم آفتاب کے تلوے سے سر کی چوٹی تک انگارے [سے لگنے] لگے۔ اس نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر اپنے میاں [سے کہا] ''غضب خدا کا۔ آپ کی بہن کس قدر جھوٹی ہے۔ آ[سرا] چوبیس برس کی ہے اور وہ اسے سترہ برس کی بتارہی ہے!''

پھر اس نے ریسیور کو کان سے لگا کر سنا۔ میں فلک ناز سے پوچھ رہا تھا ''ہمارے چچا جان کی بھی تو ایک بیٹی ہے؟''

فلک ناز نے بے دلی سے کہا ''ہاں...... ہے...... میری آسرا سے تین برس بڑی ہے۔''

بیگم آفتاب، ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر زور سے چیخ ماری۔ فلک آفتاب نے گھبرا کر پوچھا ''کیا ہوا......؟''

وہ غصے سے کانپتے ہوئے بولی ''میں فلک ناز کا منہ نوچ لوں گی۔ مکار عورت۔ اپنی ذلالت دکھارہی ہے۔ ہماری نمرہ کو آسرا سے تین برس بڑی بتارہی ہے۔''

فلک آفتاب نے ایک گہری سانس لے کر کہا ''استغفراللہ۔ اس میں چیخنے کی کیا بات ہے؟ اس کے کہہ دینے سے ہماری نمرہ تین برس بڑی نہیں ہوجائے گی۔ وہ تو آسرا سے دو برس چھوٹی ہے۔ خدا کے لیے ریسیور رکھ دو۔ ورنہ پھر کسی بات پر چیخ پڑو گی۔ جب اسے معلوم ہوگا تو وہ لڑنے کے لیے آجائے گی۔''

''آپ اپنی اس بیوہ بہن سے ڈرتے کیوں ہیں؟''

''میں ڈرتا نہیں ہوں۔ تم دونوں کے درمیان اکثر ہی تو تو میں میں ہوتی رہتی ہے۔ میرا سر دکھنے لگتا ہے۔ ذیشان بھی پریشان ہوجاتا ہے۔ وہ گھر میں ہے۔ اس کا کچھ خیال کرو۔''

فلک آفتاب نے اس سے ریسیور چھین کر آہستگی سے کریڈل پر رکھ دیا۔ بیگم نے کہا ''وہ اسے آسرا کا پتا اور فون نمبر لکھوارہی تھی، اب مقدر اس سے ملنے جائے گا۔ ہماری بیٹی کو بھی اس سے ملنا چاہیے۔ آپ ابھی نمرہ سے رابطہ کریں۔ اسے مقدر حیات کا ایڈریس اور فون نمبر بتائیں اور...... اور......''

وہ جھنجلا کر بولی ''آپ سنتے جارہے ہیں مگر فون نکال کر رابطہ نہیں کررہے ہیں۔ موبائل کے ذریعے نمرہ سے رابطہ کریں۔ میری اس سے بات کرائیں۔ میں اسے اچھی طرح سمجھاؤں گی کہ مقدر سنوارنے کے لیے مقدر حیات سے کس طرح ملاقات کرنی ہے۔''

فلک آفتاب بڑبڑانے لگا ''کیا مصیبت ہے؟ ناز میری بہن ہے مگر اپنا مطلب نکالتے وقت رشتوں کو بھی بھول جاتی ہے۔ مخالفت پر اتر آتی ہے۔''

وہ موبائل نکال کر نمبر ملاتے ہوئے بڑبڑاتا رہا ''پہلے بیٹی کو بہو بنانے کا مسئلہ تھا تب بھی وہ مخالفت کرتی رہی تھی۔ اپنے بیٹے عدنان سے اسے منسوب کرنا چاہتی تھی۔ اب باہر کا ایک آدمی آکر بیٹی کو لے جارہا ہے اور ہم چپ چاپ تماشا دیکھ رہے ہیں۔''

بیگم آفتاب نے کہا ''آپ کی بہن اسی طرح مخالفت کرتی رہی تو مقدر حیات بھی ہاتھ سے نکل جائے گا۔ وہ بھی گھر کے لڑائی جھگڑے دیکھ کر کسی باہر کی لڑکی کو بیاہ کر لے آئے گا۔ ناز تو بہت ہی مطلب پرست ہے۔ پہلے بیٹی کی وجہ سے بیٹے کو اپنے سسرال والوں سے لے آئی تھی اور بیٹی کو ان کے حوالے کر آئی تھی۔ اب مقدر حیات کا سنتے ہی آسرا آسرا کرتی پھر رہی ہے۔ کیا اس کے سسرال والے آسرا کو اس کے حوالے کردیں گے؟''

رابطہ نہیں ہورہا تھا۔ وہ بولا ''اس کے دادی دادا نے بچپن سے اس کی پرورش کی ہے۔ ناز مہینے میں ایک بار جاکر ماں ہونے کا فرض ادا کرتی ہے۔ بیٹی کے دل میں ایسی ماں کے لیے کیا جگہ ہوگی جس نے بیٹے کے بدلے بیٹی کو چھوڑ دیا۔''

بیگم آفتاب کا دھیان بار بار ٹیلی فون کی طرف جارہا تھا۔ دل میں یہ تجسس پیدا ہورہا تھا کہ نہ جانے فلک ناز اور کیا کیا کہہ رہی ہو؟ کیسے کیسے نمرہ کا پتا صاف کرنے کی کوشش کررہی ہوگی؟ فلک آفتاب کھڑکی کے قریب آکر موبائل فون پر نمبر ملانے لگا۔ اس کا منہ دوسری طرف ہوگیا تھا۔ ادھر بیگم نے چپکے سے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا اور دوسری طرف کی باتیں سننے لگی۔

نمرہ کا فون شاید بند تھا۔ فلک آفتاب رابطہ کرنے میں ناکام ہورہا تھا۔ اس نے پلٹ کر بیگم کو دیکھا تو وہ ریسیور کان سے لگائے کھڑی تھی۔ وہ اسے گھور کر دیکھنے لگا۔ بیگم نے ریسیور کو فوراً ہی کریڈل پر رکھتے ہوئے ذرا جھینپ کر کہا ''وہ...... ان کی باتیں ختم ہوچکی ہیں...... لیکن وہ آخری بات یہ کہہ رہی تھی کہ کل صبح کی کسی فلائٹ سے لاہور جارہی ہے۔ ایک تو بیٹی کو اس کے پیچھے لگارہی ہے دوسرے خود اس کے پیچھے لگنے جارہی ہے...... آ...... آپ مجھے گھور کر کیوں دیکھ رہے ہیں؟ نمرہ سے رابطہ کیوں نہیں کررہے؟''

''پتا نہیں۔ ہماری بیٹی کے ساتھ کیا پرابلم ہے۔ وہ اکثر اپنا فون بند رکھتی ہے۔''

''اس وقت سہ پہر کے تین بجے ہیں، آپ تو جانتے ہیں کہ وہ لنچ کرنے کے بعد سوتی ہے اور ایسے وقت فون بند رکھتی ہے۔''

پھر وہ ہاتھ مسلتے ہوئے بولی ''یا اللہ! میں کیا کروں؟ ادھر اس نے مقدر کو آسرا کا فون نمبر اور پتا بتادیا ہے۔ وہ ضرور اس سے ملے گا۔ اوپر سے یہ ناز صبح لاہور جارہی ہے۔ ہم تو پیچھے رہ

جائیں گے۔ ایسے وقت ہمارے بچوں نے کبھی ہمارا ساتھ نہیں دیا۔ اِدھر بابر سے کہا کہ وہ عینی کو اپنی طرف مائل کرے، لیکن وہ اس سے کتراتا رہا۔ اب اُدھر نمرہ نواب زادی کی طرح فون بند کر کے سو رہی ہے۔ اب میں کروں تو کیا کروں؟"

"تم کچھ نہیں کر سکو گی۔ سوائے صبر کے۔"

"آپ اچھی طرح سن لیں۔ میں صبر کرنے والی نہیں ہوں۔ آپ کی بہن کل صبح لاہور جانے والی ہے، لیکن میں آج عینی کا نکاح ہوتے ہی رات کی کسی فلائٹ سے لاہور جاؤں گی اور ضرور جاؤں گی۔"

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے بیگم کو دیکھنے لگا پھر بولا "تم لاہور اپنے میکے فون کرو۔ ہوسکتا ہے نمرہ اپنے ہوسٹل کے بجائے، وہاں ہو۔ اگر وہ وہاں سو رہی ہوگی تو تمہاری امی جان اسے جگا دیں گی۔"

اس نے بیگم کے میکے کے نمبر ملائے پھر فون اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اسے کان سے لگا کر انتظار کرنے لگی اور رابطہ ہونے پر بولی "ہیلو" امی جان! میں بول رہی ہوں۔ نمرہ ہوسٹل میں ہے یا آپ کے پاس آئی ہوئی ہے؟"

"بیٹی! وہ نہ تو میرے پاس آئی ہے اور نہ ہی ہوسٹل میں ہے۔ کالج کے ٹورنگ گروپ کے ساتھ پہاڑی علاقوں میں گئی ہوئی ہے۔"

وہ یہ سن کر الجھ گئی۔ غصے سے بولی "آپ نے اسے جانے کیوں دیا؟"

"تم مجھے غصہ نہ دکھاؤ۔ جوانی میں تم بھی میری بات نہیں مانتی تھیں پھر تمہاری بیٹی کیسے میری بات مانتی؟ اور میں اسے روکتی بھی کس لیے؟ کیا تم نہیں جانتیں، وہ ہر سال گرمیوں کے موسم میں کہیں نہ کہیں سیر و تفریح کے لیے جاتی ہے؟"

بیگم نے الجھ کر فلک آفتاب کو دیکھا پھر فون پر پوچھا "کیا آپ کو پتا ہے، اس بار وہ کس طرف گئی ہے؟"

"وہ مینگورہ اور کالام کی طرف گئی ہے۔"

"کیا مصیبت ہے؟ اس علاقے میں تو موبائل فون کام ہی نہیں کرتا ہے۔ اب میں اس سے کیسے رابطہ کروں؟"

"بہت بے چین ہو، کوئی خاص بات ہے کیا......؟ بیٹی کے لیے پہلے تو ایسی محبت نہیں دکھائی۔"

مقدر ہاتھ سے نکل رہا تھا۔ دوسری طرف اس کی ماں فون پر اسے طعنے دے رہی تھی۔ وہ جھنجلا کر بولی "امی! کیا آپ میرے دل میں جھانک کر دیکھتی ہیں کہ میں اپنی بیٹی کو کتنا چاہتی ہوں؟ کوشش کر رہی ہوں، آج رات کی فلائٹ سے مجھے سیٹ مل جائے تو میں لاہور چلی آؤں۔ اگر نمرہ کا فون آجائے تو کہیے گا کہ وہ مجھ سے پی سی او کے ذریعے رابطہ کرے۔"

اس نے فون بند کر دیا پھر فلک آفتاب سے کہا "آپ ابھی جائیں اور میری سیٹ کنفرم کرائیں۔ بیٹی صاحبہ سیر و تفریح کے لیے کالام اور مینگورہ گئی ہوئی ہیں۔ مجھے تو اب الجھن ہو رہی ہے۔ وہ پتا نہیں وہاں سے کب لوٹے گی؟"

فلک آفتاب بھی سوچ میں پڑ گیا۔ وہ بولی "اب آپ کیوں دیر کر رہے ہیں؟ اٹھیں...... جائیں......!"

وہ بولا "ہاں...... ہاں...... جا رہا ہوں، دیکھتا ہوں، با[...] آ گیا ہوگا تو اس سے کہوں گا وہ تمہارے لیے ٹکٹ لے آ[...] گا۔"

وہ پلٹ کر جانا چاہتا تھا۔ اسی وقت موبائل کا بزر بو[...] لگا۔ وہ جاتے جاتے رک گیا۔ بیگم نے نمبر پڑھا اور اسے آ[...] کرتے ہوئے کہا "پتا نہیں کون ہے؟"

وہ فون کو کان سے لگا کر بولی "ہیلو...... کون......؟"

دوسری طرف سے میں نے کہا "ہیلو۔ میں مقدر حیا[...] بول رہا ہوں۔ آپ کون ہیں؟"

وہ خوشی سے چیخ کر بولی "ہائے بیٹا! یہ تم ہو؟ میں تمہار[...] چچی جان بول رہی ہوں۔ بڑی لمبی عمر ہے تمہاری...... ابھی [...] تمہیں یاد ہی کر رہے تھے۔ تمہاری ہی باتیں کر رہے تھے [...] جب سے تمہارے بارے میں سنا ہے، دل تم سے ملنے [...] لیے پنچھی کی طرح پھڑ پھڑا رہا ہے۔ میں ابھی رابطہ کرنا چا[...] تھی تو پتا چلا کہ تم اپنی پھوپی سے باتیں کر رہے ہو۔ اب [...] تمہیں کیا روکتی...... کیا ٹوکتی؟ تم اس خاندان میں نئے [...] تمہیں علم نہیں ہے کہ کس سے بات کرنی چاہیے؟ کس سے [...] کرنی چاہیے؟ اور اگر کرنی چاہیے تو کتنی لمبی بات کرنی چا[...] بیٹے! میں آج رات تمہارے پاس آ رہی ہوں پھر تمہیں [...] ایک بات سمجھاؤں گی۔"

فلک آفتاب نے دبی زبان سے کہا "بولے چلے جا ر[...] ہو۔ بولے چلی جا رہی ہو۔ کچھ اسے بھی تو بولنے دو۔"

وہ اس کی نہیں سن رہی تھی، تو میاں کی کیا سنتی......؟ [...] پر بول رہی تھی "اب یہی دیکھ لو بیٹا! وہ اپنی بیٹی کی عمر کم [...] بتاتی ہے۔ جبکہ آسرا چوبیس برس کی ہے اور ہماری نمرہ [...] سے تین برس چھوٹی ہے لیکن میں اپنی اور اپنی بیٹی کی عمر بھی [...] چھپاتی۔ سچ بولتی ہوں۔"

فلک آفتاب مٹھیاں بھینچ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ غصے [...] دبی آواز میں بولا "بیگم......! خدا کے لیے۔ ذرا دیر [...] ہو جاؤ۔ اسے بھی کچھ بولنے کا موقع دو۔ بلکہ یہ دیکھو کہیں

نے رابطہ تو ختم نہیں کر دیا ہے؟"

بیگم نے چونک کر میاں کو دیکھا پھر فون پر پوچھا "ہیلو...... بیٹا! تم سن رہے ہو ناں......؟ میں بولتی جا رہی ہوں۔ تمہیں کچھ کہنے کا موقع نہیں دے رہی ہوں۔ کیا کروں؟ دل میں تمہارے لیے محبت کا ایسا طوفان بھرا ہوا ہے کہ تمہاری آواز سنتے ہی جی چاہتا ہے، سارے بند توڑ دوں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے، کیا کہوں......؟ کیا نہ کہوں؟ جب سے معلوم ہوا ہے کہ تم میرے دیور فلک سکندر حیات مرحوم کی اولاد ہو، بڑے بیٹے ہو، تب سے میری تو خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ کیونکہ میرے بڑے بیٹے کے اولاد نہیں ہو رہی ہے، چھوٹا بیٹا شادی کرنے پر راضی نہیں ہے۔ یہاں وارث کا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے، اچانک تم پیدا ہو گئے ہو تو اب اس خاندان میں وارث ہی وارث پیدا ہوتے چلے جائیں گے۔ میری بیٹی نمرہ تو گھر گرہستی کے بھی سارے کام جانتی ہے اور اپنے ڈیڈی کے کاروبار میں بھی دلچسپی لیتی ہے۔ جب وہ تمہارے پھیلے ہوئے بزنس میں ہاتھ بٹائے گی تو تم حیران رہ جاؤ گے...... ہیلو...... ہیلو......؟ ہیلو......"

بیگم آفتاب نے پریشان ہو کر فون کی طرف دیکھا پھر میاں سے کہا "یہ تو فون ہی بند ہو گیا ہے۔"

وہ بولا "بے چارہ ننھا سا فون ہے۔ اس کا حوصلہ دیکھو! اتنی دیر تک تمہیں برداشت کرتا رہا۔ آخر اس کا دم نکل ہی گیا۔"

"مجھے تو پتا ہی نہیں چلا کہ کب لائن کٹ گئی؟ اس کا مطلب ہے، مقدر نے میری آدھی باتیں سنی ہیں۔ کتنی ضروری باتیں کی تھیں میں نے۔ باتوں ہی باتوں میں فلک ناز کا کچا چٹھا بیان کر دیا تھا۔"

"تمہیں آسرا اور نمرہ کی عمریں بتانے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ سمجھ گیا ہوگا کہ تم نے چھپ کر ان کی فون والی گفتگو سنی ہے۔"

"جھوٹ کو پکڑنے کے لیے بہت پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ میں نے چھپ کر فلک ناز کی باتیں سنی ہیں تو کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ میں تو نمرہ کا برتھ سرٹیفکیٹ مقدر کو دکھاؤں گی اور کہوں گی کہ وہ آسرا کا بھی سرٹیفکیٹ دیکھے۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا پھر وہ مان لے گا کہ اس کی چچی جان کیسی سچی ہیں؟ خوامخواہ اپنی بیٹی کو ننھی منی سولہ سترہ برس کی نہیں بتاتی ہیں؟"

پھر وہ کچھ سوچ کر سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پریشانی سے بولی "ہائے اللہ! میں کیا کروں؟ میں نے مقدر کو کتنی اہم باتیں بتائی تھیں مگر وہ ساری کی ساری خاک ہو گئیں۔ اس نے تو کچھ سنا ہی نہیں ہوگا۔"

فلک آفتاب نے ناگواری سے کہا "فون پر کم سے کم بولنا چاہیے۔ دوسری طرف کی باتیں بھی سننی چاہئیں۔ اس طرح معلوم ہوتا رہتا ہے کہ رابطہ قائم ہے۔"

وہ موبائل فون اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی "میں نے ذرا رک کر پوچھا تو تھا۔ آپ مجھے طعنے نہ دیں۔ مقدر کا نمبر ملائیں۔ اس سے رابطہ کریں۔"

اتنے میں موبائل کا بزر پھر سنائی دیا۔ اس نے فوراً ہی اسے آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے کہا "ہیلو...... میں بول رہی ہوں۔"

دوسری طرف سے میں نے کہا "ہیلو چچی جان! بات دراصل یہ ہے کہ میرا فون بہت ہی حساس ہے، کوئی زیادہ دیر تک بولتا رہے تو یہ خود بخود بند ہو جاتا ہے پھر سے رابطہ کرنا پڑتا ہے۔"

"اچھا بیٹا! میں سمجھ گئی۔ اب کم سے کم بولوں گی۔ بلکہ کچھ نہیں بولوں گی۔ میں تو رات کو تمہارے پاس آ ہی رہی ہوں۔ وہاں کھل کر باتیں ہوں گی۔"

میں نے کہا "او سوری چچی جان! میں تو آج رات یہاں نہیں رہوں گا۔ اسلام آباد جا رہا ہوں۔ وہاں سے لندن...... فرینکفرٹ اور سوئٹزرلینڈ جانا ہے۔ یہ سب ہماری پروڈکٹس کی بڑی مارکیٹیں ہیں۔"

وہ بولی "اے ہے بیٹا! تم تو بڑے لمبے ٹور پر جا رہے ہو۔ ہم تو تمہارا انتظار کر رہے تھے۔ یہ انتظار برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ اس لیے میں آج رات ہی تمہارے پاس آ رہی تھی۔ اب سوچ رہی ہوں کہ میں اسلام آباد پہنچ جاؤں۔ وہاں سے تمہارے ساتھ لندن جاؤں پھر جہاں جہاں تم جاؤ گے، وہاں وہاں میں تمہارے ساتھ جاتی رہوں گی۔"

میں نے پریشان ہو کر کہا "کیسی باتیں کر رہی ہیں چچی جان! یہ بزنس کے معاملات ہیں۔ میں ایسے وقت بالکل تنہا رہتا ہوں۔ آپ کی باتوں سے، آپ کی چاہت سے اندازہ ہو رہا ہے کہ آپ مجھ سے ملنے کے لیے کس قدر بے چین ہیں۔ بس ہفتے دو ہفتے کی بات ہے۔ میں جلد سے جلد آپ کے پاس آنے کی کوشش کروں گا۔"

"بیٹے! کیا کوئی ایسی صورت نہیں ہو سکتی کہ سوئٹزرلینڈ میں کہیں ہماری ملاقات ہو جائے؟"

"نہیں چچی جان! میں بزنس کے معاملات میں الجھتا ہوں تو پھر کسی دوسری طرف دھیان نہیں رہتا۔ ابھی تو میں نے

آپ سے ایک ضروری بات کرنے کے لیے فون کیا ہے۔"

"ہاں بیٹا! بولو...... کیا بات ہے؟"

"کیا بتاؤں چچی جان! میں تو نمرہ کے بارے میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن......"

وہ خوشی سے بولی "ہاں ہاں بیٹے! بولو...... رک کیوں گئے؟"

"وہ بات یہ ہے چچی جان! میں نمرہ کے بارے میں کچھ بولنا چاہتا تھا مگر آپ کی آواز سن کر مجھے ایک اور خوشی مل گئی۔"

"کیسی خوشی بیٹا! جلدی بولو۔ تم بار بار رک کر میرے تجسس کو بھڑکا رہے ہو۔"

"تجسس کی کوئی بات نہیں ہے۔ جب سے آپ کی آواز سنی ہے تب سے مجھے اپنی امی جان یاد آ رہی ہیں۔ آپ کی آواز اور لہجہ بالکل میری مرحومہ امی کی طرح ہے۔"

وہ خوشی سے چیخ پڑی "ہائے بیٹا! تم نے تو مجھے زمین سے اٹھا کر اپنے سر پر بٹھا لیا ہے۔ میں تمہاری ماں ہوں۔ بس مجھے اپنی سگی ماں ہی سمجھو۔ تمہاری امی اب اس دنیا میں نہیں رہیں۔ میں تمہیں بھرپور ممتا دوں گی۔"

میں مسکرا کر بولا۔ "یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ مجھے بھرپور ممتا دیں گی۔ لیکن خود کو میری سگی امی نہ کہیں۔"

"کیوں بیٹا! کیوں؟ اس میں کیا حرج ہے؟"

"وہ۔ میں کیا بولوں۔؟ چچی جان! بات یہ ہے کہ اگر آپ میری سگی ماں بن جائیں گی تو پھر نمرہ۔ یعنی کہ نمرہ۔ میں کیا بولوں؟ آگے بولتے ہوئے مجھے شرم آ رہی ہے۔"

وہ اس کی جھجک سمجھتے ہوئے خوشی سے کھل کر بولی۔ "میں سمجھ گئی بیٹا! بس میں سمجھ گئی۔ تم نے تو اپنی محبت سے مجھے خرید لیا ہے۔ میں مسرتوں سے پھٹ پڑوں گی۔ تم نے تو ابھی صرف نمرہ کا ذکر ہی سنا ہے۔ جب اسے دیکھو گے تو بس دیکھتے ہی رہ جاؤ گے۔ میری بیٹی چندا آفتاب۔ چندمہتاب ہے۔"

"آپ چندہ مانگنے والی باتیں کیوں کر رہی ہیں؟ میں تو نمرہ کی بات کر رہا تھا۔"

وہ گڑبڑا کر بولی۔ "بیٹا! وہی۔ میں نمرہ کی ہی باتیں تو کر رہی ہوں۔ اس کے حسن کی تعریفیں کر رہی ہوں۔ کیا تم چند آفتاب اور چند ماہتاب کے معنی نہیں سمجھتے۔؟"

"سوری چچی جان! میری پرورش لندن میں ہوئی ہے۔ میری اردو ذرا کمزور ہے۔ میں نے نمرہ کے بارے میں یہ ہی پوچھنے کے لیئے فون کیا تھا کہ اسے انگریزی آتی ہے یا نہیں۔؟"

"ہائے بیٹا! وہ تو ایسی انگریزی بولتی ہے۔ ایسی انگریزی بولتی ہے۔ جیسے کسی انگریز باپ کی اولاد ہو۔"

فلک آفتاب نے اسے گھور کر دیکھا۔ پھر دبی زبان میں کہا۔ "کیا بکواس کر رہی ہو؟"

بیگم نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ فلک میاں تلملا کر رہ گئے۔ وہ فون پر کہہ رہی تھی۔ "بس بیٹا! مجھے تو اطمینان ہو گیا ہے۔ تم نے میرے سر سے سارا بوجھ اتار دیا ہے۔ اب تو میں خوب گہری نیند سویا کروں گی اور دن بھر کھایا پیا کروں گی۔ تم ایک ہفتے میں ہی یہاں آنے کی کوشش کرو۔ میں اور تمہارے چچا جان بڑی شدت سے تمہارا انتظار کرتے رہیں گے۔ اچھا بیٹا۔! ہاں۔ ٹھیک ہے۔ ہاں۔ اچھا خدا حافظ بیٹا!"

فلک آفتاب اسے غصے سے گھور رہا تھا۔ وہ فون بند کر کے بولی۔ "آپ مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں؟"

اس نے غرا کر پوچھا۔ "یہ نمرہ کس کی اولاد ہے؟"

"آپ کا تو دماغ چل گیا ہے۔ اس بڑھاپے میں شبہ کر رہے ہیں۔ میرے ایسا کہہ دینے سے کیا وہ کسی انگریز کی اولاد ہو جائے گی۔ یہ دیکھئے کہ میں نے کس طرح مقدر کو قائل کیا ہے؟ وہ مطمئن ہو گیا ہے۔"

"اس کے مطمئن ہونے سے کیا ہوتا ہے؟ ہماری بیٹی گاڑھی اردو بولتی ہے۔ اس کے تو پلے نہیں پڑے گی۔"

"ہماری نمرہ انگریزی بھی تو بولتی ہے۔"

"چوبیس گھنٹے نہیں بولتی۔"

"اس کے ساتھ بولے گی۔ اسے بولنا پڑے گا۔ کیسے نہیں بولے گی۔؟"

"فضول بحث نہ کرو۔ کسی طرح بیٹی سے رابطہ کرو۔ اسے سمجھاؤ۔ کہ وہ گاڑھی اردو بولنا چھوڑ دے اور زیادہ سے زیادہ انگریزی بولتی رہا کرے۔ مقدر کی واپسی تک ایسی روانی سے انگریزی بولنے لگے، جیسے وہ انگریز باپ۔ نہیں۔ میری اولاد تو ہو مگر یوں لگے جیسے اسے کسی انگریز ماں نے جنم دیا ہو۔"

بیگم آفتاب نے گھور کر مسکراتے ہوئے اپنے میاں کو دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "کیا اس بڑھاپے میں کسی انگریزن کا شوق ہو رہا ہے؟"

وہ ہنسنے لگا۔ وہ بھی ہنستی ہوئی آ کر اس سے لپٹ گئی۔ وہ گھبرا کر بولا۔ "یہ کیا کر رہی ہو؟ بچے دیکھ لیں گے تو کیا سوچیں گے"

وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "آج تو میں پھر سے جوان ہو گئی ہوں۔ مقدر حیات نے میرا دل، میرا دماغ اور میری روح

تک کو جیت لیا ہے وہ ہماری نمرہ میں دلچسپی لے رہا ہے۔ اس سے بڑی خوشی کی کوئی اور بات ہو ہی نہیں سکتی۔ عینی سے تو ہم مایوس ہو چکے ہیں۔ بلا سے۔ وہ ہماری بہو بنے یا نہ بنے۔ مقدر حیات تو ہمارا داماد بنے گا اور انشا اللہ ضرور بنے گا۔"

وہ سب خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے اور میں ان سب کو باری باری خوش کرتا جا رہا تھا۔ مقدر تو چاہتا ہے کہ سب ہی خوش رہیں لیکن جب انسان اپنے اعمال سے خود ہی مصیبتیں خرید لے تو پھر بھلا میں کیا کر سکتا ہوں؟

میں نے ایک طرف بیگم آفتاب کو خوش کیا تو دوسری طرف فلک ناز کو بھی خوش کیا۔ اس سے بھی وعدہ کیا کہ میں اس کی بیٹی آسرا سے ملاقات کروں گا اور اس سے ملاقات کرنی ہی تھی۔ سب کا دل جو رکھنا تھا۔ جتنوں کے دل رکھ رہا تھا اب ان کے ہاتھ کی لکیریں ٹیڑھی میڑھی کہاں سے کہاں جانے والی تھیں؟ کس طرح ان کے راستے اور حالات بدلنے والے تھے؟ یہ میں ابھی بتا نہیں سکتا۔

میں عینی کے پاس آ گیا۔ اس نے غسل کر کے لباس بدل لیا تھا۔ سنگھار میز کے آئینے کے سامنے آ کر بیٹھ گئی تھی۔ عروج اسے خوب سنجا سنوار کر شام تک بھرپور دلہن بنا دینا چاہتی تھی۔ ڈریسنگ ٹیبل پر میک اپ کا جدید سامان رکھا ہوا تھا۔ ایک طرف جیولری سیٹ، کنگن اور چوڑیاں وغیرہ رکھی ہوئی تھیں۔ ان کے ساتھ ہی عروج کا وہ بیگ بھی رکھا ہوا تھا۔ جس میں آئی ڈراپس کی شیشیاں پچھلی رات سے عینی کی منتظر تھیں۔

جس طرح ہر انسان کے ساتھ اس کا مقدر جنم لیتا ہے اسی طرح ہر انسان کے ساتھ اس کی موت بھی پیدا ہوتی ہے۔ اگر موت کے آنے میں دیر ہو تو شامت آتی رہتی ہے اور اس بیگ میں وہ دو شیشیاں شامتِ اعمال کی طرح رکھی ہوئی تھیں۔ عینی اور عروج کے اعمال درست تھے۔ لیکن حشمت کے اعمال بگڑے ہوئے تھے۔ اس لیئے وہ ان کی زندگی کو بگاڑنے کے ٹھوس انتظامات کر چکا تھا۔

ابھی مجھے یہ منظور نہیں تھا۔ اسی لیئے وہ شیشیاں کل رات سے اسی بیگ میں ہی رکھی ہوئی تھیں۔ انہیں دوسرے دن استعمال کرنا تھا۔ لیکن وہ دوپہر تک سوتی رہی تھیں۔ اور جب بیدار ہوئیں تو خاندانی جھگڑوں میں الجھ گئی تھیں۔ پھر پاشا پر ایسی افتاد آ پڑی تھی کہ دونوں کے دل گھبرا رہے تھے۔ ایسے میں وہ دوا تو کیا کھانا پینا بھی بھول گئی تھیں۔

چونکہ دلہن بننا ضروری تھا، شام کو نکاح پڑھایا جانے والا تھا۔ اس لیے وہ آئینے کے سامنے آ کر بیٹھ گئی تھی۔ ہر آدھے گھنٹے بعد پاشا فون کر رہا تھا۔ اور انہیں اپنی خیریت سے مطلع کر رہا تھا۔ اس طرح وہ کچھ مطمئن بھی ہو رہی تھیں۔

عروج نے میک اپ کرنے کے دوران میں پوچھا۔ "آنکھوں میں تکلیف تو نہیں ہے؟"

"نہیں۔ ہم اتنے مسائل سے اور اتنے ہنگاموں سے گزر رہے ہیں کہ تکلیف کا بھی احساس نہیں رہا ہے۔"

"پھر بھی آنکھوں میں دوا ڈالنا بہتر ہوگا۔ کل سے اب تک تو نے دوا استعمال نہیں کی ہے۔"

"ابھی نہیں۔ پہلے میرا میک اپ کر دے۔ میں پوری طرح دلہن بن جاؤں تب دوا ڈالنا۔"

پھر وہ ایک سرد آہ بھر کر مایوسی سے بولی۔ "میری بھی کیا زندگی ہے؟ میں دنیا کی کسی بھی چیز کو واضح طور پر نہیں دیکھ پاتی۔ اپنے دولہا کو بھی صاف طور پر نہیں دیکھ سکوں گی۔ بلکہ دیکھ ہی نہیں سکوں گی۔"

عروج نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیوں۔؟ تو پاشا کو کیوں نہیں دیکھ سکے گی؟"

"اس لیے کہ نکاح فون پر ہوگا۔ اور وہ مجھے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے یہاں نہیں آئے گا۔ مجھے میکے سے سسرال نہیں لے جائے گا۔ اور نہ ہی میں اسے دیکھ پاؤں گی۔"

عروج نے بڑی محبت سے اس کے ہاتھ کو تھام کر کہا۔ "تجھے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ خدا نے چاہا تو کل تک حالات سازگار ہو جائیں گے۔ وہ تیرے سامنے آئے گا۔ تو اسے دیکھ سکے گی۔"

"ہاں۔ میری زندگی کا ہمسفر میرا مجازی خدا بھی مجھے دھندلا سا ہی دکھائی دیتا رہے گا۔"

"تجھے مشورہ دیتی ہوں کہ عینک لگایا کر۔ لیکن تو نہیں مانتی۔ جب پاشا سامنے آئے اور تو اسے صاف طور پر دیکھنا چاہے تو پھر عینک لگا لینا۔"

"ہاں۔ میں اسے صاف طور پر دیکھنا چاہتی ہوں۔ سر سے لے کر پاؤں تک اس کے ایک ایک روئیں کو دیکھنا چاہتی ہوں۔ مگر عینک لگانے والی دلہن کیسی عجیب سی لگے گی۔؟"

"تو جیسی بھی نظر آئے۔ لیکن جو تجھے دکھائی دینے والا ہے وہ تو تجھے آئینے کی طرح صاف نظر آئے گا۔"

اس نے عروج کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں سے تھامتے ہوئے کہا۔ "وہ تیرا پیار ہے۔ پہلے اس سے تیری شادی ہونی چاہیے تھی۔ لیکن تو نے اچانک ہی میری اور اس کی نکاح خوانی کا فیصلہ سنا دیا۔ میں بہت خوش نصیب ہوں کہ مجھے تجھ جیسی سہیلی ملی ہے۔"

''اچھا اب میرا ہاتھ چھوڑ! مجھے کام کرنے دے۔''

''نہیں چھوڑوں گی۔ پہلے وعدہ کر کہ میری شادی کے ایک ہفتے بعد ہی تو پاشا سے نکاح پڑھوائے گی۔''

عروج ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولی۔ ''تیرا دماغ چل گیا ہے۔ کیا اپنی اور میری شادی کو تماشہ بنانا چاہتی ہے؟ لوگ تو یہ نہیں سمجھیں گے کہ ہم دونوں کتنی محبت سے ایک ہی شخص کو اپنا مجازی خدا بنا کر ایک دوسرے کی سوکن بننا چاہ رہی ہیں؟ لوگ تو یہی کہیں گے کہ تو پاشا کے قابل نہیں تھی۔ اس لیے ایک ہفتے بعد ہی اس نے مجھ سے شادی کر لی۔''

''چل۔ ایک ہفتے بعد نہ سہی، دو چار ماہ بعد تو کرے گی نا۔؟''

''ایسی جلدی کیا ہے؟ تو میری شادی کی بات ابھی نہ کر۔''

''کیوں نہ کروں۔؟ تیرے کہنے پر میں ابھی شادی کر رہی ہوں۔ کیا تو میرے کہنے پر نہیں کرے گی؟''

''کروں گی۔ لیکن تم دونوں کو کم از کم ایک برس تک بھرپور ازدواجی زندگی گزارنی ہوگی۔ جب میں تمہیں خوش دیکھوں گی، پاشا تجھے دل سے چاہنے لگے گا اور تیری ہر خوشی پوری کرتا رہے گا۔ تب میں شادی کے بارے میں سوچوں گی۔''

عروج یہ اچھی طرح سمجھتی تھی کہ پاشا عینی کا نہیں اس کا دیوانہ ہے۔ اگر وہ اس کی بیوی بن کر اور عینی کی سوکن بن کر رہے گی تو پاشا کی تمام تر توجہ عروج کی طرف رہے گی اور وہ جانے انجانے میں عینی کو نظر انداز کرتا رہے گا۔ اس طرح عینی سے سراسر ناانصافی ہوگی۔ اور وہ کبھی اپنی سہیلی کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں کر سکتی تھی۔

عینی جواباً کچھ کہنا چاہتی تھی مگر چپ ہی رہی۔ فون کا بزر سنائی دے رہا تھا۔ عینی نے سامنے رکھے ہوئے موبائل فون کو فوراً اٹھایا اور اسے آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے کہا۔

''ہیلو پاشا! میں بول رہی ہوں۔''

دوسری طرف سے میں نے کہا۔ ''میں پاشا نہیں ہوں۔ تمہارا بھائی ہوں۔ مقدر حیات''

عینی نے چونک کر حیرانی سے پوچھا۔ ''مقدر حیات۔؟ میرے بھائی جان؟''

''ہاں۔ میری بہن! میں تمہارا بھائی مقدر حیات ہوں۔''

وہ خوش ہو کر عروج کو دیکھنے لگی پھر بولی۔ ''یہ میری دوست عروج کا فون ہے۔ آپ کو اس کا نمبر کیسے معلوم ہوا۔؟''

''ہمارے وکیل انکل نے تمہارا موبائل نمبر بتایا تھا۔ میں نے اس پر رابطہ کیا تو کسی پاشا صاحب نے کہا کہ تم اس نمبر پر ملو گی کیا یہ وہی پاشا صاحب ہیں، جن سے ہنگامی حالت میں تمہاری شادی ہونے والی ہے۔؟''

وہ ایک ذرا شرما کر بولی۔ ''جی ہاں۔ وکیل انکل نے آپ کو یہ بھی بتا دیا ہے؟''

''ہاں...... وہ تمہارے بارے میں بہت کچھ بتاتے رہتے ہیں اور میں بڑی دلچسپی سے بہت کچھ پوچھتا رہتا ہوں۔ تم ابھی یہ نہیں سمجھ سکو گی کہ میں تمہیں کتنا چاہتا ہوں؟ میں چاہت کا دعویٰ نہیں کروں گا۔ اپنے عمل سے ثابت کروں گا۔''

''بھائی جان! یہ تو آپ جانتے ہوں گے کہ آپ کی طرح میرا ایک اور سوتیلا بھائی جواد تھا۔ اس نے ایسی حرکتیں کی تھیں کہ بھائی کے رشتے سے میرا اعتبار اٹھ گیا ہے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ آپ بھی ویسے ہی ہوں گے۔ بس آپ سے گزارش ہے کہ مجھے پیار دیں اور میرا ٹوٹا ہوا اعتماد بحال کر دیں۔''

''میری بہن......! میری جان......! فکر نہ کرو۔ میں تمہیں بھرپور محبتیں دوں گا۔ فی الحال تو میں تمہیں شادی کی مبارک باد دیتا ہوں۔''

''آپ کو خود آنا چاہیے۔ اب تو وصیت کا دوسرا حصہ سنایا جا چکا ہے۔ اب کوئی رازداری نہیں رہی ہے۔''

''ہاں...... میں ابھی کاروباری معاملات میں بری طرح الجھا ہوا ہوں۔ ذرا ان الجھنوں سے نجات ملے گی تو ضرور آؤں گا۔ آج کل تمہاری آنکھیں کیسی ہیں؟''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی ''ساری دنیا دھندلا گئی ہے۔ کوئی چیز مجھے صاف طور پر دکھائی ہی نہیں دیتی۔ کبھی کبھی آنکھوں میں بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ آئی اسپیشلسٹ علاج کر رہے ہیں۔ میری سہیلی عروج بھی میرا بہت خیال رکھتی ہے۔''

''تمہیں نئی آنکھیں ملنی چاہئیں۔ آئی بینک والے کیا کہہ رہے ہیں؟''

''بہت عرصہ ہو چکا ہے۔ درخواست دی ہوئی ہے۔ ہم نے آئی بینک والوں کو زیادہ سے زیادہ عطیہ دینے کی پیشکش بھی کی ہے، لیکن یہ ماننا پڑتا ہے کہ دنیا کے سارے ہی کام دولت سے نہیں ہوتے۔ مقدر سے ہوتے ہیں۔ جب خدا کو

منظور ہوگا، تب ہی میرا مقدر سنورے گا۔''

میں نے کہا ''ہاں...... مقدر کو ماننا پڑتا ہے۔ اس کے سامنے تو نہ دولت کام آتی ہے اور نہ ہی تدبیر ویسے جب تک نئی آنکھیں نہ ملیں، تب تک اپنی آنکھوں کا بہت خیال رکھو۔ باقاعدگی سے علاج کراتی رہو۔ تھوڑے کو بہت جانو...... اور خدا کا شکر ادا کرتی رہو۔''

''میں تو ہر وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی رہتی ہوں کہ بالکل اندھی نہیں ہوں۔ کسی حد تک تو دنیا کو دیکھ ہی لیتی ہوں۔''

اب میں چاہتا تھا کہ اسے آنکھوں کی دوا یاد آئے۔ میں نے پوچھا ''کیا آنکھوں میں کوئی آئی ڈراپس وغیرہ ڈالتی ہو؟''

عینی نے بے اختیار عروج کے بیگ کی طرف یوں دیکھا، جیسے وہ آئی ڈراپس اسے پکار رہے ہوں۔ اس نے کہا ''ہاں...... دوائیں رکھی ہوئی ہیں۔ میں ابھی آنکھوں میں ڈالوں گی۔''

میں بھائی تھا۔ بہن کا برا نہیں چاہتا تھا لیکن کیا کروں؟ مقدر ہوں۔ ہاتھ کی لکیریں جہاں لے جاتی ہیں، مجھے جانا پڑتا ہے۔ میں نے اس کے اندر تحریک پیدا کی ''دواؤں کے معاملے میں کوتاہی نہیں ہونی چاہیے۔ مقررہ وقت پر باقاعدگی سے استعمال کرنی چاہئیں۔''

وہ مسکرا کر بولی ''آپ درست کہہ رہے ہیں۔ میں ابھی آنکھوں میں دوا ڈالوں گی۔ کیا آپ عروج سے بات کرنا چاہیں گے؟ یہ صرف میری سہیلی نہیں ہے۔ میری جان بھی ہے۔''

''بے شک۔ میں تمہاری جان سے بات کرنا چاہوں گا۔''

تھوڑی دیر بعد ہی عروج کی آواز سنائی دی ''ہیلو...... بھائی جان! السلام علیکم......''

میں نے سلام کا جواب دینے کے بعد کہا ''میں نے تمہارے بارے میں بہت کچھ سنا ہے۔ وکیل انکل تم دونوں کے بارے میں بتاتے رہتے ہیں کہ تم ایک دوسرے سے محبت نہیں کرتی ہو بلکہ عشق کرتی ہو...... اور عشق میں بھی انتہا کرتی ہو۔ ایک دوسرے کی خاطر ساری دنیا سے لڑ جاتی ہو۔''

وہ ہنستے ہوئے بولی ''وکیل انکل نے آپ کو ہمارے بارے میں کچھ زیادہ ہی بتا دیا ہے۔''

''اچھے اعمال دلوں پر اثر کرتے ہیں اور تمہارے اعمال نے مجھے متاثر کیا ہے۔ عینی کی طرح تم بھی میری بہن ہو۔ تم اس کے لیے قربانیاں دیتی رہتی ہو۔ وقت آئے گا تو میں بھی تمہارے لیے قربانی دوں گا۔''

''آپ کا بہت بہت شکریہ بھائی جان! آپ سے ملنے کو دل چاہتا ہے، جلد آنے کی کوشش کریں۔''

''انشاء اللہ جلد ہی آؤں گا۔ اب میں فون بند کرتا ہوں۔ عینی کا خیال رکھنا۔ ابھی اس کی آنکھوں میں دوا ڈال دینا۔''

''جی ہاں...... ابھی تو میں اسے دلہن بنا رہی ہوں۔ اس کے بعد دوا ڈالوں گی۔''

میں نے فون بند کر دیا۔ سنجیدگی سے سوچنے لگا۔ مقدر کی کسی سے رشتے داری نہیں ہوتی۔

آہ......! وہ اندھی دلہن کیسی لگے گی؟

☆☆☆

ذیشان سمجھ رہا تھا کہ دردانہ بیگم اسے مشکل میں ڈال رہی ہے۔ اس نے حشمت کی ضمانت لے کر ذیشان کو سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ کیسی ڈھکی چھپی چالیں چل رہی ہے؟ ایک تو وہ چالبازی دکھا رہی تھی، اوپر سے انکار کر رہی تھی کہ اس نے حشمت کی ضمانت نہیں لی ہے۔

ذیشان کے ماتحت نے پہلے یہ اطلاع دی تھی کہ اچانک ہی روپوش ہو جانے والا حشمت منظر عام پر آ گیا ہے۔ اب وہ اپنے گھر میں آزادی سے رہ رہا ہے اور وہ اسے گرفتار نہیں کر سکیں گے۔ یہ سنتے ہی ذیشان کو شبہ ہوا تھا کہ اس کی قبل از گرفتاری ضمانت کرانے والی صرف دردانہ بیگم ہی ہو سکتی ہے پھر آدھے گھنٹے بعد ہی اس ماتحت نے تصدیق کر دی۔ اس نے کہا ''سر......! جس وکیل نے کورٹ سے حشمت کی ضمانت لی ہے۔ وہ وکیل اسد عزیزی کے کیس ڈیل کرتا ہے۔''

اس نے پوچھا ''یہ اسد عزیزی کون ہے؟''

''سر! یہ شہباز درانی کا دستِ راست ہے، جب جواد زخموں سے چور تھا، تب اسی اسد عزیزی نے اسے کچرا گھر سے اٹھا کر ہاسپٹل پہنچایا تھا۔ وہاں دردانہ بیگم شہباز درانی کے ساتھ آئی تھی اور یہ تو آپ جانتے ہی ہوں گے کہ شہباز درانی کیسی زبردست فولادی شخصیت ہے؟ وہ صرف اعلیٰ حکام تک ہی نہیں، فوج کے اعلیٰ حکام تک بھی رسائی حاصل کر لیتا ہے۔''

وہ تائید میں سر ہلا کر بولا ''بے شک...... وہ زبردست ہے۔ اس نے پلک جھپکتے ہی میری حراست سے رہا کرا لیا تھا اور دردانہ اسی زبردست کی آغوش میں جا کر بیٹھی ہوئی ہے۔ وہاں سے ایسی چالیں چل رہی ہے کہ میرے لیے چیلنج بن گئی ہے۔ ٹھیک ہے۔ میں تم سے بعد میں رابطہ کروں گا۔''

یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ سوچنے لگا ''دردانہ نے حشمت کی ضمانت کیوں کرائی

ہے؟"

سیدھی سی ایک بات یہ سمجھ میں آرہی تھی کہ وہ ذیشان پر شبہ کررہی ہے۔ اسے اپنے بیٹے کا قاتل سمجھ رہی ہے۔ یہ تو سب ہی جانتے تھے کہ ایس پی ذیشان بہت ہی ضدی اور غصہ ور ہے۔ کوئی مجرم ناجائز طور پر رہائی حاصل کرتا تھا تو رہا ہوتے ہی ذیشان کی انتقامی کارروائی کا شکار ہوجاتا تھا۔

دردانہ کو اسی لیے یقین کی حد تک یہ شبہ تھا کہ اس کا جوان بیٹا صرف اور صرف ذیشان کی سازشوں کا شکار ہوا ہے۔ جواد واقعی مجرم تھا۔ دردانہ نے بڑے وسیع ذرائع استعمال کرکے اسے سزا سے بچالیا تھا لیکن ذیشان کی دی ہوئی سزائے موت سے نہیں بچاپائی۔

اب وہ اپنے طور پر ایک چال چل رہی تھی۔ حشمت بھی سزا کا مستحق تھا اور ذیشان اسے سخت سے سخت سزا دینا چاہتا تھا۔ حشمت اس کے خوف سے روپوش ہوگیا تھا لیکن اب اس کی قبل از گرفتاری ضمانت ہوگئی تھی اور وہ بڑی آزادی سے اپنے گھر چلا آیا تھا۔ اس طرح دردانہ بیگم درپردہ ذیشان کو چیلنج کررہی تھی کہ لو...... اسے بھی سزا دو۔ ہم نے تو اسے قانون کی گرفت سے بچالیا ہے۔ اب تم کیا کروگے؟

ذیشان یہ سمجھ رہا تھا کہ دردانہ ایسے مجرموں کے ریکارڈ جمع کررہی ہوگی جو عدالت سے تو رہائی پاچکے تھے لیکن ذیشان کی انتقامی کارروائی کا شکار ہوگئے تھے۔ ان مجرموں کی فہرست میں جواد کا بھی نام ہوگا اور اس کے بعد اب وہ چاہتی تھی کہ اس فہرست میں حشمت کا بھی نام آجائے اور یہ ثابت ہوجائے کہ ذیشان ایک قصائی افسر ہے۔ وہ عدالت کے فیصلوں کا احترام نہیں کرتا ہے۔ اپنے طور پر فیصلہ کرتا ہے اور مجرموں کو سزا دیتا ہے۔

دردانہ بیگم کی یہ چال اچھی طرح سمجھ میں آگئی تھی اور ذیشان ایسا نادان نہیں تھا کہ حشمت کو نقصان پہنچاتا۔ اس نے یہ طے کرلیا تھا کہ ایک طویل عرصے تک حشمت سے دور رہے گا پھر کبھی موقع دیکھ کر اسے ایسے کسی حادثے سے دوچار کرے گا۔ جس سے یہ ثابت ہوگا کہ وہ ایک اتفاقی حادثے کے نتیجے میں اپاہج ہوگیا یا پھر مارا گیا۔

وہ ٹہل رہا تھا، اور سوچ رہا تھا پھر رک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ اسما دروازہ کھول کر کھانے کی ٹرالی لارہی تھی اور کہہ رہی تھی۔ "شام کے پانچ بجنے والے ہیں۔ آج ہم میں سے کسی نے لنچ نہیں کیا ہے۔ مسائل تو ہر گھر میں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ کھانا پینا ہی چھوڑ دیا جائے۔"

وہ دونوں کھانے کے لیے ٹرالی کے اطراف بیٹھ گئے۔ اسما نے پوچھا "کیا عینی کا مسئلہ پریشان کررہا ہے؟ دیکھیے! بالغ ہوچکی ہے اور پھر وکیل انکل بھی کہہ رہے ہیں کہ وہ فیصلہ خود کرسکتی ہے تو اسے اپنے فیصلے کرنے دیں۔ کہاں تک پریشان ہورہے ہیں؟"

"اسما! یہ تو سوچو، اس کا فیصلہ غلط ہے۔ پاشا جانی غلط ہے، عروج غلط ہے، وہ دونوں مل کر عینی کو دھوکا دے رہے ہیں اور یہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ وہ آدھی رات کے بعد عروج سے ملنے گیا تھا اور وہ اپنی ڈیوٹی چھوڑ کر اسے کوارٹر میں لے گئی تھی۔ کیا اس سے صاف ظاہر نہیں ہوتا کہ ان دونوں کے درمیان بے شرمی کی حد تک بے تکلفی ہے۔"

"میں مانتی ہوں، ان کی بے شرمی صاف ظاہر ہورہی ہے، لیکن جب عینی ہی نہیں مان رہی ہے اور یہ کہہ رہی ہے کہ آدھی رات کے بعد ہونے والی ملاقات کا علم اسے پہلے سے تھا تو پھر ہم کیا کرسکتے ہیں؟"

وہ لقمہ چبا رہا تھا اور گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اسما نے کہا "سچ پوچھیں تو میں عروج کو بے حیا نہیں سمجھتی۔ ہم اسے پچھلے چھ برسوں سے دیکھتے اور سمجھتے آئے ہیں۔ وہ عینی کو دل جان سے چاہتی ہے، اس کے لیے بڑی سے بڑی قربانیاں دے سکتی ہے پھر پاشا کے معاملے میں اسے دھوکا کیوں دے گی؟ اور یہ بات تو صاف ہے کہ اس نے آدھی رات کے بعد پاشا سے ہونے والی ملاقات کے بارے میں عینی کو پہلے سے مطلع کردیا تھا۔"

اسما نے ذیشان کو ایسی نظروں سے دیکھا، جیسے سمجھنا چاہتی ہو کہ اس کی بات کا اثر ہورہا ہے یا نہیں...... پھر اس نے کہا "آپ خود ہی اس بات کے گواہ ہیں کہ جب آپ اس کے کوارٹر میں گئے اور دروازہ کھلوایا تو وہ گنہگار کی حیثیت سے دکھائی نہیں دیئے۔ عروج نے تو صاف کہا تھا کہ وہ ابھی میڈیکل چیک اپ کرانے کے لیے تیار ہے۔ جس سے ثابت ہوجائے گا کہ وہ گنہگار نہیں ہیں پھر آپ کیوں نہیں مان رہے ہیں......؟"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا پھر دوسرا لقمہ منہ میں ڈال کر چبانے لگا۔ وہ بولی "آپ قائل ہورہے ہیں، مگر کچھ کہہ نہیں رہے ہیں۔"

وہ بولا "اسما! تم میری اتنی محبوب ہستی ہو کہ تمہارے سامنے میں اپنی کوئی کمزوری نہیں چھپا سکتا، تمہاری ہر جائز ناجائز بات کو مان لیتا ہوں۔ اس وقت تم بالکل درست کہہ رہی ہو۔ اول تو مجھے جلدی غصہ نہیں آتا اور جب آتا ہے تو میں

اس وقت کچھ سوچتا نہیں ہوں۔ جو دماغ میں آتا ہے کر گزرتا ہوں۔"

"اب آپ ٹھنڈے دماغ سے سوچ رہے ہیں۔ مجھ سے بات کررہے ہیں...... پلیز...... اپنے دل کی بات کہتے رہیں۔"

اس نے ایک گھونٹ پانی پیا پھر بولا "مجھے اسی وقت قائل ہوجانا چاہیے تھا کہ عروج سچی اور کھری ہے۔ تب ہی میڈیکل چیک اپ کے لیے راضی ہوگئی ہے۔ جو لوگ سچے ہوتے ہیں۔ وہ ہر طرح کی آزمائش سے گزرنے پر تیار ہوجاتے ہیں۔"

اسما نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "آپ بہت اچھے ہیں۔ جب عروج کی طرف سے دل صاف ہورہا ہے تو پاشا کی طرف سے بھی آپ کو مطمئن ہوجانا چاہیے۔ عینی اور عروج نے اس میں خوبیاں ہی خوبیاں دیکھی ہوں گی۔ تب ہی اس کی طرف مائل ہوگئی ہیں۔ ایک اسے اپنا جیون ساتھی بنانا چاہتی ہے اور دوسری اس سلسلے میں اس سے تعاون کررہی ہے۔ ایسے وقت ہمیں ان کا ساتھ دینا چاہیے۔ آج تمام دن وہ دونوں لڑکیاں اپنے حقوق کے لیے لڑتی رہیں اور ہم میں سے کسی نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔"

"تم درست کہتی ہو۔ نہ جانے کیوں میرا دماغ پلٹ گیا تھا۔ میں اب حیران ہورہا ہوں کہ دردانہ نے کیسے مجھے اپنی باتوں سے قائل کرلیا تھا اور میں اس بات پر راضی ہوگیا تھا کہ پاشا کو آج شام ہر حال میں یہاں آنے سے روکا جائے۔"

اسما نے چونک کر ذیشان کو دیکھا پھر پوچھا "اس کا مطلب عروج آپ کے خلاف سچ بول رہی تھی کہ پولیس والوں نے پاشا پر فائرنگ کی تھی؟"

"نہیں...... میرے کسی آدمی نے پاشا پر گولی نہیں چلائی تھی۔ یہ دردانہ کا کارنامہ ہے۔ مجھے رفتہ رفتہ معلوم ہورہا ہے کہ وہ بہت پہنچی ہوئی ہے۔ آج کل ایک ایسے شخص کی پناہ میں ہے جو بہت وسیع ذرائع کا مالک ہے۔ اس کے ہاتھوں میں ایسے اختیارات ہیں جو شاید یہاں کے حکمرانوں کے پاس بھی نہیں ہوں گے۔"

اسما نے ناگواری سے کہا "وہ تو مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتی ہے۔ کم بخت...... اس گھر سے چلی گئی تھی، لیکن بیٹے کی موت کا ماتم کرتی ہوئی واپس آگئی مگر اس کی مکاری دیکھیں کہ اس نے یہاں آکر بیٹے کی زیادہ باتیں نہیں کیں۔ عینی کے مسئلے کو ہی اچھالتی رہی اور عروج اور پاشا پر کیچڑ اچھالتی رہی۔ اسے ان دونوں سے دور کرنے کے لیے اس کے پیچھے گولی چلانے والے دشمن لگادیئے۔ آپ عینی کو دل و جان سے چاہتے ہیں لیکن وہ اس کے خلاف آپ کے اندر زہر بھر کر چلی گئی۔ وہ تو ناگن سے بھی زہریلی ہے۔ اس سے دور رہنا چاہیے۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا "اب اس سے دور نہیں رہا جائے گا۔ وہ ایسی چال چل رہی ہے۔ اس کی چالبازیوں کو سمجھنے کے لیے، اسے اپنی نظروں کے سامنے رکھنے کے لیے اس سے ملتے رہنا ہوگا۔"

"جب عینی اور عروج اسے اپنے معاملات میں کسی طرح کی مداخلت کرنے کی اجازت نہیں دیں گی تو پھر وہ نہ ہمارے درمیان آئے گی اور نہ ہمارے خلاف کچھ کرپائے گی۔"

"اسما! تم سمجھ نہیں رہی ہو۔ وہ نفرتوں اور عداوتوں کے بیج بوگئی ہے۔ اب ہمیں فصل کاٹنی ہے۔"

وہ پریشان ہوکر بولی "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں......؟"

"میں نے اس کی باتوں میں آکر عروج اور عینی سے نفرت کی۔ ان کی خوشیوں اور فیصلوں کی مخالفت کی۔ اس طرح ان کے دلوں میں میرے خلاف نفرت بھر گئی ہے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔ میں انہیں اچھی طرح جانتی ہوں۔ آپ ابھی جائیں گے، انہیں محبت سے پچکاریں گے تو وہ دوڑتی ہوئی آکر آپ کے گلے لگ جائیں گی۔"

"میں جانتا ہوں، وہ دل کی اچھی ہیں۔ مجھ سے پھر محبت کرنے لگیں گی لیکن ان کے دل سے یہ میل کیسے دھویا جائے کہ میں نے پولیس والوں کے ذریعے پاشا پر فائرنگ کرائی ہے۔"

وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی "میں انہیں سمجھاؤں گی کہ یہ سب دردانہ کی چال ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔"

"تم دردانہ کی دوسری چال کو نہیں سمجھ رہی ہو۔ تم یہ نہیں جانتیں کہ دردانہ نے حشمت کی قبل از گرفتاری ضمانت لی ہے۔ تاکہ وہ روپوش نہ رہے۔ کھلے عام گھومتا پھرے تاکہ میں اس پر حملہ کراؤں۔ اسے اس لیے نقصان پہنچاؤں کہ اس نے میری بہن کی عزت پر حملہ کیا تھا اور واقعی میں نہ تو کبھی یہ بھول سکتا ہوں اور نہ ہی کبھی حشمت کو معاف کرسکتا ہوں۔"

اسما نے پریشان ہوکر پوچھا "کیا آپ اس سے انتقام لیں گے؟"

"دردانہ یہی چاہتی ہے تاکہ اسے میرے خلاف ایک اور ثبوت مل جائے لیکن میں ایسی نادانی نہیں کروں گا۔ حشمت کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہیں کروں گا۔"

"خدا کا شکر ہے۔ آپ اس طرح دانائی سے کام لیں گے تو دردانہ اپنی چالبازیوں میں ناکام رہے گی۔"

اس نے انکار میں سر ہلایا۔ اسما نے پوچھا "کیوں......؟ کیا ایسا نہیں ہوگا؟"

"نہیں اسما! وہ بہت مکار ہے۔ اب مجھے اس کی دوسری چال سمجھ میں آرہی ہے......اور وہ یہ کہ اگر میں نے حشمت کو نقصان نہ پہنچایا تو وہ اپنے آدمیوں کے ذریعے اسے نقصان پہنچائے گی اور ہوسکتا ہے اسے ہلاک ہی کرا دے۔ تم دیکھ ہی رہی ہو کہ وہ پاشا کے خلاف کیا کررہی ہے اس پر بھی حملے کرا رہی ہے اور اس کا الزام میرے سر آرہا ہے۔"

"یہ عورت تو چڑیل بن گئی ہے۔ عینی کی سوتیلی ماں ہے مگر آپ سے دشمنی کررہی ہے۔ آپ کو اس کی چالبازیوں کا توڑ کرنا چاہیے۔"

"ہاں۔ وہ تو کرنا ہی ہوگا لیکن اس کے خلاف کوئی کارروائی کرنے میں بڑی مشکلات پیش آئیں گی۔ اس کم بخت نے اپنی پناہ گاہ بہت اونچی جگہ بنائی ہے۔"

باہر ہادی میاں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ زور زور سے اونچی آواز میں کہہ رہا تھا "اگر میری بہن مرچکی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عینی میری بھانجی نہیں رہی ہے اور میں اس کا سگا ماموں نہیں ہوں۔ غضب خدا کا۔ ابھی شادی ہورہی ہے اور ابھی مجھے اطلاع دی گئی ہے۔ جیسے میں کوئی غیر ہوں۔"

دروازے پر دستک سنائی دی۔ ذیشان نے کہا "اندر آجائیں۔ دروازہ کھلا ہے۔"

ہادی میاں نے اندر آکر انہیں کھاتے پیتے دیکھا پھر کہا "واہ...... خوب! کھانا پینا ہورہا ہے۔ خوشیاں منائی جارہی ہیں! ہمیں اچھے وقت کوئی نہیں پوچھتا۔ ہادی ماموں برے وقت میں ہی یاد آتے ہیں۔ خدانخواستہ لڑکا ایسا ویسا نکلا تو بعد میں یہی بات آئے گی کہ میں کس نام کا سگا ماموں تھا؟ میں نے لڑکے کے بارے میں چھان بین کیوں نہیں کی......؟ اب دنیا والے تو یقین نہیں کریں گے کہ مجھے اتنے بڑے ہونے والے فیصلے سے بے خبر رکھا گیا ہے۔ یہاں تک کہ میں...... یعنی لڑکی کا سگا ماموں دولہا کا نام تک نہیں جانتا ہے۔ نام نہیں جانتا تو اس کی ہسٹری کیسے معلوم ہوگی؟ جب اس کی ہسٹری معلوم نہیں ہوگی تو یہ کیسے معلوم ہوگا کہ اس کے لچھن کیا ہیں؟ کیا وہ نشہ کرتا ہے؟ کسی چھوٹے خاندان سے تعلق رکھتا ہے؟ میری اتنی دولت مند بھانجی کو اس نے اپنی طرف مائل کیسے کرلیا؟ یا تو وہ بہت قابل ہے...... پھر بہت شاطر ہے؟"

اسما نے کہا "ماموں! آئیں...... آرام سے بیٹھیں۔ ہمارے ساتھ کھانا کھائیں۔ ہم آپ کو لڑکے کے بارے میں بتاتے ہیں۔"

وہ آگے بڑھتے ہوئے بولا "اب میں اس کے میں سن کر کیا کروں گا؟ اگر وہ ٹیڑھا ہے تو کیا ا کردوں گا؟"

پھر وہ کھانے کی ٹرالی کے قریب ہی ایک کرسی ہوئے بولا "کھانے میں کیا ہے......؟ واہ...... چکن ہے؟ ذرا دینا...... یہ جو تم ابھی اس لڑکے کے بارے چاہتی ہو کیا بھابی اور آفتاب بھائی مجھے پہلے سے تمہیں تھے؟"

اسما نے چکن قورمے کی ڈش اس کی طرف بڑ ذیشان نے کہا "کل سے پہلے اسے کوئی نہیں جانتا تھا۔"

وہ ایک پلیٹ میں سالن ڈالتے ہوئے بولا "تو کل بتانا چاہیے تھا۔ میں کچھ تو اس لڑکے کے بارے میں کر کے اپنا فرض ادا کردیتا۔"

"ہادی ماموں! میں پولیس والا ہوں۔ مجھ سے آپ انکوائری نہیں کرسکتے۔ ویسے کل ہم نے لڑکے کو لیکن یہ نہیں جانتے تھے کہ عینی آج اچانک اس کرنے کا فیصلہ سنا دے گی۔"

"اسے سمجھانا تو چاہیے کہ اتنا بڑا فیصلہ وہ تنہا نہ ہم اس کے بزرگ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ آخر کس لیے ہیں؟ کیا ہم شادی میں صرف نان اور قورمہ کھا لیے ہیں؟ اور یہ تم نے کیا قورمے کی ڈش دی ہے۔ ہیں مگر ٹانگ نہیں ہے۔ مطلب...... لیگ پیس نہیں مرغی کی ٹانگ شوق سے کھاتا ہوں۔"

اسما نے ایک ذرا ناگواری سے کہا "جو ہے ا گزارہ کریں۔ آپ وقت دیکھیں۔ ہم دوپہر کا کھانا رہے ہیں۔ مرغ کی رانیں کسی نے کھالی ہوں گی۔ بعد آپ کو مرغ مسلم مل جائے گا۔"

ہادی میاں نے ایک لقمہ چباتے ہوئے ذیشان جھک کر بڑی رازداری سے پوچھا "میاں! ویسے یہ تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ یہ اچانک شادی کیوں ہے؟ ہم تو اپنے ہیں۔ لڑکی پر کوئی الزام نہیں لگائیں۔ دنیا والے تو پوچھیں گے۔ کیا شادی سے پہلے کوئی گڑ تھی؟"

ذیشان نے گھور کر ماموں کو دیکھا پھر کہا "آ سیدھے ہوکر بیٹھیں......اور کھانا کھائیں۔ آپ میری اس طرح شک کررہے ہیں، بڑے شرم کی بات ہے۔"

"میاں! اتنے غیرت مند نہ بنو۔ تم اگر بھائی

ماں ہوں اور وہ بھی سگا ہوں۔ مجھے معلوم ہونا چاہیے کی شادی یوں اچانک کیوں ہورہی ہے؟"

"نی کی مرضی ہے۔ کیا آپ اس کی مرضی کے خلاف ک سکیں گے؟ وکیل اخلاق احمد بھی اس کی حمایت ہیں۔ کیونکہ وہ بالغ ہے اور اپنے والد مرحوم کی کے مطابق شادی کا فیصلہ خود کرنے کا حق رکھتی ہے۔"

"ہیں سگا ماموں ہوں۔ عینی نے مجھ سے رضامندی ہیں کی چلو۔ کوئی بات نہیں۔ کیا اس نے آفتاب بھائی ای کی بھی رضامندی حاصل نہیں کی ہے؟"

"عینی نے اپنے فیصلے میں کسی کو شامل نہیں کیا ہے۔ وہ رضی سے یہ سب کچھ کررہی ہے اور ہم اس کی خوشی میں ہیں۔ آپ بھی خوش ہیں۔ اسی لیے شادی میں شرکت نے آئے ہیں۔"

و لقموں پر لقمے چبا رہا تھا اور گھٹی گھٹی آواز میں بول رہا ایسی بات نہیں ہے۔ میں تو مجبور ہوکر آیا ہوں۔ وہ میری بھانجی ہے۔ اس کی خوشیوں میں تو شریک ہونا ہی پڑے گا میں پوچھتا ہوں، کیا خاندان میں جوان لڑکوں کی کمی تھی؟ ے صداقت کو ہی دیکھو۔ کیسا کبرو جوان ہے؟ عینی کو دل و سے چاہتا ہے۔ ہم خاندان والے قریب رہ کر بھی اس کا نہ جیت سکے اور کوئی باہر والا آکر اسے جیت کرلے جارہا یہ ہمارے لیے ڈوب مرنے کی بات ہے۔"

"دیکھیں۔ پہلے شادی ہوجانے دیں پھر اس کے بعد ب مرنے کا فیصلہ کریں۔"

ہادی میاں نے گھور کر اسے دیکھا پھر کہا "کیا تم میری ل کو مذاق میں اڑا رہے ہو؟"

"آپ تو خود اپنا مذاق بنا رہے ہیں۔ یہ جانتے ہیں کہ پ عینی کے فیصلے کے خلاف کچھ نہیں کرسکتے۔ اگر کرنے کا صلہ ہے تو ابھی کر دکھائیں۔ ورنہ جو ہورہا ہے۔ اسے موشی سے برداشت کریں۔"

"کیوں برداشت کروں؟ اگر ہم تمام بزرگ یک جا ہو ر۔ یعنی کہ متحد ہوکر یہ فیصلہ صادر کردیں کہ عینی اس وقت تک لڑکے سے شادی نہیں کرے گی جب تک کہ ہم اس کے رے میں انکوائری نہ کرلیں۔ اس طرح آج کی شادی ٹل ئے گی پھر بعد میں ہم یہ شادی ہونے ہی نہیں دیں گے اگر آپس میں متحد رہیں تو کیا نہیں کرسکتے؟"

"میں نے کہا ناں۔ ہم کچھ نہیں کرسکتے۔ آپ کرنا ہیں تو کریں۔ ہم عینی کی خوشی میں خوش ہیں۔"

وہ پلیٹ صاف کرتے ہوئے بولا "دیکھو میاں! اتنی جلدی ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔ میں تو تمہارے فائدے کی بات کرنے آیا ہوں۔"

"آپ ہمارے فائدے کی کیا بات کریں گے؟"

"یہی کہ میرا بیٹا صداقت اگر عینی کے قابل نہیں ہے تو بابر یعنی کہ تمہارا بھائی تو اس کے قابل ہے۔ میں تمہارے بھائی سے عینی کی شادی کرانا چاہتا ہوں۔ اس کی تمام دولت و جائداد کو اسی گھر میں رہنا چاہیے اور تم لوگوں کے پاس رہنا چاہیے۔"

فلک ناز دروازہ کھول کر اندر آرہی تھی لیکن ہادی میاں کی باتیں سن کر رک گئی پھر وہاں سے ترنخ کر بولی "واہ...... ہادی بھائی واہ! ابھی تو ڈرائنگ روم میں مجھ سے کہہ رہے تھے کہ بابر مغرور ہے۔ نااہل ہے۔ عینی کی شادی میرے بیٹے عدنان سے ہونی چاہیے۔ اگر میں آپ کا ساتھ دوں تو آج عینی کی شادی رک سکتی ہے۔ کایا پلٹ سکتی ہے۔ پاشا کے بجائے اس کی شادی عدنان سے ہوسکتی ہے لیکن یہاں آکر پینترا بدل رہے ہیں۔ ذیشان کے سامنے منہ دیکھی باتیں کررہے ہیں۔"

ہادی میاں ذرا گڑبڑا گئے۔ فوراً ہی بات نہ بنا سکے پھر بولے "دیکھو ناز! تم میری باتوں کو غلط سمجھ رہی ہو۔ میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ عینی کی جائداد کو اسی گھر میں رہنا چاہیے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی شادی یا تو تمہارے بیٹے سے ہوجائے یا پھر بابر سے۔ بھئی ہم سب ہم خیال اور متحد ہوں گے تب ہی بات بن سکے گی۔ تم وہاں کیوں کھڑی ہو؟ اندر آؤ! یہ چکن قورمہ کھاؤ۔ شامی کباب بھی ہیں۔ ہم اچھا کھائیں گے، اچھی باتیں کریں گے تب ہی گھر کی چیز گھر میں رکھ سکیں گے۔"

اسما نے کہا "نہیں رکھ سکیں گے۔"

ہادی میاں نے پوچھا "کیوں......؟ کیوں نہیں رکھ سکیں گے۔"

"اس لیے کہ چھ شامی کباب تھے۔ آپ پانچ کھا چکے ہیں، اب یہ چھٹا بھی آپ باتوں ہی باتوں میں کھا جائیں گے تو پھر گھر کی چیز گھر میں کیسے رکھ سکیں گے؟"

"اوہو...... تم تو بالکل ہی بھولی ہو۔ میں شامی کباب کی نہیں عینی کی بات کررہا ہوں۔"

فلک ناز نے کہا "تو پھر یہاں کیوں باتیں بنا رہے ہیں؟ ساتھ والا کمرا عینی کا ہے۔ وہاں جائیں۔ اس سے کہیں کہ وہ خاندان سے باہر شادی نہ کرے۔ کرے تو اسی گھر کے کسی لڑکے سے کرے۔"

"ہاں۔ میں یہ بات تو ضرور بولوں گا۔ کیا میں اس سے ڈرتا ہوں؟ آخر اس کا بزرگ ہوں۔ سگا ماموں ہوں۔ میں تو پہلے اسی کے پاس جا رہا تھا۔ دروازے پر دستک دی تو اندر سے عروج نے کہا کہ بعد میں آئیں۔ عینی ابھی تیار ہو رہی ہے۔"

ذیشان نے کہا "وہ تیار ہو چکی ہوگی۔ اب آپ ہم پر مہربانی کریں اور یہاں سے جائیں۔"

وہ ذرا خفگی سے بولا "یعنی کہ میں تم لوگوں پر بوجھ ہوں؟ ناقابلِ برداشت ہوں؟ یہاں سے جاؤں گا تو مہربانی کروں گا؟"

"آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ عینی کے پاس جائیں اور اس سے کہیں کہ آپ گھر کی چیز گھر ہی میں رکھنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ اسے راضی کر لیں گے تو یہ ہم پر بڑی مہربانی ہوگی۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر بولا "میں خوب سمجھتا ہوں۔ آخر پولیس والے ہوں ناں۔ باتوں کو گھمانا خوب جانتے ہو۔ میں کوئی نادان بچہ نہیں ہوں کہ تمہارے طعنے نہ سمجھ سکوں۔ جا رہا ہوں۔ ابھی جا رہا ہوں۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا، بولتا ہوا، دروازے پر آیا۔ ناز نے اس کے لیے دروازے کو پوری طرح سے کھول دیا۔ وہ وہاں رک کر بولا "میری نیک نیتی کسی کی سمجھ میں نہیں آتی۔ میں تو عدنان اور بابر کی حمایت میں بول رہا ہوں۔ دونوں میں سے کسی ایک کو عینی سے منسوب ہونا چاہیے۔ لعنت ہے مجھ پر۔ جو میں اس گھر کی بھلائی کے لیے سوچتا ہوں۔ وہ آخری شامی کباب بھی کھانے نہیں دیا گیا اور مجھے یہاں سے جانے کے لیے کہہ دیا گیا۔ واہ میاں! واہ کیا طوطا چشمی ہے؟"

اس نے ناگواری سے ان سب کو دیکھا پھر کمرے سے باہر آ گیا۔ تیزی سے چلتا ہوا ساتھ والے کمرے کے دروازے پر پہنچا۔ وہاں دستک دی، اندر سے عروج کی آواز سنائی دی "کون ہے......؟"

وہ بڑی نرمی اور محبت سے بولا "بیٹی! میں ہوں۔ عینی سے کہو۔ ہادی ماموں آئے ہیں۔"

دروازہ کھل گیا۔ وہ اندر آیا تو عینی اور عروج نے اسے سلام کیا۔ وہ ان کے سلام کا جواب دینے کے بعد بولا "آہا...... آج تو میری بیٹی بالکل دلہن لگ رہی ہے۔"

عروج نے کہا "ہادی ماموں! اسے دلہن بنایا گیا ہے۔ اسی لیے یہ دلہن لگ رہی ہے۔"

"ہاں...... ہاں...... مجھے پتا ہے۔ یہ تم دونوں نے بہت ہی اچھا کیا جو شادی کا فیصلہ کر لیا۔"

"ہادی ماموں! ہم دونوں کی شادی نہیں ہو[رہی] صرف عینی کی ہو رہی ہے۔ اسی نے یہ فیصلہ کیا ہے۔"

"ہاں۔ میں یہی کہنا چاہتا ہوں کہ شادی عینی [کی] ہے لیکن ہر معاملے میں فیصلہ تو تم دونوں مل کر [کرتی] ہو۔ تمہارے مشورے کے بغیر عینی کبھی اتنا بڑا فیصلہ [نہیں کر] سکتی۔"

عروج وہاں سے چلتی ہوئی سنگھار میز کے قریب [آئی۔] بیگ میں ہاتھ ڈال کر آئی ڈراپس کی شیشیاں نکا[لیں پھر] بولی "عینی! بیڈ پر لیٹ جا۔ آنکھوں میں دوا ڈالنی [ہے۔"]

ہادی میاں نے کہا "تم اس کی آنکھوں میں [دوا] ڈالتی رہتی ہو؟ کوئی فائدہ تو ہو نہیں رہا ہے۔ کیوں [عینی!] تمہیں صاف طور سے دکھائی دے رہا ہوں؟"

وہ بولی "نہیں۔ مجھے ہر چیز دھندلی دکھائی د[یتی ہے۔] عروج ڈاکٹر ہے اور یہ آئی اسپیشلسٹ کے مشور[ے سے] مجھے دوائیں دیتی ہے۔"

عروج نے کہا "آئی اسپیشلسٹ جو دوائی[ں لکھتا] ہے۔ میں اسے وہی استعمال کراتی ہوں۔"

وہ بولا "تو پھر فائدہ کیوں نہیں ہو رہا ہے؟"

"فی الحال تو اتنا ہی فائدہ پہنچ رہا ہے کہ [بینائی] بحال رہے گی۔ اسے دھندلا سا نظر آتا رہے گا [لیکن یہ اندھی] نہیں۔ یہ ہماری دنیا کو اس حد تک تو دیکھتی رہے گی۔"

ایک ملازمہ نے آ کر عروج سے کہا "آپ [کے ڈیڈی] آئے ہوئے ہیں۔ آپ کو پوچھ رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ تم چلو، میں آتی ہوں۔"

عینی نے کہا "عروج! پہلے تو نیچے جا۔ ممی او[ر ڈیڈی سے] ملاقات کر۔ یہ آئی ڈراپس بعد میں بھی ڈالے جا[سکتے ہیں۔"]

عروج نے کہا "وہ تجھ سے ملنا چاہیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ تو چل......! میں بھی نیچے آ ر[ہی ہوں۔"]

"نہیں۔ جب تک نکاح نہ ہو جائے۔ ت[جھے] کمرے کے اندر ہی رہنا ہے۔ باہر نہیں نکلنا ہے [۔ میں] ڈیڈی کو یہاں لے آتی ہوں۔"

ہادی میاں نے کہا "عروج ٹھیک کہتی [ہے۔ دلہن کو] گھونگھٹ میں چھپا کر رکھا جائے تو اس کے چ[ہرے پر رونق] رہتی ہے۔"

عروج چلی گئی۔ ہادی میاں دواؤں کی طرف [دیکھ رہا تھا] اور سوچ رہا تھا "اگر مسلسل دوائیں نہ ڈالی جا[ئیں تو یہ دیکھنے] کے قابل نہیں رہے گی۔ ہو سکتا ہے۔ یہ ابھی بینا[ئی سے محروم ہو جائے۔ اگر اسے یہ] صدمہ پہنچے گا تو نکاح نہیں پڑھایا جائے گا۔"

[اس] نے پوچھا "بیٹی! کیا تم یہ دوائیں مسلسل استعمال [کرتی ہو]؟"

[اس] نے سر ہلا کر کہا "ہاں...... لیکن کل سے مکمل ناغہ ہو رہا [ہے۔ کل] رات سے اب تک میں نے ایک بار بھی یہ دوا [استعمال نہ]یں کی ہے۔"

"[پھ]ر تو آنکھوں میں تکلیف ہو رہی ہوگی؟"

"[جی]...... دوپہر کو میں نے تکلیف محسوس کی تھی لیکن ایسے [کاموں میں] گرفتار تھی کہ دوا استعمال نہ کر سکی۔"

[ہاد]ی میاں نے دل ہی دل میں کہا "اگر اب بھی دوا [استعمال] نہ کرو تو شاید آنکھوں کی تکلیف مزید بڑھ جائے اور......"

[وہ] سوچتا ہوا، دھیرے دھیرے آگے بڑھتا ہوا سنگھار [میز کے] قریب آ گیا۔ دوا کی ایک شیشی کو اٹھا کر بولا "تم کسی [اسپ]یشلسٹ سے یہ کیوں نہیں کہتیں کہ دوائیں تبدیل کی [جائیں]۔ شاید نئی دواؤں سے کوئی افاقہ ہو۔"

[عی]نی نے اپنے ماموں کے ہاتھ میں ایک شیشی دیکھی۔ [اس] نے پوچھا "کیا میں تمہیں دھندلا سا دکھائی دے رہا [ہوں]؟"

"جی ہاں۔ اب تو نظر بہت زیادہ دھندلا گئی ہے۔ بس [عر]وج آ کر دوا ڈالے گی۔"

"کیا اس دوسری شیشی کی دوا بھی استعمال کرتی ہو؟"

عینی نے سر جھکا کر اس دوسری شیشی کو دیکھا۔ اس کی [پلکیں] اوپر سے نیچے ہوئیں تو ہادی نے اپنے ہاتھ میں پکڑی [ہوئی] شیشی کو زور سے فرش پر دے مارا۔ وہ شیشی ایک چھناکے [کے س]اتھ ہی چکنا چور ہو گئی۔ اس کے اندر کی دوا فرش پر دور [تک] پھیل گئی۔ عینی نے حیرانی سے پوچھا "ماموں جان! یہ [آپ] نے کیا کیا؟"

"بیٹی! وہ...... وہ...... میں نے کچھ نہیں کیا۔ شیشی [اچان]ک ہی میرے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی ہے۔"

"بیٹی! میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔ کیا تم مجھے اپنا دشمن [سمجھ]تی ہو؟ کیا میں نے جان بوجھ کر شیشی گرائی ہے؟ یوں مجھ [پر شب]ہ نہ کرو۔ میں تمہارا سگا ماموں ہوں۔"

"ٹھیک ہے، آپ نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا لیکن [عرو]ج آ کر پتا نہیں ان میں سے کون سی دوا میری آنکھوں [میں ڈ]النے والی تھی؟"

"پریشان کیوں ہوتی ہو؟ عروج آئے گی تو میں ابھی [اس] سے اس دوا کا نام لکھواؤں گا اور فوراً کسی میڈیکل اسٹور سے یہ دوا لے آؤں گا۔"

وہ اپنے ماموں کی طرف سے منہ پھیر کر بیڈ کی طرف آئی پھر اس کے سرے پر بیٹھ گئی۔ ہادی میاں اس دوسری شیشی کو اس کی مٹھی میں دیکھ رہا تھا۔ سوچ رہا تھا "وہ اس شیشی کو کہیں رکھے تو میں اسے چرا کر یہاں سے لے جاؤں گا۔ آج اس کی آنکھوں میں دوا نہ ڈالی جائے تو بہتر ہوگا۔ اگر قاضی صاحب کے آنے تک اس کی آنکھوں میں جلن شروع ہوگی، تکلیف بڑھنے لگے گی تو پھر نکاح نہیں پڑھایا جا سکے گا۔"

وہ سوچ رہا تھا "میں ایسے وقت نکاح پر اعتراض کروں گا۔ ایک تو فون پر نکاح پڑھایا جا رہا ہے اور دولہا نظروں سے اوجھل رہے گا۔ ادھر دلہن کی بینائی نہ ہونے کے برابر ہوگی۔ یہ تکلیف میں مبتلا رہے گی۔ ایسے وقت میں تو کیا، سب ہی کہیں گے کہ نکاح کو ملتوی کر دیا جائے۔ آج نہ سہی۔ کل پڑھایا جائے...... اور کل کبھی نہیں آتا۔"

وہ سگا ماموں سوچ رہا تھا کہ اس کی سگی بھانجی آج ہی کسی طرح اندھی ہو جائے۔ اس کی یہ خواہش پوری ہو سکتی تھی، اگر وہ کوئی سازش نہ کرتا۔ جو دوائیں رکھی ہوئی ہیں۔ انہیں استعمال کرنے کا موقع دیتا۔ یوں اس کی مراد بر آتی۔

بعض اوقات سازش کرنے والے یہ سمجھ نہیں پاتے کہ اپنے مخالف کے خلاف جو چال چل رہے ہیں، وہ چال انہیں نقصان پہنچانے کے بجائے الٹا فائدہ پہنچا رہی ہے۔

اس مضر دوا کی دوسری اور آخری شیشی عینی کی مٹھی میں تھی۔ ہادی میاں اس آخری شیشی سے بھی اسے محروم کر دینا چاہتا تھا۔ ادھر ہادی ماموں تدبیر کر رہا تھا، ادھر عینی تقدیر اور تدبیر کے درمیان بیٹھی ہوئی تھی۔ آنے والے لمحات میں فیصلہ ہونے والا تھا کہ وہ آخری شیشی ہادی میاں کے ہاتھ لگ جائے گی اور وہ اندھی ہونے سے بچ جائے گی یا پھر ہادی ماموں ناکام رہے گا اور اس شیشی کی خطرناک دوا اس کی آنکھوں تک پہنچ جائے گی؟

میں ایسے ہی تماشے کرتا ہوں۔ اس تماشے کے کردار ہادی میاں کو عینی کا بدترین دشمن بنا سکتا ہوں اور رحمت کا فرشتہ بھی۔

☆☆☆

گل خانم کا ذکر بہت ضروری ہے۔ کیونکہ وہ آئندہ فلک سکندر حیات مرحوم کے خاندان میں اور ذیشان اور اسما کی زندگی میں بہت اہم رول ادا کرنے والی تھی۔ یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ گل خانم کن مراحل سے گزرتی ہوئی اس خاندان تک پہنچنے والی ہے؟

ابھی تو وہ یاور خان کے غصے اور بے اعتمادی کی سزا بھگت رہی تھی۔ اس نے غصے میں آ کر اسے طلاق دی تھی اور اب وہ مطلقہ کی حیثیت سے عدت کے ایام گزار رہی تھی۔ اس نے خود کو اپنی کوٹھی میں مقید کرلیا تھا۔ چار ماہ اور دس دنوں تک نہ تو کسی نامحرم سے ملنا تھا اور نہ ہی کسی سے بات کرنی تھی۔ اسے سخت پردے میں رہنا تھا لیکن یاور خان اسے طلاق دینے کے بعد بری طرح پچھتا رہا تھا۔ اس سے رجوع کرنا چاہتا تھا۔

اگرچہ وہ غصہ ور تھا لیکن اس کا دیوانہ تھا۔ گل خانم بھی کچھ کم نہ تھی۔ شادی سے پہلے ہی اس کی دیوانی ہوگئی تھی۔ ماں باپ اور گھر والوں کی مخالفت کے باوجود اس نے یاور سے شادی کی تھی۔ پچھلے تین برسوں میں ان دونوں نے ایک دوسرے کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا اور ایک دوسرے کے ایسے عادی ہوگئے تھے کہ اب جدائی برداشت نہیں ہورہی تھی۔

اگر دنیا والے انہیں روکتے تو وہ کبھی نہ رکتے، دنیا والے جتنی بھی دیواریں کھڑی کرتے، وہ انہیں توڑ کر ایک دوسرے کے گلے لگ جاتے لیکن مسئلہ دین و ایمان کا تھا۔ دینی اصولوں کے مطابق گل خانم چار ماہ دس دنوں تک یاور خان تو کیا......؟ کسی بھی نامحرم کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی اور نہ ہی اپنا چہرہ دکھا سکتی تھی۔ عدت کے ایام گزارنے کے بعد اگر وہ پھر سے یاور کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنا چاہتی تو اس کے لیے حلالہ کے مرحلے سے گزرنا لازم تھا۔

پھر جب وہ دوسرا شوہر اسے اپنی مرضی سے طلاق دیتا تو وہ دوبارہ عدت کے ایام پورے کرکے یاور خان کے نکاح میں آسکتی تھی۔

طلاق کے بعد جدائی نے بتایا تھا کہ وہ ایک دوسرے کے لیے کتنے ضروری ہیں؟ جدائی کے ہر لمحے میں وہ تڑپ رہے تھے۔ نہ بھوک لگ رہی تھی، نہ نیند آرہی تھی۔

انسان پابندیوں میں رہنے کا عادی نہیں ہوتا۔ اگر اسے جبراً روکا جائے تو وہ ملنے کے لیے چور دروازوں سے آجاتا ہے گل خانم کو یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ یاور خان کبھی چھپ کر آدھی رات کے بعد آسکتا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو وہ کیا کرے گی؟ کیا اسے روک سکے گی؟ اس کی قربت اسے بہکائے گی۔ وہ ایسے خواب دیکھنے لگی تھی کہ وہ رات کو چوری چھپے آتا ہے اور اسے اپنی آغوش میں رات بھر جگاتا رہتا ہے۔

وہ بہت مستقل مزاج تھی۔ بہت ہی مضبوط قوت ارادی کی مالک تھی لیکن یاور خان کی طلب اسے کمزور بنا رہی تھی۔ وہ سنجیدگی سے سوچ رہی تھی کہ اپنے ایمان پر قائم رہنا ہے، دینی اصولوں کے مطابق چلنا ہے، اور جلد ہی ایسا راستہ نکالنا ہے کہ یاور خان کی طلب آسان ہوجائے احکامات کی نفی بھی نہ ہونے پائے۔

سچ تو یہ ہے کہ اس کی طلب نے اسے ایب... تھا۔ رات کے دو بجے اچانک ہی اس کی آنکھ کھل گ... خان نے خواب میں آکر اسے جگایا تھا۔ وہ اس قریب آگیا تھا کہ گھبراہٹ میں آنکھ کھل گئی تھی۔ ساتھ ہی یہ ہونے لگا تھا۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی، یہ اچھی طرح سمجھ گئی کہ اب... آئے گی، وقت نہیں گزرے گا۔ صبح نہیں ہوگی۔ ا... کی بے چینی کو سمجھنے والا کوئی نہیں ہوتا تھا۔ کوئی ایسا غمگسار بھی نہیں تھا جو اسے مشورہ دے سکے کہ اسے کیا کرنا چاہیے؟

ذیشان نے اسے مشورہ دیا تھا کہ کم از کم عدت تک تو اسے صبر کرنا ہی ہوگا۔ اس کا نوزائیدہ بچہ مر... اس کے لیے بھی تڑپتی تھی۔ دل کو یہ صدمہ لگا ہوا... خان اب اس کی زندگی میں نہیں آسکے گا۔ وہ ماں بن سکے گی پھر کوئی بچہ اس کی گود میں نہیں آئے گا۔ اس... دور نہیں کرے گا۔

ذیشان نے کہا تھا، وہ صدا محروم نہیں رہے گی بچے کی خاطر ہی شادی کرنے پر مجبور ہوجائے گی۔ عورت ماں نہیں بنتی، مکمل عورت نہیں بنتی اور اسے مکمل عورت بننا ہے۔

دو طرفہ تقاضے تھے اور درمیان میں وہ تھی۔ ا... یہ تقاضا تھا کہ نوزائیدہ بچہ مرچکا ہے، وہ اسے جی... سے نہ لگا سکی، اپنا دودھ نہ پلا سکی، اس پر اپنی بھرپور... نہ کرسکی۔ ممتا کی یہ محرومی تقاضا کررہی تھی کہ اسے ... ماں بننے کے لیے شادی کرنا ہی ہوگی۔

دوسری طرف یاور خان کا تقاضا تھا کہ وہی ا... ہے، وہی اس کا آخر ہے۔ اس عاشق شوہر کے سوا... اس کی تنہائی میں نہیں آئے گا۔ لہٰذا وہ اسے بلائے بلائے۔ کسی طرح بھی بلائے۔ دیر نہ کرے، در... ہوجائے گا۔

اندھیر یوں ہوتا ہے کہ انسان جذبات کی شا... بھٹک جاتا ہے۔ بہک جاتا ہے۔ گمراہ ہوجاتا ہے او... اسے گناہ کی طرف لے جاتی ہے۔ اب اپنے شوہر جانا بھی سراسر گناہ ہوگا اور اسے ہر حال میں گناہ... بچانا تھا۔

موبائل فون کا بزر سنائی دیا۔ دھڑکنیں ایک د...

...فون کا بزر سنتے ہی وہ سمجھ لیتی تھی کہ اس کا یاور اسے ...ہے اس کا اور کوئی ایسا دیوانہ نہیں تھا جو رات کے ڈھائی ...ے پکارتا۔ اس نے سی ایل آئی میں نمبر پڑھا۔ وہ کوئی نیا ...وہ تعجب سے سوچنے لگی "یہ کس کا موبائل نمبر ہے؟" اس نے بٹن دبا کر اسے کان سے لگایا پھر کہا "ہیلو ......؟"

یاور خان کی آواز نے اس کے دل کو مٹھی میں لے لیا ...خاناں! میں ہوں......اور کون ہوسکتا ہے؟"

وہ حیرانی سے بولی "مگر یہ تو موبائل نمبر ہے؟"

"میں نے تمہاری خاطر یہ موبائل فون خرید لیا ہے۔ اب ...و یارات۔ میں کسی وقت بھی تم سے بات کرسکتا ہوں۔"

...ایسے وقت وہ چپ ہوجاتی تھی۔ اس کی باتیں سنتی رہتی ...دل چاہتا تھا کہ اس کی آواز کان کے راستے دل میں ...رہے۔ وہ کہہ رہا تھا "میرے فون کرتے ہی تم نے اپنی ...سنائی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم بھی میری طرح جاگتی ...ہو۔"

وہ بڑے دکھ سے بولی "ہاں......تم نے مجھے بیمار بنا دیا ...راتوں کو جاگنے کی بیماری لگ گئی ہے۔"

"جب پہلی بار ہمارے دلوں میں محبت پیدا ہوئی تھی۔ ...ے ہم ایک دوسرے کے بیمار بن گئے تھے۔ میری ذرا سی ...ف پر تم تڑپ جاتی تھیں۔ تم ذرا سی بیمار ہوتیں تو میں رات ...ہارے سرہانے جاگتا رہتا تھا۔ آج بھی یہی سلسلہ ہے۔ ...جاگ رہا ہوں اور تمہاری کوٹھی کے باہر کھڑا تمہاری بالکونی ...طرف دیکھ رہا ہوں۔"

...یہ سنتے ہی گل خانم کا دل سینے میں تڑپنے لگا۔ بالکونی کی ...ف بھاگنے لگا۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی دروازے کی طرف ...منے لگی۔ وہ کہہ رہا تھا "تم نے سختی سے کہہ دیا ہے کہ میں ...اری کوٹھی میں قدم نہ رکھوں اور پھر ہمارے دینی احکامات ...بھی کہتے ہیں۔ میں کیا کروں؟ جب کچھ سمجھ میں نہیں آتا ...دیوانگی یہی سمجھاتی ہے کہ غلطی کرنے والے! تو سزا پاتا ...ہے، راتوں کو سونا چھوڑ دے، اور اپنی محبوبہ کی گلیوں میں ...کتا رہے، اس کے دروازے کے سامنے سر پھوڑتا رہے۔"

وہ تیزی سے چلتی ہوئی، جذبات سے لڑکھڑاتی ہوئی، ...لکونی میں پہنچی۔ کوٹھی کے باہر اسٹریٹ لیمپ کی روشنی میں وہ ...دانہ دکھائی دے رہا تھا۔ بجلی کے کھمبے کے پاس کھڑا بالکونی کی ...طرف دیکھ رہا تھا پھر بولا "واہ گل خاناں! تیرا سایہ دکھائی ...ے رہا ہے۔ تو پرائی ہوگئی ہے، اب تو تیرا وجود بھی سایہ سا لگتا ...ہے۔"

وہ اس کی طرف بڑی محبت سے دیکھتے ہوئے بولی "ہاں......تم نے مجھے ایسا بنا دیا ہے کہ میرا وجود اب تمہارے لیے معتبر ہوگیا ہے۔ سایہ بن گیا ہے۔ تم اسے چھونا بھی چاہو گے تو کچھ حاصل نہیں کرسکو گے۔ تم نے مجھے لاحاصل بنا ڈالا ہے۔"

"گل خاناں! مجھے بار بار طعنے نہ دو۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔ ایک غلطی نے ہمیں ایک دوسرے سے کتنا دور کردیا ہے؟ ہم دریا کے دو کنارے بن گئے ہیں۔ میں دن رات سوچتا رہتا ہوں کہ کس طرح مل پائیں گے؟ لیکن کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ لے دے کر یہ ایک فون رہ گیا ہے۔ اس کے ذریعے ہم ایک دوسرے کی آواز سن سکتے ہیں۔"

وہ بالکونی سے واپس اپنے کمرے میں آگئی، ایک سوئچ کو آن کرکے دوبارہ بالکونی میں آئی تو وہاں روشنی ہوچکی تھی وہ فون پر آہ بھر کر بولا "ہائے گل خاناں! بالکونی میں چاند نکل آیا ہے۔"

"انسان نے اپنی جدوجہد سے آسمان کے چاند کو چھولیا، اس کی آغوش میں پہنچ گیا لیکن تم زمین کے چاند کو کبھی نہیں چھو سکو گے۔"

"سرخ پوشے کہ لب بام نظرنی آئید"
"نہ بہ زور، نہ بہ زاری، نہ بہ زرنی آئید"

"یہ جو تمہیں نظر آرہی ہے، اسے تم نہ تو طاقت سے حاصل کرسکتے ہو، نہ دولت سے اور نہ ہی آہ و زاری سے۔ ہمارا کیا ہوگا یاورا......؟"

"تم چاہو تو گل خاناں! میں چاند کو چھو سکتا ہوں۔"

"کیا تم مسلمان نہیں ہو؟ ایک چاند کو چھونے کے لیے اپنا ایمان خراب کردگے؟"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولا "یہی ایک مجبوری ہے۔ ہم جان سے جاسکتے ہیں مگر ایمان سے نہیں جاسکتے۔ دین ایمان نہ ہو تو انسان تہذیب اور شرافت سے خالی ہوجاتا ہے۔ میں ایمان کی سلامتی کے ساتھ تمہیں حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی "ہمیں کسی عالم دین سے رجوع کرنا چاہیے۔ وہ ضرور ہمیں کوئی مناسب راستہ بتائیں گے۔ ایسا راستہ جس پر میری شرم و حیا اور ایمان برقرار رہے اور ہم پھر سے ایک دوسرے کے قریب ہوجائیں۔"

وہ بولا "میں نے معلوم کیا ہے۔ یہاں کرومندر کے پاس ایک بلوری مسجد ہے۔ وہاں کتنے ہی علمائے دین موجود رہتے ہیں۔ ہم وہاں جائیں گے، اور قابل عمل ہدایات حاصل کریں گے۔"

''میں بہت مجبور ہوگئی ہوں۔ کسی عالمِ دین سے جلد ہی ملنا چاہتی ہوں۔''
اس نے کہا'' کل صبح ہی میرے ساتھ بلوری مسجد چلو۔''
''ہاں۔ میں ضرور جاؤں گی مگر تمہارے ساتھ نہیں۔ ہمیں ایک دوسرے سے دور رہنا ہے۔''
''تو پھر ٹھیک ہے۔ تم اپنی کار میں رہو گی اور میں ٹیکسی میں تمہارے پیچھے پیچھے آؤں گا۔ وہاں عالمِ دین کی موجودگی میں بھی تم چادر میں چھپی رہو گی، مجھ سے پردہ کرو گی پھر بھی مجھے کتنی تسکین حاصل ہوگی تم پردہ کرنے کے باوجود میرے قریب رہو گی۔''
یاور خان کی چاہت اور قریب سے قریب تر ہو جانے کی دیوانگی ایسی تھی کہ اس کے تڑپنے سے گل خانم کا دل اندر ہی اندر لوٹ پوٹ ہونے لگتا تھا۔ اس نے طے کر لیا کہ وہ دوسرے دن کسی عالمِ دین کے پاس جا کر اپنے اس الجھے ہوئے مسئلے کا کوئی آسان حل معلوم کرے گی۔
اس کے لیے تو آسان حل یہی ہو سکتا تھا کہ اسے حلالہ کے مرحلے سے نہ گزرنا پڑے کوئی شخص اس کی تنہائی میں اس کا دوسرا شوہر بن کر نہ آئے...... اور ایسا ممکن نہیں تھا۔

☆☆☆

شہباز درانی بڑی بے چینی سے دردانہ بیگم کا انتظار کر رہا تھا۔ ایک مسلح ملازم نے آ کر اطلاع دی'' باس! میڈم آ رہی ہیں۔''
وہ تڑپ کر اٹھ گیا۔ تیزی سے چلتا ہوا اپنے بیڈروم سے نکل کر کوٹھی کے باہر آیا۔ اس کی بے چینی اور اس کی تڑپ ظاہر کرتی تھی کہ وہ دردانہ کا کیسا دیوانہ ہے؟ وہ کار کا پچھلا دروازہ کھول کر باہر آ رہی تھی۔ تمام مسلح گارڈز مستعد کھڑے ہوئے تھے۔ وہ بڑے ناز و انداز سے چلتی ہوئی شہباز کے قریب آئی۔ وہ بولا'' مجھے لگ رہا تھا، تم نے پاؤں میں مہندی لگائی ہے۔ جب تک رنگ نہیں چڑھے گا، تم یہاں نہیں آؤ گی اور میں انتظار میں سوکھتا چلا جاؤں گا۔''
وہ مسکرا کر اس کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی آہستہ سے بولی ''تم تو آس پاس کھڑے ہوئے گارڈز کا بھی لحاظ نہیں کرتے۔ بس عاشقوں کی طرح بولتے چلے جاتے ہو۔ یہ لوگ کیا سوچتے ہوں گے؟ اس قدر شہ زور، دولت مند اور وسیع اختیارات کا مالک میرے پیچھے دیوانہ ہو گیا ہے۔''
''یہ گارڈز کیا چیز ہیں؟ میں تو ساری دنیا کو دکھانا چاہتا ہوں کہ تم میرے لیے کتنی اہمیت رکھتی ہو؟ کسی شہنشاہ نے اپنی محبوب بیوی کے لیے تاج محل بنوایا۔ کسی نے اپنی محبت کے لیے تخت و تاج چھوڑ دیا اور کسی حکمران نے اپنی بیگم کے اشارے پر ہزاروں مخالفین کے سر قلم کر دیے۔ میں تمہا لیے کیا کر سکتا ہوں یہ آنے والا وقت ہی بتائے گا۔''
وہ بولی'' میرے دشمن ہزاروں میں نہیں ہیں۔ میں انگلیوں پر گن سکتی ہوں اور اپنی انگلیوں پر انہیں نچانا ہوں۔''
وہ بیڈروم میں آ گئے۔ اس نے کہا'' تمہارا سب دشمن ایس پی ذیشان حیات ہے، تمہیں یقین کی حد تک شبہ کہ اسی نے جواد کو قتل کرایا ہے۔ تم کہتی ہو تو میں بھی کہتا یہ اسی کا کام ہے اور اب اسے اس کی سزا ضرور ملے بولو...... کیا چاہتی ہو؟''
''میں نہیں چاہتی کہ اسے فوراً ہی گولی مار کر ہلاک جائے۔ چٹ سے گولی لگے گی اور وہ پٹ سے مر جائے بہت ہی آسان سی موت ہے۔ میں اپنے جواد کے قاتل کو آسانی سے نہیں مرنے دوں گی۔''
''یعنی...... تم چاہو گی کہ وہ سسک سسک کر مرے؟''
''ہاں...... پہلے میں اس کی وردی اتروانا چاہتی ہو اسے ذلیل کرانا چاہتی ہوں۔ جب ایک اعلیٰ افسر کے اختیارات اس سے چھین لیے جائیں گے تو وہ بے دست ہو جائے گا۔''
وہ بولا'' کسی کو اچانک چھپ کر مار ڈالنا بہت آسان ہے۔ لیکن دوڑا دوڑا کر، سسکا سسکا کر مارنے میں جتنی ہوتی ہے۔ اتنی ہی مشکلات بڑھتی جاتی ہیں اور وہ کوئی شخص نہیں ہے۔ پولیس کا اعلیٰ افسر ہے۔ اس کی اتارنے کے لیے بڑی منصوبہ بندی سے کام لینا ہوگا۔''
وہ مسکرا کر بولی'' میں یہی کر رہی ہوں۔ اسی لیے نے تمہارے ذریعے حشمت کی ضمانت لی ہے۔''
''ہاں۔ تم نے مجھ سے کہا تھا کہ جس طرح اس تمہارے بیٹے کو رہائی کے بعد ہلاک کرایا ہے۔ وہ اسی حشمت کو بھی ختم کرے گا۔ کیا یہ ضروری ہے؟ کیا تمہیں ہے کہ وہ ایسا ضرور کرے گا؟''
وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولی'' میں جوان بیٹے کی مو صدمہ برداشت کر رہی ہوں۔ چالیس دنوں تک کوئی نہیں مناؤں گی۔ تم میرے لیے جتنی بڑی طاقت بن گئے مجھے اس کے صلے میں تمہیں خوش کرنا چاہیے مگر افسوس کہ تمہارے زیادہ قریب نہیں آ سکتی۔''
وہ اس کے شانے کو تھپک کر بولا'' میں تمہارے جذبات سمجھ رہا ہوں اور بڑی بے چینی سے انتظار کر رہا ہو

چالیس دنوں بعد تم سے شادی کروں گا۔ اس سے پہلے میں اپنی دلہن کی ہر خواہش اور مطالبہ پورا کر رہا ہوں۔ یہ وعدہ کرتا ہوں کہ ایس پی ذیشان تمہارے قدموں میں آ کر گڑگڑائے گا معافیاں مانگے گا اور تم اسے ٹھوکریں مارو گی۔ لیکن جیسا کہ کہہ چکا ہوں۔ ذرا چالبازی سے کام لینا ہوگا۔ بڑی حکمتِ عملی سے اس کی وردی اتروانی ہوگی۔ وردی اترنے کے بعد وہ پہاڑ سے چیونٹی بن جائے گا۔''
وہ بولی'' تم نے ابھی پوچھا ہے کہ کیا وہ حشمت سے بھی انتقام لے گا اور اسے موت کے گھاٹ اتارے گا؟ تو میرا جواب ہے کہ وہ ایسا ضرور کرے گا۔ میں برسوں اس خاندان میں رہ کر اسے قریب سے دیکھتی آئی ہوں۔ وہ بہت ہی ضدی اور خود دماغ شخص ہے۔ جس مجرم کو عدالت سے رہائی ملتی ہے۔ اسے معاف نہیں کرتا۔ موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔ یہ میرے سامنے کی بات ہے۔ پچھلے دس برس میں دو مجرم ایسے تھے۔ جنہیں عدالت سے رہائی کا حکم مل گیا تھا۔ ان میں سے ایک حادثے کا شکار ہو گیا اور دوسرے کو کسی نے گولی مار دی۔
ان مرنے والوں کے رشتے داروں نے احتجاج کیا تھا۔ ایس پی ذیشان کے خلاف آواز اٹھائی تھی۔ لیکن ان آوازوں کو دبا دیا گیا تھا۔ تم اپنے دستِ راست اسد عزیزی کو حکم دو کہ وہ اس معاملے کی چھان بین کرے۔ تو دو چار ایسے مجرموں کے ریکارڈ سامنے آئیں گے۔ جنہیں ایس پی ذیشان نے عدالتی فیصلوں کے خلاف مار ڈالا ہے۔''
''میں اسد عزیزی کو ابھی حکم دوں گا۔ وہ چوبیس گھنٹوں کے اندر ایسے مجرموں کا ریکارڈ دیکھ سکے گا۔ جنہیں ایس پی ذیشان نے پچھلے دس بارہ برسوں میں گرفتار کیا تھا۔ انہیں عدالت میں پیش کیا تھا اور جو مجرم ہوتے ہوئے بھی عدالت سے باہر آئے تھے اور پھر ذیشان کے ہاتھوں مارے گئے۔ یہ ساری معلومات حاصل کرنا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔''
''میں بھی چوبیس گھنٹوں تک انتظار کروں گی کہ ذیشان حشمت کو ٹھکانے لگاتا ہے یا نہیں؟ ویسے بھی وہ محتاط ہو گیا ہے۔ میری چال بازی سمجھ رہا ہے۔ شاید اس سے دور ہی رہے۔ لیکن میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ تمہارے آدمی حشمت کو ٹھکانے لگا دیں گے۔ اور اس کا الزام ذیشان پر آئے گا۔''
وہ مسکرا کر اسے تھپکتے ہوئے بولا۔'' میری جان! تم جیسا چاہو گی ویسا ہی ہوگا۔''
اس نے اسد عزیزی کو طلب کیا اور اسے حکم دیا کہ پچھلے دس بارہ برسوں میں جتنے مجرم بھی ایس پی ذیشان کی حراست میں آئے ہیں اور وہ مجرم ہونے کے بعد اپنی چال بازی سے رہا ہوئے ہیں ان سب کے ریکارڈ نکلوا کر لائے۔ ان کے نام پتے اور ان کے جرائم کی لسٹ۔ پھر یہ کہ وہ عدالت سے بری ہونے کے باوجود کس طرح مرے؟
اسد عزیز نے تمام احکامات سننے کے بعد کہا۔'' یس سر! میں کل تک ساری معلومات حاصل کر لوں گا۔''
دردانہ نے پوچھا۔'' اس ٹیکسی ڈرائیور پاشا جانی کا کیا بنا۔؟''
'' ہمارے آدمیوں نے فائرنگ کی تھی۔ وہ ٹیکسی کے اندر تھا اس لیے بچ گیا۔ اور فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ ہمارے آدمی اسے تلاش کر رہے ہیں۔''
شہباز درانی نے پوچھا۔'' تم ایک معمولی ٹیکسی ڈرائیور کو اہمیت کیوں دے رہی ہو؟''
'' وہ معمولی ہے لیکن زبردست مہرہ ہے۔ ایس پی ذیشان اس سے نفرت کرتا ہے۔ یہ نہیں چاہتا کہ اس کی بہن کی شادی اس سے ہو۔ اس لیے میں نے پہلے فون پر پاشا کو یہ دھمکی دی کہ پولیس والوں سے دشمنی کرو گے تو موت کو دعوت دو گے۔ اسی طرح پھر ہمارے آدمیوں نے اس پر فائرنگ کی اور اب یہ الزام ذیشان پر آ رہا ہے کہ اسی نے پاشا پر فائرنگ کروائی ہے۔ یہ بھی ایک ثبوت ہے کہ وہ جس سے نفرت کرتا ہے اس کے خلاف ایسی کارروائی کرتا ہے۔''
شہباز نے اسد سے کہا۔'' جاؤ۔ اور یہ کام کرو۔''
وہ سلام کر کے چلا گیا۔ شہباز نے مسکرا کر دردانہ سے کہا'' تم بہت ہوشیار ہو۔ بڑی چالاکی سے ایس پی کو گھیر رہی ہو۔ میں تم سے بہت خوش ہوں۔ ایسا لگتا ہے تم میرے ایسے بہت سے معاملات میں ساتھ دے سکو گی۔ اور میری غیر موجودگی میں میری ذمہ داریاں سنبھال سکو گی۔''
وہ ایک ایزی چیئر پر آرام سے بیٹھتے ہوئے بولی۔'' میں نے شطرنج کی جو بساط بچھائی ہے۔ اس پر ایک نیا مہرہ آیا ہے میں اسے ڈرائیو کرنا چاہتی ہوں۔ اور پوری طرح اپنے قابو میں رکھنا چاہتی ہوں۔''
'' اگر وہ بہت اہم مہرہ ہے تو قابو میں ضرور آئے گا۔ بتاؤ وہ کون ہے؟''
'' مقدر حیات۔ اس کا نام مقدر حیات ہے۔ میرے شوہر فلک سکندر حیات نے اپنے تمام رشتہ دار اور خاندان والوں سے چھپ کر ایک شادی کی تھی۔ اس بیوی سے ایک بیٹا ہوا تھا۔ سکندر حیات نے اتنی رازداری سے کام کیا تھا کہ آج تک یہ راز معلوم نہ ہو سکا۔ آج اس کے وکیل اخلاق احمد نے

اس کی وصیت کا دوسرا حصہ سنایا تھا تو معلوم ہوا کہ مرحوم فلک سکندر حیات کی صرف ایک ہی بیٹی عینی نہیں ہے اس کے علاوہ بھی ایک بیٹا ہے۔ جو اب تک اس کا کاروبار سنبھالتا آیا ہے۔ اس کے باپ کی جائیداد میں اس کا حصہ عینی سے زیادہ ہے۔"

"میری جان!۔ صرف دولت کی بات ہے تو اسے اہمیت نہ دو۔ اب تم اتنی دولت مند ہو گئی ہو کہ جس کا تم تصور بھی نہیں کرسکتی تھیں۔ میں تمہیں بتاؤں گا کہ دنیا کے کتنے ملکوں کے کتنے شہروں میں ہمارا بینک اکاؤنٹ ہے۔ اور کتنے لاکرز میں ہیرے جواہرات رکھے ہوئے ہیں؟"

وہ مسکرا کر بولی۔ "مجھے اندازہ ہے تم دنیا کے امیر ترین لوگوں میں سے ایک ہو۔ لیکن میں صرف دولت کی خاطر مقدر حیات کو ٹریپ کرنا نہیں چاہتی بلکہ جس خاندان میں میرے بیٹے جواد کو جگہ نہیں ملی۔ میں اس خاندان کو .... بالکل تباہ و برباد کرنا چاہتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ شطرنج کی یہ بازی تمہارے لیے دلچسپ ہے تو پھر خوب جم کر کھیلو۔ میں تمہارے مہروں کو آگے بڑھاتا رہوں گا۔"

دردانہ نے اپنا پرس کھول کر ایک چھوٹی سی ڈائری نکالی۔ پھر اسے کھولتے ہوئے بولی۔ "وکیل اخلاق احمد نے مقدر حیات کا فون نمبر اس کا پتا وغیرہ بتایا تھا۔ میں نے بھی وہ سب کچھ نوٹ کیا تھا۔ ابھی رابطہ کرتی ہوں۔"

اس نے اپنے موبائل پر نمبر ملائے۔ چھوٹی اسکرین پر دیکھتی رہی۔ پھر اسے کان سے لگا کر کہا۔ "ہیلو کیا میں مقدر حیات سے بات کرسکتی ہوں؟"

دوسری طرف سے میں نے کہا۔ "جی ہاں۔ آپ اس وقت مقدر حیات سے ہی بات کررہی ہیں کیا آپ اپنا تعارف کروانا پسند کریں گی؟"

"بیٹے!۔ میں تمہاری ماں ہوں۔ میرا نام دردانہ بیگم ہے۔ جیسا کہ آج وکیل اخلاق احمد نے انکشاف کیا ہے کہ مرحوم نے ایک اور شادی کی تھی۔ تو اس حساب سے میں مرحوم کی تیسری بیوی تھی۔ اب بیوہ بن کر زندگی گزار رہی ہوں۔"

میں نے چہک کر کہا۔ "اوہ مائی ڈیئر ممی!۔ آپ دردانہ بیگم ہیں؟ یعنی کہ میری امی ہیں۔ میں نے وکیل اخلاق احمد سے کہا تھا کہ جب کراچی آؤں گا تو اپنی ممی دردانہ بیگم سے ضرور ملوں گا۔ جانتی ہیں کیوں۔؟"

"بیٹے!۔ تمہاری باتیں سن کر اتنی خوشی ہو رہی ہے کہ میں بیان نہیں کرسکتی۔ تم مجھ سے باتیں کر کے خوش ہو رہے ہو اور مجھ سے ملنا بھی چاہتے ہو۔ یہ بتاؤ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟ مجھے اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہو؟"

"یہ تو سیدھی سی بات ہے کہ میرے ڈیڈی نے ت[illegible] شادیاں کیں۔ تین میں سے دو مائیں اللہ کو پیاری ہو[illegible] ہیں۔ ایک آپ ہی رہ گئی ہیں۔ جنہیں میں اب امی یا ممی۔ آپ چاہیں گی وہ کہوں گا لیکن آپ کو چھوڑوں گا نہیں۔"

وہ خوشی سے کھل کر بولی "تم نے گفتگو کی ابتدا کرتے [illegible] میرا دل جیت لیا ہے۔ مجھے بتاؤ بیٹا تم کہاں ہو؟ میں تم سے [illegible] چاہتی ہوں۔"

"میں کل صبح کی فلائٹ سے لندن جا رہا ہوں۔ اس [illegible] بعد سوئٹزر لینڈ اور پھر فرینکفرٹ جاؤں گا۔ کاروباری دو[illegible] ہے۔ شاید پندرہ دنوں میں واپسی ہوگی تو میری نگاہیں آپ [illegible] ڈھونڈتی ہوں گی۔"

وہ مسکرا کر بولی "معلوم ہوتا ہے۔ میرے بیٹے کی زند[illegible] میں کوئی لڑکی نہیں آئی ہے؟ اسی لیے ماں سے اتنی رومانی محب[illegible] کر رہے ہو؟"

"آپ نے بالکل صحیح اندازہ لگایا ہے۔ میری زندگی [illegible] ابھی تک کوئی لڑکی نہیں آئی ہے۔ دراصل میں کاروبار[illegible] ذہانت رکھتا ہوں۔ عشق و محبت کے چکر میں نہیں پڑتا۔ یہ سو[illegible] رکھا ہے کہ خاندان کی ہی کسی لڑکی سے شادی کروں گا۔ ا[illegible] آپ نے مجھے فون پر مخاطب کیا ہے تو یہ صاف صاف کہہ د[illegible] ہوں کہ آپ ہی میرے لیے کوئی لڑکی پسند کریں گی۔"

دردانہ اگرچہ بہت مکار تھی لیکن میں بھی عورتوں [illegible] جذبات سے کھیلنا جانتا ہوں اور خاص طور پر ایک ماں [illegible] جذبات کو چھیڑنا اور متاثر کرنا کچھ مشکل کام نہیں ہے۔ وہ خو[illegible] سے رو پڑی۔ میں نے کہا "ارے امی آپ کیوں رو ر[illegible] ہیں؟"

"بیٹے......! اب میں کیا کہوں کہ کل ہی میرا جوان [illegible] قتل ہو گیا ہے۔"

میں نے حیرانی ظاہر کی "یہ کیا کہہ رہی ہیں؟ ابھی تو م[illegible] آپ سے مل کر خوش ہو رہا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ آپ ان[illegible] سے ٹوٹی ہوئی ہیں اور جوان بیٹے کا صدمہ سہہ رہی ہیں۔"

"بیٹے......! میں بہت مضبوط دل کی عورت ہوں۔ م[illegible] نے بیٹے کی موت پر زیادہ آنسو نہیں بہائے۔ بڑے حو[illegible] سے یہ صدمہ برداشت کیا ہے۔ اچانک تمہاری باتیں سن کر ا[illegible] لگا جیسے وہ پھر سے زندہ ہو گیا ہے اور مجھے اپنی طرف بلا ر[illegible] ہے۔ تمہاری پیار بھری باتیں مجھے رلا رہی ہیں۔"

"امی......! آپ مجھے اپنا ہی بیٹا سمجھیں گی تو آپ کو ر[illegible] نہیں آئے گا۔ آنسو تھم جائیں گے۔ پلیز...... میری بات ما[illegible]

[illegible]نسو پونچھ لیں۔"

وہ اپنے دوپٹے کے آنچل سے آنسو صاف کر کے بولی [illegible] بیٹے......! میں تمہاری بات مان رہی ہوں اور ہمیشہ [illegible]ں گی۔ میری دعا ہے کہ تم اپنے کاروبار میں ہمیشہ کامیاب [illegible]تے رہو۔ یہاں واپسی سے پہلے مجھے فون کرنا۔ میں تمہیں [illegible]ائرپورٹ آؤں گی۔"

"میں فون تو ضرور کروں گا لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں [illegible]؟"

"کون سی بات......؟"

"یہی کہ آپ کو اتنا بڑا صدمہ پہنچا ہے۔ آپ کے بیٹے [illegible]کو ہلاک کیا گیا ہے۔ تو پھر عینی اور گھر والے شادی کی خوشی [illegible]ں منا رہے ہیں؟"

"اب تم خود ہی سمجھو بیٹے......! یہ لوگ مجھے کس قدر [illegible]برا سمجھتے ہیں؟ میں نے عینی کو ایک سگی ماں کا پیار دینے میں [illegible]ں کمی نہیں کی۔ اس کے باوجود وہ مجھ سے نفرت کرتی ہے۔ [illegible]ف وہی نہیں خاندان کے سب ہی لوگ مجھ سے کتراتے [illegible]ہیں۔"

"وہ لاکھ کترائیں...... لیکن آپ میرے مرحوم والد کی [illegible]یک حیات رہ چکی ہیں۔ اس اعتبار سے آپ کی عزت کرنا [illegible]یے۔ انہیں آپ کے غم میں برابر کا شریک ہونا چاہیے۔ [illegible]دی ابھی نہ سہی پھر کسی روز ہو سکتی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں [illegible]تا کہ یہ کیسا سوتیلا پن ہے؟"

"بیٹے......! میں ان کے خلاف کچھ نہیں کہہ سکتی۔ تم اپنی [illegible]انت سے بہت کچھ سمجھ لو گے۔"

"بے شک۔ میں سمجھ رہا ہوں اور بہت کچھ سمجھ رہا ہوں۔ [illegible]اں آنے کے بعد میں ان سب کا محاسبہ کروں گا...... لیکن [illegible]پ وعدہ کریں کہ اب کبھی نہیں روئیں گی؟"

"بیٹے......! میں وعدہ کرتی ہوں۔ دیکھو...... میں نے [illegible]پنے آنسو پونچھ لیے ہیں۔"

"اور وعدہ کریں کہ اپنے جواد کی جگہ اب مجھے دیکھیں [illegible]ی۔ سوچیں گی اور یاد کریں گی؟"

"ہاں بیٹے......! اب میری ممتا جوان بیٹے سے محروم [illegible]ہیں ہے۔ اس کی جگہ تم مل گئے ہو اور اب میں تمہیں ہمیشہ یاد [illegible]کروں گی۔ جلد آنے کی کوشش کرنا۔"

"میں جلد آؤں گا۔ او کے امی......! خدا حافظ......"

میں نے فون بند کر دیا۔ وہ شہباز درانی سے کہنے لگی "یہ [illegible]لڑکا تو بہت عجیب نکلا۔ میں اسے ٹریپ کرنا چاہتی تھی۔ اس [illegible]نے اپنی محبت بھری باتوں سے مجھے ٹریپ کر لیا ہے۔ اس کی باتوں میں اتنی سچائی اور اپنائیت تھی کہ میں بیان نہیں کرسکتی۔"

شہباز نے کہا "تمہارا چہرہ بتا رہا ہے۔ وہ نوجوان مقدر حیات تمہارے مقتول بیٹے کی جگہ لے رہا ہے۔ چلو اچھا ہے۔ بیٹے کے غم کو بھولنے میں آسانی ہوگی۔"

میں مسکرا رہا تھا۔ میں نے پلک جھپکتے ہی دردانہ کا دل جیت لیا تھا۔ اس سے پہلے فلک ناز سے باتیں کرتے وقت کہا تھا "پھوپی جان......! آپ کا لہجہ میرے مرحوم ڈیڈی جیسا ہے۔ آپ بولتی ہیں تو ایسا لگتا ہے جیسے آپ کے پیچھے میرے ڈیڈی بول رہے ہوں۔"

اس طرح وہ خوش ہو گئی تھی پھر میں نے وعدہ کیا تھا کہ اس کی بیٹی آسرا سے فون پر بات کروں گا اور ملاقات بھی کروں گا۔

دوسری بار میں نے بیگم آفتاب سے بات کی تھی اور اسے کہا تھا کہ اس کی آواز بالکل میری ممی جیسی ہے اور میں انہیں بالکل اپنی ممی سمجھتا ہوں۔

اس بات نے بیگم آفتاب کو خوش کر دیا تھا۔ میں نے اسے بھی یقین دلایا تھا کہ مجھے اس کی بیٹی نمرہ سے دلچسپی ہے۔

ادھر دردانہ کے جذبات سے کھیلنے کا موقع مل گیا تھا۔ میں نے اس کے بیٹے کی جگہ لے لی تھی اور اس کی ممتا کو جیت لیا تھا۔

میں تو مقدر ہوں۔ مجھے کسی سے دوستی کرتے اور دشمنی کرتے دیر نہیں لگتی۔ سوچنے کی بات ہے کہ میں ایسے لوگوں سے دیر تک دوستی کیوں کروں جو فطرتاً لالچی بے ایمان اور خود غرض ہیں؟

بے شک...... میں ابھی دردانہ کی ممتا سے کھیلتا رہا۔ اس کے اندر چھپی ہوئی ماں کے جذبات کا شاید مذاق بھی اڑاتا رہا لیکن اگر اسی ماں اور دردانہ کو پاشا فون کرتا اور کہتا کہ میں تمہارے بیٹے کی جگہ ہوں۔ میں تمہیں دل و جان سے چاہتا ہوں۔ تمہارے بیٹے کی کمی کو میں پوری کروں گا۔ تو کیا وہ ایک ٹیکسی ڈرائیور کو اپنا بیٹا بنا لیتی......؟ نہیں...... وہ میری محبت پا کر اس لیے روئی کہ وہ مجھے ٹریپ کرنا چاہتی تھی۔ میرے پورے خاندان کو برباد کرنا چاہتی تھی۔ جب میں آسانی سے اس کے ہاتھ آگیا اور اسے اپنی ماں تسلیم کرنے لگا تو اس کے لاشعور میں یہ بات تھی کہ آئندہ وہ مجھے مہرہ بنا کر میرے پورے خاندان کو برباد کر دے گی۔

اسی طرح میری وہ پھوپی جان فلک ناز تھی اور میری چچی جان بیگم آفتاب تھی۔ سب خود غرض اور لالچی تھیں۔ انہیں مجھ سے نہیں میری دولت اور جائداد سے محبت تھی اور وہ اپنی اپنی

بیٹی کو میری دولت سے بیاہنا چاہتی تھیں۔
مجھے عینی پر افسوس ہے کہ اس کی راہ کی رکاوٹیں ابھی دور نہیں کرسکوں گا۔ پاشا اس سے اور عروج سے بچھڑ رہا تھا۔ میں اسے کسی فلمی ہیرو کی طرح ان دونوں کے پاس نہیں پہنچا سکوں گا۔

عینی کی شامت آنے والی تھی۔ وہ آئی ڈراپس اس کی آنکھوں تک آنے والے تھے۔ میں کیا کرسکتا تھا؟ مجھے تو اس کے ہاتھ کی لکیروں کے مطابق چلنا ہے اور چل رہا ہوں پھر بھی میں نے اتنا تو کیا تھا کہ ہادی میاں کے ذریعے ایک شیشی توڑ ڈالی تھی۔ اب دوسری شیشی کس گھاٹ اترے گی؟ یہی دیکھنا رہ گیا تھا۔

ویسے عینی کے ہاتھ کی ایک لکیر مجھے بہت کچھ بتا چکی ہے۔

☆☆☆

میں نے فون کے ذریعے پاشا سے رابطہ کیا پھر کہا ''وکیل اخلاق احمد نے مجھے عینی کا موبائل نمبر دیا تھا۔ میں نے اس نمبر پر رابطہ کیا تو تم سے بات ہوئی تھی...... یاد ہے ناں......؟''

''ہاں...... مجھے یاد ہے۔ تمہارا نام مقدر حیات ہے۔ میں نے تمہیں عروج کا فون نمبر بتایا تھا۔''

''ہاں۔ میں نے اس سے رابطہ کیا تو عینی اور عروج دونوں سے بات کی تھی۔''

''عینی کے بارے میں تمہارے کیا تاثرات ہیں؟''

''وہ میری بہت ہی پیاری بہن ہے۔ اگرچہ سوتیلی ہے لیکن میں اسے سگے بھائی سے بھی زیادہ محبت دینے کی کوشش کروں گا۔''

''اس امیرزادی کی زندگی میں ایک محبت کی کمی ہے۔ جو پوری نہیں ہوتی ہے۔ وہ اپنے چچا زاد بھائی ذیشان کو بہت چاہتی ہے۔ ایک بہن کی بھرپور محبت دیتی رہتی ہے لیکن پتا نہیں ذیشان کو کیا ہوگیا؟ پچھلی رات سے وہ بغاوت پر اتر آیا ہے۔ ہمارے متعلق غلط فہمیوں میں مبتلا ہوگیا ہے۔ میں چاہوں گا کہ تم جلد آؤ تاکہ اس خاندان میں، اس گھر میں اسے ایک بھائی کی محبت ملتی رہے۔''

میں بولا ''محبتیں ملنے کے باوجود بدنصیبی تو پیچھا نہیں چھوڑتی۔ اب یہی دیکھو کہ تم اس سے محبت کرتے ہو۔ آج شادی کرنے والے ہو لیکن یہ کیسی بدنصیبی ہے کہ اس کے روبرو جا کر نکاح نہیں پڑھوا سکتے۔ ہمارے گھر کا ایک بھی فرد تم سے خوش نہیں ہے۔ تم کانٹوں کا سہرا باندھ کر نکاح پڑھوانے والے ہو۔''

''میں نے اسے سمجھایا تھا جلد بازی اچھی نہیں۔ شادی پھر کسی دن ہوجائے گی۔ فی الحال ہمیں اپنے حالات کا سامنا کرنا ہے۔''

''تم نے درست سمجھایا تھا...... پھر عینی نے تمہاری کیوں نہیں مانی؟''

''اس کے اور عروج کے لیے ایس پی ذیشان اور ... چیلنج بن گئے تھے۔ وہ مجھے ان کی زندگی سے بہت دور ... چاہتے تھے۔ مجھ پر فائرنگ بھی اسی عداوت کی وجہ سے ... ہے۔ ان کی یہ حرکتیں عینی اور عروج کے لیے چیلنج بن ... انہوں نے یہ فیصلہ سنا دیا کہ شادی آج ہی ہوگی۔ ... ہوئی تو فون پر ہوگی لیکن ہوگی ضرور۔''

''میں اپنے خاندان اور گھر سے دور ہوں مگر ... ہوں کہ بڑے بڑے تماشے ہورہے ہیں۔ عداوت کی ... کہ دردانہ بیگم کا جوان بیٹا جواد مارا گیا اور تم پر گولیاں ... ہیں۔ کیا تم یہ نہیں سمجھتے کہ عینی اور عروج پر بھی جان ... ہوسکتے ہیں؟ یا انہیں کسی طرح کا بھی نقصان پہنچا ... ہے؟''

''ہاں...... یہ اندیشہ ہے کہ ان کے ساتھ بھی ... ہوسکتا ہے۔ ویسے وہ دونوں بہت ذہین ہیں۔ آ... سانپوں کو اچھی طرح پہچانتی ہیں۔ ذہانت اور تدبیر ... بچاؤ کریں گی۔ جیسا کہ میں اپنا بچاؤ کررہا ہوں۔''

''اس طرح کب تک روپوش رہو گے؟ میرا اندازہ ... ذیشان ایک پولیس افسر ہے۔ بڑے اختیارات کا مالک ... دردانہ بیگم بھی بہت پہنچی ہوئی خاتون ہیں۔ تمہارے ... دشمن ہیں۔ وہ دولت مند اور طاقت ور ہیں۔ ان سے ... بچو گے۔''

''مجھے صرف اوپر والے کا آسرا ہے۔ دنیا میں ... والے بہت ہوتے ہیں لیکن بچانے والا بس ایک وہ ... ہوتا ہے۔ اس کے بعد مقدر سے امید رکھی جاتی ہے ... مہربان ہو تو دشمن اپنی دشمنی بھول جاتے ہیں۔''

میں بولا ''میں نہیں مانتا کہ مقدر سے دشمن اپنی ... بھول جائیں گے۔ جو شیطان ہوتے ہیں۔ وہ کبھی اپنی حرکت سے باز نہیں آتے۔''

''شیطان ہم انسانوں کے اندر ہی ہوتا ہے۔ جب ... بدلنا چاہتا ہے تو اس شیطان کے اندر رفتہ رفتہ انسانیت ... ہوتی ہے اور دشمن اچانک ہی دوست بن جاتا ہے۔''

''اچھی بات ہے۔ میں بھی دیکھوں گا کہ تم ... کرنے والوں میں سے کون تمہارا دوست اور مددگار ...

... چھ بج چکے ہیں۔ ادھر نکاح کی تیاری پوری ہوچکی ... قاضی صاحب آچکے ہوں گے اور تمہیں فون پر مخاطب ... ے گا۔ اس لیے میں رابطہ ختم کررہا ہوں تاکہ تمہارا یہ ... یچ نہ رہے۔ میں تمہیں شادی کی پیشگی مبارک باد دے ... ا حافظ کہہ رہا ہوں۔ میری دعا ہے بخیریت نکاح ... ے۔ ویسے اس شادی کا خدا ہی حافظ ہے...... خدا ...''

میں نے رابطہ ختم کردیا۔ شام کے چھ بجنے والے تھے۔ ... نکاح پڑھوایا جانے والا تھا۔ سید تراب علی شاہ اپنی بیگم ... ی ہونے والی بہو ڈاکٹر آرزو کے ساتھ وہاں موجود تھا۔ ... ی روٹھی ہوئی بیٹی عروج سے ملنا بھی چاہتے تھے اور عینی کو ... ی کی مبارک باد بھی دینا چاہتے تھے۔ ایسے وقت حشمت ... وٹھی میں تنہا بیٹھا ہوا تھا۔

اسے آرزو کے فون کا بڑی بے چینی سے انتظار تھا۔ وہ ... بتانے والی تھی کہ جو دوائیں عروج کے بیگ میں رکھی گئی ... ں۔ انہیں استعمال کیا جارہا ہے یا نہیں......؟ اگر نہیں...... تو ... مال نہ کرنے کی وجہ کیا ہے......؟ اگر ان کی یہ پلاننگ ... م ہورہی ہے تو انہیں آئندہ کیا کرنا ہوگا؟ کیا وہیں شادی ... تقریب میں کوئی چال چلی جاسکتی ہے؟

حشمت وہیں اپنی کوٹھی کی چار دیواری میں بیٹھے بیٹھے ... ت کچھ معلوم کرنے والا تھا۔ اس کی ماں اور اس کی محبوبہ ... رزو یہی جائزہ لینے والی تھیں کہ ذیشان کے تیور کیسے ہیں؟ کیا ... ملح صفائی پر آمادہ ہوسکتا ہے؟

اسے یقین تھا کہ اس کا باپ اپنے بیٹے کی خاطر ذیشان ... ے معافی مانگے گا۔ اس کا دل صاف کرنے کی کوشش کرے ... ۔ اگر بات بن گئی۔ صلح ہوگئی تو ذیشان کی طرف سے انتقامی ... رروائی کا اندیشہ نہیں رہے گا۔

وہ اپنے حالات کے پیش نظر صرف ذیشان کو ہی اپنا جانی ... ن سمجھ رہا تھا۔ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ دردانہ درپردہ دشمنی ... رے گی اور وہ ایسا کررہی تھی۔

اس نے شہباز درانی کے ایک ماتحت سے کہہ دیا تھا کہ ... شمت کو وقت بے وقت دہشت میں مبتلا کیا جائے اور یہ تاثر ... یا جائے کہ ایس پی ذیشان اس پر حملے کروا رہا ہے اور وہ اپنے ... گھر کی چار دیواری میں بھی محفوظ نہیں ہے۔

فون کی گھنٹی نے حشمت کو چونکا دیا۔ وہ صوفے پر سیدھا ... ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ آرزو اسے مخاطب کررہی ... ہے۔ اس نے جھک کر سی ایل آئی پر نمبر پڑھا تو پتا چلا کوئی نیا ... نمبر ہے۔ کسی اجنبی کا فون ہے۔ رانگ نمبر بھی ہوسکتا تھا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا پھر کہا ''ہیلو......! کون......؟''

دوسری طرف سے ایک بھرائی ہوئی آواز سنائی دی ''ہم تمہارے باپ ہیں۔''

وہ غصے سے بولا ''کیا بکواس کررہے ہو؟''

''ابے کتے......! غصہ دکھا رہا ہے۔ آرام سے بیٹھا ہوا ہے۔ یہ نہیں جانتا کہ تیرے سر پر موت ناچ رہی ہے۔''

اس نے پریشان ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ اجنبی فون پر کہہ رہا تھا ''تیرا باپ اتنا دولت مند ہے کہ اپنے گیٹ پر ایک مسلح گارڈ نہیں رکھ سکتا؟ ایسے میں موت کسی روک ٹوک کے بغیر تیرے پاس آسکتی ہے......یعنی......؟''

وہ خوف سے ہکلاتے ہوئے بولا ''تت......تم کون ہو......؟''

''ابھی تو کہا ہے کہ ہم تمہارے باپ ہیں۔ تو سمجھتا ہے ایک پولیس والے سے دشمنی لے کر آرام کی زندگی گزارے گا۔ تیری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ پولیس والے ضمانت تا ... کو موت کا پروانہ بنا دیتے ہیں۔''

''ہاں...... میں اپنی غلطی سمجھ رہا ہوں۔ ابھی ایس پی صاحب کے پاس جاؤں گا۔ ان کے قدموں میں گر کر گڑگڑا کر معافی مانگوں گا۔''

''گھر سے باہر کیسے جائے گا؟ باہر تو قدم قدم پر موت ہے۔ کیا اپنے گھر کے کھڑکی دروازے بند نہیں کرے گا؟ کیا یہ چاہتا ہے کہ موت باہر سے اندر آجائے؟''

وہ فوراً ہی ریسیور کو پھینک کر کھڑا ہوگیا۔ تیزی سے چلتا ہوا بلکہ دوڑتا ہوا باہر آیا اور مین گیٹ کو لاک کردیا۔ کھڑکیوں پر لوہے کی جالیاں لگی ہوئی تھیں۔ باہر سے کوئی اندر نہیں آسکتا تھا لیکن تڑاتڑ چلنے والی گولیاں اندر آسکتی تھیں۔ وہ کھڑکیوں کو بند کرنے لگا۔ ایک کھڑکی کو بند کرتے وقت ٹھائیں سے گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔ یوں لگا جیسے وہ گولی کھڑکی کے قریب ہی آکر کہیں لگی ہے۔ وہ مارے خوف کے اس طرح فرش پر گر پڑا۔ جیسے گولی اسے لگی ہو۔ وہ تھرتھر کانپ رہا تھا۔

ان لمحات میں وہ سمجھ رہا تھا کہ ایس پی جیسے پولیس افسر کی بہن کو چھیڑنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ ایسے ہی وقت اسے خیال آیا کہ کوٹھی کا پچھلا دروازہ جو کچن کے اندر کھلتا ہے۔ وہ لاک نہیں ہے۔ وہ دوڑتا ہوا کوٹھی کے مختلف حصوں سے گزرتا ہوا کچن میں آیا۔ دروازے کی طرف دیکھا تو اس کے دونوں پٹ لگے ہوئے تھے لیکن کنڈی چڑھی ہوئی نہیں تھی۔ اس نے تیزی سے آگے بڑھ کر کنڈی چڑھائی پھر دروازے کو لاک

کر دیا۔

ایسے وقت پھر گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔ وہ گولی دروازے کے نچلے حصے میں آ کر لگی تھی۔ وہاں ایک سوراخ ہو گیا تھا۔ وہ اچھل کر فرش پر دور جا گرا خوف سے لرزنے لگا۔ اسے کوٹھی کے چاروں طرف موت ہی موت دکھائی دے رہی تھی۔ وہ توبہ کر رہا تھا اور گڑگڑا رہا تھا "میں کان کو ہاتھ لگا کر توبہ کرتا ہوں۔ کبھی کسی پولیس والے سے دشمنی تو کیا دوستی بھی نہیں کروں گا۔ ذیشان بھائی مجھے معاف کر دیں۔ میں آپ کی بہن کو ہاتھ لگانا تو دور کی بات ہے۔ آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھوں گا۔ بس ایک بار معاف کر دیں۔ معافی کا جو بھی راستہ ہے۔ مجھے بتا دیں۔ میں اس راستے پر چلوں گا اور ہر طرح سے معافی مانگوں گا۔"

اِدھر گولیاں چل رہی تھیں اور اُدھر شادی کی چہل پہل تھی۔ اگرچہ وہ شادی دھوم دھام سے نہیں ہو رہی تھی پھر بھی کتنے ہی رشتے دار جمع ہو گئے تھے۔ رنگ برنگے ملبوسات میں عورتیں اور لڑکیاں ہنس بول رہی تھیں۔ تراب علی بھی اپنی بیگم اور ہونے والی بیگم آرزو کے ساتھ وہاں موجود تھا۔

عروج عینی کے کمرے سے آ کر اپنی ماں کے گلے لگ گئی تھی۔ باپ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا "بیٹی! کیا ماں باپ سے اس طرح ناراض ہوتے ہیں؟"

وہ بولی "ڈیڈی......! اس خوشی کے موقع پر ناراضگی کی بات نہ کریں۔"

"ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے...... بیٹی......! ہم ایسی کوئی بات نہیں کریں گے لیکن ابھی عینی سے ملیں گے۔ اس سے معافی مانگیں گے۔"

"آپ کیوں معافی مانگیں گے؟ غلطی آپ نے یا ممی نے نہیں کی ہے۔ آپ لوگوں سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ آپ عینی سے بھی ایسی کوئی بات نہ کریں۔"

اس کی ماں نے کہا "چلو...... جو تم کہتی ہو۔ ہم وہی کریں گے۔ میری ہونے والی بہو اور اپنی ہونے والی بھابی سے تو ملو......!"

اس نے آرزو کی طرف اشارہ کیا۔ عروج نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا پھر پوچھا "ہونے والی بھابی......؟ کس کی ہونے والی بھابی......؟"

"اے بیٹی......! تمہاری بھابی...... ہماری ہونے والی بہو......"

"سوری ممی......! میرا کوئی بھائی نہیں ہے۔ میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ جو تھا وہ مر چکا ہے۔ میں شادی کے گھر اس کی موت کی کوئی بات کرنا نہیں چاہتی اور نہ ہی آپ کچھ سننا چاہتی ہوں۔"

تراب علی نے اپنی بیوی سے کہا "بیگم......! میں تمہیں سمجھایا تھا، حشمت کے حوالے سے کوئی بات نہ کرنا۔"

"لیکن...... ہم اپنی ہونے والی بہو کا تعارف کروائیں؟ یہاں اس شادی کے گھر میں معلوم تو ہونا چا کہ ہم کسے اپنے ساتھ لائے ہیں؟"

عروج بولی "آپ رشتے داری نہ بتائیں۔ یہاں ا سے کوئی سوال نہیں کرے گا۔"

پھر وہ آرزو سے مخاطب ہو کر بولی "میں کسی رشتے نہیں ایک مہمان کی حیثیت سے ویل کم کرتی ہوں۔ تم بات کا برا نہ ماننا۔"

آرزو نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ عروج اس سے مصافحہ کیا۔ آرزو نے کہا "میں جانتی ہوں۔ حشم سے آپ کی جو شکایت ہے۔ وہ بالکل جائز ہے۔ اس لیے اس سلسلے میں کوئی بحث نہیں کروں گی اور برا بھی نہیں ما گی۔"

ایسے ہی وقت اخلاق احمد قاضی صاحب کے سا آ گیا۔ عروج ان کا استقبال کرنے کے لیے آگے بڑھ گ آرزو نے اسے جاتے ہوئے دیکھا پھر دل ہی دل میں "میرے ہونے والے شوہر کے خلاف بول رہی ہو اور چا ہو کہ برا نہ مانوں۔ میں تو یہاں جس مقصد کے لیے آئی ہ خدا کرے وہ مقصد پورا ہو جائے۔"

اخلاق احمد نے عروج سے کہا "کافی رشتے دار آ۔ ہیں۔ اچھی چہل پہل ہو گئی ہے۔ بہر حال دلہن تیار ہے؟"

عروج بولی "بالکل تیار ہے۔ آپ تشریف رکھیں۔"

اخلاق احمد نے کہا "عینی کو یہاں ٹیلی فون کے پاس۔ آؤ۔ یہیں سے پاشا کے ساتھ رابطہ کیا جائے گا۔"

"میں اسے ابھی لے کر آتی ہوں۔"

وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جانے لگی۔ اس کی ماں آرزو بھی اس کے پیچھے چلنے لگیں۔ آرزو اسی فکر میں لگی ہ تھی کہ آخر دوا کی وہ شیشیاں کہاں گئیں؟ اگر عروج کے ب میں نہیں ہیں تو پھر عینی کے کمرے میں ہوں گی وہ سب عینی۔ کمرے میں آئیں۔ وہ دلہن بنی ایک کرسی پر دونوں ہاتھو سے منہ ڈھانپے سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔

عروج نے جلدی سے آگے بڑھ کر پوچھا "کیا ہوا......

آنکھوں میں درد ہو رہا ہے؟"

عینی نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ عروج نے اپنی انی پر ہاتھ مار کر کہا "میری بھی مت ماری گئی ہے۔ اتنی دیر سوچ رہی ہوں۔ آنکھوں میں دوا ڈالوں پھر دوبارہ بھول تی ہوں۔ چل بیڈ پر لیٹ جا۔ میں ابھی دوا ڈال رہی ہوں۔ ے آرام آ جائے گا۔"

آرزو کی نظریں میز پر رکھے بیگ پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ روج کے اس بیگ کو اچھی طرح پہچانتی تھی۔ اس نے اسی میں ے شیشیاں نکال کر ان میں مضر رساں دوا ملائی تھی۔ اب وہ وچ رہی تھی "میں وقت پر پہنچی ہوں۔ ہمارا منصوبہ اب کامیاب ہونے والا ہے۔"

عینی بیڈ پر جا کر لیٹ گئی۔ عروج اپنے بیگ کی طرف جانے لگی تو عینی نے کہا "دوا بیگ میں نہیں ہے۔ تو نے اسے باہر نکال کر رکھا تھا۔ اس میں سے ایک شیشی ہادی ماموں سے ٹوٹ گئی ہے۔"

عروج نے تعجب سے پوچھا "ہادی ماموں نے شیشی کیوں توڑی ہے؟"

"بس ہاتھ سے چھوٹ گئی تھی۔ اب وہ ماموں جان ہیں۔ ان سے کیا کہا جا سکتا ہے؟"

"دوسری شیشی کہاں ہے۔"

عینی نے تکیے کے نیچے ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا "میں نے یہاں رکھی ہے۔"

عروج نے اس شیشی کو لے کر دیکھا۔ دوا کا نام پڑھا پھر کہا "ٹھیک ہے۔ پہلے مجھے یہی دوا ڈالنی تھی۔"

وہ ڈھکن کھولنے لگی۔ آرزو دم سادھے دیکھ رہی تھی اور سمجھ رہی تھی کہ ابھی کچھ دیر میں ہی شادی کا گھر ماتم کدہ بننے والا ہے۔ وہ دلہن نکاح قبول کرنے سے پہلے اندھی ہونے والی ہے۔

عروج کو وہ دوا اس کی آنکھوں میں ٹپکانے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ کسی کو کسی طرح کا بھی شبہ نہیں تھا۔ اس کے مقدر میں اندھا ہونا لکھا تھا۔ اس لیے کہ وہ اندھی ہونے والی تھی۔

عینی بیڈ پر چاروں شانے چت لیٹی ہوئی تھی۔ اس کی ایک ہتھیلی کھلی ہوئی تھی۔ اس ہتھیلی کی لکیروں پر میں کھڑا ہوا تھا اور خوش بختی کی لکیر کہہ رہی تھی "اسٹاپ...... اپنے ہاتھ روک لو......"

عروج کا شیشی والا ہاتھ عینی کی آنکھوں کی طرف جا رہا تھا۔ ایسے ہی وقت اس کی کلائی ایک مضبوط ہاتھ کی گرفت میں آ گئی۔

وہ ہاتھ کس کا تھا......؟
ہاتھ کسی کا بھی ہو سکتا ہے۔
مگر گرفت مقدر کی تھی۔
میں کیا ہوں......؟
اک بازی گر ہوں۔
ہاتھوں کی لکیروں پر......
تمہارا ہم سفر ہوں......
تمہارا دوست بھی ہوں......
اور دشمن بھی ہوں......
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں......
تمہارے ساتھ ہی مر جاتا ہوں......
میں مقدر ہوں۔
اک بازی گر ہوں۔

علیم الحق حقی کے قلم سے ایک اچھوتی کہانی
اس بلائے بے درماں کی کہانی جس کا
نام عالمی دہشت کی علامت ہے۔
ان بھٹکے ہوؤں کی داستان جو اپنے
ہاتھوں دنیا میں اپنے لیے جہنم تعمیر کرتے ہیں

قیمت: ۸۰ روپے

اپنے ہاکر یا قریبی بک سٹال سے طلب فرمائیں

سب چونک کر دیکھ رہے تھے۔ عروج کی کلائی ذیشان کی گرفت میں تھی۔ ذیشان نے وہ شیشی اس کے ہاتھ سے چھین کر سب کو دکھاتے ہوئے کہا ''یہ ایک زہریلی دوا ہے' میری بہن کو اندھی بنانے کی کوشش کی جارہی ہے۔''

سب نے حیرانی سے یہ بات سنی۔ عروج ایک جھٹکے سے اپنی کلائی چھڑاتے ہوئے بولی۔ ''بھائی جان! آپ حد سے بڑھ رہے ہیں' مجھے ایسا الزام دے رہے ہیں جسے آپ ثابت نہیں کرسکتے۔''

عینی بھی اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ پھر بولی ''بھائی جان آخر آپ کو کیا ہوگیا ہے؟ اچانک ایسی عداوت پر کیوں اتر آئے ہیں؟''

ڈاکٹر آرزو کا چہرہ اتر گیا تھا وہ مایوس ہوگئی تھی۔ دوا آنکھوں تک پہنچتے پہنچتے رہ گئی تھی۔ منصوبہ ناکام ہوگیا تھا وہ سوچ رہی تھی ''پتا نہیں ...... پولیس افسر کو حقیقت کیسے معلوم ہوگئی؟''

ذیشان نے کہا ''عینی میں عداوت نہیں کررہا ہوں اور نہ ہی عروج کو کوئی الزام دے رہا ہوں۔ یہ اچھا ہی ہے کہ اس کے والدین بھی یہاں موجود ہیں میں انہیں ایک کیسٹ سنانا چاہتا ہوں۔''

اسما ایک بڑا سا ٹیپ ریکارڈر لے آئی تھی۔ اسے سینٹر ٹیبل پر رکھ رہی تھی ذیشان نے کہا ''ابھی تھوڑی دیر پہلے جناب تراب علی شاہ کے بیٹے اور عروج کے بھائی حشمت نے مجھ سے فون پر گفتگو کی تھی میں نے اس کی تمام باتیں اس کیسٹ میں ریکارڈ کی ہیں' وہ اس وقت اپنی کوٹھی کے دروازے' کھڑکیاں بند کئے بیٹھا ہوا ہے۔ اور خوف سے لرز رہا ہے اس کا خیال ہے کہ میں اس پر فائرنگ کروا رہا ہوں' بہرحال آپ یہ کیسٹ سنیں ......''

اسما نے ریکارڈر کو آن کردیا۔ کمرے میں گہری خاموشی چھا گئی تھی پھر اس ریکارڈر سے حشمت کی آواز ابھرنے لگی۔ وہ بری طرح سہما ہوا تھا اور عاجزی سے کہہ رہا تھا ''ذیشان بھائی ......! مجھے معاف کردیں میں آپ کا اور عینی کا گنہگار ہوں مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی میں نے یہ نہیں سوچا کہ میری سگی بہن عروج کی طرح وہ بھی میری بہن ہے مجھے اس پر شرمناک حملہ نہیں کرنا چاہئے تھا۔''

اسی وقت گولی کی آواز سنائی دی۔ بیگم شاہ نے چیخ کر کہا ''ہائے ...... کوئی میرے بچے کو گولی مار رہا ہے۔''

ذیشان نے کہا ''پلیز ...... خاموش رہیں جب تک یہ کیسٹ چلتا رہے تب تک کوئی نہ بولے۔''

اب ذیشان کی آواز کیسٹ ریکارڈر سے سنائی دے رہی تھی ''بے وقوف کے بچے ......! میں گولیاں نہیں چلا رہا ہوں یہ تیرے اعمال کا نتیجہ ہے۔''

حشمت نے کہا۔ ''نہیں بھائی جان ......! میں اچھی طرح جانتا ہوں آپ مجرموں کو کبھی معاف نہیں کرتے۔ اگر مجھے معاف کردیں تو میں ابھی عینی کو ایک بہت بڑی مصیبت سے بچالوں گا۔ اس کی زندگی اس وقت خطرے میں ہے۔''

ذیشان دھاڑا۔ ''کیا بکواس کررہے ہو؟ اس کی زندگی کس طرح خطرے میں ہے؟''

''پہلے آپ عینی کی قسم کھا کر کہیں کہ مجھے معاف کردیں گے۔''

ذیشان نے کہا ''ٹھیک ہے میں عینی کی قسم کھا کر کہتا ہوں تمہیں معاف کردوں گا تم سے کبھی انتقام نہیں لوں گا بلکہ تمہارا تحفظ کروں گا۔''

حشمت کی آواز ابھری۔ ''آپ ابھی عینی کے کمرے میں جائیں وہاں عروج کے بیگ میں دوا آئی ڈراپس کی شیشیاں ہیں ان شیشیوں کو فوراً اپنے قبضے میں لے لیں' ان میں زہریلی دوا بھری ہوئی ہے ان میں سے کوئی بھی دوا عینی کی آنکھ میں جائے گی تو وہ مکمل اندھی ہوجائے گی۔''

ڈاکٹر آرزو پریشانی سے حشمت کی آواز سن رہی تھی۔ اس نے اچانک ہی کامیاب ہونے والے منصوبے کو خاک میں ملا دیا تھا۔ ذیشان کی آواز ابھری۔ ''جلدی بتاؤ! ان آئی ڈراپس میں زہریلی دوا کس نے ملائی ہے؟''

ڈاکٹر آرزو نے تھوک نگل کر ریکارڈر کی طرف دیکھا' حشمت کی آواز سنائی دی ''میری ہونے والی بیوی آرزو نے اور میں نے ...... دیکھئے ذیشان بھائی! آپ ہمیں معاف کرنے کا وعدہ کرچکے ہیں۔''

اسما نے ریکارڈر بند کردیا' تراب علی اور بیگم شاہ تعجب سے ڈاکٹر آرزو کو دیکھ رہے تھے' وہ سب سے نظریں چرا رہی تھی۔ عروج شدید غصے کی حالت میں اس کے قریب آئی پھر اسے ایک زوردار طمانچہ رسید کرتے ہوئے ذیشان سے بولی ''بھائی جان! یہی ڈاکٹر آرزو ہے۔''

ذیشان اپنے کمرے سے صرف ٹیپ ریکارڈر ہی نہیں ہتھکڑی بھی لایا تھا۔ اس نے آرزو کے ہاتھ میں وہ ہتھکڑی پہنا دی۔ یہ ہے میرا تماشا ...... جن دشمنوں نے عینی کا مقدر بگاڑنا چاہا تھا اب ان کا مقدر بگڑ رہا تھا۔ اس دوا میں زہر ملانے والے ہاتھوں پر گولیاں چلانے والے یہی تاثر دے رہے تھے کہ یہ گولیاں ذیشان کی طرف سے چلائی جارہی ہیں اس طرح

حشمت دہشت زدہ ہوکر اقبالِ جرم کرچکا تھا۔

بیگم شاہ نے اس کیسٹ ریکارڈر کے ذریعے سنا تھا کہ اس کے بیٹے حشمت پر گولیاں چلائی جارہی تھیں تب ہی سے وہ تڑپ گئی تھی۔ اپنے بیٹے کے پاس جانا چاہتی تھی لیکن اس وقت ذیشان بہت ہی غضب ناک پولیس افسر بنا ہوا تھا۔ اس نے سختی سے حکم دیا تھا کہ اس کمرے سے کوئی باہر نہ جائے۔ اور ریکارڈر سے ابھرنے والی حشمت کی آوازیں توجہ سے سنی تھیں۔

وہ سب توجہ سے سن رہے تھے۔ اور سید تراب علی شاہ کا سر شرم سے جھک گیا تھا۔ کیونکہ حشمت نے یہ اعتراف کیا تھا کہ اس نے ایک بار عینی کی عزت پر حملہ کیا تھا اور ناکام رہا تھا۔ پھر دوسری بار اس نے آئی ڈراپس میں زہریلی دوا ملا دی تھی۔ اس کے استعمال کے بعد عینی اندھی ہونے والی تھی۔

اب وہ اچانک بچ گئی تھی تو اسے ایسا تحفظ حاصل ہونے کے پیچھے میرا ایک لمبا کھیل تھا۔ اس کھیل میں حشمت' ...ردانہ' شہباز اور ذیشان سب ہی اپنا اپنا رول ادا کررہے تھے۔ میں دن رات ایسے کھیل سب ہی کے ساتھ کھیلتا رہتا ہوں۔ اور کھیلنے والے سمجھ نہیں پاتے ہیں کہ آگے چل کر ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟

حشمت کی محبوبہ، بیگم شاہ اور سید تراب علی شاہ کی ہونے والی بہو آرزو بھی نہیں جانتی تھی کہ کیا ہونے والا ہے۔ وہ تو اس خوش فہمی میں مبتلا تھی کہ بیج بو دیا ہے کانٹے کی فصل ضرور لگے گی۔ یہ بھول گئی تھی کہ خدا کانٹوں میں گلاب بھی لگاتا ہے۔ بیگم شاہ اور سید تراب علی شاہ کے سر ندامت سے جھک گئے تھے۔ اب وہ بیٹے کی خیریت معلوم کرنے کے لیے گھر کی طرف جانا چاہتے تھے ایسے ہی وقت ذیشان نے ان کی ہونے والی بہو کو ہتھکڑیاں پہنا دیں۔

پھر اس نے تراب علی اور اس کی بیگم کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا ہیں آپ لوگ اور کیا ہے آپ کا خاندان؟ آپ کا بیٹا اور ہونے والی بہو؟ بیٹا جرم کرتا ہے اور آپ والدین ہوکر اس کے جرم پر پردہ ڈالتے ہیں اس کی ضمانت حاصل کرتے ہیں اور یہ آپ کی ہونے والی بہو جرم میں پیش پیش رہتی ہے۔''

بیگم شاہ نے گڑگڑا کر کہا ''بیٹے! تم چاہے جتنی باتیں سنالو جتنی چاہے سزا دو لیکن ابھی مجھے بیٹے کے پاس جانے دو۔ نہ جانے اس پر کون گولیاں چلا رہا ہے؟ میں جا کر اسے اپنے آنچل میں چھپالوں گی۔''

ذیشان بولا ''ماں کا آنچل بہت مقدس ہوتا ہے۔ اس میں کسی بھی مجرم کو چھپایا نہیں جاتا۔ خواہ وہ بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ آپ یہاں سے نہیں جائیں گی یہاں سے کوئی نہیں جاسکے گا۔ پہلے میرے اس سوال کا جواب دینا ہوگا کہ عروج کو چھوڑ کر آپ اور آپ کا پورا خاندان میری بہن عینی کا دشمن کیوں ہے؟ آپ کیوں اسے اندھی بنانا چاہتے تھے؟''

سید تراب علی شاہ نے کہا ''بیٹے! میں خدا اور رسول کی قسم کھا کر کہتا ہوں میں اس سلسلے میں کچھ نہیں جانتا۔ میرا بیٹا اور یہ ہونے والی بہو عینی کو اندھی بنانے کی سازش کررہے ہیں مجھے اندازہ ہوتا کہ یہ سب کچھ کرنے والے ہیں تو میں عروج کو پہلے سے ہی ان کی سازش سے آگاہ کردیتا۔''

''آپ کیا آگاہ کرتے؟ اس دنیا میں اتنی لمبی عمر گزارنے کے بعد کیا اتنی سی عقل نہیں ہے کہ آپ مجرم کو پناہ دیں گے تو وہ مجرم آپ کی پناہ میں رہ کر دوسرا جرم بھی کرسکتا ہے؟ آپ کے بیٹے نے بھی آپ کی پناہ میں رہ کر یہی کیا ہے۔''

عروج بولی ''ڈیڈ! اب آپ یہ کہیں گے کہ اپنے بیٹے کے جرم میں برابر کے شریک نہیں ہیں تو کوئی نہیں مانے گا۔ آپ کے اس بیٹے کی خاطر میں نے گھر چھوڑ دیا۔ آپ کو اور ممی کو یہ منظور تھا کہ بیٹی چلی جائے مگر بیٹا ہاتھ سے نہ جائے۔ اب اس سے بڑی ذلالت کیا ہوسکتی ہے کہ آپ کے اسی بیٹے نے یہ زہریلی دوا آپ کی اس بیٹی کے ہاتھوں میں پہنچائی۔ جرم بیٹا کررہا تھا اور اس کا الزام ایک بیٹی پر آنے والا تھا۔ اگر یہ الزام مجھ پر آجاتا تو آپ اس بیٹی کو مجرمہ کہلوانے کے لیے اسی طرح چھوڑ دیتے جس طرح گھر سے باہر جانے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ اس طرح آپ کے بیٹے کے جرم پر ایک بار پھر پردہ پڑ جاتا۔''

تراب علی شاہ نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر کہا ''بس کرو...... بس کرو، میں اتنا گرا ہوا انسان نہیں ہوں جتنا تم مجھے گرا رہی ہو۔ خدا گواہ ہے اگر مجھے اس زہریلی دوا کا علم ہوتا تو میں سب سے پہلے تمہیں اطلاع دیتا۔ عینی بھی تمہاری طرح میری بیٹی ہے میری اس سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ بے شک پہلی بار میں نے اپنے مجرم بیٹے کی حمایت کی تھی لیکن اس کے بعد پچھتا رہا ہوں' شرمندہ ہورہا ہوں اور آج تو ندامت کی ایسی انتہا ہے کہ چپ چاپ جا کر خودکشی کرنے کو دل چاہ رہا ہے۔ مگر کیا کروں؟ بزدل ہوں اپنی جان لینے کا حوصلہ نہیں ہے کوئی مجھے گولی مار دے تو اس کا بہت بڑا احسان ہوگا۔''

ذیشان بولا ''ایسی جذباتی باتوں سے میں متاثر ہونے والا نہیں ہوں۔ عروج کا لحاظ کررہا ہوں اس لیے بڑی سہولت سے پوچھ رہا ہوں کہ کیا اتنا کچھ ہونے کے بعد آپ اپنے بیٹے

کو مجرم تسلیم کر رہے ہیں؟"

اس نے اثبات میں سر ہلا کر کہا "ہاں...... میرا بیٹا مجرم ہے۔"

ذیشان نے کہا "اسما! تم کاغذ اور قلم لے کر آؤ...... انکل یہ بیان دیں گے کہ ان کے بیٹے نے عینی کے ساتھ کیسی کیسی زیادتیاں کی ہیں۔ ان کے اس بیان پر آنٹی بھی دستخط کریں گی۔"

دونوں نے پریشانی سے ذیشان کو دیکھا پھر بیگم تراب نے کہا "بیٹے...... ابھی ہم نے کیسٹ ریکارڈر میں سنا ہے تم نے حشمت سے کہا تھا کہ اگر وہ سچ بولے گا اور عینی کو کسی آنے والی مصیبت سے بچا لے گا تو تم اسے معاف کر دو گے۔"

وہ بولا "بے شک...... میں زبان کا دھنی ہوں خدا سے ڈرتا ہوں۔ میں نے جب زبان دی ہے تو حشمت کو صرف اس لیے معاف کر دوں گا کہ اس کے سچ سے میری بہن اندھی ہونے سے بچ گئی۔ میں آپ دونوں کا تحریری بیان اپنے پاس محفوظ رکھوں گا تاکہ آئندہ آپ اپنے بیٹے کو بے لگام نہ چھوڑیں۔"

تراب علی نے کہا "ٹھیک ہے بیٹے! اگر ایسی بات ہے تو ہم ابھی تحریری بیان دیں گے۔"

ذیشان نے فون کے ذریعے اپنے ماتحت سے رابطہ کیا پھر اسے سید تراب علی شاہ کا پتا بتاتے ہوئے کہا۔ "ابھی اس کوٹھی کے باہر فائرنگ ہوئی ہے اور کوٹھی کے اندر حشمت چھپا ہوا ہے۔ اس کوٹھی کو چاروں طرف سے گھیر لو اور دیکھو کہ وہ فائرنگ کرنے والے کون ہیں۔ مجھے امید ہے کہ حشمت بند کوٹھی کے اندر محفوظ ہوگا۔ وہاں جا کر اسے مزید تحفظ فراہم کرو۔ اور اس سے فون پر میری بات کراؤ۔"

اس نے فون بند کر دیا۔ پھر ریسیور تراب کی طرف بڑھا کر کہا "آپ چاہیں تو اپنی تسلی کے لیے اپنے بیٹے سے رابطہ کر سکتے ہیں۔"

بیگم شاہ نے لپک کر ریسیور لیا پھر جلدی جلدی نمبر ڈائل کرنے لگی۔ ڈاکٹر آرزو بولی "مسٹر ذیشان! آپ بہت بڑے پولیس افسر ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ میں بھی ایک معزز ڈاکٹر ہوں اور میڈیکل بورڈ کے سابق چیئرمین کی بیٹی ہوں۔ تم نے کسی ٹھوس ثبوت کے بغیر میرے ہاتھوں میں ہتھکڑی پہنائی ہے۔ اس کے بہت برے نتائج تمہارے سامنے آئیں گے۔"

"معزز لیڈی ڈاکٹر صاحبہ! ہم پولیس والے وردی پہنتے ہوئے یہ اچھی طرح ذہن نشین کر لیتے ہیں کہ کفن پہن رہے ہیں۔ کسی بھی مجرم کی گولی کسی بھی وقت ہماری زندگی ہم سے چھین سکتی ہے۔ ہم موت سے نہیں ڈرتے اور تم برے نتائج کی دھمکی دے رہی ہو۔"

"میں ابھی اپنے وکیل سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"میں تمہاری وکیل سے تو کیا...... پورے میڈیکل بورڈ سے بات کراؤں گا لیکن ذرا صبر کرو پہلے میں انکل آنٹی کا بیان لوں گا۔ اس کے بعد حشمت کا تحریری بیان لیا جائے گا وہ اپنے بیان میں لکھے گا کہ تم نے کس طرح میری بہن کی دوا میں زہریلی دوا ملائی تھی، پہلے میں تمہارے ہونے والے شوہر کو تمہارے خلاف گواہ بناؤں گا پھر اس سے تمہارے بارے میں اور بھی بہت کچھ معلوم کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ پچھلے دنوں تمہارے پاس ہی روپوش رہا تھا۔ تم ایک غیر شادی شدہ لیڈی ڈاکٹر ہو۔ وہ تمہارے پاس کس رشتے سے تنہا رہتا تھا؟ اس کا جواب تمہیں بھی دینا ہوگا اور حشمت کو بھی۔ اس طرح میں تم دونوں کو بدترین گناہ گار ثابت کر سکوں گا۔"

وہ پریشان ہو کر ذیشان کا منہ تکنے لگی۔ یہ سمجھ گئی کہ اس کی دھمکی ذیشان پر اثر نہیں کرے گی۔ بعد میں یہ بات کھلے گی کہ واقعی حشمت نے پچھلے دنوں اس کے ہاں پناہ حاصل کی تھی۔ وہ دونوں ایک مکان میں تنہا رہے تھے۔ پھر یہ کہ بیگم تراب تراب علی کا بھی یہ بیان ہوگا کہ انہوں نے ملک سے باہر جانے کے لیے انہیں پانچ لاکھ روپے دیئے تھے۔ اس طرح وہ پانچ لاکھ بھی اس کے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔

جب اتنی بڑی رقم ہاتھ سے نکل جانے کا خیال آیا تو وہ جھاگ کی طرح بیٹھ گئی اور غرور بھول کر التجا آمیز نظروں سے ذیشان کو دیکھنے لگی۔ تراب علی اور اس کی بیگم کمرے کے ایک گوشے میں جا کر فون پر بات کر رہے تھے پھر واپس آ کر بولے "ہمارا بیٹا خیریت سے ہے اور ابھی تم سے بات کرنے والا ہے۔"

اسما نے قلم اور کاغذ تراب علی شاہ کی طرف بڑھا دیا۔ کہا "انکل! آپ وہاں آرام سے میز کے پاس بیٹھ کر لکھیں۔"

وکیل اخلاق احمد نے کمرے میں داخل ہو کر کہا "کیا بات ہے؟ دلہن کو نیچے لانے میں اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے؟ قاضی صاحب وہاں انتظار کر رہے ہیں۔"

ایسا کہتے وقت اخلاق احمد کی نظر آرزو پر پڑی تو حیرانی سے بولے "ذیشان! تم نے اسے ہتھکڑی کیوں پہنائی ہے؟"

ذیشان انہیں وہاں کے حالات بتانے لگا۔ اخلاق نے تمام باتیں سننے کے بعد حیرانی سے کہا "مائی گاڈ! یہ

اندھی بنانے کی سازش کی جا رہی تھی۔ میں اس کی حفاظت کے لیے باہر سیکورٹی کے انتظامات سخت کرتا آ رہا ہوں لیکن جب گھر کے اندر ہی آستین میں سانپ پل رہے ہوں تو عینی کا اللہ ہی حافظ ہے اور آج تو اللہ کی رضا سے ہی اسے ایک نئی زندگی حاصل ہو رہی ہے۔"

ان باتوں کے دوران میں عینی ان سے ذرا دور جا کر بیٹھ گئی تھی۔ اور فون پر پاشا سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس نے اب سے پہلے ایک گھنٹے میں دو بار اس سے رابطے کی کوشش کی تھی۔ ہر بار یہی معلوم ہوا کہ اس کا فون بند ہے۔ دوسری طرف سے آواز آتی رہی کہ "آپ کے مطلوبہ نمبر سے فی الحال جواب نہیں مل رہا ہے کچھ دیر بعد دوبارہ ڈائل کریں۔"

اس نے ایک بار پھر پاشا کے نمبر ڈائل کیے تو وہی جانی پہچانی آواز سنائی دی۔ "آپ کے مطلوبہ نمبر سے فی الحال جواب نہیں مل رہا ہے کچھ دیر بعد دوبارہ ڈائل کریں۔"

اس نے پریشان ہو کر عروج کو آواز دی۔ عروج نے پلٹ کر اسے دیکھا وہ بولی "یہاں آؤ......"

وہ اس کے قریب جاتے ہوئے بولی "کیا ہوا پاشا سے رابطہ نہیں ہو رہا ہے؟"

عینی بولی "نہیں...... بار بار وہی ٹیپ چل رہا ہے تم سنو......"

اس نے فون کو کان سے لگا کر سنا۔ پھر کہا "اس کا مطلب ہے پاشا نے فون بند کر رکھا ہے یا کسی وجہ سے فون پاشا کے ہاتھ سے نکل گیا ہے یا گم ہو گیا ہے یا کوئی ایسی بات ہو گئی ہے کہ وہ اسے آن کر کے ہم سے رابطہ نہیں کر پا رہا ہے۔"

تراب علی اور بیگم تراب الگ الگ کاغذ پر اپنی طرف سے بیان لکھ رہے تھے۔ ذیشان لکھنے کے دوران میں انہیں ٹوک رہا تھا اور سمجھا رہا تھا کہ جیسی حقیقت ہے بالکل ویسا ہی بیان ہونا چاہیے۔ بیٹے اور ہونے والی بہو کے بارے میں کچھ نہ چھپایا جائے۔

اور وہ دونوں اس کی ہدایت کے مطابق لکھ رہے تھے۔ پھر انہوں نے بیان مکمل ہونے کے بعد دستخط کیے۔ ذیشان نے ڈاکٹر آرزو سے پوچھا "اب تم بولو کیا تحریری بیان دو گی؟"

اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر ساس سسر کو دیکھا پھر ذیشان سے کہا "آپ ابھی حشمت کا تحریری بیان لینے والے ہیں، میں چاہتی ہوں کہ ان سے ایک بار ملوں وہ اپنا بیان لکھیں گے تو پھر میں بھی لکھوں گی۔"

وکیل اخلاق احمد نے کہا "ذیشان یہ معاملہ تو بہت طول پکڑے گا۔ تم قانونی کارروائی کرتے رہو گے تو نکاح کب پڑھوایا جائے گا؟"

ذیشان نے کہا "میں اپنے ماتحت کو فون کرتا ہوں وہ حشمت کو یہاں لائے گا تو میں یہیں اس سے بیان لکھوا لوں گا اس وقت تک آپ نکاح پڑھوائیں۔ یہ کام ہو جانا چاہیے۔ اب میں اپنی بہن کی خوشی میں خوش ہوں۔"

عینی اور عروج نے خوش ہو کر ذیشان کی طرف دیکھا۔ اخلاق احمد نے کہا "اب دولہا سے رابطہ کرو۔ معلوم کرو کہ وہ نکاح قبول کرنے کے لیے تیار ہے یا نہیں؟ وہاں اس کے ساتھ دو گواہوں کو بھی ہونا چاہیے تاکہ وہ بعد میں گواہی دیں کہ واقعی پاشا نے فون پر نکاح قبول کیا تھا۔"

ذیشان نے عروج کو دیکھتے ہوئے کہا "تم پاشا سے رابطہ کرو۔"

وہ پریشان ہو کر بولی "ہم پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن پاشا کی طرف سے جواب نہیں مل رہا ہے۔"

انہوں نے موبائل کے نمبر ملائے۔ پھر اسے ذیشان کی طرف بڑھایا اس نے اسے کان سے لگایا تو دوسری طرف سے وہی آواز سنائی دے رہی تھی۔ "آپ کے مطلوبہ نمبر سے فی الحال جواب موصول نہیں ہو رہا ہے کچھ دیر بعد دوبارہ رابطہ کریں۔"

ذیشان نے فون بند کرتے ہوئے کہا "اگر پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے یہی ٹیپ چل رہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ پاشا نے فون کو بند رکھا ہوا ہے۔"

عروج بولی "نکاح کا وقت ہو چکا ہے اس اہم موقع پر پاشا فون بند کیوں کریں گے؟ میرا تو دل ڈر رہا ہے پتا نہیں وہاں ان کے ساتھ کیا مجبوری پیش آ رہی ہے کہ انہوں نے فون بند کر دیا ہے یا پھر وہ اس فون سے کہیں دور ہیں۔"

عینی رونے لگی، ذیشان نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "رو کیوں رہی ہو؟ سب ٹھیک ہو جائے گا، تم پریشان نہ ہو۔"

وہ بولی "پریشان ہونے کی تو بات ہے بھائی جان! جب ادھر حشمت پر فائرنگ ہو رہی ہے تو دشمن پاشا کو بھی معاف نہیں کریں گے۔ اس کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہو رہا ہوگا اور وہ جان بچانے کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ جا رہا ہوگا۔ ایسے میں ہاتھ سے فون نکل گیا ہوگا۔ میرے دل میں تو ایسے ہی خیالات آ رہے ہیں۔"

ذیشان نے تائید میں سر ہلا کر کہا ''ہاں ان حالات میں سوچا جاسکتا ہے۔ اس کے ساتھ حالات کچھ ایسے پیش ہے ہیں کہ وہ مجبور ہوگیا ہے اور ہم سے رابطہ نہیں رہا ہے۔''

وکیل اخلاق احمد نے عینی کو بڑے پیار سے دیکھا اور دل کہا ''یہ جتنی دولت مند ہے اتنی ہی بدنصیب ہے۔ آج جیون ساتھی اس کا ساتھ اور محبت دینے آرہا تھا۔ وہ بھی بھٹک گیا ہے۔ اگر آج اس کا مقدر ساتھ نہ دیتا تو یہ اب اندھی ہوچکی ہوتی۔ پتا نہیں اس کی خوش قسمتی کے دن آئیں گے؟''

اس نے ذیشان سے کہا ''جب ایسی مجبوری ہے اور پاشا رابطہ نہیں ہو رہا ہے تو اس وقت تک حشمت آرزو کی قانونی روائی مکمل کرلو میں نیچے جارہاں ہوں۔ وہاں قاضی ب سے کہوں گا کہ وہ ایک آدھ گھنٹے انتظار کریں ہوسکتا اس وقت تک پاشا سے رابطہ ہوجائے۔''

افسوس......رابطہ کیسے ہوگا؟

میں چاہوں گا تو رابطہ ہوگا میں عینی اور پاشا کے ہاتھ کی ریں پڑھ چکا ہوں۔ ابھی ان کا رشتہ ازدواج میں منسلک ممکن نہیں ہے۔ یہ تو میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ میں لکیر کا ہوں۔ ان لکیروں کے مطابق مجھے کچھ اور تماشے کرنے ہیں۔

ایسی بات نہیں ہے کہ دردانہ کے آدمی پاشا کے پیچھے پڑے ہیں اور وہ پھر کہیں چھپتا پھر رہا ہے...... نہیں ایسی کوئی بات ہے یہ تو عینی' عروج اور ذیشان سوچ رہے تھے لیکن میں تو تماشے دکھاتا ہوں کہ جو انسانی سوچ کے برعکس ہوتے ہیں۔

☆☆☆

میں کالام کے خوبصورت پہاڑی علاقے میں پہنچا ہوا تھا۔ انسان وہیں جاتا ہے جہاں اس کا مقدر اسے لے جاتا ہے اور میں تو ہوں ہی مقدر...... لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ میں خود وہاں کھینچ لایا تھا۔ دل سے مجبور ہوگیا تھا۔ نمرہ کی کشش مجھے رہی تھی اور میں اس کے پیچھے کشاں کشاں چلا آتا تھا۔

میں پہلے بھی اسے چھپ چھپ کر دیکھتا رہا تھا لیکن کبھی اس کے روبرو نہیں آیا تھا۔ میں مقدر ہوں مناسب وقت پر سب کام کرتا ہوں اور اب وہ مناسب وقت آگیا تھا۔

اس بڑے سے ہوٹل کے احاطے میں ایک بڑی سی بس کھڑی ہوئی تھی اس بس میں کالج کے لڑکے، لڑکیاں سیر و تفریح کے لیے آئے تھے۔ ان میں نمرہ بھی تھی انہوں نے ہوٹل کے چند کمرے کرائے پر لیے تھے اور ہر کمرے میں چار چار طلبہ طالبات کی مشترکہ رہائش تھی۔

کالج کی اس پوری پارٹی میں نمرہ بہت ہی مغرور اور نک چڑھی سمجھی جاتی تھی۔ صرف دو سہیلیوں کے علاوہ کسی سے زیادہ بولتی نہیں تھی۔ لڑکوں کو تو ذرا سی لفٹ نہیں دیتی تھی۔ اس نے اپنی دونوں سہیلیوں سے بھی کہہ دیا تھا ''میں اپنا کمرا کسی سے شیئر نہیں کرسکتی۔ میری بات کا برا نہ ماننا یہ میری عادت ہے رات کو میرے بیڈروم میں اگر ممی بھی آجاتی ہیں تو میں کہہ دیتی ہوں کہ صبح ملاقات ہوگی۔''

اس نے اسی ہوٹل میں اپنے لیے الگ کمرا لیا تھا آئندہ میرے اور اس کے نصیب ملنے والے تھے اس لیے میرا کمرا بھی اس کے ساتھ ہی تھا میری یہ کوشش ہوتی تھی کہ وہ مجھے دیکھنے نہ پائے اور میں اسے چھپ چھپ کر دیکھتا رہوں۔

عام طور پر لوگ اپنے برج کے مطابق کتابیں پڑھتے ہیں یا نجومی سے مشورہ کرتے ہیں کہ کسی اہم کام کے لیے کون سا دن اور وقت مناسب رہے گا۔ میں تو خود اس دنیا کا سب سے بڑا نجومی ہوں مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا کہ کسی کے دل پر دستک دینے کے لیے کون سا دن اور وقت مناسب رہے گا۔

میں اپنی معلومات کے مطابق اس کے دروازے پر پہنچ گیا۔ میری معلومات کبھی غلط نہیں ہوتیں۔ اس وقت وہ اپنے گروپ کے ساتھ باہر جانے سے پہلے غسل کرکے تیار ہونا چاہتی تھی۔ اس نے اپنے کمرے کے دروازے کو بند کیا تھا لیکن اسے لاک کرنا بھول گئی تھی۔ یا یہ کہنا چاہئے کہ یہ میرا تماشا تھا کہ اسے نادانستگی میں لاک کرنا یاد نہیں رہا تھا۔

میں اسے آہستہ سے کھول کر اندر آگیا۔ وہ کمرے میں نہیں تھی واش روم میں شاور کی آواز آرہی تھی اور اس آواز کے ساتھ اس کی ہلکی سی گنگناہٹ بھی ابھر رہی تھی۔ اس باتھ روم کا دروازہ ایک ذرا سا کھلا ہوا تھا۔ اسے اطمینان تھا کہ کمرے کا دروازہ لاک ہے۔ کوئی نہیں آئے گا اس لیے اس نے باتھ روم کے دروازے کو اندر سے بند نہیں کیا تھا۔

میں دبے قدموں چلتا ہوا بیڈ کے پاس آیا پھر اپنی جیب سے ایک لفافہ نکال کر اس کے تکیے کے نیچے رکھ دیا۔ میرا ایک کام ہوگیا تھا اب وہاں زیادہ دیر رکنا مناسب نہیں تھا لیکن دل اس کی گنگناہٹ کی طرف کھنچا جارہا تھا۔ ایسی مترنم اور رس بھری گنگناہٹ تھی کہ ایک عجیب سی بے خودی طاری ہورہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا کہ اسی کمرے کی آغوش میں رہ جاؤں۔

پھر گنگناہٹ ختم ہوگئی مجھے ذرا ہوش آیا تو میں نے سوچا اب واپس جانا چاہئے۔ ایسے ہی وقت اچانک واش روم کا

دروازہ کھلا اور وہ تولیہ لپیٹے باہر نکلی۔ وہ کیا آئی قیامت آگئی۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔

وہ تولیے کو سنبھالتی ہوئی بدن کو اچھی طرح سے ڈھانپتے ہوئے باتھ روم میں واپس گئی پھر دروازے کی آڑ میں ہوکر چیخ کر بولی ''تم کون ہو؟ میرے کمرے میں کیسے آگئے؟''

میں نے فوراً ہی اپنے ہاتھ آگے بڑھائے پھر ایک اندھے کی طرح راستہ ٹٹولتے ہوئے پوچھا ''تم کون ہو؟ اور میرے کمرے کو اپنا کمرا کیوں کہہ رہی ہو؟''

وہ غصے سے بولی ''اندھے کے بچے! یہ تمہارا کمرا نہیں ہے۔''

میں نے حیرانی ظاہر کی ''اوہ گاڈ! کیا یہ میرا کمرا نہیں ہے؟ میں غلطی سے یہاں آگیا ہوں؟''

وہ بولی ''ہاں غلطی سے آئے ہو فوراً یہاں سے جاؤ۔''

وہ دروازے کے پیچھے چھپی ہوئی تھی صرف اس کا چہرہ نظر آرہا تھا میں بولا ''جاتا ہوں تمہیں ناراض نہیں ہونا چاہئے کسی نابینا کو اندھا نہیں کہنا چاہئے اور تم نے تو مجھے اندھے کا بچہ کہا ہے۔''

''اچھا...اچھا مجھے نہ سمجھاؤ...... جاؤ فوراً یہاں سے جاؤ۔''

''نہیں جاؤں گا' پہلے مجھ سے معافی مانگنی ہوگی' تم نے ایک اندھے کی توہین کی ہے۔ تہذیب و اخلاق کے خلاف مجھے اندھے کا بچہ کہا ہے۔ جب کہ میرا باپ اندھا نہیں تھا۔ میں اندھے کا بچہ نہیں ہوں۔''

''ارے واہ...... ایک تو میرے کمرے میں گھس آئے ہو اور اوپر سے مجھے ہی کہہ رہے ہو کہ معافی مانگوں۔''

میں بولا ''کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتا کہ میں جان بوجھ کر یہاں نہیں آیا ہوں؟ اگر یہ روم نمبر ٹو زیرو سیون نہیں ہے تو پھر بتاؤ کہ اس کمرے کا نمبر کیا ہے؟''

وہ بولی ''یہ روم نمبر ٹو زیرو سکس ہے اور تمہارا ٹو زیرو سیون اس کے بعد والا کمرا ہے۔''

''تمہارا شکریہ...... میں جارہا ہوں' جلدی سے معافی مانگ لو۔''

اس نے دروازے کے پیچھے سے مجھے گھور کر دیکھا پھر کہا ''خدا کے لیے مجھے معاف کرو اور یہاں سے فوراً جاؤ۔''

میں وہاں سے پلٹ کر دونوں ہاتھوں سے راستہ ٹٹول کر آگے بڑھتے ہوئے ایک دیوار سے ٹکرا گیا وہ بولی ''دروازہ تمہارے بائیں طرف ہے۔''

میں دیوار کو ٹٹولتا ہوا دروازے تک پہنچا پھر اسے کھولتے ہوئے سر گھما کر پیچھے دیکھا تو اسے یوں لگا جیسے میں اسے د رہا ہوں، وہ ذرا اور چھپ گئی۔ میں بولا ''میں غلطی سے یہ آیا ہوں مجھے بھی معافی مانگنی چاہئے لہٰذا آپ مجھے بھی معا کردیں آنٹی!''

یہ کہہ کر میں دروازے سے باہر آگیا۔ وہ بڑبڑائی ''آ کیا میں اسے بوڑھی نظر آرہی تھی؟''

پھر اسے یاد آیا کہ وہ تو اندھا ہے۔ اندازے سے آ بول کر چلا گیا ہے اس نے کمرے کے دروازے کو دیکھا، ا کیا کہ وہ بند ہے اور وہ اندھا جاچکا ہے تو تیزی سے چلتی تولیے کو سنبھالتی ہوئی دروازے کے قریب آئی پھر اسے ا سے لاک کرلیا۔

پہلی بار نظریں ملتے ہی وہ مارے شرم کے بدحواس ہو تھی۔ اس کی شرم رکھنے کے لیے اچانک ہی مجھے یہ تد سوجھی کہ اندھا بن جاؤں۔ ہر لڑکی کا بدن قیمتی سرمایہ ہوتا

میرے اندھے پن نے اسے مطمئن کردیا تھا کہ میں اس کے حسن کا چھلکتا ہوا جلوہ نہیں دیکھا ہے۔

میں اپنے کمرے میں آگیا۔ جذبات کی شدت لرز رہا تھا اور سوچ رہا تھا ''کیا ایسے نظارے بھی ہوتے جن کی ایک جھلک دیکھتے ہی وجود کے اندر گرم ہوا چلنے ہے؟ اور آنکھیں بند کرنے کے باوجود وہی جھلکیاں بار با جھلملاتی رہتی ہیں۔''

ایک گھنٹے کے بعد اس کی دونوں سہیلیوں نے آ دروازے پر دستک دی پھر کہا ''نمرہ! جلدی چلو ہم آؤٹنگ کے لیے جارہے ہیں۔''

اس نے کمرے کے اندر سے کہا ''ایک منٹ...... آرہی ہوں بھئی۔''

وہ پانچ منٹ کے بعد دروازہ کھول کر باہر آئی۔ ایک سہیلی نے پوچھا ''اتنی دیر تک کیا کررہی تھیں؟''

''وہ میں گرم پانی سے غرارہ کررہی تھی۔''

دوسری نے پوچھا ''کیا گلے میں تکلیف ہے؟''

''نہیں...... بس یوں ہی میری آواز کچھ گڑبڑا گئی ہے۔ دونوں ابھی سن رہی ہو یہ بتاؤ کیا میری آواز کسی بوڑھی کی طرح لگ رہی ہے؟''

وہ دونوں ہنسنے لگیں۔ ایک نے پوچھا ''تجھے یہ وہم کیوں ہو رہا ہے؟''

وہ جواب نہ دے سکی' ان سے یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ ایک اندھے نے اسے آنٹی کہا ہے۔

اس نے ساتھ والے کمرے ٹو زیرو سیون کی طرف دیکھا پھر کہا ''چلو...... دیر ہو رہی ہے۔''

وہ ان کے ساتھ جانے لگی' میں بھی اپنے کمرے سے نکلا تھوڑی دیر بعد کالج کے تمام طلبہ اور طالبات بس میں بیٹھ رہے تھے' نمرہ بھی اپنی سہیلیوں کے ساتھ بیٹھ گئی تو میں ہوٹل سے باہر آیا میری کرایہ کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے ڈرائیور سے کہا ''اس بس کے پیچھے چلو۔''

میں پچھلی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ جب وہ بس آگے جانے لگی تو ڈرائیور نے کار اسٹارٹ کی اور اس کے پیچھے چلنے لگا۔ میں نے نمرہ کے تکیے کے نیچے ایک بڑا سا لفافہ رکھ دیا تھا اس لفافے پر ابھی اس کی نظر نہیں پڑی تھی اگر وہ اسے کھول کر دیکھ لیتی تو حیران رہ جاتی۔ میں نے سوچا کہ کوئی بات نہیں' آؤٹنگ سے واپس آئے گی تو رات کو سوتے وقت اس کی نظر اس لفافے پر ضرور پڑے گی۔

تقریباً دس میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ بس ایک جگہ رک گئی۔ وہ بہت ہی خوبصورت جگہ تھی طلبہ و طالبات وہاں رک کر پکنک منانا چاہتے تھے' ڈرائیور نے وہیں ایک جگہ کار روک دی۔ میں کھڑکی سے باہر تمام طلبہ و طالبات کو دیکھنے لگا۔ سب ہنس بول رہے تھے کوئی گٹار بجا رہا تھا' کوئی تصویریں اتار رہا تھا کچھ لڑکے اور لڑکیاں چٹائیاں بچھا رہے تھے اور دسترخوان بچھا کر اس پر کھانے پینے کی چیزیں رکھ رہے تھے۔

نمرہ اپنی دو سہیلیوں کے ساتھ بس میں سے سامان اٹھا کر لا رہی تھی اور کام میں ان کا ہاتھ بٹا رہی تھی میں بڑے پیار سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ چل رہی تھی تو ایسا لگ رہا تھا جیسے پھولوں سے بھری شاخ لچکتی جا رہی ہے۔

میں نے ڈرائیور سے کہا ''میں یہاں ایک ناٹک کرنا چاہتا ہوں' تم میرا ساتھ دو گے؟''

وہ بولا ''سر! آپ جو کہیں گے میں وہی کروں گا۔''

''میں یہاں اندھا بن کر رہوں گا' باہر نکلوں گا تو تمہارے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر چلوں گا میں جہاں اشارہ کروں گا تم مجھے کسی پتھر پر بٹھا دینا۔''

''میں سمجھ گیا آپ کوئی رومانٹک ڈراما کر رہے ہیں۔''

''ہاں...... یہی سمجھو۔''

میں کار سے باہر آیا وہ میرے قریب آ کر کھڑا ہو گیا' میں نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا پھر ایک طرف چلنے لگا۔ نمرہ طلبہ و طالبات کے درمیان ایک چٹائی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ کچھ رومانی جوڑے اِدھر اُدھر فاصلے پر کھڑے ہوئے تھے، کچھ بیٹھے ہوئے تھے اور پیار بھری سرگوشیاں کر رہے تھے' مسکرا رہے تھے۔ دریا کا کنارہ تھا لہریں شور مچاتی گزر رہی تھیں۔ بڑا ہی رومانٹک ماحول تھا۔

جب میں ان کے درمیان سے گزرنے لگا تو نمرہ کی نظر مجھ پر پڑی' اس کی آنکھوں میں بے اختیار کمرے کے اندر کا وہی منظر گھوم گیا جب وہ تولیہ لپیٹے واش روم سے باہر نکلی تھی اور مجھ سے سامنا ہو گیا تھا۔

دو چار لڑکے اور لڑکیاں مجھے وہاں سے گزرتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ میں نے ایک پتھر کے قریب سے گزرتے وقت ڈرائیور کے کندھے کو دبایا اس نے رک کر کہا ''صاحب جی آپ یہاں بیٹھ جائیں اس پتھر پر...... اُدھر دریا کا کنارہ ہے آپ تو دریا کی لہروں کی آوازیں سن رہے ہوں گے؟''

میں نے ہاں کے انداز میں سر ہلا کر کہا ''ہاں میں صرف آوازیں ہی سن سکتا ہوں یا پھر یہاں چلنے والی ٹھنڈی ہواؤں کو محسوس کر سکتا ہوں۔ پھولوں کی مہک میری سانسوں تک پہنچتی ہے لیکن میں پھولوں کی رنگینیاں نہیں دیکھ سکتا یہاں کی ہریالی نہیں دیکھ سکتا۔''

میں بولتے بولتے پتھر پر بیٹھ گیا کچھ فاصلے پر وہ دکھائی دے رہی تھی میں اسے دیکھنے لگا وہ بھی مجھے دیکھ رہی تھی پھر نظریں چرا کر سوچنے لگی ''مجھے تو ایسا لگ رہا ہے جیسے یہ مجھے دیکھ رہا ہے۔''

ایک سہیلی بولی ''کتنا ہینڈسم اور اسمارٹ ہے یقین نہیں آتا کہ یہ اندھا ہے۔''

نمرہ نے چونک کر اس سہیلی کو دیکھا۔ اس کا دل بھی یہ کہہ رہا تھا کہ میں اندھا نہیں ہوں لیکن وہ میرے اندھے پن کو اپنے کمرے میں دیکھ چکی تھی۔ اس نے پھر نظریں اٹھائیں اور مجھے دیکھا۔ میں اسے ایک ٹک دیکھ رہا تھا نظریں ملتے ہی وہ دوسری طرف دیکھنے لگی۔ دل کہہ رہا تھا کہ واقعی کتنا ہینڈسم خوبرو اور صحت مند ہے اسے اندھا نہیں ہونا چاہئے۔

پھر اس نے چونک کر سوچا ''میں ایسا کیوں سوچ رہی ہوں؟ اگر یہ اندھا ہے تو ہوا کرے۔ مجھے اس کے اندھے پن سے کیا لینا ہے؟''

ایک لڑکی نے کہا ''مجھے تو ایسا لگ رہا ہے جیسے یہ ہم میں سے کسی کو دیکھ رہا ہے۔''

نمرہ کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا وہ یہی سوچ رہی تھی کہ میں اسے دیکھ رہا ہوں پھر دوسرا خیال آتا تھا کہ میں اندھا ہوں اگر میری نظریں اس کی طرف ہیں تو کیا فرق پڑتا ہے میری دنیا میں تو تاریکی ہی تاریکی ہے۔ اس تاریکی میں کیا دیکھوں گا؟''

میں مسکرانے لگا ایک نوجوان نے کہا ''وہ دیکھو! وہ ...ا رہا ہے' میں یقین سے کہتا ہوں کہ وہ اندھا نہیں ہے اور تم ...ے کسی ایک لڑکی کو دیکھ رہا ہے۔''

دوسرے نوجوان نے کہا ''اگر وہ اندھا نہیں ہے اور ...وں کو تاڑنے کا بہانہ کر رہا ہے تو ہم اس کی آنکھیں نکال ...گے۔''

تیسرے نوجوان نے کہا ''آؤ...... وہاں چل کر اس کا ...ہ کرتے ہیں۔''

لڑکیوں نے کہا ''ہاں...... ہاں چلو ذرا معلوم تو ہو کہ وہ ...ا اندھا ہے یا بہروپیا؟''

وہ سب وہاں سے اٹھنے لگے۔ اس کی سہیلیوں نے کہا ...! اٹھو تم بھی چلو......''

وہ بولی ''ان سب کو روکو...... کیا ضرورت ہے اس سے ...ر چھاڑ کرنے کی؟ اگر وہ دیکھتا ہے تو دیکھتا رہے' ساری دنیا ...تو ہمیں دیکھتی ہے، ایک اندھے نے دیکھا تو کیا ہوا؟''

دوسری سہیلی نے اسے کھینچتے ہوئے کہا ''چل اٹھ...... ...ں جا کر دیکھیں تو سہی وہ ہے کیا چیز......؟''

''مجھے تو ہینڈسم لگ رہا ہے۔ سچ کہتی ہوں وہ تو مقناطیس ...طرح کھینچ رہا ہے۔''

نمرہ بھی جانا چاہتی تھی میرے بارے میں معلوم کرنا ...ہتی تھی لیکن جھجک رہی تھی جب سہیلیوں نے اسے کھینچا تو وہ ...بھی چلی آئی۔ اس کے ساتھ چھ سات لڑکے اور اتنی ہی ...لیاں تھیں۔ میں نے ڈرائیور سے کہہ دیا تھا کہ وہ گاڑی کے ...ں چلا جائے جب وہ سب قریب آئے تو میں نے چہرے ...ے یوں ظاہر کیا جیسے آتے ہوئے محسوس کر رہا ہوں۔ ایک ...کے نے ہاتھ کی پانچ انگلیاں میری آنکھوں کے سامنے ...تے ہوئے غور سے دیکھا۔ پھر اپنے دوستوں کی طرف ...یکھتے ہوئے انکار میں سر ہلایا میں نے پوچھا ''کیا یہاں کوئی ...ہے؟ میں نے آہٹیں سنی ہیں۔''

میں خلا میں تک رہا تھا پھر میں نے سر جھکا کر سامنے ...ھڑے ہوئے لڑکے لڑکیوں کو دیکھا میری نظریں ٹھیک نمرہ پر ...گئیں اس کے دل میں جیسے چور تھا وہ گھبرا رہی تھی۔ پھر ذرا ...چنے لگی ایک سہیلی کے پیچھے چلی گئی ایک اسٹوڈنٹ نے پوچھا۔ ...یا تم اندھے ہو؟''

میں نے کہا ''معلوم ہوتا ہے تم یہاں کے مقامی ...شندے ہو؟ تعلیم یافتہ نہیں ہو؟ اگر کچھ سمجھ بوجھ ہوتی تو اتنا تو ...مجھتے کہ کسی اندھے کو اندھا نہیں کہنا چاہئے۔''

نمرہ نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لیا میں نے یہی بات اسے بھی کہی تھی اس اسٹوڈنٹ نے مجھ سے کہا ''سوری...... ہم اسٹوڈنٹ ہیں واقعی مجھے نابینا نہیں کہنا چاہئے تھا۔''

''تم نے ابھی کہا ہے کہ ہم اسٹوڈنٹ ہیں، اس کا مطلب ہے کہ یہاں ایک نہیں کئی طلبہ ہیں؟''

ایک لڑکے نے کہا ''جی ہاں...... طلبہ بھی اور طالبات بھی ہیں۔''

ایک لڑکی نے کہا ''تم اتنے ہینڈسم اور اسمارٹ ہو یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا کہ تم ان......''

وہ کہتے کہتے رک گئی۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا پھر وہ جلدی سے بولی ''میرا مطلب ہے کہ تم نابینا نہیں لگتے ہو۔''

''ایک طرح سے تم درست کہہ رہی ہو' میں نابینا ہوتے ہوئے بھی نابینا نہیں ہوں۔''

سب نے حیرانی سے مجھے دیکھا پھر ایک طالبِ علم نے پوچھا ''اس کا مطلب کیا ہوا کہ نابینا ہو بھی اور نہیں بھی......؟''

''نابینا اس لیے نہیں ہوں...... کہ جسے چاہتا ہوں اسے دیکھتا رہتا ہوں۔''

ایک لڑکی نے پوچھا ''یہ کیا بات ہوئی؟ یعنی تم ہم میں سے جسے چاہو گے اسے دیکھتے رہو گے؟ اور جسے نہیں چاہو گے اسے نہیں دیکھو گے؟''

''ایسی بات نہیں ہے...... میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جو میرے دل میں بستی ہے میں صرف اسے ہی دیکھ سکتا ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے میں نے اس لڑکی کی طرف دیکھا جس کے پیچھے نمرہ چھپی ہوئی تھی۔ میرے ایسا کہنے اور دیکھنے پر وہ کچھ اور پریشان ہو گئی۔

ایک اسٹوڈنٹ نے پوچھا ''اس کا مطلب ہے تم بھی کسی سے عشق کرتے ہو؟''

''کیوں نہیں...... آخر میں بھی انسان ہوں میرے سینے میں بھی دل ہے جو کسی کے لیے دھڑکنا جانتا ہے۔''

ایک نے کہا ''ہم آپ کے بارے میں ذاتی سوال کر رہے ہیں آپ مائنڈ تو نہیں کر رہے ہیں؟''

میں نے مسکرا کر کہا ''نہیں جو باتیں محبت کے حوالے سے ہوتی ہے وہ خوشبو کی طرح مہکتی ہیں اور خوشبو سب ہی کو پسند ہوتی ہے۔''

سب ہی اس بات پر واہ واہ کرنے لگے۔ ایک نے کہا ''مجھے بھی خوشبو پسند ہے اور ایک خوشبو والی سے پیار ہے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے ایک لڑکی کی طرف دیکھا۔ اس لڑکی نے شرما کر سر جھکا لیا۔ ایک نے پوچھا ''مسٹر! تمہارا نام کیا ہے؟''

میں نے نمرہ کی طرف دیکھا پھر کہا ''میں اس کا مقدر

ہوں' میرا نام مقدر حیات ہے۔"

"بڑا عجیب نام ہے۔ پہلی بار سنا ہے۔ ویسے ہر چاہنے والے ایک دوسرے کا مقدر بن جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے تمہارا نام بہت ہی خوبصورت ہے۔"

میں بولا "شکریہ...... میں چاہتا ہوں کہ میرا یہ نام اسے بھی پسند آجائے۔"

ایک لڑکی نے پوچھا "کسے پسند آجائے......؟"

"جسے میں چاہتا ہوں۔"

"تعجب ہے تم اس کی پسند اور ناپسند کو نہیں جانتے؟"

"مجھے جاننے کا موقع نہیں ملا، میں تو اسے دیکھتے ہی اندھا ہو گیا تھا۔"

"کیا......؟"

سب مجھے حیرانی سے تکنے لگے۔ میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا "میں پہلے اندھا نہیں تھا تقریباً آدھی دنیا دیکھ چکا ہوں۔ حسین نظارے دیکھ چکا ہوں لیکن ایسا حسین نظارہ نہ کبھی دیکھا اور نہ کبھی دیکھ سکوں گا۔"

ایک لڑکی نے پوچھا "وہ کون تھی؟"

میں نے پھر نمرہ کی طرف یوں دیکھا جیسے میری نظریں اِدھر اُدھر سے بھٹکتی ہوئی وہاں آکر رک گئی ہوں۔ اس پر جب بھی نظر جاتی تھی وہ کچھ گھبرا سی جاتی تھی۔

ایک جوان نے پوچھا "وہ کیسی تھی؟"

"وہ ایسی تھی کہ اب ویسی کوئی نہیں ہوگی وہ پہلی بار نظر کے سامنے آئی تو بھیگی ہوئی تھی پتا نہیں وہ بارش میں بھیگتی رہی تھی یا کسی جھرنے سے نہا کر آئی تھی؟ وہ مختصر سے لباس میں خود کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن چھپ نہیں پا رہی تھی۔ میرا سامنا ہوتے ہی اس کا شرمانا، گھبرانا اتنا اچھا لگ رہا تھا کہ وہ ایک تصویر کی طرح میری آنکھوں کی پتلیوں میں نقش ہو گئی۔"

میں نے ایک سرد آہ بھری سب بے چینی سے اور دلچسپی سے سن رہے تھے ایک نے بڑی بے قراری سے پوچھا "پھر کیا ہوا؟"

"اس کی آنکھوں میں حیا تھی۔ ایسے وقت میں اس کی شرم رکھنا چاہتا تھا اس لیے دعا مانگی کہ اندھا ہو جاؤں اسے یقین ہو جائے کہ میں نے کچھ دیکھا ہی نہیں ہے۔"

میں ذرا چپ ہوا پھر ایک سرد آہ بھر کر بولا "اس حسین نظارے کے بعد میں دنیا کا کوئی اور نظارہ دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ کسی کی صورت اور کسی کا سراپا کسی بھی کھلتے ہوئے پھول کو دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ ان ہی لمحات میں میری آنکھوں کے چراغ بجھ گئے۔ اندھیرا چھا گیا اس گھپ اندھیرے میں صرف

اسی کا وہ آخری جلوہ رہ گیا جسے میں نے دیکھا تھا اور جب تک زندہ ہوں وہ میری اندھی آنکھوں میں جیتی جاگتی رہے گی۔"

نمرہ ایک دم گم صم سی ہو گئی تھی وہ سن رہی تھی اسے اپنے کمرے کا وہ منظر یاد آ رہا تھا جب میرا اور اس کا سامنا ہوا تھا۔ وہ میری باتیں سن رہی تھی سوچ رہی تھی اور الجھ رہی تھی "کیا ممکن ہے کہ یہ پہلے اندھا نہیں تھا اور مجھے اس حالت میں دیکھ کر میری شرم رکھنے کے لیے اندھا ہو گیا تھا؟ کیا یہ ماننے والی بات ہے کہ آدمی خواہش کرے کہ وہ اندھا ہو جائے تو وہ اندھا ہو جاتا ہے؟ خواہش کرے کہ وہ مر جائے تو مر جاتا ہے؟"

"نہیں یہ باتیں بنا رہا ہے یہ اندھا نہیں ہے ایک بہروپیا ہے۔ یہ اب بھی مجھے دیکھ رہا ہے۔"

وہ غصے سے ہونٹوں کو بھینچ کر مجھے دیکھنے لگی، سوچنے لگی خدا...... اگر اس نے مجھے ویسی حالت میں دیکھ لیا ہے تو میں شرم سے مر جاؤں گی مجھے کسی طرح آزمانا چاہیے کہ یہ واقعی اندھا ہے یا بہروپیا۔"

وہ اپنی سہیلیوں اور ساتھیوں سے بولی "یہ بہروپیا جھوٹا ہے کیا یہ ماننے کی بات ہے کہ اس نے اندھا ہونے کی دعا مانگی اور اسی وقت اندھا ہو گیا؟"

کچھ طلبہ اور طالبات نے اس کی تائید میں کہا "ہاں یقین تو ہمیں بھی نہیں آ رہا ہے۔"

نمرہ نے کہا "تم سب میرے سامنے سے ہٹ جاؤ اس کی حقیقت ابھی سامنے آجائے گی۔"

اس کے سامنے کھڑے ہوئے لڑکے ہٹ گئے۔ اس نے جھک کر ایک پتھر اٹھایا پھر میرا نشانہ لیا میں اس کا مقدر ہوں جانتا ہوں کہ وہ مجھے چوٹ نہیں پہنچائے گی' اس نے کہا تمہاری طرف پتھر آ رہا ہے بچنے کی کوشش کرو ورنہ سر پھوٹ جائے گا۔"

یہ کہتے ہی اس نے وہ پتھر کھینچ کر مارا اس طرح کہ نشانہ خطا ہو جائے اور یہی ہوا وہ پتھر میرے قریب سے گزر گیا میں جوں کا توں ساکت بیٹھا رہا جیسے نہ مجھے پتھر دکھائی دیا اور نہ پتھر مارنے والی دکھائی دے رہی ہو میں نے انجان بن کر حیرانی سے کہا "تم کون ہو؟ اور میرے ساتھ کیا کرنا چاہتی ہو؟ کیا واقعی مجھے پتھر مارنے والی ہو؟"

ایک نوجوان نے چاقو نکال لیا اسے کھول کر مٹھی میں لے کر تیزی سے دوڑتے ہوا میرے قریب آیا پھر ہاتھ اٹھا کر مجھ پر حملہ کرنے لگا چاقو تیزی سے میری طرف آیا پھر اس کی نوک میری گردن کے قریب رک گئی۔

میں چپ چاپ انجان بنا بیٹھا رہا میرے ہاتھ کی لکیر

ہی تھی کہ مجھے کسی کے ہاتھوں زخمی نہیں ہونا ہے، میں نے کہا۔ "مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میرے قریب کوئی آیا ہے۔"

یہ کہہ کر میں نے دونوں ہاتھ اٹھائے پھر ٹٹولنے کے انداز میں ہاتھوں کو اس کی طرف بڑھایا تو وہ فوراً پیچھے ہٹ گیا چاقو بند کر کے بولا "سوری مسٹر مقدر حیات! میں تمہیں آزما رہا تھا تم تو واقعی نابینا ہو۔"

میں نے پوچھا "تمہیں کیسے یقین ہو گیا؟"

"میں نے ابھی تمہیں اپنے طور پر آزمایا ہے ویسے مجھے اس بات کا یقین نہیں آ رہا ہے کہ تم نے اندھے ہونے کی دعا مانگی اور اندھے ہو گئے۔"

میں بولا "میں ابھی تو یقین نہیں دلا سکتا میرے لیے دعا کرو کہ وہ لڑکی ایک بار پھر میرے سامنے آجائے اور اسے بھی یقین ہو جائے کہ وہ سامنے آئے گی تو میں اسے دیکھ نہیں پاؤں گا لیکن میں اسے کہوں گا کہ وہ تم سب کو میرے نابینا ہونے کا یقین دلائے۔"

میں پتھر سے اٹھ گیا پھر بولا "میں جا رہا ہوں مجھے یہ کہنا چاہیے کہ تم لوگوں سے مل کر خوشی نہیں ملی بے اعتمادی ملی ہے چلو کچھ تو ملا ہے۔"

میں نے ڈرائیور کو آواز دی وہ تیزی سے چلتا ہوا آیا میں بولا "مجھے واپس لے چلو۔"

اس نے میرا ہاتھ تھام لیا میں اس کے ساتھ چلنے لگا تو ایک اسٹوڈنٹ نے ڈرائیور سے پوچھا "تمہارے یہ صاحب کتنے عرصے سے نابینا ہیں؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا "میں نہیں جانتا میں تو ابھی انہیں ہوٹل سے لایا ہوں انہوں نے ہوٹل سے یہ کار کرائے پر لی ہے اور میں رینٹ کار والوں کا ملازم ہوں۔"

میں ڈرائیور کے ساتھ چلتا ہوا کار کی پچھلی سیٹ پر جا کر بیٹھ گیا وہ سب مجھے چپ چاپ دیکھ رہے تھے اور اپنے اپنے طور پر سوچ رہے تھے کہ ہم نے مقدر حیات کو غلط سمجھا تھا وہ بے چارہ تو واقعی اندھا ہے۔

نمرہ کی سہیلی نے کہا "ہماری دنیا میں عجیب و غریب واقعات ہوتے ہیں یہ بھی کتنی عجیب بات ہوئی کہ اس کی دعا فوراً ہی قبول ہو گئی۔ اور وہ بینائی سے محروم ہو گیا۔"

نمرہ نے اسے دیکھا' اس کی بات کی تردید کرنا چاہی مجھے آزمانے کے باوجود یقین نہیں ہو رہا تھا اس نے سہیلی سے کچھ نہیں کہا وہاں سے پلٹ کر دریا کی طرف جانے لگی میں ہوٹل واپس آیا۔ اپنا سامان پیک کر کے ڈرائیور کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کاؤنٹر پر آیا' ہوٹل کے منیجر نے مجھے دیکھ کر حیرانی سے پوچھا "یہ آپ کو کیا ہوا ہے؟"

"بس کیا کہوں...... اچانک میری بینائی چلی گئی ہے میں یہاں سے جا رہا ہوں۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا "یہ اچانک بینائی کیسے چلی گئی؟"

"اگر مجھے یہ معلوم ہوتا تو میں جانے والی بینائی کو واپس لے آتا۔ میں کسی آئی اسپیشلسٹ سے ملنے اسلام آباد جا رہا ہوں۔"

میں نے وہاں کا بل ادا کیا' پھر ڈرائیور کے ساتھ آ کر کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا نمرہ یقین اور بے یقینی کے درمیان الجھی ہوئی تھی۔ میں نے تمام طلبہ و طالبات کو وہی واقعہ سنایا تھا جو اس کے ساتھ کمرے میں پیش آیا تھا۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ میں اسے بے وقوف بنا رہا ہوں۔ میری یہ حقیقت اس کے سامنے تھی کہ اس نے پتھر اٹھا کر میری طرف پھینکا تھا اور میں ٹس سے مس نہیں ہوا تھا اس کے بعد ایک لڑکے نے چاقو سے اچانک حملہ کیا تھا کوئی بھی آنکھ والا ایسے حملے کے وقت بے اختیار بچنے کی کوشش کرتا ہے جب کہ ایسے وقت میں انجان بنا بیٹھا رہا تھا۔

وہ جس قدر سوچ رہی تھی اسی قدر الجھ رہی تھی۔ شام کو گروپ کے ساتھ واپس ہوٹل آئی اپنے کمرے کی طرف جانے سے پہلے دل میں سوچا "میں کاؤنٹر کلرک یا منیجر سے کچھ معلوم کر سکتی ہوں۔"

وہ تیزی سے چلتی ہوئی ہوٹل کے کاؤنٹر پر آئی۔ پھر منیجر سے بولی "ایکسکیوزمی کمرہ نمبر ٹو زیرو سیون میں مقدر حیات ہیں؟"

وہ بولا "ہیں نہیں تھے...... وہ جا چکے ہیں۔"

نمرہ کو ہلکا سا شاک پہنچا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میں اچانک وہاں سے جا سکتا ہوں۔ اس نے پھر منیجر سے پوچھا "کیا آپ یہ بتا سکتے ہیں کہ وہ کہاں گئے ہوں گے؟"

"کسی آئی اسپیشلسٹ سے ملنے اسلام آباد گئے ہیں۔"

"آئی اسپیشلسٹ......؟"

"ہاں ان کے ساتھ ٹریجڈی ہو گئی ہے۔ جب یہاں آئے تو اچھے بھلے تھے پھر پتا نہیں اچانک کیسے ان کی بینائی چلی گئی؟ وہ اندھے ہو چکے ہیں۔"

وہ بے چین سی ہو گئی اس نے پوچھا "کیا آپ یقین سے کہتے ہیں کہ وہ سچ مچ اندھے ہو گئے ہیں؟"

منیجر نے عینک کو ناک پر درست کرتے ہوئے کہا "ایک تو خود انہوں نے اپنی زبان سے یہ بات کہی ہے پھر وہ ڈرائیور

کے سہارے یہاں سے گئے ہیں۔ وہ کوئی اداکار یا مسخرے تو نہیں تھے کہ ہمیں ہنسانے یا الو بنانے کے لیے یہاں سے اندھے بن کر جائیں گے۔"

نمرہ نے ایک گہری سانس لی' پہلی بار میرے لیے ہمدردی سے زیرِ لب کہا" بے چارہ......"

اب اسے یقین ہو رہا تھا کہ میں واقعی اندھا ہو چکا ہوں وہ بوجھل قدموں سے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آئی۔ دروازے کو اندر سے بند کیا۔ باتھ روم کا دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ اس نے تصور میں خود کو وہاں دیکھا وہ اپنے بدن پر تولیے کو صحیح کر رہی تھی اور اس کے سامنے میں کھڑا ہوا تھا۔ اب یہ خیال پیدا ہوا کہ میں اندھا ہو چکا ہوں لیکن اندھا ہونے سے پہلے اسے جی بھر کر دیکھ چکا ہوں یہ بات ایسی تھی کہ وہ بے اختیار شرمانے لگی' پریشان ہونے لگی۔

اسے تصور کی آنکھ سے میں نظر آ رہا تھا۔ وہ پہلی بار لاشعوری طور پر میرے قد و قامت اور شکل و صورت کے بارے میں سوچنے لگی توجہ سے یاد کرنے لگی کہ میں کیسا ہوں؟ اور کیسا نظر آتا ہوں؟

اسے پھر یاد آیا کہ اس کے گروپ کی کتنی ہی لڑکیاں مجھ پر مرمٹی تھیں۔ میرے وہاں سے جانے کے بعد بھی انہوں نے مجھے ہی موضوعِ گفتگو بنا رکھا تھا۔

اس نے اٹیچی کیس میں سے ایک لباس نکالا پھر اسے پہن کر تھکے ہوئے انداز میں بیڈ پر لیٹ گئی لیٹتے وقت تکیے کے نیچے سے لفافے کا کونا نظر آیا تجسس پیدا ہوا کہ تکیے کے نیچے کیا چیز ہے؟ اس نے سر اٹھا کر اسے کھینچا۔ وہ ایک بڑا اور پھولا ہوا لفافہ تھا لگتا تھا جیسے اس کے اندر بہت کچھ بھرا ہوا ہے۔

لفافے پر لکھا ہوا تھا" گفٹ فور نمرہ......"

وہ فوراً ہی اٹھ کر بیٹھ گئی' اسے دونوں ہاتھوں میں لے کر سوچنے لگی" یہ یہاں کیسے آیا ہے؟ میں تو دروازے کو لاک کر کے گئی تھی۔ کمرے کی چابی بھی میرے پاس تھی۔ میں نے چابی کاؤنٹر پر بھی جمع نہیں کی تھی۔ میری غیر موجودگی میں یہاں کوئی نہیں آ سکتا تھا پھر یہ لفافہ کیسے آ گیا؟"

اس نے لفافے کو چاک کیا تو اندر سے اس کی اپنی ہی تصاویر نکلنے لگیں اس نے تمام تصویروں کو نکالا جو تقریباً تیس عدد تھیں۔ وہ ایک ایک تصویر کو حیرانی سے دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ یہ کس نے اتاری ہیں؟ اور کب اتاری ہیں؟

ان میں سے ایک تصویر کہہ رہی تھی کہ وہ لاہور کے ایک خوبصورت سے پارک میں پھولوں کے درمیان بیٹھی ہوئی ہے اور خلا میں تک رہی ہے' مسکرا رہی ہے بہت ہی خوبصورت تصویر تھی۔

دوسری تصویر نے دکھایا کہ وہ شالیمار باغ میں ایک محرابی ستون کے سہارے انگڑائی کے انداز میں ہاتھ کر کھڑی ہوئی تھی پورا جسم کمان کی طرح کھنچ گیا تھا۔ ا انگ پکار رہا تھا کہ آؤ اور مجھے کیمرے کی آنکھ میں محفوظ کر اور کسی نے اسے محفوظ کر لیا تھا۔

وہ ایک تصویر دیکھ کر حیران ہو گئی کہ وہ اپنے بیڈ پر سو ہے دوپٹا اس سے دور پڑا ہوا ہے سانسوں کی سینہ زوری ا پورے عروج پر تھی۔

اس کے بیڈ روم میں چھ مختلف تصاویر مختلف زاویوں کھینچی گئی تھیں پتا نہیں وہ تصویریں کب کھینچی گئی تھیں۔ حیر اس بات کی تھی کہ کون اس کے بیڈ روم میں آیا ہوگا؟ جب دروازہ اندر سے بند ہوتا ہے۔

پھر اسے یاد آیا کہ اس سے خود بھی بھول چوک ہوتی ر ہے آج بھی دروازہ کھلا رہ گیا تھا اور وہ نہانے چلی گئی تھی' ا میں ہی وہ مقدر حیات اس کے کمرے کو اپنا کمرہ سمجھ کر چلا تھا۔

اسی طرح کسی رات وہ اپنے بیڈ روم کا دروازہ کرنا بھول گئی ہوگی۔ وہ تصویر اتارنے والا بے باکی سے وہا آ گیا ہوگا اور بڑے آرام سے تصویریں اتارتا رہا ہوگا۔ وہ سوچ کر حیران ہو رہی تھی کہ تصویر اتارتے وقت فلیش لائ بجلی کی طرح کوندتی ہے ایسے وقت اس کی آنکھ کیوں نہیں کھل وہ مدہوش کیوں رہی؟

باقی تصاویر آؤٹ ڈور دن کی روشنی میں اتاری گئی تھ ایک تصویر میں اس کی آنکھوں کا بگ کلوز اپ تھا وہ ہرنی جی آنکھیں بڑی مخمور تھیں جیسے میخانے کھل گئے ہوں اور شرا چھلک رہی ہو۔

ایک تصویر میں اس کی ستواں ناک سر پُرغرور کی طر اٹھی ہوئی تھی اور کہہ رہی تھی کہ وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتی بڑی ناک والی ہے۔

اس نے تصویروں کو دھڑکتے ہوئے سینے سے لگا سوچا" یہ سب کیسے ہوا؟ اتنی ساری تصادیر اتاری گئیں اور م بے خبر کیسے رہی؟ کیا کوئی جادوگر ہے جو مجھے ہوش سے بیگا کرتا رہا؟

اس دن دل کو دھڑکانے والی دو وارداتیں اس کے ساتھ ہوئی تھیں ایک تو یہ کہ میں نے اسے بے لباس دیکھا اور بڑی حد تک یہ یقین دلا چکا تھا کہ اس کے بعد ہی میں اند ہو چکا ہوں اگرچہ یہ یقین کرنے والی بات نہیں تھی۔ اس کے

باوجود میرے اندھے پن کے کئی ثبوت اور گواہ تھے۔

اور دوسری عجیب واردات یہ ہوئی تھی کہ کسی بازی گر نے بے خبری میں اس کی اتنی ساری تصادیر اتاری تھیں۔

اس روز اس کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ اسے خواب و خیال میں بھٹکانے کے لیے کافی تھا۔ اب وہ دھڑکتے ہوئے دل سے سوچ رہی تھی کہ کوئی میرا چاہنے والا ہے جو مجھے چھپ چھپ کر دیکھتا ہے اور میرے ہر انداز کو کیمرے میں محفوظ کرتا ہے۔ وہ کتنے پُراسرار طریقے سے پیار کی ابتدا کر رہا ہے۔

اس کے دل نے پکارا" کون ہو تم؟ اسرار کے پردے میں نہ رہو اتنے پُراسرار بنو گے تو میں تجسس کے مارے مر ہی جاؤں گی خدارا' آ جاؤ"

فون کی گھنٹی سنائی دی' وہ فوراً اٹھ کر تیزی سے چلتی ہوئی فون کے قریب آئی پھر کرسی پر بیٹھ کر ریسیور اٹھا کر کان سے لگا کر کہا" ہیلو؟"

میری آواز سن کر اس کے اندر شناسائی کی ایک لہر اٹھی میں بولا" میں بول رہا ہوں اپنا نام نہیں بتاؤں گا تمہارے اندر میری شناسائی چھپی ہوئی ہے۔"

"ہاں میں نے پہچان لیا ہے تم مقدر حیات ہو' اتنی جلدی بھولنے کی عادت نہیں ہے۔ ابھی تو ہماری ملاقات ہوئی تھی۔"

"نہیں ملاقات نہیں ہوئی تھی......سامنا ہوا تھا۔ اور بڑے غضب کا سامنا ہوا تھا۔"

اسے چپ لگ گئی۔ دل تیزی سے دھڑکنے لگا ساری باتیں یاد آنے لگیں۔ میں بولا" تمہیں یقین نہیں آ رہا ہے کہ تمہیں دیکھنے کے بعد اب میں کسی کا بھی جلوہ نہیں دیکھوں گا' اس وقت اسلام آباد میں ایک آنکھوں کے اسپتال میں ہوں۔ ایک بیڈ پر لیٹا ہوا ہوں میری آنکھوں کا معائنہ ہو چکا ہے ڈاکٹر کہہ رہے ہیں کہ خرابی کوئی نہیں ہے میری بینائی واپس آ سکتی ہے لیکن میں سوچ رہا ہوں کہ بینائی واپس نہیں آنی چاہیے۔ میری آنکھوں میں اندھیرا رہنا چاہیے یہ اندھیرا بہت مہربان ہے یہاں صرف تم ہی تم نظر آتی ہو۔ بینائی ملتے ہی ساری دنیا دکھائی دینے لگے گی پھر میں تمہارے نظارے سے محروم ہو جاؤں گا۔"

"کیوں فضول باتیں کرتے ہو؟ ڈاکٹر جب کہتے ہیں کہ تمہاری آنکھوں کا علاج ہو سکتا ہے بینائی واپس آ سکتی ہے تو اسے آنے دو' کیا اندھا رہنا چاہتے ہو؟"

"میں نہیں جانتا کہ تمہیں پا سکوں گا یا نہیں۔ اگر نہ پا سکا تو اندھی آنکھوں سے آخری سانس تک تمہیں دیکھتا رہوں گا' اور اگر یہ امید ہو جائے کہ تمہیں پا سکتا ہوں تو پھر میں اپنی آنکھوں کا علاج کراؤں گا۔"

"پلیز......ایسی باتیں نہ کرو میں اس بات کی قائل نہیں ہوں کہ پہلی ہی ملاقات میں محبت ہو جاتی ہے۔ لیلیٰ مجنوں اور ہیر رانجھا کا زمانہ گزر چکا ہے ہم اکیسویں صدی میں سانس لے رہے ہیں مجھے ایسے جیون ساتھی کی تمنا ہے جو صرف میرا مستقبل ہی شاندار نہ بنائے بلکہ اس صدی میں ایک نیا مقام حاصل کرے' اور انسانی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے۔"

میں نے دل میں کہا" میں تو اس دنیا میں پیدا ہوا تھا پہلے انسان کے ساتھ......اور اس دنیا کے آخری انسان کے ساتھ جیتا جاگتا رہوں گا صرف اکیسویں صدی ہی نہیں ہر صدی میں میرا نام اور کام جاری رہے گا۔"

"تم جیسے جیون ساتھی کی تمنا کر رہی ہو ویسے تو بہت مشکل سے ملتے ہیں میرا تعلق جہاں تک ہے' یہ تو میں یقین سے کہتا ہوں کہ تمہارا مستقبل شاندار بناؤں گا' اور رہی یہ بات کہ موجودہ صدی میں مجھے کوئی نمایاں مقام حاصل کرنا ہے تو میں تمہارے مشورے کے مطابق عمل کروں گا۔ دیکھوں گا کہ کس طرح نمایاں مقام حاصل کر سکتا ہوں۔"

"ابھی تو میں تمہیں دیکھوں گی' سوچوں گی' پرکھوں گی' پھر کوئی فیصلہ کروں گی۔

"بس تمہارا اتنا کہنا ہی کافی ہے تمہاری باتیں مجھے امید دلا رہی ہیں کہ میں تمہیں جیت سکتا ہوں۔"

"آج میری زندگی میں دو انوکھی باتیں ہوئی ہیں ایک تو یہ کہ تم مجھے دیکھتے ہی اندھے ہو گئے چونکہ ثبوت اور گواہ بھی ہیں اس لیے یقین کر رہی ہوں۔"

"اور دوسری انوکھی بات؟"

"مجھے اپنے تکیے کے نیچے سے ایک بڑا سا لفافہ ملا ہے' اس میں میری ڈھیر ساری تصویریں ہیں۔ اب یہ بات میری سمجھ میں آ رہی ہے کہ یہ لفافہ تم نے ہی یہاں رکھا ہے کیوں کہ آج تم ہی میرے کمرے میں آئے تھے' دیکھو جھوٹ نہ بولنا۔"

"کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے......ہاں ......وہ تمام تصادیر میں نے ہی اتاری ہیں۔"

اس نے ایک گہری سانس بھری پھر کہا" مائی گاڈ! اس کا مطلب یہ ہے کہ تم مجھے بہت پہلے سے جانتے ہو؟ اور جگہ جگہ میرا پیچھا کرتے رہے ہو؟ جلدی سے بتاؤ کہ تم میرے بیڈ روم میں کیسے گھس آئے تھے؟"

"جیسے آج تمہارے کمرے میں چلا آیا تھا تمہیں بھولنے کی عادت ہے تم دروازے کو لاک کرنا بھول گئی تھیں۔"

"تم کیسے بدمعاش ہو' ایک لڑکی کی خواب گاہ میں آتے

ہوئے شرم نہیں آئی۔ تصویریں بتا رہی تھیں کہ میں کیسے کیسے انداز میں بے ترتیبی سے سو رہی تھی' تم نے چوروں کی طرح میرے بیڈ روم میں آ کر میری توہین کی ہے۔‘‘

’’پلیز...... مجھے غلط نہ سمجھو۔‘‘

’’غلط نہ سمجھوں؟ ارے تم تو غلط ہی غلط ہو۔ آج تم نے میرے کمرے میں آ کر مجھے ایسی حالت میں دیکھا ہے کہ سوچ کر ہی شرم سے پانی پانی ہو رہی ہوں۔ اس رات میرے کمرے میں تصویریں اتارنے آئے تو پتا نہیں مجھے کس کس انداز سے دیکھتے رہے؟ یہ سراسر بدمعاشی ہے خبردار! آئندہ مجھے فون پر مخاطب نہ کرنا۔‘‘

اس نے فون بند کر دیا۔ میں نے بھی مسکرا کر اپنا فون بند کر دیا ’’اری جانِ حیات! کہاں جائے گی تو......؟ کیوپڈ نے تیر چلا دیا ہے وہ تیر تیرے سینے میں ترازو ہو چکا ہے۔ اب اس سینے میں دل صرف میرے لیے ہی دھڑکے گا دھڑکن ......دھڑکن...... مقدر...... مقدر دھڑکن دھڑکن مقدر مقدر۔‘‘

☆☆☆

وہ سب ڈرائنگ روم میں آ گئے تھے قاضی صاحب نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا ’’اخلاق احمد صاحب! آٹھ بج گئے ہیں مجھے ایک جگہ اور نکاح پڑھانے جانا ہے لہٰذا مجھے اجازت دیں۔‘‘

عینی اور عروج نے پریشان ہو کر قاضی صاحب کو دیکھا۔ عروج بولی ’’پلیز قاضی صاحب! تھوڑا اور انتظار کر لیں پاشا سے فون پر ابھی رابطہ ہو جائے گا۔‘‘

وہ بولے ’’بیٹی! میرا وہاں جانا ضروری ہے وہاں بھی دولہا اور دلہن کے گھر والے میرے انتظار میں ہوں گے میں ابھی جا رہا ہوں ایک گھنٹے بعد واپس یہاں آ جاؤں گا۔‘‘

عروج بولی ’’ٹھیک ہے...... آپ کو بھی اپنا فرض ادا کرنا ہے آپ میرے ساتھ چلیں میں اپنی گاڑی دیتی ہوں میرا ڈرائیور آپ کو وہاں لے جائے گا پھر نکاح پڑھانے کے بعد اسی گاڑی میں واپس لے آئے گا۔‘‘

عروج قاضی صاحب کے ساتھ باہر جانا چاہتی تھی بابر نے اٹھ کر کہا ’’تم یہاں ٹھہرو' میں ڈرائیور سے کہتا ہوں وہ انہیں لے جائے اور پھر واپس لے آئے۔‘‘

بابر قاضی صاحب کے ساتھ باہر چلا گیا۔ بیگم آفتاب نے عروج اور عینی کو طنزیہ انداز میں دیکھتے ہوئے کہا ’’ہم تو دعائیں مانگ رہے تھے کہ آج عینی کی خوشیاں پوری ہو جائیں گی تو ہم کل شادی کی خوشی دھوم دھام سے منائیں گے دور و نزدیک کے رشتہ داروں کو مدعو کریں گے۔‘‘

ایک رشتہ دار خاتون نے کہا ’’یہ کیسا دولہا ہے جس کا کوئی پتا ٹھکانہ نہیں ہے اس کے کوئی دوسرے رشتہ دار تو ہوں گے؟‘‘

فلک آفتاب نے کہا ’’اس کا کوئی رشتہ دار نہیں ہے وہ بالکل تنہا ہے۔‘‘

ایک بوڑھی خاتون نے کہا ’’میاں تم نے کیا دیکھ کر لڑکا پسند کیا ہے؟ نہ کوئی آگے، نہ پیچھے اگر شادی کے بعد وہ کہیں بھاگ جائے تو اسے کہیں سے ڈھونڈ کر بھی نہیں لایا جا سکے گا۔‘‘

ایک خاتون نے ہنستے ہوئے کہا ’’بڑی اماں آپ کا بھی جواب نہیں ہے آپ شادی کے بعد کی بات کر رہی ہیں وہ تو شادی سے پہلے ہی بھاگ گیا ہے۔‘‘

اس بات پر سب ہی ہنسنے لگے۔ ذیشان نے گرج کر کہا ’’خاموش ہو جائیں' خدا کے لیے خاموش ہو جائیں۔ آپ لوگوں کو کس بات پر ہنسی آ رہی ہے؟ کیا اس بات پر کہ میری بہن کا ہونے والا دولہا کسی مصیبت میں مبتلا ہو گیا ہے؟‘‘

سب کو چپ لگ گئی۔ اس نے کہا ’’اگر وہ اب تک نہیں آیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ فرار ہو گیا ہے۔ کیا اتنی سی بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ کسی وجہ سے مجبور ہو گیا ہے؟‘‘

ایک بزرگ رشتہ دار نے کہا ’’بے شک وہ مجبور ہو گیا ہو گا لیکن فون یا کسی دوست و رشتہ دار کے ذریعے خبر تو بھیج سکتا ہے کہ اسے دیر کیوں ہو رہی ہے؟‘‘

ذیشان بولا ’’آپ پاشا کے حالات سے واقف نہیں ہیں۔ میں پولیس افسر ہوں جانتا ہوں کہ اس کے پیچھے دشمن لگے ہوئے ہیں اور دشمنی صرف عینی کی وجہ سے ہو رہی ہے وہ پاشا عینی کا محافظ ہے۔ دشمن یہ نہیں چاہتے کہ وہ ساری زندگی کے لیے اس کا محافظ بن جائے۔

عینی اور عروج بڑے پیار سے ذیشان کو دیکھ رہی تھیں۔ آج دوپہر تک وہ ان کا مخالف تھا شادی کی بھی مخالفت کر رہا تھا اور عروج کا بھی دشمن بنا ہوا تھا۔ اب اچانک ہی اس کا مزاج بدل گیا تھا۔ عینی اور عروج کی حمایت میں بول رہا تھا اور دوپہر تک جس دردانہ کا حامی تھا اب اس کے خلاف بول رہا تھا۔

ایک خاتون نے کہا ’’یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کسی نے عینی کے خلاف ہونے والے دولہا کے کان بھر دیے ہوں اور وہ شادی سے پہلے ہی دلہن سے بدظن ہو گیا ہو۔‘‘

عروج ناگواری سے بولی ’’آپ بے تکی باتیں کر رہی ہیں عینی کی قریبی رشتے دار ہو کر جب ایسا کہہ رہی ہیں تو پھر

دشمن کیا کہیں گے؟ کیا آپ اسے بچپن سے نہیں جانتی ہیں؟ کیا آپ اس کا کوئی عیب بتا سکتی ہیں؟‘‘

دوسری خاتون نے کہا ’’ہماری عینی میں کوئی عیب نہیں ہے لیکن لڑکا بدک گیا ہے اسے شادی سے انکار ہے اسی لیے وہ نہیں آ رہا ہے۔‘‘

ذیشان بولا ’’آپ لوگ ذرا عقل سے سوچیں عینی کتنی دولت مند ہے' اتنی کہ اس کے آگے پیچھے رشتے والے دوڑتے ہی رہتے ہیں خدا نہ کرے کہ اس میں کوئی عیب ہو لیکن اس میں سو عیب ہوتے تب بھی اس سے شادی کرنے کے لیے سب ہی قدموں میں گرتے رہتے۔ یہ بیئرر چیک ہے کروڑوں روپے کے ڈھیر پر بیٹھی ہوئی ہے جسے چاہے اپنے قدموں میں جھکا سکتی ہے۔‘‘

اس نے ایک ذرا توقف سے کہا ’’میں جانتا ہوں کہ پاشا دولت کا لالچی نہیں ہے۔ وہ عینی کو دل سے چاہتا ہے۔ وہ دغا نہیں دے گا۔ بے وجہ کہیں چھپ کر بے وفائی نہیں کرے گا۔ اس لیے آپ سب کو یہ یقین کر لینا چاہئے کہ وہ کسی مصیبت میں پھنس گیا ہے۔‘‘

پھر اس نے ایک ایک کی طرف انگلی اٹھا کر کہا ’’اور اگر کسی کو یقین نہیں ہے اور یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ میری بہن کو چھوڑ کر بھاگ گیا ہے اور میری بہن کی توہین کر رہا ہے تو پلیز...... ابھی اسی وقت آپ لوگ یہاں سے چلے جائیں۔ ہمیں بے وجہ کیچڑ اچھالنے والوں کی رشتے داری منظور نہیں ہے۔‘‘

ایک بزرگ نے کہا ’’میاں...... تم تو بچپن سے ہی غصہ ور ہو' پولیس افسر بننے کے بعد دماغ کچھ اور زیادہ گرم ہو گیا ہے۔ عینی ہماری بھی بیٹی ہے ہم بھلا اس کا مذاق کیوں اڑائیں گے؟ بس یہ ہے کہ ہم اس نوجوان پاشا کے بارے میں کچھ نہیں جانتے اس لیے اس کے بارے میں غلط بول رہے تھے، اب تم نے اس کے بارے میں وضاحت کی ہے تو ہماری سمجھ میں آیا ہے کہ واقعی وہ کسی وجہ سے مجبور ہو گا۔ اس لیے نہیں آ رہا ہے۔‘‘

ایک بوڑھی خاتون نے کہا ’’سوال تو یہ پیدا ہو رہا ہے کہ وہ نہیں آئے گا تو کیا ہو گا؟ اس کا کب تک انتظار کیا جائے گا؟‘‘

’’ہم تو اس کا انتظار کرتے رہیں گے آج بھی کل بھی اور اس کی خیریت معلوم ہونے تک نجانے کب تک انتظار کرتے رہیں گے لیکن رات کے کھانے کا وقت ہو چکا ہے آپ لوگ کھانا کھا لیں اور رخصت ہو جائیں۔ پاشا آئے گا تو نکاح پڑھا دیا جائے گا شادی کی خوشیاں دوسرے دن منائیں گے۔ ہم ان خوشیوں میں آپ کو بھی بلوائیں گے۔‘‘

تمام مہمان کھانے کے لیے ڈائننگ روم کی طرف چلے گئے' فلک ناز اور بیگم آفتاب بھی ان کی میزبانی کے لیے وہاں سے اٹھ کر چلی گئیں۔ عینی نے ذیشان سے کہا ’’بھائی جان! میرا تو دل ڈوب رہا ہے۔ اگر آپ کی حمایت نہ ہوتی تو میں اندر سے ٹوٹ ہی جاتی۔ پتا نہیں...... پاشا کہاں گم ہو گئے ہیں؟ کیا آپ کسی طرح انہیں تلاش نہیں کر سکتے؟‘‘

’’میں ابھی یہی کرنے والا ہوں۔‘‘

اس نے موبائل فون پر نمبر ملائے پھر رابطہ ہونے پر کہا ’’دردانہ بیگم! میں ذیشان بول رہا ہوں۔‘‘

دردانہ نے پوچھا ’’میری یاد کیسے آ گئی؟ کیا عینی کا نکاح ہو چکا ہے؟‘‘

’’دردانہ بیگم! انجان نہ بنو یہ تم بہت برا کر رہی ہو۔‘‘

’’تم کہنا کیا چاہتے ہو؟ میں نے کیا برائی کی ہے؟‘‘

’’پاشا کہاں ہے......؟‘‘

وہ حیرانی سے بولی ’’پاشا......؟ کیا وہ شادی کے لیے وہاں نہیں پہنچا ہے؟‘‘

’’اتنی معصومیت سے انجان بن کر نہ پوچھو۔ میں تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں۔‘‘

’’تم بکواس کر رہے ہو تمہارا خیال ہے میں نے اسے اغوا کروایا ہے یا ہمیشہ کے لیے ختم کروا دیا ہے؟ تمہارے ایسا کہنے سے میں مجرم نہیں کہلاؤں گی۔‘‘

’’دیکھو! میں تم سے بحث نہیں کروں گا' مجھ سے سمجھوتہ کرو میں ہر قیمت پر پاشا کی واپسی چاہتا ہوں۔‘‘

’’تم یقین کرو یا نہ کرو پاشا میں اب نہ میری کوئی دلچسپی ہے اور نہ ہی میں نے اسے اغوا کروایا ہے۔‘‘

’’تمہیں اس سے بہت گہری دلچسپی ہے تم نہیں چاہتیں کہ تمہاری سوتیلی بیٹی عینی کا گھر آباد ہو۔ آج ہی تمہارے آدمیوں نے پاشا پر گولیاں چلائی تھیں' اور تمہاری ہدایت کے مطابق اس سے کہا تھا کہ پولیس والے اس پر حملہ کر رہے ہیں۔ اگر اس کو خدانخواستہ کچھ ہو جائے گا تو پولیس والوں پر اور خاص طور پر مجھ پر شبہ کیا جائے گا۔‘‘

’’میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں میرے آدمیوں نے پاشا پر گولیاں نہیں چلائی تھیں۔‘‘

’’تم اس حقیقت سے بھی انکار کرو گی کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے تمہارے آدمیوں نے حشمت پر بھی گولیاں چلائی تھیں؟ وہ دہشت کے مارے اپنے گھر میں چھپا ہوا ہے۔‘‘

"تم مجھ پر اور ایسے دس طرح کے الزام عائد کرسکتے ہو' مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوگا اور نہ ہی میرا کچھ بگاڑ سکو گے۔"

"تم جو کھیل کھیل رہی ہو۔ اسے میں اچھی طرح سمجھ رہا ہوں ایسی حرکتوں سے تم یہ ثابت کرنا چاہتی ہو کہ میں کوئی جنونی افسر ہوں' عدالت کے فیصلوں کے خلاف مجرموں کو سزا دیتا ہوں۔ تمہارے بیٹے کو اوپر والوں کے حکم سے رہا کیا گیا تھا پھر بعد میں وہ مارا گیا۔ تم مجھے اس کی موت کا ذمہ دار ٹھہراؤ گی تم نے حشمت کو ضمانت پر رہا کروایا ہے تم چاہتی ہو کہ میں جنون میں مبتلا ہو کر اسے بھی مار ڈالوں اور اگر میں ایسا نہ کروں تو تم اسے مار ڈالو اور اس کی موت کا الزام بھی مجھ پر عائد کرو۔"

اس نے قہقہہ لگایا۔ پھر کہا "تم اس وقت انگاروں پر لوٹ رہے ہو' چیخ رہے ہو' مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے...... اوکے...... سو فار......"

اس نے رابطہ ختم کردیا ذیشان نے اپنے فون کو دیکھا۔ اس کا پُر اعتماد قہقہہ بتا رہا تھا کہ وہ جو بھی منصوبہ بنا چکی ہے اس پر عمل ضرور کرے گی۔ سید تراب علی اور اس کی بیگم دونوں ہی وہاں موجود تھے پریشان ہو کر ذیشان کی باتیں سن رہے تھے۔ بیگم نے گھبرا کر پوچھا "ذیشان! یہ تم کیا کہہ رہے تھے؟ کیا دردانہ نے میرے بیٹے کو اسی لیے ضمانت پر رہا کروایا ہے؟ کیا وہ میرے بیٹے کی جان لینا چاہتی ہے؟"

"جی ہاں...... آپ نہیں جانتیں کہ وہ کتنی مکار عورت ہے۔ آپ کو اتنا تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ آپ کی کوئی سگی رشتے دار نہیں ہے اس نے کبھی آپ سے ہمدردی نہیں کی پھر اچانک اتنی ہمدرد اور محبت کرنے والی کیسے بن گئی؟ آپ کے بیٹے کو اس نے ضمانت پر رہا کروایا اور آپ نے ہم سے یہ بات چھپائی۔"

تراب علی شاہ بولا "بیٹے! دردانہ کے خاص آدمی نے ہمیں سختی سے منع کیا تھا کہ ہم حشمت کی ضمانت کی بات کسی کو نہ بتائیں خاص طور پر دردانہ کا ذکر نہ کریں کہ حشمت کی ضمانت اس نے کروائی ہے۔"

"وہ ہم سب کو آپس میں لڑا رہی ہے اس کی وجہ سے ہی عینی اور عروج مجھ سے بدظن ہو گئیں اور مجھ سے بھی ایک غلطی ہو گئی کہ میں نے پاشا کے خلاف دردانہ کے کہنے پر بھروسا کیا جس کے نتیجے میں آج میری بہن کی شادی رک گئی ہے۔"

تراب علی بولا "اب اس کی چال بازی اچھی طرح سمجھ میں آرہی ہے ادھر اس نے عینی کی شادی روک دی ہے اور پاشا کو کہیں چھپنے پر مجبور کر رہی ہے اور ادھر ہمارے بیٹے پر فائرنگ کروا رہی ہے۔ اب میں اس عورت کو اپنے گھر میں گھسنے نہیں دوں گا۔"

ایک ملازم نے آکر ذیشان سے کہا "پولیس والے حشمت صاحب کو لے کر آئے ہیں۔"

"انہیں اندر بھیج دو۔"

تھوڑی دیر بعد حشمت سر جھکائے ذیشان کے ماتحت کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ بیگم تراب اسے دیکھ کر تیزی سے چلتی ہوئی آکر اس سے لپٹ گئی۔ اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے ٹٹولتے ہوئے بولی "بیٹے یہ کیا ہو رہا ہے؟ دشمن تم پر گولیاں چلا رہے تھے' تم ٹھیک تو ہونا......؟"

"خدا کا شکر ہے میں نے کھڑکی دروازے بند کر دئے تھے ورنہ شائد وہ اندر گھس آتے۔"

پھر اس نے ذیشان کو دیکھتے ہوئے کہا "میں سمجھ رہا تھا کہ ذیشان بھائی مجھ سے دشمنی کر رہے ہیں اور ان کے حکم سے پولیس مجھ پر فائرنگ کر رہی ہے لیکن یہ پولیس والے تو مجھے آپ کے اور ڈیڈی کے پاس لے آئے ہیں۔"

تراب علی نے کہا "ہم سب ہی اس ذلیل عورت کے فریب میں آگئے لیکن اب ہماری آنکھیں کھل جانی چاہئیں اور جہاں تک فریب کھانے کا تعلق ہے تو ذیشان میاں بھی اس سے دھوکا کھا چکے ہیں لیکن جو سب سے شرمناک بات ہے وہ یہ کہ تم نے عینی سے بدترین دشمنی کی ہے۔ تم اسے اندھی کر دینا چاہتے تھے یہ معلوم ہونے کے بعد میں اندر ہی اندر مر رہا ہوں۔"

عروج بولی "یہ بھائی نہیں ہے قصائی ہے۔ اس کے دماغ میں خناس بھرا ہوا ہے یہ میری عینی کے خلاف جیسی حرکتیں کر چکا ہے اس کے بعد میں اسے زندگی بھر کبھی بھائی نہیں کہوں گی۔"

حشمت نے پریشان ہو کر ذیشان کو دیکھا پھر کہا "میری بہن کی نفرت بجا ہے لیکن ذیشان بھائی! آپ نے وعدہ کیا تھا کہ میں سچ بولوں گا اور عینی سے ہونے والی دشمنی سے آپ کو آگاہ کروں گا تو آپ مجھے معاف کر دیں گے۔"

ذیشان نے ہاں کے انداز میں سر ہلا کر کہا "بے شک تم نے عینی سے دشمنی کی لیکن عین وقت پر اسے اپنی دشمنی سے محفوظ رکھا اسے اندھی ہونے سے بچا لیا' اس لیے میں تمہیں معاف کر دوں گا۔"

بیگم تراب نے بیٹے سے کہا "دیکھو! انسان ایسے ہوتے ہیں تمہاری بدترین دشمنی کو بھی معاف کر رہے ہیں تمہیں تو ان کے قدموں میں گر جانا چاہئے۔"

ذیشان بولا "میں نہیں چاہوں گا کہ یہ میرے قدموں

...ں گرے لیکن اسے تحریری بیان دینا ہوگا کہ اس نے اب تک ...نی سے کیسے کیسے دشمنی کی ہے اور اس کی اس دشمنی کے ...نصوبے میں اس کی ہونے والی بیوی لیڈی ڈاکٹر آرزو بھی ...ریک رہی ہے۔ اگر یہ بیان دیتا ہے تو پھر میں بھی معاف کردوں گا اور عینی سے بھی کہوں گا کہ اسے معاف کر دے۔"

تراب علی بولا "دانش مندی تو یہی ہے حشمت! تم یہاں بیٹھ کر تحریری بیان دو۔ ہماری آپس کی دشمنی اور نفرت کو ختم ہو جانا چاہئے۔ ہم متحد رہیں گے تو دردانہ اپنی شرپسندی سے ہمیں نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔"

ذیشان نے لیڈی ڈاکٹر آرزو کو دیکھ کر کہا "صرف حشمت ہی نہیں ڈاکٹر آرزو بھی اپنا بیان لکھیں گی اور جو میں کہوں گا وہی لکھیں گی۔"

آرزو اور حشمت نے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا پھر حشمت بولا "آرزو! ہمیں ذیشان بھائی پر بھروسا کرنا چاہئے یہ ہماری بہت بڑی غلطی کو معاف کر رہے ہیں پھر یہ کہ ہم ان کے سائے میں رہ کر ہی دردانہ جیسی شرپسند عورت سے محفوظ رہ سکیں گے۔"

وہ دونوں تحریری بیان دینے پر راضی ہو گئے۔ کاغذ اور قلم منگوائے گئے۔ آرزو اور حشمت ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔ ذیشان ان سے اپنے طور پر بیان لکھوانے لگا ان سے ذرا فاصلے پر عینی اور عروج بیٹھی ہوئی تھیں۔ دونوں کا دل ڈوب رہا تھا وہ دونوں ہی پاشا کے بارے میں سوچ رہی تھیں کہ آخر وہ کہاں گم ہو گیا ہے؟ ان دونوں کو پاشا پر بھروسا تھا۔ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ پاشا انہیں دھوکا دے گا' چھپ کر رہے گا یا انہیں چھوڑ کر کہیں چلا جائے گا یا دشمن سے گھبرا کر ان کی محبتوں سے باز آجائے گا۔

عینی نے پریشان ہو کر عروج کو دیکھا پھر آہستگی سے پوچھا "وہ کہاں ہوگا؟ کس حال میں ہوگا؟"

وہ ایک گہری سانس بھر کر بولی "وہ تمہارا رہ کر اچھی بھلی زندگی گزار رہا تھا ہمارا پیار اس کے لیے عذاب بن گیا ہے۔"

"میری دولت مجھے بدنصیب بنا رہی ہے اور مجھ سے محبت کرنے والوں کو مجھ سے دور کر رہی ہے۔ اگر یہی شادی آج تجھ سے ہوتی تو اب تک نکاح پڑھوایا جا چکا ہوتا۔ کوئی دشمنی نہیں کرتا۔"

"ہماری دنیا میں نہ غریب کو سکون اور نہ ہی امیر کو۔ کسی غریب لڑکی سے اس لیے دشمنی اور زیادتی کی جاتی ہے کہ وہ کمزور ہوتی ہے' اور کسی امیر زادی سے اس کی دولت چھین لینے کی خاطر چالیں چلی جاتی ہیں۔

عینی روتے ہوئے عروج کے گلے لگ گئی۔ پاشا صرف عینی کا ہی نہیں عروج کا بھی محبوب تھا۔ پہلے محبت عروج سے ہی ہوئی تھی وہ بہت محتاط رہتی تھی کھل کر محبت کا اظہار نہیں کرتی تھی۔ اظہار کرنے یا نہ کرنے سے کیا ہوتا؟ وہ شخص تو اس کے اندر آسن جما کر بیٹھ گیا تھا۔ اب اس کے دل میں کوئی دوسرا آکر بیٹھنے والا نہیں تھا۔

اسے بھی عینی کی طرح رونا چاہئے تھا مگر وہ خود کو سمجھا رہی تھی صبر کر رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ اگر روئی تو عینی اور زیادہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے گی۔

اس نے عینی کو دونوں بانہوں میں بھینچ لیا۔ ان لمحات میں وہ پاشا کے پیار کو سمیٹ رہی تھی۔

کچن' ڈائننگ روم اور دوسرے کمروں میں مہمان مرد و خواتین کھانے میں مصروف تھے۔ فلک ناز اور بیگم آفتاب میزبانی کے فرائض انجام دے رہی تھیں۔ ملازم ہر جگہ کھانے پینے کی اشیا پہنچا رہے تھے اور وہ دونوں مہمانوں سے باتیں کرتی جا رہی تھیں' گفتگو کا موضوع عینی کی شادی ہی تھی سب ہی رشتے دار خواتین کہہ رہی تھیں کہ یہ شادی اب نہیں ہو سکے گی۔

جن رشتہ داروں کے ہاں جوان بیٹے تھے' وہ ناگواری سے کہہ رہے تھے کہ کیا عینی کو اپنے خاندان کے جوان مرد نظر نہیں آئے اگر ہمارے لڑکوں میں کوئی عیب تھا تو وہ بتاتی۔ ایک تو اسے نظر نہیں آتا اوپر سے لڑکا دیکھ کر پسند کیا تھا جو شادی سے پہلے ہی بھاگ گیا۔

ایک بزرگ خاتون بولیں "اے فلک ناز! تم بھی تو اپنے بیٹے عدنان کے لیے آس لگائے بیٹھی تھیں کیا تم نے عینی کو نہیں سمجھایا؟"

فلک ناز نے کہا "مجھ سے زیادہ تو بھابی جان آس لگائے بیٹھی تھیں اسے اپنی بہو بنانا چاہتی تھیں۔"

بیگم آفتاب نے کہا "جھوٹ تو نہ بولو مجھ سے زیادہ تم اسے بہو بنانے کے چکر میں تھیں۔"

ناز بولی "بھابی جان! آپ کو تو یاد نہیں رہتا میں نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ آپ کا بابر میرے عدنان سے چار برس بڑا ہے' پہلے اس کی شادی ہونی چاہئے اس لیے عینی کو آپ ہی اپنی بہو بنا لیں۔"

"دیکھو ناز! اتنی صفائی سے تو جھوٹ نہ بولو۔ عینی اب ہاتھ سے نکلتی جا رہی ہے تو کیسے مکر رہی ہو جیسے اس سے تمہیں کبھی کوئی لگاؤ نہیں رہا تھا۔ تم تو سائے کی طرح اس کے پیچھے رہتی تھیں۔"

''آپ دس باتیں بنالیں میری تو ایک ہی بات ہے کہ مجھے عینی سے کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ میرے عدنان کے لیے لڑکیوں کی کمی نہیں ہے میں تو اپنی آسرا کی فکر میں تھی' اب جب سے مقدر حیات آیا ہے تب سے اس نے میرے سر کا بوجھ ہی اتار دیا' صاف طور پر کہہ چکا ہے کہ شادی کرے گا تو میری بیٹی آسرا سے۔''

اس بات پر بیگم آفتاب ہنسنے لگی۔ ایک خاتون نے پوچھا ''آپ ہنس کیوں رہی ہیں؟''

بیگم آفتاب نے ناز کی طرف دیکھ کر کہا ''میری نند صاحبہ بہت اونچی اڑتی ہیں لیکن ان کے پاس اونچی اڑان کے لیے پر نہیں ہوتے۔ انہیں تو خبر ہی نہیں ہے کہ مقدر حیات میری نمرہ کو پسند کر چکا ہے۔ پتا ہے اس نے مجھ سے کیا کہا تھا؟''

کئی خواتین اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگیں' وہ بڑے فخر سے بولی ''اس نے فون پر میری آواز سنتے ہی کہا چچی جان! آپ کی آواز تو بالکل میری ممی جیسی ہے' میرا دل تو اتنا بڑا ہو گیا۔ میں نے کہا بیٹے! تم مجھے ممی ہی کہا کرو...... پھر پتا ہے اس نے جواب میں کیا کہا؟''

پھر کئی خواتین اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگیں وہ ایک خاتون سے بولی ''ممانی جان! آپ رک کیوں گئیں کہاتی تو رہیں۔''

ممانی جان نے کہا ''پہلے تم یہ تو بتاؤ کہ مقدر نے تم سے کیا کہا؟''

وہ ہنستی ہوئی بڑے فخر سے بولی ''اس نے کہا چچی جان! اگر میں آپ کو ممی کہوں گا تو آپ میری سگی ممی ہو جائیں گی اور پھر نمرہ میری بہن بن جائے گی جب کہ میں تو نمرہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اس سے بڑی بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ مجھے تو کچھ کہنا ہی نہیں پڑا۔ وہ کھل کر خود ہی سب کچھ کہہ گیا۔''

ممانی جان نے تائید میں سر ہلا کر کہا ''ہاں بھئی...... اس کے بعد کچھ کہنے کے لیے رہ ہی نہیں جاتا۔''

ناز نے چیخ کر کہا ''کہنے کے لیے بہت کچھ رہ جاتا ہے۔ بات کبھی ختم نہیں ہوتی' آگے ہی بڑھتی ہے۔ بھابی جان تو مرچ نمک لگا کر جھوٹ کو بھی سچ بنا دیتی ہیں' انہیں تو اسٹوری رائٹر ہونا چاہیے تھا۔''

ایک بزرگ خاتون نے پوچھا ''کیا اسٹوری رائٹر جھوٹے ہوتے ہیں؟ وہ جھوٹ لکھتے ہیں؟''

''تم کیا جانو کہ وہ جھوٹ بھی لکھتے ہیں تو اس کے پیچھے زندگی کی سچائیاں چھپتی رہتی ہیں پڑھنے والا سمجھنا چاہے تو ان کہانیوں میں اپنا عکس دیکھ سکتا ہے۔''

بیگم آفتاب نے کہا ''ناز نے کبھی کہانیاں پڑھی ہوں تو پڑھ کر سمجھنا آئے گا' یہ تو بس ہواؤں میں اڑتی رہتی ہیں۔ مقدر حیات نے اسے پھوپی جان سمجھ کر دو میٹھی باتیں کی ہوں گی۔ بس اس کے بعد ان کے پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے ہیں۔''

ناز نے کہا ''بھابی جان! زمین تو آپ کے پاؤں سے کھسکنے والی ہے' ساری خوش فہمی ختم ہو جائے گی پتا ہے اس نے فون پر میری آواز سن کر کہا کہ میرا لہجہ بالکل اس کے ڈیڈی کی طرح ہے یعنی میرے بھائی جان جیسا۔ اور کیوں نہ ہو بھائی کی آواز اور لہجہ میری ہی طرح تھا۔''

بیگم آفتاب بولی ''تو پھر تمہیں کہنا چاہیے تھا کہ وہ تمہیں پھوپی جان نہ کہے ڈیڈی کہا کرے۔''

اس بات پر سب ہی مرد و خواتین قہقہے لگانے لگے۔ ناز نے غصے سے تمام ہنسنے والوں کو دیکھا پھر پیر پٹخ کر وہاں سے جانے لگی' دروازے پر رک گئی پھر وہاں سے پلٹ کر چیختے ہوئے بولی ''شٹ اپ آل آف یو۔''

سب ہی ایک دم چپ ہو گئے اس نے ایک ایک کو دیکھ کر کہا ''ایک بات تو سب ہی جانتے ہیں کہ کوئی آنکھیں رکھ کر اندھا نہیں ہوتا۔ اور اندھا ہو کر کسی لڑکی کو ساری زندگی کے لیے پسند نہیں کرتا کیا آپ یہ مانتے ہیں؟''

کتنے ہی مرد اور خواتین نے باری باری کہا ''بے شک ہر آنکھ والا پہلے لڑکی کو دیکھتا ہے' پسند کرتا ہے پھر شادی کے لیے ہاں کرتا ہے۔''

''تو پھر پہلے سے آپ لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ مقدر حیات نے نہ تو میری بیٹی آسرا کو دیکھا ہے اور نہ ہی ان کی بیٹی نمرہ کو ...... مقدر نے اگر ان کی بیٹی نمرہ کے لیے پسندیدگی ظاہر کی ہے تو میری بیٹی کے لیے بھی پسندیدگی ظاہر کی ہے۔ اس نے اس سے بھی آگے بہت کچھ کہا ہے آپ جانتے ہیں کیا کہا ہے؟''

سب اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے' ناز نے کہا ''اس نے صاف لفظوں میں کہا ہے کہ وہ یہاں آ رہا ہے اور چاہتا ہے کہ خاندان کی ہی کسی لڑکی سے شادی کرے اور ہمارے اتنے بڑے خاندان میں صرف میری یا ان کی ہی بیٹی نہیں ہے۔ آپ سب کی جوان بیٹیاں بھی ہیں اور سب ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔''

یہ جوان بیٹیوں کے والدین کو خوش کرنے والی بات تھی۔ سب نے ہی تعریف کہ کی واہ ناز! تم نے کیا بات کہی ہے؟ بے شک جب مقدر حیات نے یہ کہا ہے کہ خاندان کی ہی کسی لڑکی سے شادی کرے گا تو پھر ہم اور ہماری بیٹیاں بھی اس کا استقبال کریں گی۔

ناز نے پوچھا ''اس نے اگر آپ میں سے کسی کی بیٹی کو ...ا تو کیا آپ دوسروں کی بیٹیوں کا مذاق اڑائیں گے؟ ...کے ماں باپ پر ہنسیں گے؟''

''نہیں...... ہرگز نہیں......'' سب نے انکار میں سر ہلایا۔

وہ بولی ''تو پھر آپ سب مجھ پر کیوں ہنس رہے ...؟ مقدر حیات کے آنے کا انتظار کریں کہ وہ کس کی بیٹی کو شریکِ حیات بنائے گا پھر میں دیکھوں گی کہ باقی رہ جانے ...لڑکیوں پر تم میں سے کتنے ہیں جو ہنسیں گے؟''

اس نے یہ کہا اور پلٹ کر چلی گئی۔ ان سب کے سامنے ...شا چھوڑ دیا کہ مقدر حیات ان میں سے کسی کی بیٹی کو بھی ...ر سکتا ہے۔

وہ تمام خواتین بیگم آفتاب کے پیچھے پڑ گئیں کہ جب ...ر حیات یہاں آئے تو اس سے تمام رشتے داروں کو ملوایا ...ے اور اس مقصد کے لیے ایک شاندار دعوت کا بھی اہتمام ...ا جائے۔

بیگم آفتاب نے تو سوچ رکھا تھا کہ مقدر حیات آئے گا تو ...ے کسی کی ہوا لگنے نہیں دے گی' پہلے اپنی بیٹی نمرہ سے رشتہ پکا ...ے گی اس کے بعد رشتہ داروں سے ملوائے گی پھر تو مقدر ...بکنے اور بھٹکنے کا اندیشہ نہیں رہے گا۔ اس نے جم کر فلک ناز ...دل ہی دل میں گالیاں دیں پھر دل میں کہا ''میں جب سے ...ا خاندان میں بیاہ کر آئی ہوں تب سے یہ نند ہر بات ...ا میری کاٹ کرتی آ رہی ہے آج بھی کاٹ کے لیے یہ چال ...ا گئی ہے۔''

تمام رشتے داروں کو یہ کہہ کر بھڑکا دیا ہے کہ مقدر صرف ...دیا آسرا میں دلچسپی نہیں لے رہا ہے وہ تو اس خاندان کی کسی ...ا لڑکی میں دلچسپی لے سکتا ہے۔ پھر اسے جو بھی پسند آئے گی ...اسے اپنی شریکِ حیات بنا سکتا ہے۔

فلک ناز نے سب ہی کی آنکھ میں سہانے خواب سجا دیے ...ر اپنی بھابی کو انگاروں پر لوٹنے کے لیے چھوڑ دیا۔

ادھر ڈرائنگ روم میں ڈاکٹر آرزو اور حشمت نے تحریری ...ن لکھ کر اپنے دستخط کیے۔ ذیشان نے ان کاغذات کو لے کر ...سرسری سے نگاہ ڈالی پھر کہا ''میں تم دونوں کے بیانات کو ...پنے پاس چھپا کر رکھوں گا اور تمہارے خلاف کوئی کارروائی ...نہیں کروں گا یہ میں وعدہ کر چکا ہوں لیکن کبھی میری مزاج کے ...اف کوئی حرکت کرو گے تو پھر میں انتقامی کارروائی کرنے ...ے باز نہیں آؤں گا۔''

بیگم تراب نے کہا ''بیٹے! میں وعدہ کرتی ہوں میرا بیٹا ...بھی ایسی حرکت نہیں کرے گا۔ تمہیں کبھی شکایت کا موقع نہیں دے گا۔''

تراب علی نے ذیشان سے پوچھا ''کیا تم دردانہ کو ایسی حرکتوں سے باز نہیں رکھ سکتے؟''

''میں اسے لگام دینے کی کوشش کروں گا لیکن اس میں دیر لگے گا کیوں کہ وہ بہت ہی خطرناک اور پُراسرار شخص کی پناہ میں ہے وہ شخص بہت ہی وسیع ذرائع کا مالک ہے۔''

''اگر تم اس کے خلاف کارروائی میں دیر کرو گے تو وہ پھر حشمت پر فائرنگ کروا سکتی ہے۔''

''فی الحال تو آپ کے بیٹے کی سلامتی کا ایک ہی راستہ ہے کہ یہ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر اس ملک سے چپ چاپ کہیں چلا جائے جب مجھے دردانہ پر قابو پانے اور بے بس کرنے میں کامیابی ہو گئی تو یہ واپس چلا آئے گا۔''

یہ معقول مشورہ تھا۔ فی الحال حشمت کی سلامتی اسی میں تھی کہ وہ اچانک کہیں گم ہو جائے شہباز درانی کے آدمی بھی اسے تلاش نہ کر سکیں۔ ابھی ذیشان، حشمت اور تراب علی وغیرہ شہباز درانی کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے لیکن اتنا سمجھ گئے تھے کہ دردانہ کے پیچھے کوئی زبردست قوت ہے جس سے وہ اتنی بااثر ہو گئی ہے کہ حشمت کی ضمانت حاصل کر لیتی ہے کبھی پاشا اور کبھی حشمت پر فائرنگ کرواتی ہے اور اس کے خلاف کوئی پولیس کارروائی نہیں ہوتا۔

ذیشان کے لیے یہ ضروری تھا کہ ایسی مکار عورت سے نمٹنے سے پہلے حشمت کو اس کی پہنچ سے بہت دور کر دے حشمت نے کہا ''آپ میری سلامتی کے لیے بہترین مشورہ دے رہے ہیں۔ میں گھر جاتے ہی اس پر عمل کروں گا۔ لندن۔ پیرس اور فرینکفرٹ میں ہمارے رشتے دار اور دوست احباب ہیں میں وہاں کسی کے پاس چلا جاؤں گا۔''

پھر وہ ڈاکٹر آرزو اور اپنے والدین کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔ ڈرائنگ روم میں صرف سائیں اور عروج رہ گئی تھیں۔ وہ عینی سے بولا ''میں تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔ بس مجھے پاشا کا انتظار ہے ایک بار اس سے فون پر رابطہ ہو جائے تو میں تمہاری مشکل آسان کر دوں گا۔''

عینی نے پوچھا ''آپ کس طرح میری مشکل آسان کریں گے؟ وہ سوتیلی ماں تو پاشا کے پیچھے پڑ گئی ہے اسے اتنی سہولت بھی حاصل نہیں ہو رہی ہے کہ وہ ہم سے فون کے ذریعے ہی رابطہ کر لے۔''

وہ بولا ''بس مجھے پاشا کے ایک فون کا انتظار ہے' بس ایک بار اس سے رابطہ ہو جائے تو میں اس سے بات کروں گا اور اسے ایسی جگہ بحفاظت پہنچا دوں گا جہاں دردانہ اور اس

کے یار و مددگار کبھی نہیں پہنچ پائیں گے۔"

"بھائی جان! خدا کے بعد ایک آپ کا ہی سہارا ہے کہ آپ ضرور پاشا کی حفاظت کرسکیں گے۔"

"میری بہن! لندن میں تمہارا کاروبار پھیلا ہوا ہے مقدر حیات اس کاروبار کو سنبھال رہا ہے۔ وہاں رہائشی سہولت بھی ہے ہم پاشا کو وہاں پہنچا سکتے ہیں۔"

عروج نے کہا "یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے اس طرح عینی بھی وہاں آسکے گی وہیں ان دونوں کا نکاح پڑھا دیا جائے گا۔"

عینی نے کہا "میں ضرور جاؤں گی اور تو بھی میرے ساتھ چلے گی۔"

"ابھی مجھے ساتھ لے جانے کی بات نہ کر پہلے تو جائے گی وہاں شادی ہوگی۔ تو حفاظت سے وہاں رہے گی میں پھر بعد میں کسی وقت آجاؤں گی۔"

"کسی وقت کیوں؟ ابھی میرے ساتھ کیوں نہیں جائے گی؟"

اسما نے کہا "تم دونوں پھر آپس میں لڑنے لگیں ہم سب جانتے ہیں کہ تم دونوں ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتیں اس لیے عروج تمہیں بھی عینی کے ساتھ جانا ہوگا۔ یوں بھی ہم اسے اکیلی یہاں سے جانے نہیں دیں گے۔"

دونوں سہیلیوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ عینی کی آنکھوں میں پھر سے آنسو آگئے یہ تو آگے کی پلاننگ تھی کہ ذیشان کس طرح پاشا کو لندن پہنچائے گا، ادھر سے یہ دو سہیلیاں جائیں گی اور پھر وہاں تینوں کی محبتوں کا مثلث بن جائے گا، لیکن ابھی یہ صرف خیال ہی تھا۔ ان دونوں کا دولہا بن کر آنے والا لاپتا تھا' پتا نہ ہو تو خط کا ایک لفافہ بھی اپنی منزل تک نہیں پہنچتا۔

☆☆☆

یہ دو برس پہلے کی بات ہے۔ پاشا روزگار کی تلاش میں لاہور سے کراچی آیا تھا۔ کراچی میں رہائش کا مسئلہ تھا سوچا تھا یہ مسئلہ حل ہوتے ہی ماں کو یہاں اپنے پاس بلا لے گا۔

ایک کچی آبادی میں ایک بڑا سا مکان تھا وہاں پاشا کو عارضی طور پر رہنے کے لیے ایک کمرا مل گیا تھا۔ مالک مکان نے پاشا سے کہا "ایک کمرے کے ہزار روپے ہوں گے۔ اگر تم میری بیٹی کو روز صبح کالج لے جاؤ اور دوپہر کو واپس لے آؤ تو میں تم سے صرف پانچ سو کرایہ لوں گا۔"

مالک مکان کا ایک جوان بیٹا اور ایک جوان بیٹی تھی' بیٹا ذرا سر پھرا تھا۔ اس علاقے میں غنڈے اور بدمعاشوں کا دادا بن کر رہتا تھا۔ اس نے پاشا سے کہا "میں یاروں کا یار ہوں' اور دشمنوں کا دشمن' میری بہن کو سلامتی سے لے جانا سلامتی سے ہی لے آنا۔ کوئی گڑبڑ ہوگی تو تم ٹیکسی چلانے کے قابل نہیں رہو گے۔"

پاشا نے مسکرا کر کہا "مجھے دھمکی نہ دو میں کسی کی دھمکی میں نہیں آتا۔ ہاں دوست بن کر رہو گے تو میں یہاں رہتے ہوئے تمہاری بہن کو کالج لانے اور لے جانے کے لیے تیار ہوں۔"

وہ پاشا سے مصافحہ کرتے ہوئے بولا "میرا نام جلال الدین ہے سب مجھے جلالی کہتے ہیں میں دیکھوں گا کہ ہم کب تک دوست بن کر رہتے ہیں۔"

پاشا نے وہاں چھ ماہ تک رہائش اختیار کی، سوچتا رہا آمدنی میں اضافہ ہوگا تو اپنی والدہ کو بلا لے گا۔ وہ جلالی کی بہن رخسانہ کو روز صبح ٹیکسی میں بیٹھا کر کالج پہنچایا کرتا تھا۔ دن کے دو بجے تک اسے واپس لے آتا تھا کالج میں کبھی دیر سویر بھی ہوتی تھی۔ ایک دن جلالی نے پوچھا "تم کبھی رخسانہ کو دیر سے کیوں لاتے ہو؟"

"اپنی بہن سے پوچھ لو' کبھی اس کی پریکٹیکل کی کلاس ہوتی ہے کبھی کالج میں تقریب ہوتی ہے تو دیر ہو جاتی ہے۔"

جلالی مطمئن ہوگیا۔ پاشا اس حقیقت سے بے خبر تھا رخسانہ کالج کے ایک پروفیسر سے عشق کرتی ہے وہ روزانہ کالج جاکر دو چار کلاسیں اٹینڈ کرتی تھی اس کے بعد پھر پروفیسر کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارتی تھی۔

عشق اور مشک کی خوشبو چھپائے نہیں چھپتی۔ ہر سو پھیل جاتی ہے وہ ایک دوپہر کالج کے سامنے ٹیکسی لے کر آیا رخسانہ کا انتظار کرنے لگا۔ ایک اسٹوڈنٹ نے ہنستے ہوئے کہا "میاں ڈرائیور! کس کا انتظار کر رہے ہو؟ وہ تو اڑتی ہوئی ہے کالج کی کلاس لگتی ہے تو اڑ جاتی ہے جب چھٹی کا وقت ہوتا ہے تو واپس چلی آتی ہے۔"

پاشا نے غصے سے کہا "کیا بکواس کر رہے ہو؟ وہ میرے دوست کی بہن ہے۔ تو میری بھی بہن ہے اس کے خلاف بولو گے تو میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔"

"میرا منہ توڑنے سے پہلے اپنی بہن کے لچھن دیکھ لو۔ میں غلط ہوا تو میرا منہ تو کیا سر بھی توڑ دینا۔"

پاشا نے اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر پوچھا "کیا تم جانتے ہو وہ ابھی کہاں ہے؟"

"ہاں، جس دن پروفیسر کالج سے چھٹی کرتا ہے تو اس دن وہ اس کے گھر چلی جاتی ہے میں تمہیں وہاں پہنچا سکتا ہوں کیا مجھے ٹیکسی میں لے چلو گے؟"

[اس] نے اس اسٹوڈنٹ کو اپنے ساتھ ٹیکسی میں بٹھایا پھر [اس کے] بتائے ہوئے پتے پر ایک مکان کے سامنے پہنچ گیا۔ [اسٹ]وڈنٹ نے کہا "پروفیسر حمید کی بیوی بچے ایک کوٹھ میں [ر]ہیں اور یہ یہاں تنہا رہتا ہے۔ دیکھو! دروازہ بند ہے۔"

پاشا نے ٹیکسی سے اتر کر دروازے پر دستک دی' اندر [خاموشی] رہی' دوسری دستک پر پروفیسر حمید کی آواز سنائی دی۔

"کون ہے......؟"

پاشا نے کہا "باہر آؤ...... میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"پہلے بتاؤ کون ہو......؟ اور مجھ سے ملنا کیوں چاہتے [ہو؟]"

"زیادہ باتیں نہ کرو' اگر تم نے دروازہ نہ کھولا تو میں توڑ [کر اند]ر آجاؤں گا۔"

اندر کچھ دیر خاموشی رہی پھر اس نے کہا "اچھا ٹھیک ہے میں ابھی آرہا ہوں۔"

وہ باہر کھڑا دس منٹ تک انتظار کرتا رہا۔ اس کے بعد [دروا]زہ کھلا' پروفیسر نے غصے سے پوچھا "تم کون ہو......؟"

وہ پروفیسر کو دھکا دیتے ہوئے اندر گیا پھر اِدھر اُدھر [دیکھنے] لگا ایک کمرا دکھائی دیا اس نے اسے کھولنا چاہا تو دروازہ [اندر] سے بند تھا۔ اس نے دروازے پر دستک دی پھر کہا "باہر [آؤ......]"

پروفیسر نے پیچھے سے آکر اسے پکڑتے ہوئے جھنجوڑ کر [کہا] "یہ کیا غنڈہ گردی ہے؟ تم میرے گھر میں گھس آئے [ہو۔ میں] پولیس کو بلاؤں گا۔"

"تو پھر بلاؤ...... میں بھی دیکھتا ہوں پولیس کسے پکڑ کر [لے] جائے گی؟"

پروفیسر پریشان ہوکر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ [پھر ع]اجزی سے بولا "دیکھو! میں بہت عزت دار آدمی ہوں تم [آخ]ر ہو کون......؟"

اس سے پہلے کہ پاشا جواب دیتا' دروازہ کھل گیا اس [کمرے کے] دروازے پر رخسانہ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے لباس [اور] بالوں کی بے ترتیبی بتا رہی تھی کہ اب تک کیا گل کھلاتی رہی [تھی]۔ وہ نظریں جھکا کر بولی "پاشا بھائی! حمید صاحب کا کوئی [قصور] نہیں ہے میں اپنی مرضی سے یہاں آئی ہوں' پلیز...... [آپ] یہاں سے چلیں۔"

اس نے رخسانہ کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ وہ نہیں [چاہ]تا تھا کہ بات بڑھے اور یہ لڑکی بدنام ہو جائے' وہ رخسانہ [کے] ساتھ چپ چاپ باہر آگیا۔ ٹیکسی کے پاس آیا تو اس [اسٹو]ڈنٹ نے ہنستے ہوئے کہا "کیوں رخسانہ! میں نے کہا تھا نا...... ہم پہلے ہی دل جلے ہیں ہمارا دل نہ جلاؤ' ورنہ تم بھی جل جاؤ گی؟"

پھر وہ پاشا سے بولا "میاں ڈرائیور! اسے سمجھاؤ کہ اس بڈھے میں کیا رکھا ہے؟ مجھ جیسے جوان سے دل لگائے۔"

پاشا نے اس کو گریبان سے دبوچ کر جھنجوڑ کر کہا "کتے کے بچے! اگر تو نے یہ بات دوسری بار کہی تو بولنے کے قابل نہیں رہے گا۔"

اس نے یہ کہہ کر لڑکے کو دھکا دیا تو وہ دور جاکر گر پڑا۔ رخسانہ ہمیشہ کی طرح پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ پاشا نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی پھر ٹیکسی کو اسٹارٹ کر کے وہاں سے گھر کی طرف جانے لگا اس نے عقب نما آئینے میں پیچھے بیٹھی ہوئی رخسانہ کو دیکھا پھر پوچھا "جانتی ہو اگر جلالی کو تمہارے بارے میں معلوم ہوگا تو وہ کیا کرے گا؟"

اس نے سر جھکا کر کہا "میں بھائی کا غصہ اچھی طرح جانتی ہوں' وہ مجھے زندہ گاڑ دے گا۔"

"جب جانتی ہو تو ایسی حرکتیں کیوں کر رہی ہو؟"

"میں دل سے مجبور ہوں۔ میں پروفیسر حمید صاحب کو اپنا سب کچھ مان چکی ہوں۔"

"یہ تمہارا پاگل پن ہے' وہ بڈھا تقریباً پچاس برس کا ہوگا اور تم انیس برس کی ہو' وہ تم سے عمر میں ڈھائی گنا بڑا ہے۔"

"عشق ناپ تول نہیں کرتا۔ عمر کا حساب نہیں کرتا۔"

"یہ مجھے نہ سمجھاؤ' تم بھی بدنامی کے راستے پر چل رہی ہو۔"

"پلیز...... بحث نہ کریں میں آپ سے التجا کرتی ہوں یہ بات بھائی تک نہ پہنچائیں۔"

"کیوں نہ پہنچاؤں؟ تمہارا بھائی اور باپ دونوں ہی مجھ پر اندھا اعتماد کرتے ہیں وہ تم جیسی جوان لڑکی کو صبح میرے ساتھ بھیجتے ہیں اور دوپہر تک بھروسا کرتے ہیں کہ میں تمہیں عزت و آبرو کے ساتھ بخیریت گھر واپس لاؤں اور میں یہی کر رہا ہوں۔"

پچھلی سیٹ سے اس کی سسکی سنائی دی۔ اس نے عقب نما آئینے میں دیکھا وہ رو رہی تھی اور آنچل سے آنسو صاف کر رہی تھی۔ وہ بولا "آنسو کسی بھی مسئلے کا حل نہیں ہوتے۔ تمہیں کوئی ایک فیصلہ کرنا ہوگا آئندہ اس پروفیسر سے نہیں ملو گی؟"

وہ روتی ہوئی بولی "میں کیسے وعدہ کروں؟ اسی کالج میں پڑھتی ہوں پروفیسر سے تو ملنا ہی ہوگا؟"

"بے شک کلاس میں ملا کرو اس سے علم حاصل کرو' گمراہی حاصل نہ کرو۔ تنہا اس سے نہ ملو۔"

وہ چپ ہو کر سوچتی رہی اس نے کہا ''جلدی بولو گھر قریب آ رہا ہے وعدہ کرو اس سے نہیں ملو گی ورنہ میں جلالی سے یہ بات کہہ دوں گا۔''

وہ گھبرا کر بولی ''نہیں ...... آپ بھائی سے کچھ نہیں کہیں گے میں وعدہ کرتی ہوں کہ آئندہ پروفیسر سے نہیں ملوں گی۔

''کالج اور کلاس میں ملو گی' تنہائی میں نہیں ملو گی؟''

''ٹھیک ہے...... آپ جو کہہ رہے ہیں وہی کروں گی۔''

وہ اسے لے کر گھر پہنچا تو جلالی غصے سے ٹہل رہا تھا' بہن کا انتظار کر رہا تھا اسے دیکھتے ہی پاشا سے بولا ''کالج کی چھٹی ایک بجے ہوتی ہے اور اس وقت چار بج رہے ہیں' اتنی دیر سے تم اس کے ساتھ کہاں تھے؟''

پاشا نے کہا ''ذرا سوچ سمجھ کر بولا کرو۔ میں اس کے ساتھ نہیں تھا بلکہ یہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ تھی' امتحان میں کامیابی ہوئی ہے اس لیے یہ سب ایک دوسرے کے ساتھ خوشیاں منا رہی تھیں۔ کھانے پینے میں مصروف تھیں۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ دیر سویر ہو جایا کرے گی اسے برداشت کر دیا پھر گھر پر ٹیلی فون لگواؤ' اسے کسی وجہ سے دیر ہو گی تو میں فون پر تمہیں اطلاع دے سکوں گا۔''

جلالی نے کہا ''ٹھیک ہے...... تم کہہ رہے ہو تو میں مان لیتا ہوں لیکن آئندہ دیر نہیں ہونی چاہئے۔''

پاشا ناگواری سے بولا ''میں تمہارا نہیں کھاتا اور نہ ہی تمہارے دباؤ میں رہنا چاہتا ہوں' اس لیے ایک ہفتے کے اندر یہ گھر چھوڑ رہا ہوں' اپنی بہن کے لیے کسی دوسری ٹیکسی کا انتظام کر دیا اسے بس میں آنے جانے دو۔''

اس نے دو دن کے اندر ہی دوسرے علاقے میں مکان کرائے پر لیا پھر وہاں شفٹ ہو گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ رخسانہ کی گمراہی کا الزام اس پر آئے۔ تقریباً ایک برس بعد اس نے ایک اسپتال میں عروج کو دیکھا۔

پھر عینی آئی دونوں سہیلیوں سے محبت اور اعتماد کا رشتہ اتنا مضبوط ہوا کہ عینی سے بات شادی تک پہنچ گئی اچانک ہی ایک شام چھ بجے ان کی شادی کا فیصلہ ہو گیا۔

اس نے شادی کی خوشی میں بینک سے دو لاکھ روپے نکلوائے تھے' اپنے لیے نئے جوڑے اور ضرورت کی دوسری اشیا خریدی تھیں۔ عینی کی منہ دکھائی کے لیے ایک انگوٹھی بھی خریدی تھی۔ یہ سب کچھ خریدنے کے بعد وہ گھر کی طرف واپس جا رہا تھا ایسے ہی وقت اس پر فائرنگ ہو گئی اچانک ہی ایسی افتاد آ پڑی اور وہ فوراً سمجھ نہ پایا ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ اور کون کر رہا ہے؟

کراچی شہر میں دہشت گردی کسی وقت بھی ہو اور کہیں بھی ہو جاتی ہے پہلے تو یہی خیال آیا کہ دہش فائرنگ کر رہے ہیں اور وہ فائرنگ کی زد میں آ گیا اپنا کوئی دشمن نہیں ہے۔ اس نے گاڑی کی رفتار تیز وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا لیکن آگے جانے کے ب گولیاں گاڑی کی باڈی پر لگیں تو وہ سمجھ گیا کہ اسے خا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ تیز رفتاری کی وجہ سے کوئی گولی لگی تھی لیکن مسلسل فائرنگ کے باعث آئندہ کوئی بھ سکتی تھی۔

وہ شاہراہ کو چھوڑ کر ایک تنگ سی گلی میں گھس طرح یہ ہوا کہ اب کوئی دائیں بائیں طرف سے فائ تھا۔ کیونکہ گلی تنگ تھی ایک وقت میں ایک گاڑی ہی گزر سکتی تھی' لہٰذا فائرنگ کرنے والے پیچھے آ رہے ڈرائیور تھا شہر کی ایک ایک گلی کوچے سے واقف تھا بدل بدل کر مختلف گلیوں سے گزرتا رہا اور پیچھا کرنے بہت پیچھے چھوڑتا گیا۔

آخر فائرنگ کی آوازیں بند ہو گئیں عقب نما اب کوئی گاڑی نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ اس گلی سے پھر شاہراہ پر آ گیا۔ وہاں اسے پھر سے خطرہ پیش آ سکتا ...... یہی تھی کہ وہ ٹیکسی کو چھوڑ دے کیونکہ وہ ٹیکس پہچان بن گئی تھی۔

یہ بات تو سمجھ میں آ رہی تھی کہ فائرنگ کرنے کے آلہ کار ہی ہوں گے وہ اسے چہرے سے اگر نہیں ٹیکسی کے نمبر سے پہچان رہے ہوں گے۔ اس نے آ سڑک کے کنارے ٹیکسی روک دی۔ موبائل فون او بیگ اٹھا کر ٹیکسی سے نکل کر دوڑتا ہوا ایک اور گلی م اس گلی کے نکڑ پر ایک ٹی اسٹال تھا وہ وہاں جا کر ب دیکھنا چاہتا تھا کہ کون لوگ اس کا پیچھا کر رہے ہ بیٹھنے سے پہلے اس نے چائے خانے کا پچھلا درواز رکھا تھا تاکہ ضرورت کے وقت ادھر سے فرار ہو سکے۔

وہاں سے اس نے عینی اور عروج سے فون پر را پہلی بار بتایا کہ اس پر فائرنگ ہو رہی ہے۔ اس نے بتائی کہ وہ کس قدر پریشان ہے۔ اگر وہ تفصیل بیان دونوں پریشان ہو جاتیں اور وہ انہیں پریشان کرنا تھا۔

اس نے مختصر سی گفتگو کے بعد فون بند کر دیا او وعدہ کیا کہ وہ آئندہ انہیں اپنے حالات سے آگاہ کر فون بند کرنے کے بعد اس نے دیکھا دور سڑک

ہاں کھڑی تھی وہاں دو گاڑیاں آئی تھیں۔ ایک گاڑی ر رک گئی اور دوسری پیچھے رکی۔ ان گاڑیوں سے مسلح ر ٹیکسی کے پاس آئے' اندر دیکھا تو وہ خالی تھی ان ایک اپنی گاڑی کے پاس گیا وہاں سے پیٹرول کا کین ے کھول کر ٹیکسی پر چھڑکنے لگا آس پاس کے لوگ دور لگے دیکھتے ہی دیکھتے ٹیکسی شعلوں میں لپٹ گئی۔

سب مسلح تھے' پولیس والے بھی ان کے قریب نہیں تھے۔ ٹیکسی کو آگ لگاتے ہی وہ سب اپنی اپنی گاڑیوں ر چلے گئے انہوں نے پاشا کو تلاش نہیں کیا اس طرح سمجھ میں آ گئی کہ فائرنگ کرنے والے اسے چہرے سے پہچانتے ہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد موبائل کا بزر سنائی دیا' اس نے سی لی میں دیکھا' تو وہ عینی کا نمبر نہیں تھا۔ اس نے فون آن کر ن سے لگایا پھر پوچھا ''ہیلو...... کون......؟''

دوسری طرف سے بھرائی ہوئی آواز سنائی دی ''تمہیں ں وارننگ دی گئی تھی کہ پولیس والوں سے پنگا نہ لینا۔ ں خیریت چاہتے ہو تو یہ شہر چھوڑ کر چلے جاؤ۔''

''میں نے گولیاں چلانے والوں کو دیکھا ہے وہ پولیس دکھائی نہیں دیتے تھے۔ سچ سچ بتاؤ تم کون ہو؟ اور مجھ نی کیوں کر رہے ہو؟''

دوسری طرف خاموشی رہی فون بند ہو گیا۔ وہ پریشان وچنے لگا کہ اب کیا کرے؟ پریشانی یہ نہیں تھی کہ دشمن گولیاں چلا رہے ہیں بلکہ پریشانی یہ تھی کہ وہ شام چھ بجے کے لیے عینی سے کیسے رابطہ کرے گا؟

اگر وہ فون کرنے والے کی بات پر یقین کرتا کہ وہ سب ں والے تھے اس کا مطلب تو پھر یہی تھا کہ ایس پی ذیشان ے دشمنی کر رہا ہے وہ اسی دلہن کے گھر میں موجود ہوگا ر وہ پولیس والے نہیں تھے تو پھر اس کی دشمن دردانہ بیگم عینی اور عروج نے اسے بتایا تھا کہ فی الحال یہی دو افراد مخالفت کر رہے ہیں۔

یہ تو کسی حد تک یقین ہو گیا تھا کہ حملہ کرنے والے اسے ے سے نہیں پہچانتے ہیں لیکن حملہ کروانے والے اسے پہچانتے ہیں انہوں نے کسی وجہ سے یا کسی مجبوری سے ئے کارندوں کو اس کی تصویر نہیں دی ہو گی لیکن آئندہ سکتے تھے۔

وہ سوچنے لگا ''ویسے تو میری تصویر کسی کے پاس نہیں ہے ج اور عینی کے پاس بھی نہیں ہے پھر وہ کہاں سے حاصل ں گے؟''

اس کے اندر ایک بے چینی پیدا ہو گئی تھی۔ اگر وہ چہرے سے پہچانا نہیں جاتا ہے تو پھر آزادی سے شہر میں گھوم سکے گا اور اگر پہچانا گیا تو اس کے لیے کوئی گلی کوئی گھر محفوظ نہیں رہے گا۔ اگر دردانہ اور ذیشان ہی اس کے دشمن ہیں تو پھر وہ بڑے وسیع اختیارات کے مالک ہیں اس شہر میں ان سے چھپ کر رہنا مشکل ہوگا۔

وہ ٹی اسٹال سے نکل کر سڑک کے کنارے چلتا ہوا ایک پی سی او میں پہنچا۔ اس نے سی ایل آئی پر جو نمبر دیکھا تھا اس پر رابطہ کرنا چاہا وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس کو کس نے فون پر دھمکی دی تھی۔ اگر وہ موبائل کے ذریعے رابطہ کرتا تو ادھر عینی کے موبائل کا نمبر پڑھ لیا جاتا اور اس سے کوئی بات نہ کرتا۔

اس نے پی سی او میں آ کر اس فون پر رابطہ کیا تھوڑی دیر دوسری طرف بیل بجتی رہی پھر ایک خاتون کی آواز ابھری ''ہیلو......؟''

وہ خاموش رہا' دوسری طرف سے وہ بولی ''ہیلو...... کون ہے؟ اپنا نام بتاؤ؟''

وہ غرا کر بولا ''اچھا تو تم ہو دردانہ بیگم۔''

دوسرے ہی لمحے فون بند ہو گیا وہ پی سی او سے باہر آ کر سوچنے لگا ''اب کہاں جانا چاہئے؟ یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ دردانہ کے ہی آدمیوں نے مجھ پر حملہ کیا ہے لیکن ایس پی ذیشان بھی میرا مخالف ہے حالات ایسے ہیں کہ اب شام کو منگنی نہیں ہو سکے گی مجھے پہلے اپنی حفاظت کے لیے کہیں کوئی پناہ گاہ ڈھونڈنی ہو گی۔''

وہ ایک طرف چلتا رہا اور سوچتا رہا یہ غنیمت تھا کہ اس کی جیب میں اچھی خاصی رقم تھی وہ کہیں بھی جا کر چھپ سکتا تھا اور اپنے اخراجات پورے کر سکتا تھا لیکن اپنے گھر نہیں جا سکتا تھا۔ ایس پی ذیشان کے پولیس والے اور دردانہ کے حواری سب ہی اس کا گھر جانتے ہوں گے۔

پھر اسے یاد آیا کہ اسے جلالی کے پاس جانا چاہئے۔ وہ اپنے علاقے کا دادا ہے لوہا' لوہے کو کاٹتا ہے۔ وہی اسے دردانہ بیگم کے آدمیوں سے تحفظ دے سکے گا۔

وہ ایک آٹو رکشا میں بیٹھ کر مختلف سڑکوں سے گزر کر سوچتا رہا اور یہ سمجھنے کی کوشش کرتا رہا کہ اس کا پیچھا کیا جا رہا ہے یا نہیں۔ پھر وہ جلالی کے پاس پہنچ گیا۔

اس نے اپنے تمام حالات اسے بتائے اس نے کہا۔ ''دشمن پولیس والے بھی ہیں اور ایک بہت ہی وسیع ذرائع کی مالک مکار عورت بھی ہے کیا تم مجھے کل صبح تک اپنے گھر میں پناہ دو گے؟''

وہ پاشا کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا" ہم یاروں کے یار ہیں تم نے ہمارے ساتھ بہت اچھا وقت گزارا ہے پھر ہماری بہن کو روز کالج لاتے لے جاتے رہے' اور اسے بھائی کا پیار دیتے رہے۔ تمہارے جانے کے بعد مجھے بہت افسوس ہوا کہ تم جیسا دوست اور اچھا انسان مجھ سے چھوٹ گیا۔"

"اب تو میں آگیا ہوں انہوں نے میری ٹیکسی بھی جلا دی ہے لیکن میں تم پر بوجھ نہیں بنوں گا۔"

اس کے جواب میں جلالی کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن موبائل کا بزر سن کر چپ ہوگیا۔ پاشا نے اسے آن کر کے کان سے لگایا دوسری طرف سے عروج بول رہی تھی اور اسے اپنا ہنگامی فیصلہ سنا رہی تھی کہ اب منگنی نہیں ہوگی بلکہ فون کے ذریعے نکاح پڑھایا جائے گا۔

پاشا نے کہا" میں اس فیصلے کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ اور شام چھ بجے قاضی صاحب کا انتظار کروں گا۔ اسی فون پر میرا اور عینی کا نکاح پڑھایا جائے گا۔" باتیں ختم ہونے کے بعد فون بند کر دیا۔ پھر جلالی سے کہا" وہاں دو لڑکیاں ہیں جو بہت ہی حوصلہ مند ہیں اور ذہانت سے ہر طرح کے چیلنج کا مقابلہ کر رہی ہیں' اب یہ فیصلہ ہوا ہے کہ فون کے ذریعے نکاح پڑھایا جائے گا میں چاہتا ہوں کہ یہاں ایک دو بزرگ نکاح کے وقت موجود ہوں جو میری طرف سے گواہی دے سکیں۔"

جلالی نے کہا" او یار! فکر نہ کر سب بندوبست ہو جائے گا۔"

پاشا ٹھیک جگہ پہنچا تھا' وہاں اسے ہر طرح کا تحفظ ملتا لیکن یہ مقدر یعنی مجھے منظور نہیں تھا میں پاشا کی ہاتھ کی لکیر دیکھ رہا تھا اس لکیر پر عارضی طور پر بدنصیبی کا سایہ پڑ رہا تھا۔ اب میری یہ ڈیوٹی تھی کہ میں پاشا کو عینی اور عروج سے دور کرتا چلا جاؤں، ایک گھنٹے کے بعد ہی پتا چلا کہ گھر میں رخسانہ کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے اور لیڈی ڈاکٹر کو بلایا گیا ہے۔ لیڈی ڈاکٹر نے آکر اس کا معائنہ کیا پھر جلالی کو بلا کر رازداری سے کہا" تم مجھ سے شادی کا وعدہ کرتے رہتے ہو اور مجھ سے کھیلتے ہو لیکن کبھی وعدہ پورا نہیں کرتے میں نے کئی بار کہا کہ اس کے نتائج برے ہوں گے اگر میں کبھی ماں بنی تو کیا ہوگا؟"

جلالی نے ہنس کر کہا" میری جان! تم تو لیڈی ڈاکٹر ہو فوراً ہی صفائی کر دو گی' بات ختم ہو جائے گی۔" وہ طنزیہ انداز میں بولی" لیکن تمہاری بہن کا کیا بنے گا؟"

"کیا بکواس کر رہی ہو؟ اس معاملے میں میری بہن کہاں سے آگئی؟"

"میں نے ابھی اس کا معائنہ کیا ہے وہ ماں بننے والی ہے۔"

جلالی نے گرج کر اس کی گردن دبوچ لی' "بکواس کر رہی ہے میں تجھے جان سے مار ڈالوں گا۔"

جلالی کا باپ دوڑتا ہوا آیا پھر لیڈی ڈاکٹر کو چھڑاتے ہوئے بولا" یہ کیا کر رہا ہے؟ کیوں گرج اسے کیوں مارنا چاہتا ہے؟"

لیڈی ڈاکٹر نے اس کی گرفت سے آزاد ہو کر کہا میں اس سے سچ بول رہی ہوں تو یہ مجھے مار ڈالنا چا مجھے مارنے سے سچائی ختم ہو جائے گی؟ کیا آپ لوگ سے بچ سکیں گے؟"

باپ نے حیرانی سے اپنے بیٹے کو دیکھ کر پوچھ بدنامی؟"

"پہلے اپنے بیٹے کو یہ سمجھائیں کہ اس بدنامی سے اسے نجات دلوا سکتی ہوں اور یہ مجھے ہی مارنا چاہتا ہے خرد ماغ ہے؟" باپ نے جھنجلا کر پوچھا" آخر کیسی بد کون بدنام ہو رہا ہے؟"

لیڈی ڈاکٹر نے کہا" آپ کی بیٹی ماں بننے والی باپ یہ سنتے ہی سکتے میں آگیا۔ وہ بولی" اگر آ عزت بچانا چاہتے ہیں تو دو ہی راستے ہیں۔ یا تو فو شادی اسی شخص سے کر دیں جو اس ہونے والے بچے کا ہے یا پھر اس کا حمل ضائع کروائیں' میں جا رہی ہو فیصلہ ہو اس سے مجھے آگاہ کر دیں۔"

وہ جانا چاہتی تھی باپ نے راستہ روک کر کہا" ہمیں ایسے وقت میں چھوڑ کر نہ جاؤ یہ تو واقعی خرد

جلالی غصے سے پیر پٹختا ہوا دوسرے کمرے میں گیا رخسانہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی گھبرا رہی تھی' پریشان ہو رہی تھی دیکھ کر بستر سے اتر کر دوڑتی ہوئی کمرے کے کونے میں سہم سمٹ کر بیٹھتے ہوئے بولی" بھائی! مجھے معاف کر معاف کر دو' دیکھو...... مجھے ہاتھ نہ لگانا۔"

وہ اسے مارنے کے لیے اس پر لپکنا چاہتا تھا پیچھے باپ نے آکر اس کی کمر دونوں ہاتھوں سے پکڑ لی' ا ہوئے بولا" یہ غصہ دکھانے کا وقت نہیں ہے تو چیخے گا تو بدنامی ہماری ہوگی۔ محلے پڑوس والے پوچھیں گے کیا ہو رہا ہے؟ پھر تو کیا کہے گا؟"

وہ رک گیا غصے سے بولا" ابا اس سے پوچھو ک ہے جس کے بچے کی ماں بن رہی ہے؟ میں ابھی جا کر گردن دبوچ کر کہوں گا کہ یہاں آکر نکاح پڑھوا کر بدنامی سے بچائے ورنہ اس کی اور اس کمینے کی جا

دوں گا' چھوڑوں گا نہیں مار کر ایسی جگہ پھینکوں گا کہ پولیس کو بھی ان کی لاشیں نہیں ملیں گی۔"

رخسانہ سن رہی تھی' اور خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ ابھی یہ شور سن کر اس کمرے کے دروازے پر آگیا تھا وہ دروازہ کھول کر انہیں دیکھ رہا تھا۔ اندر رخسانہ سے باپ پوچھ رہا تھا" بتا وہ کون ہے؟ کہاں تو نے منہ کالا کیا ہے؟"

اگرچہ وہ بری طرح سہمی ہوئی تھی لیکن پروفیسر سے اتنی محبت کرتی تھی کہ اس کے لیے کوئی خطرہ پیدا کرنا نہیں چاہتی تھی اور اس کی عزت بھی رکھنا چاہتی تھی وہ انکار میں سر ہلا کر بولی" میں نہیں جانتی ہوں وہ کون ہے؟ آپ مجھے جان سے مار ڈالیں میں اس کا نام کبھی نہیں بتاؤں گی۔"

جلالی غصے سے طنطناتا ہوا اپنے کمرے میں گیا جب وہاں سے واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں بھرا ہوا ایک ریوالور تھا باپ فوراً ہی بیٹی کے سامنے ڈھال بن کر کھڑا ہو گیا۔ بیٹے کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا" جلالی! اس وقت صبر کر گولی نہ چلا ایک گولی چلے گی تو ہماری بدنامی دور تک پھیلے گی' ذرا صبر سے کام لے ابھی سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

لیڈی ڈاکٹر بولی" جلالی! تم غصے سے باپ کو بدنام کرو گے، پورے خاندان کو بدنام کرو گے، اور خود کو بھی بدنام کرو گے، یہ کون سی عقل مندی ہے؟"

وہ گرج کر بولا" میں کچھ نہیں جانتا اگر تم لوگ چاہتے ہو کہ گولی نہ چلے بدنامی نہ ہو' تو اس ذلیل کتیا سے کہو کہ اس شخص کا نام بتائے میں ابھی اسے پکڑ کر لاؤں گا اور اس کا نکاح اس سے پڑھواؤں گا۔"

پاشا کمرے کے اندر آیا تو رخسانہ کی نظر اس پر پڑی' دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر پاشا نے کہا" رخسانہ! آخر وہی ہوا جس کا ڈر تھا میں نے تمہیں سمجھایا بھی تھا کہ گمراہی کے راستے سے باز آجاؤ لیکن میری بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئی۔"

وہ بولی" تم خاموش ہو جاؤ ہمارے درمیان نہ بولو۔"

"کیوں نہ بولوں؟ تم اپنے بھائی کا غصہ جانتی ہو اس کے غصے کی وجہ سے بدنامی دور دور تک پھیلے گی جو بات ابھی ختم ہو سکتی ہے اسے ختم کر دو۔ دانش مندی یہی ہے کہ اب تمہیں کچھ نہیں چھپانا چاہیے۔ بھائی سے صاف صاف کہہ دو۔"

رخسانہ کی سمجھ میں یہ بات آگئی کہ اگر وہ نہیں بتائے گی تو پروفیسر کا نام وہ پاشا بتا دے گا تو پھر جلالی اسے مار ڈالے گا یا اپنے حواریوں کے ذریعے اسے اٹھا کر لائے گا۔ اس کی اچھی طرح پٹائی کرے گا پھر زبردستی نکاح کرے گا۔

وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے عاشق پروفیسر حمید پر ظلم ہو' اور اس عزت دار پروفیسر کی بدنامی ہو' اس نے گھور کر پاشا کو دیکھا پھر کہا" تم جب کہہ رہے ہو کہ حقیقت بتا دینی چاہیے تو مجبور ہو کر بتا رہی ہوں۔"

پھر اس نے باپ کو دیکھ کر کہا" ابا! یہ پاشا ہمارا مکان چھوڑ کر چلا گیا لیکن باہر مجھ سے تنہا ملتا رہا تھا اسی نے مجھے سبز باغ دکھائے تھے میں اس کے فریب میں آگئی۔"

اس کے باپ اور جلالی کے ریوالور کا رخ پاشا کی طرف مڑ گیا' اسے کہتے ہیں مقدر کا تماشا یعنی۔ پل میں تولہ پل میں ماشہ۔

پاشا غصے سے چیخا" یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ اپنے عاشق کو بدنامی سے بچانے کے لیے مجھے کیوں بدنام کر رہی ہو؟ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟ میں نے تو تم سے ہمدردی کی تھی۔"

جلالی نے ریوالور کی نال پاشا کے سینے پر رکھ دی پھر کہا "ہمدردی کے بچے! تو تو آستین کا سانپ نکلا' ہمارے گھر کا کھایا اور جس تھال میں کھایا اسی میں چھید کر دیا۔"

"جلالی! مجھے غلط نہ سمجھ تیری بہن جھوٹ کہہ رہی ہے۔"

جلالی نے ایک الٹا ہاتھ اسے رسید کیا' وہ لڑکھڑا کر پیچھے گیا پھر بولا" دیکھ مجھ پر ہاتھ نہ اٹھا پہلے سچائی کو سمجھنے کی کوشش کر' تو جانتا ہے میں کسی دوسری لڑکی کو چاہتا ہوں اور آج اس سے نکاح پڑھوانے والا ہوں۔"

جلالی نے ایک گھونسہ اس کے منہ پر مارا۔ وہ پیچھے جا کر دیوار سے لگ گیا' پھر جھنجلا کر بولا" کیا مردانگی دکھا رہا ہے؟ ریوالور پھینک کر مجھ پر حملہ کر...... پھر میں دکھاتا ہوں کہ میں کیا ہوں؟ تیری ساری دادا گیری یہاں دھو کر رکھ دوں گا۔"

وہ بولا" کوئی دوسرا وقت ہوتا تو میں ریوالور پھینک کر تیری یہ حسرت پوری کر دیتا' اور تجھ سے مقابلہ کرتا لیکن ابھی تو میری بہن کی عزت کا معاملہ ہے' تیری شادی وہاں فون کے ذریعے نہیں ہوگی یہاں میری بہن سے ہوگی یا پھر تیری لاش گرے گی۔"

پھر اس نے اپنے باپ سے کہا" ابا! باہر جا فیتے اور رمضانی کو بلا کر لے آ' ان سے ابھی کچھ نہ کہنا۔"

باپ نے جاتے ہوئے کہا" میں جا رہا ہوں لیکن خبردار! اس پر گولی نہ چلانا۔"

پھر وہ لیڈی ڈاکٹر سے بولا" بیٹی! تم یہاں رہو اور اسے قابو میں رکھو اس کا دماغ گرم ہوتا ہے تو یہ خون خرابے پر اتر

آتا ہے۔''

جلالی نے جھنجلا کر کہا ''ابا! میں گولی نہیں چلاؤں گا تو جا اور انہیں جلدی سے بلا کر لے آ۔''

باپ چلا گیا ایسے وقت فون کا بزر سنائی دیا' پاشا نے جیب سے موبائل فون نکالا جلالی نے ریوالور کا نشانہ لیتے ہوئے کہا ''خبردار! فون مجھے دے میں تجھے کسی لڑکی سے بات کرنے نہیں دوں گا۔ کیوں کہ اب تو میری بہن کی امانت ہے۔''

پاشا نے نمبر دیکھا تو وہ عینی اور عروج کی طرف سے فون نہیں تھا بلکہ دردانہ کا نمبر نظر آ رہا تھا وہ بولا'' جلالی! یہ ان لڑکیوں کا فون نہیں ہے بلکہ یہ میری دشمن کا ہے جو میری جان کے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔''

جلالی نے ہاتھ بڑھا کر کہا ''فون مجھے دے میں اس سے بات کروں گا' تو شادی کے لیے ہاں کرے گا تو میں تیری حفاظت کروں گا تیری خاطر ساری دنیا سے لڑ جاؤں گا اور انکار کیا تو میں تجھے ان دشمنوں کے حوالے کر دوں گا۔''

پاشا نے بے بسی سے ریوالور کو دیکھا جلالی کی گرفت اس پر مضبوط تھی اور ایک انگلی ٹریگر پر تھی ذرا سے دباؤ سے گولی چل سکتی تھی' اس نے رخسانہ کی طرف دیکھ کر عاجزی سے کہا ''رخسانہ! یہ تم مجھ سے کیسی دشمنی کر رہی ہو؟ مجھے کس مصیبت میں ڈال رہی ہو؟ گناہ کسی نے کیا اور الزام مجھے لگا رہی ہو؟''

جلالی نے گرج کر کہا'' بکواس مت کر...... میری بہن سے اس وقت تک بات نہیں کر سکتا جب تک نکاح نہ ہو جائے۔''

فون کا بزر بول رہا تھا' جلالی نے آگے بڑھ کر اس سے فون چھین لیا' اسے آن کر کے کان سے لگایا دوسری طرف سے دردانہ بول رہی تھی'' پاشا تم کہاں چھپتے پھر رہے ہو؟ کب تک چھپو گے؟ ابھی حملے میں اس لیے بچ گئے کہ حملہ کرنے والے تمہیں چہرے سے نہیں پہچانتے تھے لیکن اب ہم نے تمہاری تصویر وہاں سے حاصل کی ہے جہاں سے تم نے ڈرائیونگ لائسنس حاصل کیا تھا اب اس ایک تصویر کی کئی تصویریں بن چکی ہیں ہر جگہ پہنچا دی گئی ہیں تم جہاں جاؤ گے وہاں موت تمہارے انتظار میں ہو گی۔''

جلالی فون کو کان سے لگائے چپ چاپ سن رہا تھا پھر وہ بولا'' میں پاشا نہیں ہوں جسے تم قتل کروانا چاہتی ہو۔ وہ اس وقت میری پناہ میں ہے۔''

وہ بولی'' تم کون ہو......؟ اسے پناہ کیوں دے رہے ہو؟ کیا مجھ سے کوئی سودا کر سکتے ہو؟''

جلالی نے پاشا کو دیکھا پھر فون پر کہا'' شاید...... سودا ہو سکتا ہے لیکن ابھی نہیں' ابھی میں پاشا سے سودا کر رہا ہوں اگر یہ سودا نہیں ہوا تو میں اسے تمہارے حوالے کر دوں گا۔''

دردانہ نے کہا'' بہتر یہی ہو گا کہ اسے میرے حوالے کر دو' اور اس کے بدلے منہ مانگی رقم مجھ سے لے لو' بولو کتنا چاہتے ہو؟ لاکھ...... دو لاکھ...... دس لاکھ؟''

وہ حیرانی سے بولا'' اوہ خدایا...... میں نہیں جانتا تھا پاشا اتنا قیمتی ہے۔ دس لاکھ میرے لیے بہت ہیں میں ... کر سکتا ہوں لیکن تمہیں انتظار کرنا ہو گا۔''

''میں قیامت تک انتظار کروں گی' بولو کب ... کرو گے؟''

جلالی نے پاشا کو سوچتی نظر سے دیکھا' پھر کہا'' میں صبح تک اسے سمجھاؤں گا۔ کیونکہ میں اپنی بہن کی شادی اس سے کرنا چاہتا ہوں' اگر یہ راضی ہو گیا تو ٹھیک ہے ورنہ ... ٹھکانہ تمہیں بتاؤں گا تم اپنے آدمیوں کے ساتھ آ کر اسے ... جا سکو گی۔''

وہ بولی'' یہ بات بھی میرے حق میں ہے کہ تم اپنی ... شادی اس سے کرنا چاہتے ہو اگر شادی ہو گئی تو میں تمہیں ... لاکھ روپے دوں گی لیکن شرط یہ ہے کہ تم اسے اس شہر بلکہ ملک سے باہر بھیج دو تا کہ یہ ان دونوں لڑکیوں کے قریب نہ رہ سکے۔''

وہ بولا'' او...... ہم دونوں کے تو مزاج ملتے ہیں ... میری بہن سے شادی پر راضی ہو یا نہ ہو...... دونوں صورتوں میں میرا فائدہ ہے اگر راضی ہو جائے گا اور میری بہن سے شادی کر لے گا تو تم مجھے پانچ لاکھ روپے دو گی' اور اگر ... نہیں ہو گا، شادی نہیں کرے گا تو مجھے دس لاکھ دو گی' ... اسے تمہارے حوالے کر دوں گا۔ بولو معاملہ ڈن ہے؟''

''بالکل...... سو فیصد ڈن ہے۔ میں صبح تمہارے انتظار کروں گی۔''

رابطہ ختم ہو گیا' جلالی نے فون بند کرتے ہوئے کہا ... چلا...... وہ عورت تم سے کیوں دشمنی کر رہی ہے وہ نہیں ... کہ تم وہاں ان لڑکیوں کے قریب بھی جاؤ' اور ان میں ... سے شادی کرو۔ میں بھی نہیں چاہتا۔ اس لیے یہ فون ... رہا ہوں تا کہ وہ لڑکیاں تم سے رابطہ نہ کر سکیں۔ پھر تم ... ہاں یا ناں کے مطابق اس عورت سے رابطہ کروں گا۔''

اس کا باپ نتھے اور رمضانی کے ساتھ آ گیا۔ جلالی نے اشارہ کر کے اپنے حواریوں سے کہا'' اسے بیٹھک ... لو۔''

انہوں نے اسے دونوں طرف سے جکڑ لیا پھر بیٹھک کی طرف لے جانے لگے جلالی ریوالور لیے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ اس نے بیٹھک میں پہنچ کر کہا'' اسے کرسی پر بٹھاؤ اور ہاتھ کرسی کے ہتھوں اور پاؤں دونوں پایوں سے باندھ دو۔''

وہ دونوں اس کے حکم کی تعمیل کرنے لگے نتھے نے کہا۔ ''استاد! بات کیا ہے؟ یہ تو بڑا اچھا آدمی تھا؟ تم بھی اس کی تعریفیں کرتے تھے کیا یہ گرگٹ کی طرح رنگ بدل رہا ہے؟''

''ہاں...... یہی بات ہے اس کے بارے میں ابھی کچھ نہ پوچھو' ہم بہت لمبا ہاتھ مارنے والے ہیں اس کے ذریعے لاکھوں روپے ملیں گے' میں تمہیں بعد میں سب کچھ بتاؤں گا' اب یہاں سے جاؤ میں تھوڑی دیر میں آؤں گا۔''

وہ دونوں چلے گئے' جلالی نے اسے اچھی طرح بندھے ہوئے دیکھا پھر ریوالور کو اپنے لباس میں رکھتے ہوئے بولا'' شام کے چھ بجنے والے ہیں' وہاں تمہارا نکاح پڑھایا جانے والا تھا' جواب کبھی نہیں پڑھایا جائے گا' تم اپنی زندگی کی وہ کتاب بند کر دو اور یہاں نئی کتاب کھولو' اسی میں تمہاری سلامتی ہے۔''

اس کے باپ نے بڑی نرمی سے کہا'' پاشا! تم تو بہت اچھے انسان ہو' سمجھدار بھی ہو' اس وقت سمجھداری سے کام لو۔ تم ہماری عزت سے کھیلتے رہے ہو ہم پھر بھی معاف کر دیں گے، شادی کے لیے ہاں کہہ دو اور یہاں عزت آبرو کے ساتھ ہماری بیٹی کی ساتھ زندگی گزارو۔''

جلالی بولا'' میں نے کسی سے سودا کر لیا ہے' یہ رخسانہ سے شادی کرنے کے بعد یہاں نہیں رہے گا میں اسے یہاں سے بہت دور کسی دوسری جگہ بھیج دوں گا اگر یہ وہاں سے واپس آنا چاہے گا تو یہاں اسے قدم قدم پر موت ہی ملے گی چلو ابا اسے تنہا سوچنے دو۔ میں اس پر ترس کھا کر صبح تک سوچنے کا موقع دے رہا ہوں' یہ مرنا چاہے تو مرے گا' جینا چاہے گا تو جیئے گا' یہ اپنا فیصلہ خود کرے گا۔''

وہ دونوں کمرے سے نکل گئے' دروازے کو باہر سے بند کر دیا، وہ بند کمرے میں کرسی پر بیٹھا ہوا تھا دونوں ہاتھ اور پاؤں رسیوں سے جکڑے ہوئے تھے' کیا بد نصیبی تھی دولہا بننے والا قیدی بنا ہوا تھا' اور قیدی بھی اس لیے بنایا گیا تھا کہ اسے عینی کا نہیں بلکہ رخسانہ کا دولہا بننے پر مجبور کیا جا رہا تھا۔

وہ دو اطراف سے مصیبتوں میں گھیرا ہوا تھا۔ ایک طرف تو دردانہ اس پر جان لیوا حملے کروا رہی تھی' دوسری طرف جلالی اس کا دشمن ہو گیا تھا۔ اگر وہ صبح تک رخسانہ سے شادی پر راضی نہ ہوتا تو دردانہ کے آدمی اسے قتل کرنے وہاں پہنچ جاتے۔ ابھی جو پناہ گاہ تھی وہ اس کی قتل گاہ بھی بن سکتی تھی' اب فیصلہ اس پر تھا اسے سوچنا تھا کہ ایسے وقت کیا کرنا ہو گا؟

☆☆☆

دردانہ بہت خوش تھی' جہاں بھی حملے کر رہی تھی۔ وہاں سے بڑی حد تک کامیابی ہو رہی تھی اگرچہ پاشا قابو میں نہیں آیا تھا لیکن جلالی سے گفتگو ہونے کے بعد یقین ہو گیا تھا کہ جلالی دس لاکھ کے لالچ میں اسے اس کے حوالے ضرور کر دے گا۔ جلالی نے اپنا نام و پتا اسے نہیں بتایا تھا' شہباز درانی نے کہا ''تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اس وقت پاشا کس کی پناہ میں ہے؟ اور تم سے فون پر کون گفتگو کر رہا تھا؟''

دردانہ بولی'' وہ پاشا سے سودا کر رہا ہے اپنی بہن کی شادی اس سے کرانا چاہتا ہے اگر وہ راضی نہ ہوا تو اسے میرے حوالے کر دے گا اور مجھ سے دس لاکھ روپے لے گا' اور اگر پاشا اس کی بہن سے شادی کر لے گا تب بھی میں نے اس شخص کو لالچ دیا ہے کہ اسے پانچ لاکھ روپے دوں گی' لہٰذا وہ کم از کم پانچ لاکھ روپے حاصل کرنے کے لیے مجھ سے رابطہ کرے گا' اپنا نام و پتا بتائے گا۔ یا پانچ لاکھ لینے کے لیے میرے پاس آئے گا تب معلوم ہو جائے گا کہ وہ کون ہے اور کہاں رہتا ہے؟ اور اب پاشا کہاں ہے؟''

''تمہیں میری موجودگی میں گفتگو کرنی چاہیے تھی میں تمہیں گائیڈ کرتا اگر تم اسے پچاس لاکھ روپے کی آفر دیتیں تو وہ بہن کی شادی کو بھول جاتا اور فوراً ہی پاشا کو ہمارے حوالے کرنے پر راضی ہو جاتا۔''

وہ اس کی گردن میں بانہیں ڈال کر بولی'' ہاں...... مجھ سے بھول ہو گئی مجھے تم سے مشورہ کرنا چاہئے تھا آئندہ ایسی غلطی نہیں کروں گی۔''

وہ اسے گلے لگا کر بولا'' کوئی بات نہیں صبح تک فیصلہ ہو جائے گا' وہ دس لاکھ لے یا پانچ لاکھ۔ تمہیں تو کسی بھی طرح پاشا کی پناہ گاہ تک پہنچنا ہے' بس تم پہنچ جاؤ گی۔''

وہ جلدی سے الگ ہو گئی' شہباز نے پوچھا'' کیا ہوا؟''

''میں جذبات میں بہہ کر تمہارے قریب آ گئی تھی مجھے محتاط رہنا چاہئے میں چالیس دن کے بعد تمہارے قریب آؤں گی۔''

اسے اچانک اپنا جوان بیٹا جواد یاد آ گیا تھا اور یہ بھی یاد آ گیا تھا کہ چالیس دن تک اسے کوئی خوشی نہیں منانی ہے اور نہ ہی شہباز کے قریب جانا ہے' شہباز نے کہا'' بے شک...... میں بھی جذبات میں بھول گیا تھا' چلو پاشا کے متعلق بتاؤ اسے قتل

کروانا چاہتی ہو یا قیدی بنا کر رکھنا چاہتی ہو؟"
"تم کیا مشورہ دیتے ہو؟"
"اسے قیدی بنا کر رکھنے سے تمہاری سوتیلی بیٹی عینی کی کمزوری ہمیشہ تمہارے ہاتھ میں رہے گی۔"
"میں پہلے اسے اپاہج بناؤں گی' پھر قیدی بناؤں گی تاکہ وہ میری قید سے کبھی فرار نہ ہو سکے۔"
وہ ہنسنے لگا پھر بولا "حشمت کا کیا بنا؟"
وہ بھی ہنستی ہوئی بولی "اس کا مت پوچھو وہ سہا ہوا اپنی کوٹھی کے اندر بیٹھا ہوگا۔ تمہارے آدمی بہت ہی کام کے ہیں۔ میں جیسا حکم دیتی ہوں اسی طرح سے عمل کرتے ہیں۔ انہوں نے کوٹھی کے چاروں طرف ایسی فائرنگ کی ہے کہ وہ پوری طرح دہشت زدہ ہو گیا ہوگا' اور یہی سمجھ رہا ہوگا کہ ایس پی ذیشان اپنے آدمیوں کے ذریعے اس پر گولیاں چلا رہا ہے۔"
"تمہیں اس بے چارے سے ہمدردی کرنی چاہیے فون پر اس سے بات کرو' ایک طرف سے مار کر دوسری طرف سے سہلاؤ۔"
"میں اب تک پاشا کے معاملے میں مصروف تھی پھر تم کہیں چلے گئے تھے' میں تمہارا انتظار کرتی رہی تھی۔ ذہن تمہاری طرف الجھا ہوا تھا۔ اب میں اس سے بات کرتی ہوں۔"
وہ فون کے پاس آ کر بیٹھ گئی' ریسیور اٹھا کر نمبر ملائے پھر اسے کان سے لگایا' تھوڑی دیر کے بعد ہی آواز ابھری۔
"ہیلو...... میں سید تراب علی شاہ بول رہا ہوں' آپ کون ہیں؟"
"میں دردانہ بول رہی ہوں۔"
تراب اپنے ڈرائنگ روم میں حشمت لیڈی ڈاکٹر آرزو اور اپنی بیگم کے ساتھ تھا۔ اس نے فوراً ہی ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر آہستہ سے کہا "دردانہ کا فون ہے۔"
حشمت نے بھی ہلکے سے کہا "ہم نے جو پلاننگ کی ہے۔ آپ اسی کے مطابق بولیں گے۔"
اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلا کر کہا "ہیلو...... دردانہ بیگم! تم کہاں ہو؟ ہم نے فون کیا لیکن تمہارا فون تو ہر وقت مصروف ہی رہتا ہے۔"
ادھر سے دردانہ نے پوچھا "ابھی میرا نام سننے کے بعد آپ نے جواب میں دیر کیوں کی؟"
"میں حشمت کو بتا رہا تھا کہ تمہارا فون ہے وہ ابھی تم سے بات کرے گا میں کیا بتاؤں کہ اس پر کیا گزر رہی ہے؟"

وہ انجان بن کر بولی "کیا گزر رہی ہے؟ کیا کوئی پریشانی ہے؟"
"کوئی ایک پریشانی ہو تو بتاؤں' آج شام کو عینی کی شادی تھی' عروج نے ضد کی ہمیں وہاں آنا ہوگا' ہم تو ان سے کوئی تعلق رکھنا نہیں چاہتے تھے لیکن عروج نے کہا کہ اگر اس کی سہیلی کی شادی میں شریک نہیں ہوئے تو وہ ہمیشہ ہم سے ناراض رہے گی۔ آخر ہمیں مجبوراً وہاں جانا پڑا۔"
دردانہ نے کہا "کوئی بات نہیں...... دل نہ چاہے تب بھی ایسے لوگوں سے مجبوراً ملنا پڑتا ہے لیکن وہاں جانے کا فائدہ کیا ہوا؟ میں نے سنا ہے کہ عینی کی شادی نہیں ہو سکی؟"
"جی ہاں...... بارات کا دولہا شادی سے پہلے ہی بھاگ گیا مگر کہا جا رہا ہے کہ اس کی کچھ مجبوریاں ہیں' نامعلوم افراد اس پر فائرنگ کر رہے ہیں یہی بات میں تم سے فون پر کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ میرے بیٹے پر بھی فائرنگ ہو چکی ہے۔"
دردانہ نے حیرانی ظاہر کی "او گاڈ! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا حشمت پر فائرنگ ہوئی ہے؟"
"ہاں...... خدا کا شکر ہے کہ وہ محفوظ ہے کیونکہ وہ کوٹھی کے اندر تھا اور اس نے کھڑکیاں اور دروازے بند کر رکھے تھے۔"
"اس کا مطلب ہے ذیشان اپنی کمینگی دکھا رہا ہے؟"
"بے شک...... یہی بات ہے ہم تو وہاں عینی کے گھر تھے۔ حشمت نے فون پر بتایا کہ اس پر فائرنگ ہو رہی ہے تو ہم پریشان ہو گئے۔ وہاں سے آنے لگے لیکن میں نے ذیشان کو پکڑ لیا۔ اور اس سے کہا' صاف کہو ہمارے بیٹے سے کیا دشمنی ہے؟ اگر اس نے عینی کے ساتھ کچھ برا کیا تھا تو اسے کتنی سزا دو گے؟ کیا اسے جان سے مار دو گے؟ تب وہ قسمیں کھا کر کہنے لگا کہ اس نے حشمت پر گولیاں نہیں چلائی ہیں۔"
وہ بولی "وہ جھوٹا اور مکار ہے دوہری چالیں چل رہا ہے۔ عروج کی وجہ سے آپ لوگوں سے اچھے تعلقات ظاہر کر رہا ہے لیکن دوسری طرف آپ کے بیٹے کو مار دینا چاہتا ہے۔"
تراب علی نے کہا "تم ٹھیک کہہ رہی ہو ہم اس کی مکاریوں کو اچھی طرح سے سمجھ رہے ہیں لیکن میں نے بڑی مصلحت سے کام لیا ہے کہ وہ مجھ سے لاکھوں روپے جرمانے کے طور پر لے لے یا عینی سے کہے کہ وہ حشمت کو اپنے طور سے کوئی سزا دے لیکن اس طرح سے اس کی جان کی دشمن نہ بنے۔"
وہ بولی "آپ کو مصلحتاً بھی اس کے ساتھ کوئی سمجھوتا نہیں کرنا چاہئے۔"

"میں کوئی دل سے سمجھوتا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اسے آزما رہا تھا آخر وہ سچ مچ مکار ہی ثابت ہوا۔ باتیں بناتا رہا لیکن اس نے سمجھوتے کی کوئی بات نہیں کی۔ یہ لو حشمت سے بات کرو۔"
حشمت نے ریسیور لے کر سلام کیا پھر کہا "آپ کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہے میں اب تک چھپتا پھر رہا تھا' آپ نے ضمانت لے کر مجھے آزادی دلائی ہے لیکن یہ آزادی بھی مہنگی پڑ رہی ہے۔"
وہ بولی "تم جوان مرد ہو تمہیں خوفزدہ نہیں ہو جانا چاہیے۔ شیطان کے لیے مشہور ہے کہ وہ جان سے نہیں مارتا مگر ہلکان کرتا ہے اگر وہ تم پر فائرنگ کروا رہا ہے تو سمجھ لو کہ صرف دہشت زدہ کر رہا ہے' وہ تمہیں جان سے نہیں مارے گا لیکن دہشت زدہ کرتے کرتے تمہیں ذہنی مریض بنا دے گا۔"
وہ بولا "ذہنی مریض بن کر رہنا موت سے بدتر ہے مگر میں ایسا نہیں چاہتا میں کسی طرح اس سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"
وہ معنی خیز انداز میں بولی "میں تمہیں نجات دلانے کے بارے میں ہی غور کر رہی ہوں' جب نجات دلاؤں گی تو ذیشان کو دن میں تارے نظر آ جائیں گے۔"
حشمت نے انجان بن کر پوچھا "آپ ایسا کیا کرنا چاہتی ہیں کہ وہ حیران و پریشان ہو جائے گا اور اسے دن میں تارے نظر آ جائیں گے؟"
"تم بس دیکھتے جاؤ۔ میں نے اسی لئے تمہیں ضمانت پر رہائی دلوائی ہے میں اس کے لیے چیلنج بن گئی ہوں اور اس سے کہہ چکی ہوں کہ وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ ایک بات اچھی طرح سمجھ لو کبھی اس کی باتوں میں نہ آنا۔ کبھی اس پر بھروسا نہ کرنا۔"
"ہرگز نہیں آنٹی! میں شیطان پر بھروسا کر لوں گا مگر اس پر بھروسا نہیں کروں گا۔"
"شاباش اب ایسا کرو، اس کے خلاف بھرپور رپورٹ لکھو کہ گرفتاری سے قبل تمہاری ضمانت کی گئی تھی۔ یہ ہی بات اس خر دماغ افسر کو پسند نہیں آئی اور وہ تمہارے خلاف انتقامی کارروائی کر رہا ہے اور تم پر فائرنگ کروا رہا ہے۔ لہٰذا اس جنونی افسر کے خلاف ایکشن لیا جائے۔ یہ لکھ کر مجھے دو۔ میں اس سے خود ہی نمٹ لوں گی۔"
اس نے بڑی فرمانبرداری سے کہا "ٹھیک ہے آنٹی! میں اس کے خلاف بھرپور درخواست لکھ کر دوں گا' مجھے یقین ہے کہ آپ ہی اس خر دماغ افسر سے نمٹ سکیں گی۔"

دردانہ نے مطمئن ہو کر رابطہ ختم کر دیا' حشمت نے ناگواری سے ریسیور رکھ کر کہا "الو کی پٹھی! خود کو بہت چالاک سمجھتی ہے۔ ڈیڈ! وہ کہہ رہی تھی میں ذیشان بھائی کے خلاف درخواست لکھ کر دوں کہ وہ مجھے جان سے مارنے کے لیے اپنے آدمیوں کے ذریعے مجھ پر فائرنگ کروا رہے ہیں ان کے خلاف قانونی طور پر ایکشن لیا جائے۔"
"تم اس کے خلاف کچھ نہیں لکھو گے اور نہ ہی کسی قسم کی تحریر دردانہ کو دو گے۔ وہ رائی کا پہاڑ بنا دے گی۔"
"اسے کچھ لکھ کر دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں تو کل رات تک کسی بھی طرح اس ملک سے چلا جاؤں گا۔"
آرزو بولی "تمہارے پاسپورٹ اور ضروری کاغذات میرے گھر میں ہیں کل صبح وہ ضروری کاغذات لے کر انڈس

ایمبیسی جاؤں گی میں ایک معروف لیڈی ڈاکٹر ہوں' حشمت کی میڈیکل رپورٹ پیش کروں گی کہ اسے فوری علاج کے لیے لندن لے جانا ضروری ہے اس طرح ہمیں فوراً ہی لندن جانے کی اجازت مل جائے گی۔"

تراب علی نے کہا "تمہاری ماں تو اس وقت بھی مصلے پر بیٹھی تمہارے لیے دعائیں مانگ رہی ہے کہ یہاں سے... ایئرپورٹ جانے اور یہاں سے روانہ ہونے تک کوئی بھی دشمن تمہیں نہ دیکھے۔ اور نہ ہی تم پر کوئی آنچ آئے۔ ذیشان کا نمبر ملاؤ میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں وہ بھی تمہارے ساتھ--- ایئرپورٹ تک جائے گا تو ہمیں اطمینان ہوگا۔"

حشمت نے نمبر ڈائل کیے پھر ریسیور اپنے باپ کو دیا وہ اسے کان سے لگا کر انتظار کرنے لگا۔ دوسری طرف سے ذیشان کی آواز ابھری "ہیلو...... میں ذیشان بول رہا ہوں۔"

تراب علی نے کہا "بیٹے! میں بول رہا ہوں حشمت نے کل یہاں سے جانے کے تمام انتظامات کر لیے ہیں۔ آرزو میڈیکل رپورٹ کی بنیاد پر لندن کا ویزا حاصل کر لے گی اب صرف یہ دھڑکا لگا ہے کہ حشمت کے روانہ ہونے تک دردانہ کوئی بھی چال چل سکتی ہے۔"

ذیشان بولا "آپ حشمت اور آرزو کا پاسپورٹ مجھے دیں۔ میں رازداری سے کسی بھی فلائٹ میں سیٹیں ریزرو کروادوں گا اور اپنی نگرانی میں انہیں ایئرپورٹ پہنچاؤں گا، حشمت کی سلامتی میرے لیے بھی ضروری ہے کیوں کہ وہ اسے قتل کروا کے مجھے قاتل ثابت کرنا چاہے گی۔ اور میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔"

"آرزو کل کسی وقت پاسپورٹ اور دوسرے کاغذات تمہارے پاس لے آئے گی۔"

"ٹھیک ہے...... میں انتظار کروں گا' شب بخیر۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا' اسما بولی "آدھی رات گزر چکی ہے پاشا نے اب تک رابطہ نہیں کیا ہے ہمیں بیڈ روم میں چلنا چاہیے۔"

وہ دونوں اٹھ کر وہاں سے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اپنے کمرے میں جانے لگے' ذیشان نے کہا "وہ کسی بڑی مصیبت میں ہی گرفتار ہوگیا ہے ورنہ عینی اور عروج سے ضرور رابطہ کرتا' میرے آدمی اسے تلاش کررہے ہیں' اللہ کرے کہیں سے اس کا سراغ مل جائے۔"

وہ دونوں عینی کے کمرے کے سامنے سے گزرنے لگے تو ذرا رک کر دیکھنے لگے' اندر روشنی تھی وہ دونوں ہی جاگ رہی تھیں اور جاگنا ان کے مقدر میں تھا۔ انہیں نیند نہیں آسکتی تھی۔ پتا نہیں کتنی راتیں پاشا کے انتظار میں جاگنا تھا؟ وہ اسما کے ساتھ اپنے بیڈ روم میں چلا گیا۔

کمرے کے اندر عینی کی آنکھیں رو رہی تھیں' اور عروج کا دل رو رہا تھا' وہ اپنی آنکھوں میں آنسوؤں کو آنے سے روک رہی تھی' عینی پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ اس کے ہونے والے دولہا پر اس کا بھی حق ہے اگرچہ عینی اس کی اور پاشا کی محبت کو سمجھتی تھی پھر بھی ایسے وقت دلہن کا غم بھاری ہوتا ہے۔ اس وقت اپنے دولہا کے لیے رونے کا حق عینی کو تھا' عروج کا فرض تھا کہ وہ اپنے آنسوؤں کو روکتی رہے۔

وہ بولی "عینی! آدھی رات گزر چکی ہے تجھے سو جانا چاہیے۔"

"اور کیا تجھے جاگنا چاہیے؟"

"نہیں...... میں بھی سو جاؤں گی مگر پہلے تو سو جا۔"

"تو کیا سمجھتی ہے کہ آج ہم دونوں کو نیند آجائے گی؟"

عروج ایک گہری سانس لے کر بولی "نہیں ہماری قسمت میں رت جگا لکھا ہوا ہے' اور نہ جانے ہم کتنی راتیں جاگ کر گزاریں گی اور اس کا انتظار کرتی رہیں گی؟"

وہ بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی' پھر بولی "ہم سو نہیں سکیں گی لیکن ذرا کمر سیدھی کر لینا چاہیے آ میرے پاس آجا۔"

عروج بیڈ کے سرہانے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اپنے پاؤں پھیلا کر بولی "ادھر آ...... میرے زانوں پر سر رکھ کر لیٹ جا۔"

عینی ایک ننھی بچی کی طرح اس کے پاس آگئی۔ پھر اس کی آغوش میں گھس گئی' لپٹ کر رونے لگی' پھر بولی "ہماری محبتوں نے اسے ڈبو دیا ہے پتا نہیں وہ کس مصیبت میں ہوگا؟ کیا محبت ایسی ہوتی ہے عین شادی کے وقت عذاب نازل کرتی ہے؟"

عروج نے جلدی سے آنکھیں بند کرلیں' عینی آغوش میں تھی اور اس کا چہرہ عینی پر جھکا ہوا تھا' اگر آنکھیں کھولتی تو آنسو اس پر ٹپکتے اور اس دلہن سے کہہ دیتے کہ صرف اس کا دکھ ہی بھاری نہیں ہے اس سے بھی زیادہ کوئی اس کی محبت میں رو رہی ہے۔

اس نے ہونٹوں کو سختی سے بھینچ لیا۔ "میں آنکھیں نہیں کھولوں گی اے آنسوؤں! جہاں تک آچکے ہو بس وہیں رک جاؤ' خبردار آنکھوں کی دہلیز تک نہ آنا' اگر آنکھ کھل بھی جائے تو دہلیز پار نہ کرنا' قطرہ قطرہ گر کر اس بے چاری دلہن کو نہ رلانا۔ اگر اسے معلوم ہوگیا کہ میں رو رہی ہوں تو سہیلی کا دکھ اسے اور رلائے گا' یہ باؤلی ہے دنیا میں سب سے زیادہ مجھے

چاہتی ہے سب سے زیادہ میرے ساتھ ہی ہنستی ہے اور سب سے زیادہ میرے لیے ہی صدمہ اٹھاتی ہے۔

یا خدا...... اسے محبتیں دے اور اسے محبت دینے والے کو سلامتی دے...... آمین۔"

☆☆☆

وہ کرسی پر ہاتھ پاؤں سے بندھا بیٹھا تھا رات کے تین بجنے والے تھے اور تین گھنٹوں کے بعد صبح ہو جاتی تو جلالی اس کا آخری فیصلہ سننے کے لیے آتا پھر اس کے انکار کرنے پر اسے دردانہ کے حوالے کر دیتا۔ یوں کہنا چاہیے کہ دردانہ اور جلالی نے مل کر اس کی تقدیر کا فیصلہ لکھ دیا تھا اور اس فیصلے پر تین گھنٹے کے بعد عمل ہونے والا تھا۔

اس نے کئی بار زور لگا کر ہاتھ پاؤں کو کھولنا چاہا تھا' کوشش کی تھی کہ کسی طرح آزاد ہو جائے لیکن عقل نے یہ پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ آزاد ہونے کے بعد وہ کمرے سے باہر نہیں جاسکے گا۔ کیونکہ دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا تھا' کھڑکی کے بھی پٹ بند تھے اور اگر وہ کھلے ہوئے بھی ہوتے تو باہر نہیں جا سکتا تھا۔ کیونکہ وہاں لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔

ویسے یہ ایک قدرتی عمل ہے کہ رہائی ملے یا نہ ملے پنچھی پنجرے میں پھڑ پھڑاتا ہے۔

جلالی اسے قید کرنے کے بعد دوبارہ نہیں آیا تھا وہ اور اس کا باپ دوبارہ وہاں آ کر اسے سمجھا منا سکتے تھے۔ اسے رخسانہ سے شادی کرنے پر آمادہ کر سکتے تھے لیکن یوں لگ رہا تھا کہ انہیں اب اس بات کی بھی پروا نہیں ہے۔ ان کے ساتھ ایک لیڈی ڈاکٹر تھی جو ان کی ہمراز تھی وہ ان کی مشکل آسان کر سکتی تھی۔ اس طرح پاشا ان کے لیے غیر اہم ہو سکتا تھا اور ایسا ہی ہو رہا تھا' شاید وہ خود بھی جلالی اور اس کے باپ کے لیے اہم ہونا نہیں چاہتا تھا' اسے ایک نہیں ہزار بار شادی سے انکار تھا۔ وہ تو عینی سے بھی شادی کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن عروج نے مجبور کر دیا تھا۔ اپنی عروج کو ہی آئندہ پانے کے لیے عینی سے شادی کر رہا تھا۔ اب تو دونوں میں سے کوئی بھی اسے ملنے والی نہیں تھیں اس نے سوچ لیا کہ جو ہوگا دیکھا جائے گا جو مقدر میں لکھا ہوگا وہی سامنے آئے گا۔

اور میں تو آمنے سامنے رہتا ہی ہوں' ٹھیک تین بج کر بیس منٹ پر دروازے پر ہلکی سی آہٹ ہوئی۔ کوئی اسے باہر سے کھول رہا تھا' پھر اس کے دونوں پٹ کھلتے ہی رخسانہ اس کی دہلیز پر آ گری۔ وہ برسوں کی بیمار لگ رہی تھی' کمزوری سے ہانپ رہی تھی۔ کمرے کے اندر آ کر بولی "پاشا بھائی! مجھے معاف کر دو تم مجھے بہن کہتے رہے اور میں تمہارے لیے مصیبت بن گئی میں بہت مجبور تھی۔ میں مر سکتی تھی لیکن اپنے پروفیسر حمید کی بدنامی نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس لیے میں نے تمہیں بدنام کر دیا۔"

پاشا بولا "میں نے تمہارے ساتھ نیکی کی اس کا نتیجہ دیکھ لو کہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ تمہارا بھائی مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"آہستہ بولو' میرے ابا سو رہے ہیں' اور بھائی باہر گیا ہوا ہے وہ فیصلہ کر چکا ہے کہ تمہیں اس عورت کے حوالے کر دے گا جس نے اسے دس لاکھ روپے دینے کا وعدہ کیا ہے۔"

وہ اس قدر کمزور تھی کہ بری طرح ہانپ رہی تھی اپنے پیروں پر کھڑی بھی نہیں ہو پا رہی تھی' اس نے روتے ہوئے کہا۔

"وہ لیڈی ڈاکٹر میرے بھائی کی داشتہ ہے اس نے میرا بچہ گرا دیا ہے میری حالت کیا ہوگئی ہے؟ میں موت سے لڑتی یہاں تک آئی ہوں۔"

اور قریب آئی' پھر بولی "میں نے بھائی کو فون پر کہتے سنا ہے کہ وہ اگر دس لاکھ روپے لے آئے گی تو تمہیں اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔"

وہ کمزوری کی شدت سے ہانپتی ہوئی گر پڑی پھر اپنے وجود کو گھسیٹتے ہوئے کرسی کے قریب آگئی۔ اس کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بولی مجھے معاف کر دو' میں نے جو غلطی کی ہے اس کی تلافی کرنا چاہتی ہوں یہاں سے بھاگ جاؤ' کسی طرح اپنی جان بچاؤ۔"

وہ پاشا کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر پوری قوت لگا کر گھٹنوں کے بل اٹھ گئی پھر اس کے ہاتھ کی رسی کو اپنے دانتوں سے کھولنے لگی۔

ذرا سی کوشش سے رسی کھل گئی۔ پھر پاشا نے فوراً دوسرے ہاتھ کی گرہ کھولی اس کے بعد پیروں کو رسیوں سے آزاد کر کے... اٹھ کر کھڑا ہوگیا وہ فرش پر گر پڑی تھی' پاشا اس پر جھکتے ہوئے بولا "تم اپنے کمرے تک واپس جاسکو گی یا میں پہنچا دوں؟"

"تم میری فکر نہ کرو یہاں سے فوراً نکلو' اگلے دروازے پر بھائی کے آدمی ہوں گے تم پچھلے دروازے سے باہر جاؤ' جلدی کرو۔"

وہ تیزی سے دبے قدموں چلتا ہوا۔ اس مکان کے مختلف حصوں سے گزر کر پچھلے دروازے پر آیا پھر اسے آہستگی سے کھول کر جھانکنے لگا باہر سناٹا تھا نیم تاریکی تھی' وہ اللہ کا نام لے کر باہر نکل گیا وہاں کے رستے جانے پہچانے تھے وہ ایک

گلی میں آ کر کبھی چلنے اور کبھی دوڑنے لگا۔

مکان کے اگلے دروازے پر بیٹھا جلالی اپنے حواریوں کے ساتھ چرسی سگریٹ کے کش لگا رہا تھا اور دردانہ کے خاص آدمی کا انتظار کر رہا تھا۔

ایسے ہی وقت ایک کار اس کے مکان کے سامنے آ کر رکی' اس کے آگے پیچھے دو ویگنیں تھیں' جن میں مسلح افراد بیٹھے ہوئے تھے' اسد عزیزی نے کار کی پچھلی سیٹ سے نکل کر ان کی طرف دیکھا' پھر پوچھا" جلالی کون ہے؟"

جلالی نے آگے بڑھ کر کہا" میں ہوں ...... یہ بتاؤ تمہارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام اسد عزیزی ہے اور یہ تمہارے دس لاکھ روپے ہیں۔"

اس نے اپنے ایک حواری کی طرف اشارہ کیا' اس حواری نے ایک بریف کیس جلالی کے حوالے کیا اسد عزیزی بولا" رقم گن لو اور بندے کو ہمارے حوالے کر دو۔"

جلالی بولا" آپ میرے ساتھ اندر آئیں اور پاشا کو اپنے ساتھ لے جائیں۔"

اسد عزیزی اپنے چند حواریوں کے ساتھ مکان کے اندر آیا' جلالی کے ساتھ بیٹھک میں پہنچا تو سب چونک گئے کرسی خالی تھی' رسیاں کھلی ہوئی تھیں اور رخسانہ فرش پر چاروں شانے چت پڑی ہوئی تھی' اس کے لباس کا زیریں حصہ لہو سے بھیگ رہا تھا۔ جلالی نے آگے بڑھ کر اسے غصے سے ایک لات مار کر پوچھا" رخسانہ! کہاں ہے وہ......؟"

وہ بے حس و حرکت پڑی تھی اس کی آواز نہیں سن رہی تھی' دنیا کی تمام آوازوں سے بہت دور جا چکی تھی۔

اسد عزیزی نے جلالی کے ہاتھ سے بریف کیس چھین کر کہا" معلوم ہوتا ہے شکار ہاتھ سے نکل گیا۔ جب وہ ملے گا تب یہ بریف کیس بھی تمہیں مل جائے گا۔"

جلالی بولا" میرا خیال ہے وہ ابھی یہاں سے گیا ہے زیادہ دور نہیں گیا ہوگا' آپ میرے ساتھ چلیں آپ کی گاڑیوں میں اس کا تعاقب ہوگا تو وہ ضرور ہمارے ہاتھ آ جائے گا۔"

وہ سب دوڑ کر باہر آئے' جلالی نے اسد عزیزی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر اپنے حواریوں سے کہا" تم میں سے جتنے بھی ان گاڑیوں میں بیٹھ سکتے ہو بیٹھ جاؤ' وہ فرار ہو گیا ہے' اس کا پیچھا کرنا ہے۔"

سب ہی ان تین گاڑیوں میں بیٹھ گئے پھر وہ گاڑیاں وہاں سے چل پڑیں۔ پاشا کبھی دوڑتا ہوا کبھی تیزی سے چلتا ہوا اس علاقے سے دور نکل جانا چاہتا تھا۔ اس کی کوئی منزل نہیں تھی' کوئی جائے پناہ نہیں تھی۔

اس نے فوری طور پر سوچا کہ کھوکھرا پار یہاں سے قریب ہے جیب میں اچھی خاصی رقم ہے کوئی ٹیکسی رکشا ملے گا تو بیٹھ کر ادھر جائے گا' پھر سرحد پار جانے کی کوشش کرے گا۔ کیوں کہ اس شہر میں اب اس کے لیے پناہ نہیں تھی' قدم قدم پر دشمن پھیلے ہوئے تھے۔

وہ بھاگ رہا تھا' اور سوچ رہا تھا کہ حالات سازگار ہوں گے تو وہ فون خریدے گا پھر عینی عروج سے رابطہ کرے گا ان کے حالات معلوم کرے گا۔ انہیں یقین دلائے گا کہ وہ مجبور ہے ان سے بہت دور جا چکا ہے لیکن جیسے ہی حالات بہتر ہوں گے تو وہ ان کے پاس واپس آ جائے گا۔

بہت دور نکل جانے کے بعد اس نے پلٹ کر دیکھا گاڑی کی ہیڈ لائٹس دکھائی دیں' پہلے تو سوچا کہ شاید کوئی ٹیکسی ہے لیکن وہ ایک نہیں تین تین گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس تھیں وہ اس کی طرف تیزی سے آ رہی تھیں اس کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی وہ پلٹ کر بھاگنے لگا' جس سمت بھاگ رہا تھا ادھر ویرانہ تھا' دور کہیں چھوٹی چھوٹی بستیاں ہوں گی۔ جو رات کے اس پہر خاموش تھیں' اور تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

گاڑیوں کی رفتار اس سے زیادہ تیز تھی' ان کی ہیڈ لائٹس کی روشنی اس پر پڑنے لگی' جلالی نے چیخ کر کہا" وہ بھاگ رہا ہے۔"

وہ تینوں گاڑیاں تین مختلف سمتوں میں جانے لگیں ان کا انداز ایسا ہی تھا' جیسے وہ اسے چاروں طرف سے گھیرنا چاہتے ہوں اور یہی ہو رہا تھا' اس کے دائیں بائیں دو گاڑیاں فاصلہ رکھ کر اس سے بہت آگے نکل گئی تھیں۔ ایک گاڑی پیچھے تھی' پھر وہ تینوں گاڑیاں رک گئیں ان میں سے مسلح افراد اتر کر اس پر فائرنگ کرنے لگے اور اس کے چاروں طرف پھیلنے لگے' وہ پریشان ہو کر چاروں طرف گھوم کر دیکھنے لگا' کہیں سے بھاگنے کا راستہ نہیں مل رہا تھا۔

اس نے پھر ایک سمت بھاگنا شروع کیا ہر طرف سے گولیاں چل رہی تھیں' وہ ایسا بھی مقدر کا سکندر نہیں تھا کہ گولیوں کی بوچھاڑ سے بچ نکلتا' کوئی گولی تو اسے لگنی ہی تھی' آخر لگ ہی گئی۔

وہ لڑکھڑا کر گرا۔ جسم میں پیوست ہونے والی گولی انگارے کی طرح دہک رہی تھی' پھر بھی وہ ہمت کر کے اٹھا اور

لڑکھڑا کر آگے جانے لگا پھر دوسری گولی لگی' وہ ایک دم سے اچھل کر زمین پر آ گرا۔

"آہ......!" اس کی زبان سے بے اختیار نکلا" عروج!"

وہ اپنے تھرتھراتے جسم کو لے کر اٹھنے لگا' پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا لڑکھڑا کر ایک قدم آگے بڑھا' پھر بولا" ہائے عروج تیری محبت شادیانے بجا رہی ہے۔"

اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ بینڈ باجوں کی آواز سنائی دے رہی تھی' وہ دولہا بنا گھوڑے پر سوار تھا اور بینڈ باجوں کی دھن کہہ رہی تھی۔

"مکھڑے پہ سہرا ڈالے' آ جا او آنے والے
چاند سی بنو میری تیرے حوالے"

تھائیں سے ایک گولی چلی۔ وہ چکرا کر گر پڑا۔ اکھڑتی سانسوں کے دوران اس نے عینی کو نہیں عروج کو دلہن بنے دیکھا وہ دونوں بازو پھیلا کر اسے اپنی طرف بلا رہی تھی۔

زندگی تو بلاتی ہی رہتی ہے لیکن موت کی دہلیز پر پہنچ کر کون واپس آتا ہے۔

بہت سارے قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں اسے گھیرنے والے قریب آ رہے تھے۔ انہوں نے ٹارچ کی روشنی میں دیکھا اس کا جسم ساکت ہو گیا تھا وہ چاروں شانے چت تھا۔ اس کی دونوں ہتھیلیاں پھیل گئی تھیں۔ آج اس کی سہاگ رات تھی اور آج رات وہ اپنے لہو میں نہا چکا تھا۔ کچھ بدنصیب اپنا آخری غسل اپنے لہو سے ہی کرتے ہیں۔

اس کی پھیلی ہوئی ہتھیلیوں پر مقدر کی لکیریں تھیں اور میں اس کی زندگی کی لکیر پر کھڑا ہوا تھا۔ میں تو جس کے ساتھ پیدا ہوتا ہوں اس کے ساتھ مر جاتا ہوں۔ پھر میں زندہ کیسے تھا؟ اس لیے کہ زندگی کی وہ لکیر ابھی باقی تھی۔ بہت دور تک گئی ہوئی تھی اور مجھے دور تک چلتے ہوئے اپنی بازی گری دکھانی تھی۔

میں مقدر ہوں۔
اک بازی گر ہوں۔
ہاتھوں کی لکیروں پر۔
تمہارا ہم سفر ہوں۔
تمہارا دوست ہوں۔
اور دشمن بھی۔
تمہارے ساتھ جنم لیتا ہوں۔
تمہارے ساتھ ہی مر جاتا ہوں۔
میں مقدر ہوں۔
اک بازی گر ہوں۔
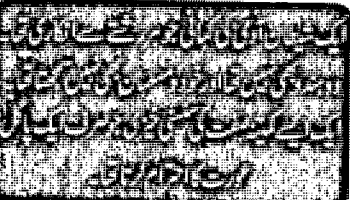
ڈاک خرچ 30 روپے
رقم پیشگی منی آرڈر ارسال کریں' ڈاک خرچ بذمہ ادارہ ہوگا
اپنے ہاکر یا اپنے شہر کے ہر اچھے بک اسٹال سے طلب فرمائیں
ناشر
علی میاں پبلیکیشنز
۲۰۔ عزیز مارکیٹ اردو بازار لاہور
7247414
اسٹاکسٹ
علی بکسٹال
نسبت روڈ چوک میو ہسپتال، لاہور

عروج بیڈ کے سرہانے سے ٹیک لگائے نیم دراز تھی۔ عینی اس کے زانو پر سر رکھے سو رہی تھی۔ پاشا کی جدائی کا صدمہ ایسا تھا کہ نہ نیند آ سکتی تھی اور نہ ہی کسی پہلو قرار آ سکتا تھا، لیکن ذہنی طور پر دونوں اس قدر تھک گئی تھیں کہ ہارے ہوئے سپاہیوں کی طرح نڈھال سی ہو کر سو گئی تھیں۔

آنکھیں بند ہوں تو ہر سُو تاریکی نظر آتی ہے۔ اس تاریکی میں پاشا نظر آ رہا تھا۔ وہ اِدھر سے اُدھر بھٹک رہا تھا اور عروج کو پکار رہا تھا۔ اس ویرانے میں عروج کی آواز گردش کر رہی تھی "کہاں ہو......؟ کہاں ہو......؟ تم کہاں ہو......؟"

وہ دوڑتا ہوا ایک درخت کے پیچھے چھپ گیا۔ کہنے لگا "میں تمہارے پاس آنا چاہتا ہوں لیکن مجھے راستہ نہیں مل رہا۔"

"تم اندھیرے سے نکل کر روشنی میں آؤ گے تو راستہ دکھے گا۔ فوراً چلے آؤ۔ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔"

"میں آ رہا ہوں۔ ابھی آ رہا ہوں۔"

وہ پھر دوڑتا ہوا ایک طرف جانے لگا۔ ایک جگہ رک کر آوازیں سننے لگا۔ گاڑیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ آگے پیچھے سے دائیں بائیں سے۔ وہ اِدھر اُدھر گھوم گھوم کر دیکھ رہا تھا اور کہہ رہا تھا "دشمن قریب آ رہے ہیں۔ میں کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ میں دشمن سے خوف زدہ نہیں ہوں لیکن یہ ایک نہیں بے شمار ہیں۔ کس کس سے مقابلہ کروں گا؟ تم تک کیسے پہنچوں گا؟"

عروج اسے ڈھونڈتی ہوئی آ رہی تھی۔ پتا نہیں وہ کون سی جگہ تھی کہ اسے اپنا دلدار دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی "مجھے بتاؤ تم کہاں ہو؟ میں تمہارے پاس آ رہی ہوں۔ میں تم سے لپٹ کر تمہارے لیے ڈھال بن جاؤں گی۔"

پاشا اچانک روشنی میں آ گیا۔ کئی طرف سے ہیڈ لائٹس کی روشنیاں اس پر پڑ رہی تھیں۔ وہ چیخ کر کہہ رہا تھا "عروج......! اِدھر نہ آنا۔ یہاں موت ہی موت ہے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی ٹھائیں سے گولی چلنے کی آواز آئی پھر تڑاتڑ کی آواز کے ساتھ کئی گولیاں چلیں۔ پاشا اِدھر سے اُدھر بھاگ رہا تھا مگر گولیاں کھا رہا تھا۔ اس کا لباس اپنے ہی لہو سے تربتر ہو رہا تھا۔ وہ لڑکھڑا رہا تھا۔ سنبھل رہا تھا۔

عروج دوڑتی آ رہی تھی لیکن جھاڑیوں میں الجھ گئی تھی۔ دونوں بانہیں پھیلائے وہاں سے نکلنے کی کوشش کر رہی تھی اور چیخ رہی تھی "نہیں......نہیں!......تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ میں ابھی آ رہی ہوں۔"

وہ بار بار جھاڑیوں سے نکلنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اور الجھ رہی تھی۔ پاشا اپنے لہو میں ڈوب چکا تھا۔ وہ چکراتا ہوا زمین پر گرتا ہوا بولا "آہ...... عروج......! عروج......! عروج......!"

ایک آخری گولی ٹھائیں کی آواز کے ساتھ چلی اور وہ اُچھل کر زمین پر گر پڑا۔

عروج کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ تیزی سے دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھ کر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگی۔ اس وقت وہ عینی کے بیڈروم میں تھی۔ بیڈ کے سرہانے سے ٹیک لگائے نیم دراز تھی اور عینی اس کے زانو پر سر رکھے سو رہی تھی۔

اس کا ہاتھ دھڑکتے دل پر تھا اور دل کی ہر دھڑکن کہہ رہی تھی "یہ خواب تھا۔ یہ خواب تھا۔ یہ سچ نہیں ہو سکتا۔ پاشا دھڑکنوں میں جاگ رہا ہے تو پھر زندہ ہی ہے اور زندہ رہے گا۔ خواب جھوٹے ہوتے ہیں۔"

اس کے اندیشوں نے کہا "خواب سچے بھی تو ہوتے ہیں۔"

وہ پریشان ہو کر سوچنے لگی "کیا میں نے پہلے کبھی ایسے خواب دیکھے ہیں؟ جو سچے ہوئے ہوں؟"

وہ سوچنے لگی۔ یاد کرنے لگی۔ یادداشت کے اوراق الٹنے لگی تو ایک صفحے پر اس نے دیکھا کہ چند ماہ پہلے اسے خواب میں ایک خوب رو قدآور جوان دکھائی دیا تھا۔ وہ آگ اور خون کے دریا سے گزرتا آ رہا تھا اور اس کی طرف دونوں بازو پھیلائے کہہ رہا تھا "میری جان میں تیرے لیے آگ اور خون کا دریا پار کرتا رہوں گا اور تیرے قریب سے قریب تر ہونے کی کوشش کروں گا۔"

اس آنے والے کا چہرہ دھندلایا ہوا سا تھا لیکن اس کی آواز پاشا جیسی تھی پھر چند ماہ کے بعد ہی اس نے پاشا کو اسپتال میں دیکھا۔ وہ اس کے زخمی ڈیڈی کو اسپتال لایا تھا اور وہاں اس نے اپنا خون اسے دیا تھا۔

مختصر یہ کہ وہ خواب سچا ہوا تھا اور یہ بات بھی سچ ہوئی تھی کہ وہ آگ اور خون کے دریا سے گزرتا ہوا اس کے قریب سے قریب تر ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔

یہ عروج کی خود غرضی تھی کہ اس نے اپنی محبت کو عینی کے حوالے کیا تھا۔ پاشا نے خواب میں لہو میں ڈوبتے ہوئے کہا تھا "ہائے عروج......! تم مجھے عینی کے حوالے نہ کرتیں تو مجھ پر آج یہ مصیبتیں نہ آتیں۔ ہم دونوں کا کوئی دشمن نہ ہوتا اور ہم کسی رکاوٹ کے بغیر ایک ہو جاتے۔"

عروج نے نظریں جھکا کر عینی کو دیکھا۔ وہ اس کے زانو

[ر]کھے گہری نیند میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس نے دل میں کہا "[...] کیسے تمہیں عینی کے حوالے نہ کرتی۔ یہ تو میری جان [...] جب میں نے تمہیں اپنا دل دیا ہے تو جان کیسے نہ [...]؟"

وہ بڑے پیار سے اس کے سر کو سہلانے لگی۔ وہ نیند میں [...]کسمائی۔ عروج اسے تھپکنا چاہتی تھی۔ اس نے اچانک ہی [آن]کھ کھول دی۔ بہت گھبرائی ہوئی لگ رہی تھی پھر اٹھ کر بیٹھ [گئ]ی۔ کچھ نیم بیداری کچھ نیم خوابی کی سی حالت تھی۔ پھر عروج [کو] دیکھتے ہی وہ اس سے لپٹ گئی۔ اس نے پوچھا "کیا ہوا [می]ری جان......؟"

اس کا دل عروج کے دل پر دھڑک رہا تھا اور بے تحاشا دھڑک رہا تھا۔ جیسے دہشت زدہ ہو۔ اس نے تھپکتے ہوئے پوچھا "بولو تو سہی......کیا بات ہے......؟"

وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی "میں نے خواب دیکھا ہے۔ بہت ہی دل توڑنے والا خواب دیکھا ہے۔"

اب تو خواب دیکھنا ہی رہ گیا تھا۔ خواب دل توڑنے والا ہو یا جوڑنے والا۔ خوش فہمی میں مبتلا کرنے والا ہو یا خوشی چھین لینے والا ہو۔ عروج سمجھ گئی کہ اس نے بھی اسی کی طرح دہشت زدہ کرنے والا کوئی خواب دیکھا ہے۔

عینی نے کہا "یہ اچھا ہے کہ تو جاگ رہی ہے۔ مجھے بھی جاگتے رہنا چاہیے۔ اس طرح کوئی برا خواب آنکھوں میں نہیں آئے گا۔ وہ خیریت سے ہوگا ناں......؟ بول تیرا دل کیا کہتا ہے؟"

"دل کا کیا ہے۔ یہ تو گیند کی طرح کبھی اِدھر کبھی اُدھر لڑھکتا ہے۔ کبھی دلاسے دیتا ہے کبھی حوصلے توڑ دیتا ہے۔ یہ تو بتا کہ تو نے دیکھا کیا ہے؟"

وہ لرزتی آواز میں بولی "میں نے جنازہ دیکھا ہے۔"

عروج کا دل دھک سے رہ گیا۔ اس کی آواز بھی لرزنے لگی۔ اس نے پوچھا "کس کا جنازہ......؟"

"پہلے تو میں سمجھ نہ سکی۔ وہ میری آنکھوں کے سامنے اس جنازے کو اٹھا کر لے گئے اور جدھر لے گئے۔ ادھر میرا دل کھنچا جا رہا تھا۔ جب میں نے خود کو دیکھا تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ میرے بدن پر سیاہ ماتمی لباس تھا۔ مجھے یقین نہیں ہو رہا تھا کہ جو نہیں ہونا تھا وہ ہو رہا ہے۔"

عروج اسے تھپک کر بولی "دیکھ......تو نے صرف جنازہ دیکھا ہے۔ کسی کا چہرہ تو نہیں دیکھا......؟"

وہ عروج سے الگ ہو گئی۔ اس کی طرف دیکھنے لگی۔ ایک تو ویسے ہی ہر چہرہ دھندلا سا نظر آتا تھا۔ اس وقت آنسوؤں نے سہیلی کو اور دھندلا دیا تھا۔ وہ بولی "ایسے کیوں دیکھ رہی ہے؟"

وہ بولی "میں نے دیکھا کہ رات کا وقت ہے اور میں قبرستان میں ہوں۔ مختلف قبروں کے درمیان سے گزر رہی ہوں پھر میں ایک قبر کے پاس آ کر رک گئی۔ میں نے دل پر ہاتھ رکھ کر قبر کے سرہانے دیکھا۔ وہاں کتبے پر لکھا ہوا تھا۔ سلامت پاشا عرف پاشا جانی۔"

یہ سنتے ہی عروج اس سے لپٹ گئی۔ دونوں ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ نہ جانے تعبیر کیا ہوگی......؟ مگر خواب رلا رہے تھے۔ خواب کبھی آگہی دیتے ہیں کہ ایسا ہو چکا ہے اور کبھی پیش گوئی کرتے ہیں کہ ایسا ہونے والا ہے۔ کبھی وسوسے پیدا کرتے ہیں اور کبھی اندیشوں میں مبتلا کرتے ہیں۔

ایک نے دوسری کو تھپک کر کہا "رو کیوں رہی ہے۔ چپ ہو جا؟"

"تو بھی تو رو رہی ہے۔ تو کیوں چپ نہیں ہوتی؟"

"کیا تو نہیں جانتی کہ تیرے ساتھ میں بھی روتی ہوں۔ تو چپ ہوگی تو میں بھی چپ ہو جاؤں گی۔"

"ہمیں خدا پر بھروسا کرنا چاہیے۔ وہی اسے زندہ و سلامت رکھے گا۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ خواب سچا ہو۔"

وہ دونوں الگ ہو گئیں۔ ایک دوسرے کے آنسو پونچھنے لگیں پھر عینی نے کہا "میں چاہتی ہوں کہ یہ خواب سچا ہو۔"

عروج نے چونک کر اسے دیکھا پھر پوچھا "یہ کیا کہہ رہی ہے؟"

"میں نے آگے نہیں بتایا ہے کہ خواب میں اور کیا دیکھا ہے۔"

عروج نے اس کے دونوں بازو تھام کر پوچھا "کیا دیکھا ہے؟ جلدی بول......سلامتی کا خواب ہے ناں......؟"

عینی نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا پھر بولی "میں نے ایک ہری بھری وادی میں اسے دیکھا۔ وہ بہت ہی ہینڈسم اور اسمارٹ نظر آ رہا تھا۔"

عروج نے خوش ہو کر پوچھا "کیا سچ......؟ کیا تو نے اسے زندہ و سلامت دیکھا ہے؟"

وہ پھر ہاں کے انداز میں سر ہلا کر بولی "اسے دیکھتے ہی میں دوڑ کر اس کے پاس پہنچی پھر پوچھا تم کہاں بھٹک رہے ہو۔ میں دلہن بنی انتظار ہی کرتی رہی لیکن تم نہیں آئے۔ کیا تم مجھے بھول گئے ہو؟ کیا عروج کو بھی بھول گئے ہو؟"

اس نے حیرانی سے پہلے مجھے دیکھا پھر پوچھا "کون ہو

تم......؟''

اس کے اس سوال نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے حیرانی سے پھر پوچھا ''یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ کیا تم مجھے نہیں پہچانتے؟ میرا تمہارا نکاح پڑھایا جانے والا تھا۔ کیا یہ بات بھول گئے ہو؟''

''پتا نہیں تم کون ہو......؟ اور یہ کیا کہہ رہی ہو؟ میں نے تمہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا پھر تمہارے ساتھ میرا نکاح کیسا؟''

میرا دل ٹوٹ رہا تھا پھر بھی پوچھا ''کیا تم مجھے بھول گئے ہو؟ کیا اپنی پہلی محبت کو بھی بھول گئے ہو؟ اس پہلی محبت کو یاد کرو۔ جس کا نام عروج ہے۔ تم اسے حاصل کرنا چاہتے تھے؟''

وہ بولا ''سب ہی عروج حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کون سی نئی بات کہہ رہی ہو؟''

میں نے جھنجلا کر کہا ''عروج اس لڑکی کا نام ہے جسے تم دل و جان سے چاہتے ہو۔ میں آگے نہ بول سکی۔ اسی وقت ایک حسین لڑکی وہاں آ گئی۔ وہ پاشا سے بولی ''ہائے ہینڈسم۔''

وہ بھی بولا ''ہائے سویٹی!''

اس حسینہ نے ایک پھول اسے پیش کرتے ہوئے کہا۔

''ہیپی ویلنٹائن ڈے۔''

پاشا نے اس سے پھول لیا پھر اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر میری طرف سے منہ پھیر کر چلا گیا۔ یہ ایسا دل توڑنے والا خواب تھا کہ میری آنکھ کھل گئی۔''

وہ دونوں ایک دوسرے کا منہ تکنے لگیں پھر عینی نے پوچھا ''ایسے خواب کی کیا تعبیر ہو سکتی ہے؟''

''کیا کہا جا سکتا ہے؟ یہ تو وہی بتا سکتے ہیں جو خوابوں کے اسرار جانتے ہوں۔ مجھے تو یہ سن کر اطمینان ہو رہا ہے کہ تو نے پاشا کو زندہ و سلامت دیکھا ہے۔''

''ہاں...... مگر یہ بھی تو دیکھا ہے کہ وہ ہرجائی ہو گیا ہے۔''

''میں نہیں مانتی۔ وہ مجبوری میں تو ہم سے دور ہو سکتا ہے لیکن ہرجائی نہیں ہو سکتا۔''

''پھر میں نے ایسا خواب کیوں دیکھا؟''

''وہ نکاح کے وقت نہیں آیا۔ تیرے لاشعور میں یہ بات چھپی ہوئی ہے کہ وہ بے وفا ہے۔ اس نے دھوکا دیا ہے۔ کیا تو ایسا نہیں سوچ رہی تھی؟''

''ہاں۔ کبھی کبھی یہ خیال آتا ہے کہ وہ لاکھ مجبور سہی لیکن کہیں سے بھی فون پر ہم سے دو بات تو کر سکتا تھا لیکن وہ بھی نہیں کر رہا ہے۔ کچھ تو دل میں شبہ پیدا ہوا ہوگا۔''

''تو نے اسی شبے میں مبتلا ہو کر یہ خواب دیکھا ہے۔''

''ہمیں صبر کرنا ہوگا۔ انتظار کرنا ہوگا۔ ذیشان بھائی بھی اپنے ماتحتوں کو حکم دیا ہے۔ وہ سب اسے تلاش کر رہے ہیں۔ صبح تک کوئی اچھی خبر ضرور ملے گی۔''

عینی نے آگے کو جھک کر اس کے شانے پر سر رکھ دیا۔

☆☆☆

فلک ناز دوسری صبح لاہور پہنچ گئی۔ وہاں اس کی سسر تھی۔ ساس سسر نند بھاوج سب ہی تھیں اور وہیں اس کی آسرا بچپن سے پرورش پا رہی تھی۔

فلک ناز نے پندرہ برس پہلے اپنے شوہر کی وفات کے بعد سسرال والوں کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ اپنے بیٹے عدنان آسرا بیٹی کو میکے لانا چاہتی تھی۔ ساس سسر نے اس سے کہا کہ وہ ان کی پوتی اور پوتے کو نہ لے جائے۔ یہ ان کے کی نشانی ہیں۔ انہیں وہیں پرورش پانی چاہیے لیکن فلک نے ان کی بات نہیں مانی۔ آسرا بچپن سے ہی اپنی دادی بہت مانوس تھی۔ وہ اسے چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ دادی نے تھا ''کم از کم میری پوتی کو میرے پاس رہنے دو۔

ناز نے بھی سوچا تھا، ٹھیک ہے بیٹی کا بوجھ کیوں اٹھا بیٹا ہی جوان ہو کر کام آتا ہے۔ اسی لیے وہ بیٹے عدنان کو ساتھ لے کر آ گئی تھی۔

اس کی ساس سسر سے بنتی نہیں تھی۔ وہ کئی برس تک ... سے بھی ملنے نہیں گئی لیکن عدنان جب جوان ہوا تو اپنے دادی سے ملنے وہاں اکثر جانے لگا۔ ناز نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ ماں کی بات نہیں مانتا تھا۔ کچھ اپنا رول تھا۔

پچھلے اتنے برسوں میں اس نے بیٹی کو کبھی نہیں پوچھا تھا اب وہ اسے اپنے ساتھ لینے آئی تھی۔ ساس نے کہا ''جب چھ برس کی تھی۔ جب تم اسے ہمارے پاس چھوڑ گئی تھیں۔ تب سے ہم نے اس کی پرورش کی۔ اب اسے ہم تمہارے ساتھ نہیں جانے دیں گے۔''

وہ بولی ''آسرا میری بیٹی ہے۔ میں اسے جب چاہوں لے جا سکتی ہوں۔ جہاں چاہوں لے جا سکتی ہوں۔''

آسرا نے کہا ''ممی آپ یہ خیال دل سے نکال دیں میں آپ کے کہنے سے کہیں چلی جاؤں گی۔ اب میں بڑی ہو گئی ہوں۔ قانونی طور پر اپنی مرضی کی مالک ہوں۔''

''اے بیٹی......! تم میری مخالفت کیوں کر رہی ہو؟ میں تمہیں جہنم میں تو لے جا نہیں رہی ہوں۔''

''میں آپ کے ساتھ جنت میں بھی نہیں جاؤں گی۔ ...نے پچھلے پندرہ برسوں میں پلٹ کر مجھے نہیں پوچھا اور ...زی چلی آ گئی ہیں۔ آخر مطلب کیا ہے؟''

''بیٹی......! میرا کیا مطلب ہوگا؟ میں تو اپنی اولاد کی ...سوچتی ہوں۔ ادھر عدنان کی بہتری سوچ رہی تھی کہ کسی ...عینی سے اس کی شادی ہو جائے اور اب انکشاف ہوا ...میرے مرحوم بھائی نے ایک اور شادی کی ہوئی تھی۔ اس ...سے ایک بیٹا ہوا تھا۔ اب وہ جوان ہو گیا ہے اور کروڑوں ...روبار سنبھال رہا ہے اور کروڑوں کی جائداد کا مالک ہے۔ ...نے خاندان کی کسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ میں ...تی ہوں کہ وہ تم سے متاثر ہو جائے اور تمہیں پسند کر لے۔ ...نے یہاں کا فون نمبر بھی دیا تھا۔ تاکہ وہ تم سے بات ...کے ملاقات کر لے۔''

آسرا نے کہا ''ہاں۔ کسی مقدر حیات کا فون آیا تھا کہہ رہا ...کہ وہ اسلام آباد میں ہے۔ شام تک یہاں آئے گا تو مجھ ...ملے گا۔ آپ سے پہلے وہ فون پر بتا چکا ہے کہ وہ کون ہے ...ہمارے خاندان میں اس کی کتنی اہمیت ہے۔''

...ناز نے خوش ہو کر کہا ''یہ تو بڑی اچھی بات ہے بیٹی کہ ...اس نے تمہیں فون کیا تھا۔ کیا تم نے اسے اپنے گھر بلایا ہے؟''

''ہاں۔ اس لیے بلایا ہے کہ آج میری سالگرہ کی ...تقریب ہے اور ہمارے تمام رشتے دار بھی آ رہے ہیں۔ اس ...لیے میں نے اسے بھی بلایا ہے۔''

ناز بولی ''چلو۔ میرے سر سے تو بوجھ اتر گیا۔ میں چاہتی ...ہوں کہ وہ نمرہ سے پہلے تم سے ملاقات کرے اور پہلے تم سے ...تاثر ہو جائے۔''

''ممی! آپ اپنی کہے جاتی ہیں۔ دوسروں کی بھی سنا ...کریں۔ یہ ضروری تو نہیں ہے کہ میں اسے پسند کروں اور اس ...سے شادی کروں۔''

''کیوں شادی نہیں کرو گی؟ اس میں کوئی خرابی تو نہیں ...ہے۔ مالدار ہے۔ تمہارا مقدر چمکا دے گا۔''

آسرا نے کہا ''ممی! میرا نام آسرا ہے اور میں مقدر کا ...آسرا نہیں تکتی، تدبیر سے اپنی تقدیر چمکانا جانتی ہوں۔''

''میں تدبیر ہی تو بتا رہی ہوں۔''

فلک ناز کی ساس یعنی آسرا کی دادی نے کہا ''بیٹی! ابھی ...اپنی ماں کے فیصلے سے انکار نہ کرو۔ پہلے مقدر حیات کو دیکھ لو۔ ...اس سے ملاقات کر لو۔ ہو سکتا ہے وہ تمہیں اچھا لگے اور تم اسے ...پسند کر لو۔''

پھر ساس نے بہو سے کہا ''ہم تو خود چاہتے ہیں کہ ہماری طرح تاجر برادری کا کوئی لڑکا آسرا کو پسند کر لے ہو۔ تم کبھی ہماری بن کر نہیں رہیں۔ آسرا کا رشتہ اس دولت مند لڑکے سے ہو جائے گا اور میری پوتی شاد و آباد رہے گی تو میں تمہاری پچھلی غلطیوں کو معاف کر دوں گی اب تم یہاں رہو۔ شام کو وہ لڑکا یہاں آئے تو اس سے ہمارا تعارف کروا دینا۔''

''میں کیا تعارف کرواؤں گی۔ میں نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ پھر یہ ہے کہ میں شام تک نہیں رہ سکتی۔ میرا کراچی واپس جانا ضروری ہے۔ وہاں عینی کی شادی ہونے والی تھی۔ جو رک گئی ہے اور اللہ کرے کہ اب وہ شادی نہ ہو۔ اس طرح میرے بیٹے کے لیے بھی موقع نکل آئے گا۔ اگر میں وہاں نہیں گئی تو بھابی جان اپنے بیٹے بابر کے لیے راستہ ہموار کرنے لگیں گی۔''

ساس نے کہا ''عینی اپنے خاندان میں کبھی شادی نہیں کرے گی۔ میں نے پہلے بھی کہا تھا اور اب بھی کہہ رہی ہوں۔ تم خوامخواہ عدنان کو اس سے منسوب کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ یہاں آج شام مقدر حیات آنے والا ہے۔ بیٹی کی قسمت سنورنے والی ہے۔ تمہیں یہاں رہنے پر غور کرنا چاہیے لیکن بیٹے کی اتنی اہمیت ہے کہ بیٹی کو نظرانداز کر کے پھر واپس جا رہی ہو۔''

ناز بولی ''آپ پھر ساس ہونے کا ثبوت دے رہی ہیں۔ بیٹی کو میرے خلاف بھڑکا رہی ہیں۔ میرے جانے کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ میں اپنی بیٹی کو نظرانداز کر رہی ہوں؟ یہ آج مقدر حیات سے ملے گی پھر ایک ہفتے کے بعد میرے پاس آ جائے گی۔ کیونکہ مقدر وہاں پہنچنے والا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اس سے پہلے آسرا وہاں پہنچ جائے۔ وہاں نمرہ اور خاندان کی پتا نہیں کتنی لڑکیاں ہوں گی۔ میری آسرا کو بھی کسی سے پیچھے نہیں رہنا چاہیے۔''

فلک ناز وہاں چار گھنٹے رکی پھر لنچ کے بعد کراچی کے لیے روانہ ہو گئی۔ میں تو نمرہ کا دیوانہ تھا۔ اس کے سامنے کوئی لڑکی نگاہوں میں نہیں جچتی تھی۔ کتنی ہی حسینائیں اب تک میرے قریب آ چکی تھیں اور مایوس ہو کر واپس جا چکی تھیں۔ میں آسرا میں دلچسپی لینا نہیں چاہتا تھا لیکن سب کو خوش کرنا مقدر کا کام ہے۔

میری اپنی کوشش ہوتی ہے کہ کسی کو میری ذات سے دکھ نہ ہو۔ ان کے اعمال ہی انہیں بدنصیبی کی طرف لے جاتے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ میں تو کیا دنیا کا کوئی بھی شخص ہر ایک کو خوش نہیں رکھ سکتا۔ میں بھی ہر ایک کو خوش رکھنے کے سلسلے میں ناکام

ہو جاتا ہوں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آسرا کو کس حد تک خوش رکھ سکوں گا۔ ویسے میرا پیار میری دیوانگی صرف نمرہ کے لیے ہے اور اسی کے لیے رہے گی۔

شام کو آسرا کی سالگرہ تھی۔ میں اس تقریب میں پہنچ گیا۔ یہ جانتا تھا کہ آسرا سے سامنا ہوگا۔ اسے بہلانے کے لیے میں نے ایک تدبیر کی۔ اپنے ایک شناسا سے کہا کہ وہ آج چند گھنٹوں کے لیے مقدر حیات بن جائے۔ میرا وہ دوست ماہر بیگ بڑا زندہ دل تھا۔ وہ بولا "میں سمجھ گیا۔ تم اتنے امیر کبیر ہو کہ تم کسی بھی تقریب میں جاتے ہو تو لڑکیاں تمہارے آگے پیچھے ہو جاتی ہیں۔ یہی بات ہے ناں......؟"

میں نے کہا "ہاں۔ یہی بات ہے تم مقدر حیات ہو۔ آج سے بارہ دنوں کے بعد تم کراچی جانے والے ہو اور وہاں اپنی سوتیلی بہن عینی سے ملو گے۔ اس بہن کو تم بہت چاہتے ہو۔ وہاں تمہارے ایک چچا ہیں۔ ایک چچی ہیں۔ ایک پھوپی جان ہیں اور پھوپی زاد بھائی عدنان بھی ہے۔ چچا کے بیٹوں کے نام ذیشان اور بابر ہیں۔ ان کی ایک چھوٹی بہن نمرہ ہے اور پھوپی جان کی بیٹی آسرا سے ابھی تقریب میں سامنا ہوگا۔"

تقریب کا اہتمام کوٹھی کے بڑے سے لان میں کیا گیا تھا۔ جب ہم احاطے میں داخل ہوئے تو استقبال کرنے والوں میں آسرا کے دادا دادی بھی تھے۔ ہم نے انہیں سلام کیا۔ دادا نے مصافحہ کر کے کہا "آپ کی تعریف؟"

میرے دوست ماہر بیگ نے کہا "جی میرا نام مقدر حیات ہے۔ میری آسرا سے فون پر گفتگو ہو چکی ہے۔"

یہ سنتے ہی دادا نے اسے گلے لگالیا۔ دادی نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعائیں دیں پھر کہا "آؤ۔ تمہیں آسرا سے ملاتی ہوں۔"

دادا نے مجھ سے صرف مصافحہ کیا تھا۔ میں دادی اور ماہر بیگ کے پیچھے چلتا ہوا آسرا کے پاس پہنچا۔ وہ سہیلیوں اور دوستوں کے درمیان گھری ہوئی تھی۔ وہ سب باتیں کر رہے تھے اور بات بات پر ہنس رہے تھے۔ آسرا ان کے مقابلے میں کچھ سنجیدہ تھی۔ اس لیے کہ اس کے مزاج میں ہمیشہ سے سنجیدگی رہی تھی۔

دادی نے مسکرا کر کہا "آسرا......! یہ دیکھو کون آیا ہے......؟"

سب چپ ہو کر مجھے اور ماہر بیگ کو دیکھنے لگے۔ مقدر میں زیادہ کشش ہوتی ہے۔ دنیا کے تمام انسانوں کے لیے یہ تجسس قائم رہتا ہے کہ آئندہ ان کا مقدر کیا کھیل کھیلنے والا ہے۔ کچھ ایسی ہی کشش میری شخصیت میں تھی۔ اس لیے وہ سب مجھے دیکھ رہے تھے۔ خصوصاً لڑکیاں تو میری طرف چلی آتی ہیں۔ میں اپنے منہ میاں مٹھو نہیں بن رہا ہو[ں] ایک حقیقت ہے۔ ہر شخص اپنے اپنے مقدر کا حال معلوم [کرنے کے لیے] میری طرف کھنچا چلا آتا ہے۔

آسرا ماہر بیگ کو دیکھ کر مایوس ہو گئی۔ فلک ناز اور دادی نے اسے سمجھایا تھا کہ مرد کی خوب صورتی کو نہیں [بلکہ اس] کے قد کاٹھ اور ہنر مندی کو دیکھا جاتا ہے اور پسند [کیا جاتا] ہے۔

آسرا نے اوپری دل سے مسکرا کر کہا "آیئے م[قدر] حیات......! میں آپ کو اپنے ساتھیوں سے ملاتی ہوں۔"

وہ اپنے بوائے فرینڈز اور سہیلیوں سے اس کا [تعارف] کروانے لگی۔ سب نے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا "یہ کون ہیں؟"

ماہر بیگ بولا "یہ میرے دوست ہیں۔ ان کا [نام ...] بیگ ہے اور یہ بہت پہنچے ہوئے نجومی ہیں۔"

یہ سنتے ہی وہ سب مجھے بڑے اشتیاق سے دیکھنے [لگے۔] ایک لڑکی نے میرے قریب آ کر اپنا ہاتھ بڑھا[یا] "مسٹر......! کیا میری قسمت کا حال بتا سکتے ہو؟"

میں بولا "لڑکیوں کا بایاں ہاتھ دیکھا جاتا ہے۔"

وہ ذرا جھجک کر بولی "میرا بایاں ہاتھ گندا ہے۔"

"دنیا کے ہر انسان کا ہاتھ باتھ روم میں جا کر گ[ندا ہوتا] ہے۔ کیا تم صابن استعمال نہیں کرتیں؟"

اس بات پر سب ہی ہنسنے لگے۔ وہ جھینپ کر بول[ی] "کوئی بات نہیں ہے۔ میں آئس کریم کھا رہی تھی۔ مٹھاس اور چپچپاہٹ انگلیوں میں رہ گئی ہے۔ ابھی ہاتھ [دھو کر] آتی ہوں۔"

وہ وہاں سے فوراً ہی چلی گئی۔ ایک اور نوجوان [نے ہاتھ] بڑھا کر کہا "پلیز۔ میرے بارے میں کچھ بتاؤ؟"

میں نے اس کے ہاتھ کو تھام لیا۔ لکیروں کو غور [سے دیکھنا] ضروری نہیں تھا۔ میں تو ہر ایک کی زندگی کا ہم سفر ہو[ں۔ اس نو] جوان کی بھی رگ رگ سے واقف تھا۔ میں بولا "تم ک[چھ عرصہ پہلے] ایک بہت بڑی مصیبت سے نکل آئے ہو۔ مرتے مر[تے بچے] ہو۔"

وہ بولا "یہ بالکل درست ہے۔"

میں نے کہا "ایک ہفتے پہلے تمہیں پرائز بونڈ کے ہزاروں روپے حاصل ہوئے ہیں۔"

وہ بولا "کیا بات ہے...... واہ...... تم تو واقعی [ایک] تجربہ کار نجومی ہو۔"

آسرا بولی "میں نہیں مانتی کہ ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھ کر [کوئی سچ]ی سچی بات بتا سکتا ہے۔ یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ عرصہ [پہلے] تمہارا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور تم بہت ہی بری حالت میں [تھے۔] ڈاکٹروں نے بڑی مشکلوں سے بچایا تھا۔ یہ بات دور [دور] تک پھیلی ہوئی تھی پھر پرائز بونڈ سے تمہیں پچاس ہزار ملے [تھ]ے۔ تم نے ہم سب کو دعوت دی تھی اور ہم سب نے جشن منایا [تھا]۔ یہ بات کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ ان حضرت کو بھی [کس]ی ذریعے سے معلوم ہو گیا ہوگا۔"

ایک اور لڑکی نے اپنا بایاں ہاتھ پیش کرتے ہوئے کہا۔ "تم مجھے ایسی بات بتاؤ جو کوئی نہ جانتا ہو۔ صرف میں جانتی [ہو]ں۔"

میں نے اس کی لکیروں کو دیکھا پھر تھوڑی دیر تک ایسے [ظاہر کیا جیسے] سوچا جیسے میں ان لکیروں کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ایک [ن]وجوان نے طنزیہ انداز میں کہا "کیوں مسٹر نجومی! عظمی نے تمہیں یہ کہہ کر الجھا دیا ہے کہ اس کی کوئی ذاتی راز کی بات [بت]ائیں اور آپ بتا نہیں پا رہے ہیں؟"

ماہر بیگ نے کہا "میرا دوست مانا ہوا نجومی ہے۔ یہ ہمیشہ سچی بات بتاتا ہے۔"

میں نے عظمی کا ہاتھ چھوڑ کر کہا "تمہارے ذاتی اور اہم راز کی بات میں بتا سکتا ہوں۔ کیا تم سب کے سامنے سننا چاہو گی؟"

وہ ذرا چونک گئی۔ مجھے سوچتی نظروں سے دیکھنے لگی۔ لڑکیاں لڑکے کہنے لگے کہ "ہاں...... ہاں بتاؤ ہم بھی تو سنیں۔ تم کتنے پہنچے ہوئے نجومی ہو۔"

میں نے کہا "سہیلیاں آپس میں ایک دوسرے کو اپنے دل کی بات بتاتی ہیں لیکن اکثر اپنے گھر کے راز نہیں بتاتیں۔ بہت گہری سہیلیاں بتا بھی دیتی ہیں لیکن ایسا راز کبھی ظاہر نہیں کرتیں جس کے ظاہر ہونے پر سر شرم سے جھک جاتا ہے۔"

عظمی جھینپ کر اپنی سہیلیوں اور دوستوں کو دیکھ رہی تھی پھر ناگواری سے بولی "مسٹر...... تم بکواس کر رہے ہو۔ ایسی کوئی راز کی بات نہیں ہے جس کے ظاہر ہونے سے میرا سر شرم سے جھک جائے۔ تم خوانخواہ کی بات مجھ سے کہو گے۔ میرے کردار اور میرے گھر والوں پر کیچڑ اچھالو گے تو کیا میں اسے تسلیم کر لوں گی؟"

"یہی وجہ ہے میں ہر ایک کو اس کے بارے میں سچ اس لیے نہیں بتاتا کہ وہ کبھی اسے تسلیم نہیں کرتا۔ اپنے راز کو راز ہی رکھنا چاہتا ہے۔ لہٰذا یہ بات رہنے دو۔ مجھ سے آگے کچھ نہ سنو۔"

"میں جھوٹی اور بے تکی بات سننا بھی نہیں چاہتی۔"

وہ پلٹ کر آسرا کے پاس چلی گئی۔ ایک جوان نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر کہا "مسٹر ماہر بیگ ماہر! میرا ہاتھ دیکھ کر میری زندگی کا کوئی راز بتاؤ۔ سب کے سامنے ہی بتاؤ میں کسی سے نہیں ڈرتا۔"

میں نے اس کے ہاتھ کی لکیروں کو دیکھا پھر کہا "میں ضرور بتاؤں گا لیکن تم سچ سے انکار کرو گے۔ اس سے پہلے میں یہ کہہ دوں کہ اگر تم نے انکار کیا تو میں ثبوت بھی پیش کروں گا اور جب یہ ثابت ہوگا کہ میں سچ بول رہا ہوں اور تم جھوٹ بول کر مجھے جھوٹا اور بے ایمان کہہ رہے ہو تو اس کی سزا کیا ہوگی؟"

"تم جو سزا دو گے، میں سب کے سامنے وہ سزا قبول کروں گا۔"

میں نے معلوم کیا تھا کہ عظمی اس نوجوان کی دشمن ہے اور اس سے سخت نفرت کرتی ہے۔ میں نے کہا "اگر میں سچا اور تم جھوٹے ثابت ہوئے تو عظمی تمہارے منہ پر ایک طمانچہ رسید کرے گی۔"

اس نے گھور کر عظمی کو دیکھا۔ وہ مسکرانے لگی۔ ایک نے کہا "عظمی اور حمید پہلے ہی ایک دوسرے کی مخالفت کرتے ہیں تم انہیں اور لڑوانا چاہتے ہو۔ یہ طمانچہ مارنے ہی آئے گی تو حمید اس کا ہاتھ توڑ دے گا۔"

میں نے کہا "جب حمید مجھے جھوٹا اور فریبی ثابت کر دے گا تو پھر طمانچہ کھانے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔"

حمید بولا "مجھے تو یہ سننا بھی گوارہ نہیں ہے کہ یہ لڑکی مجھ پر ہاتھ اٹھائے۔ اور نہ اٹھا سکتی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ عظمی نہ سہی۔ میں اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کے بعد تمہیں طمانچہ ماروں گا۔"

وہ اچھا خاصا باڈی بلڈر تھا۔ ہنستے ہوئے بولا "مجھے منظور ہے۔ بشرطیکہ تم مجھے طمانچہ مار سکو۔"

"ٹھیک ہے۔ تم مجھے روک سکو تو روک لینا۔"

دو بزرگ حضرات ہماری باتیں سن رہے تھے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر کہا "کیا ہو رہا ہے؟ تم اس خوشی کی تقریب میں لڑنے کی بات کیوں کر رہے ہو؟ کیا یہاں کا ماحول خراب کرنا چاہتے ہو؟"

حمید نے اس بزرگ سے کہا "ڈیڈی......! یہ بہت بڑا نجومی بنتا ہے۔ ماضی حال اور مستقبل کی سچی باتیں بتانے کا دعویٰ کر رہا ہے۔ اس کی بات سے انکار کرو تو کہتا ہے کہ ہم سچ سے انکار کر رہے ہیں۔"

حمید کے باپ نے مجھے غور سے دیکھا پھر کہا ''نوجوان......! میرے ساتھ آؤ۔''

میں اس کے ساتھ چلتا ہوا۔ ایک میز اور کرسیوں کے پاس آیا پھر اس نے مجھ سے پوچھا ''کیا تم میرا ماضی حال اور مستقبل بتا سکتے ہو؟''

''بے شک......اپنا ہاتھ لائیں۔''

میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھنے کے بعد مجھے اپنا ہاتھ پیش کر کے بولا ''اگر تم سچی باتیں بتاؤ گے تو میں ہاتھ دیکھنے کا اچھا خاصا معاوضہ دوں گا۔''

میں تھوڑی دیر تک اس کے ہاتھ کی لکیروں کو دیکھتا رہا پھر بولا ''آپ دوہری زندگی گزار رہے ہیں۔ ایک طرف بیوی اور بچے ہیں۔ یہ حمید آپ کا بڑا بیٹا ہے اور آپ کا یہ راز جانتا ہے کہ کہیں آپ نے ایک داشتہ رکھی ہوئی ہے۔ بیٹے کا منہ بند کرنے کے لیے آپ اسے دس ہزار روپے ماہانہ دیتے ہیں۔ وہ اپنی ماں سے یہ راز چھپاتا ہے۔''

اس نے حیرت سے مجھے دیکھا پھر ہاں کے انداز میں سر ہلا کر کہا ''تم درست کہہ رہے ہو لیکن خبردار! یہ بات یہاں کسی سے نہیں کہنا۔''

''میں کبھی کسی ایک کا راز دوسرے سے نہیں کہتا۔''

''شکریہ۔ میں بلقیس بانو سے بہت محبت کرتا ہوں اور یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ میری وفادار ہے یا نہیں۔ کیا میں اس سے کبھی شادی کر سکوں گا؟''

''آپ کے ہاتھ میں دوسری شادی کی لکیر نہیں ہے اور وہ بلقیس بانو آپ کو بہت بڑا نقصان پہنچانے والی ہے۔''

اس نے چونک کر پوچھا ''یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟''

''پہلے میں پچھلی ایک بات بتا دوں کہ آپ نے اسے تیس لاکھ کی ایک کار دلوائی تھی۔ دو ماہ میں وہ کار چوری ہو گئی۔''

اس نے کہا ''ہاں تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔''

''وہ کار چوری نہیں ہوئی تھی۔ اس نے چوریاں کرنے والے ایک گروپ کے سرغنہ کو وہ گاڑی پندرہ لاکھ میں بیچ دی تھی۔ اب وہ گاڑی سرحدی علاقے میں ہے۔ اسی لیے پولیس والے اسے بازیاب نہیں کروا سکے۔''

''میں کیسے یقین کروں کہ تم یہ بات سچ کہہ رہے ہو؟''

''جس دن وہ کار چوری ہوئی تھی۔ اس کے دوسرے دن کا بلقیس بانو کا بینک اکاؤنٹ چیک کرو۔ وہاں پندرہ لاکھ روپے جمع کیے گئے تھے۔''

اس نے اسی وقت موبائل فون کے ذریعے بینک منیجر سے رابطہ کرتے ہوئے مجھ سے کہا ''یہ بینک منیجر میرا آدمی ہے۔ یہ مجھ سے کوئی بات نہیں چھپائے گا۔''

اس نے رابطہ ہونے پر کہا ''ہیلو۔ ثناء اللہ! میں وحید بول رہا ہوں۔''

اس نے کہا ''وحید اکبر صاحب آپ نے اس وقت یاد کیا؟''

''مجھے ایک اہم معلومات چاہیے۔ اس وقت بینک ہے۔ اگر آپ کو ایک ہفتے پہلے کی بات یاد ہو تو مجھے بتا جمعرات اٹھارہ تاریخ کو بلقیس بانو نے اپنے اکاؤنٹ میں جمع کروائی تھی؟''

وہ بولا ''آپ نے مجھے اپنا راز دار بنایا ہے۔ میں آ کے اور بلقیس بانو کے تعلقات کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ جانتا ہوں کہ آپ اسے ماہانہ پچاس ہزار روپے دیا کر ہیں۔ اس بار تو آپ اس پر کچھ زیادہ ہی مہربان ہو گئے۔ نے اٹھارہ تاریخ کو اپنے اکاؤنٹ میں پندرہ لاکھ روپے کروائے ہیں۔''

اس نے حیرانی سے یہ بات سنی پھر کہا ''شکریہ ثنا بلقیس بانو کو یہ بات معلوم نہ ہو کہ میں اس کے بارے انکوائری کر رہا تھا۔''

''نہیں جناب......! میں آپ کا تابعدار ہوں۔ ا کبھی معلوم نہیں ہوگا۔''

وحید اکبر نے شکریہ ادا کر کے فون بند کر دیا پھر مجھے کر کہا ''تعجب ہے تم نجومی ہو یا جاسوس......؟ ہاتھ کی لکیر کر بہت کچھ بتایا جاتا ہے لیکن یہ کبھی معلوم نہیں ہوتا کہ کسی دھوکے سے رقم حاصل کی ہے تو وہ کتنی ہے؟ اور اسے بینک جمع کروایا گیا ہے یا نہیں؟ ایسی تفصیلی باتیں ہاتھ کی لکیر سے معلوم نہیں ہوتیں۔ میں نجومی تو نہیں ہوں لیکن علمِ نجوم متعلق کتابیں ضرور پڑھی ہیں۔''

''آپ نے کتابیں پڑھی ہیں اور میں پندرہ برس سے لوگوں کے ہاتھ دیکھتا آیا ہوں اور بے شمار ہاتھوں لکیریں پڑھ چکا ہوں۔ یہ علم سمندر کی طرح گہرا ہے۔ میں ڈوب کر سیپیاں لانے اور ان میں سے موتی نکالنے وا ہی جانتے ہیں کہ ہاتھ کی لکیریں سمندر کی لہروں کی طرح ہوتی ہیں۔ اوپر ہی اوپر دکھائی دیتی ہیں لیکن ان لہروں ڈوب کر بہت کچھ سیکھنا پڑتا ہے۔ آپ یہ بتائیں، جو میں ابھی تک کہا وہ سچ ہے یا نہیں؟''

''سچ ہے۔ میں یہ معلوم کرنا چاہوں گا کہ اس نے کار فروخت کرنے کے بعد پندرہ لاکھ حاصل کیے ہیں یا کہیں اور سے وہ رقم ملی ہے؟''

''آپ اس کے عشق میں دیوانے ہیں۔ اس لیے یہ نہیں سوچ رہے ہیں کہ بلقیس بانو کی آمدنی کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔ وہ اتنی بڑی رقم کہیں اور سے حاصل نہیں کرے گی۔ اگر کرے گی تو کسی غلط راستے سے ہی حاصل کرے گی۔''

''پھر بھی میں اپنے طور پر معلوم کروں گا کہ اس نے وہ پندرہ لاکھ روپے کہاں سے حاصل کیے ہیں۔''

''بے شک...... معلوم کریں۔ آج رات کو ہی آپ بہت کچھ معلوم کر سکتے ہیں۔''

''وہ کیسے......؟''

''اب میں کہوں گا تو آپ پھر کہیں گے کہ میں نجومی نہیں جاسوس ہوں۔''

''نہیں کہوں گا۔ بتاؤ میں کیسے معلوم کر سکتا ہوں؟ میں بلقیس کی اصلیت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ کسی دھوکے میں رہنا نہیں چاہتا۔''

''آپ یہاں آنے سے پہلے ایک فائل اپنے بیڈ روم میں چھوڑ کر آئے ہیں۔ اس میں ضروری کاغذات ہیں۔ جس پر سائن کرنے ہیں۔ آپ انہیں پڑھنے کے بعد سائن کرنا چاہتے ہیں۔ بلقیس بانو آپ کی یہ کمزوری سمجھتی ہے کہ آپ جب پی لیتے ہیں تو کاغذ پوری طرح سے پڑھتے نہیں ہیں اور سائن کر دیتے ہیں۔ اس لیے اس نے فائل کے اندر کاغذات کے درمیان ایک اور کاغذ چھپا دیا ہے۔''

''اس کاغذ پر کیا لکھا ہوا ہے؟''

''بلقیس بانو آپ کے پارٹنر کی معشوقہ ہے۔ وہ اس کے لیے کام کر رہی ہے۔ آپ کو دھوکا دے رہی ہے۔ اس کاغذ پر لکھا ہوا ہے کہ آئندہ آپ کا پارٹنر اسی فیصد کا شیئر ہولڈر ہوگا اور آپ صرف بیس فیصد کے حصے دار رہ جائیں گے۔''

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر بولا ''میں ابھی جا کر دیکھتا ہوں کہ اس فائل میں وہ کاغذ ہے یا نہیں؟''

''وہ کاغذ ضرور ہے لیکن آپ کو یقین نہیں ہوگا کہ اسے بلقیس نے ہی اس فائل میں رکھا ہے۔ لہٰذا آپ انتظار کریں۔ یہاں سے جانے کے بعد اپنی عادت کے مطابق تھوڑی سے پئیں پھر ان کاغذات پر دستخط کریں۔ بلقیس اس وقت آپ کے سامنے ہوگی اور دیکھتی رہے گی کہ آپ اس کے مطلوبہ کاغذ پر دستخط کر رہے ہیں یا نہیں۔''

وہ بولا ''میں ابھی جا رہا ہوں اور اگر تمہاری یہ پیش گوئی درست ہوگی تو میں تمہارا منہ موتی سے بھر دوں گا۔''

میں نے کہا ''میں موتیاں نہیں چباتا۔ آپ جائیں اور اپنا بھلا کریں۔''

وہ وہاں سے جانے لگا۔ اس کے بیٹے حمید نے آگے جا کر اس کا راستہ روک کر پوچھا ''ڈیڈی......! کیا بات ہے؟ کیا اس نے کچھ سچ بیانی کی ہے؟''

''ہاں بیٹے! وہ جانتا ہے کہ میں بلقیس بانو کے ساتھ وقت گزارتا ہوں اور اس کے ساتھ چھپ کر شادی کرنا چاہتا ہوں۔ تمہاری زبان بند رکھنے کے لیے میں ماہانہ دس ہزار دیتا ہوں۔''

''تعجب ہے......! وہ ہاتھ کی لکیریں پڑھ کر ایسی باتیں معلوم کیسے کر لیتا ہے؟''

''اس نے بہت کچھ معلوم کیا ہے اور میں اس کی تصدیق کے لیے ابھی جا رہا ہوں۔ تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔''

حمید میرے پاس آ کر مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا کر بولا ''سوری مسٹر! میں خوامخواہ تم سے جھگڑا کرنے والا تھا۔ تم تو واقعی ماہر نجومی ہو اپنے نام کی طرح۔''

وہ میری کمر میں ہاتھ ڈال کر دوستانہ انداز میں چلتا ہوا پھر لڑکے لڑکیوں کے درمیان لے گیا۔ آسرا ماہر بیگ کو مقدر حیات سمجھ کر اس سے باتیں کر رہی تھی۔ حمید بولا ''بھئی۔ میں تم سب کے سامنے اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے مسٹر ماہر بیگ ماہر کے آگے ہار مان لی ہے۔ یہ واقعی بہت سچے اور پکے نجومی ہیں۔ جو کہتے ہیں وہ سچ ہوتا ہے۔ میرے ڈیڈی ان سے متاثر ہو کر ایک ضروری کام سے گئے ہیں۔''

پھر تو کتنے ہی لڑکے لڑکیوں نے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ سب ہی اپنے مستقبل کے بارے میں جاننا چاہتے تھے۔ ادھر ماہر بیگ نے آسرا سے کہا ''تم بھی اپنا ہاتھ دکھاؤ۔ میرا دوست تمہارے مقدر کے بارے میں بھی بہت کچھ بتائے گا۔''

''اونہہ۔ میرا نام آسرا ہے۔ میں ہاتھ کی لکیروں کا آسرا نہیں کرتی۔ اپنی تقدیر خود بناتی ہوں۔ میرے ساتھ آئیں میں آپ کو اپنے رشتے داروں سے ملواؤں۔''

وہ ماہر بیگ کو اپنے ساتھ کوٹھی کے اندر لے گئی۔ میں اس کی سہیلیوں اور دوستوں کے درمیان گھر گیا تھا اور ایک ایک کا ہاتھ دیکھ کر مختصر سی باتیں بتاتا جا رہا تھا اور انہیں مطمئن کرتا جا رہا تھا۔ جب کیک کاٹنے کا وقت آیا تو مجھے ان سے نجات ملی۔ آسرا کیک کاٹنے آئی۔ کیک کے اطراف بیس موم بتیاں روشن تھیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ بیس برس کی ہو چکی ہے۔ جبکہ وہ چوبیس برس کی تھی۔

کیک کاٹنے کے بعد سب نے اسے مبارک باد دی۔

رات کے کھانے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ کھانے پینے میں اچھا خاصا وقت گزر گیا۔ تقریباً دو گھنٹے کے بعد وحید اکبر نے آسرا کے فون پر اسے مخاطب کیا پھر کہا ''بٹی! تمہارے ہاں جو نجومی آیا ہے۔ میں تو اس کا نام پوچھنا بھی بھول گیا۔ بھئی وہ تو غضب کا نجومی ہے۔ اس سے ذرا فون پر بات کراؤ۔ اس نے تو میرے ڈوبتے کاروبار کو بچالیا ہے۔''

آسرا بولی ''میں ابھی بات کراتی ہوں۔''

وہ موبائل فون ہاتھ میں لیے مہمانوں کے ہجوم میں مجھے تلاش کرنے لگی۔ وحید اکبر نے یہاں سے جاتے ہوئے کار کے ڈیش بورڈ سے شراب کی چھوٹی سی بوتل نکالی تھی پھر اس کا ایک گھونٹ بھرا تھا۔ تاکہ منہ سے شراب کی بو آتی رہے پھر اس نے شراب کو چلو میں لے کر کپڑوں پر ادھر ادھر چھڑک لیا تھا۔

جب وہ اپنی پرائیویٹ کوٹھی کے اندر پہنچا تو اس کے منہ اور کپڑوں سے شراب کی بو آرہی تھی۔ بلقیس بانو نے اس کی گردن میں بانہیں ڈال کر کہا ''معلوم ہوتا ہے آج کچھ زیادہ ہی پی لی ہے؟ چلو......! بیڈ روم میں آرام کرلو۔''

وہ اس کے ساتھ بیڈ روم میں آیا پھر بستر پر چاروں شانے چت گر پڑا۔ بلقیس نے وہ فائل اٹھا کر اسے دکھاتے ہوئے کہا ''تم بھول رہے ہو۔ یہ بہت ضروری فائل ہے۔ تمہیں ان کاغذات پر سائن کرنا ہے۔''

وہ اٹھتے ہوئے نشے میں جھومتے ہوئے بولا ''فائل کو ابھی رکھ دو۔ میں کاغذات پڑھنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ میرے پاس آؤ۔ مجھے خوش کرو۔''

وہ فائل لے کر اس کے قریب بیٹھ کر بولی ''آج تو میں تمہیں ایسا خوش کروں گی کہ آئندہ مجھے کبھی بھلا نہ پاؤ گے لیکن پہلے یہ ضروری کام کرو۔ فائل کھولو اور ان کاغذات پر دستخط کرتے چلے جاؤ۔ موڈ نہیں ہے تو نہ پڑھو۔ صبح اٹھ کر پڑھ لینا۔'' وہ فائل لے کر اس کے پہلے کاغذ کو پڑھنے لگا۔ سرسری انداز میں پڑھنے کے بعد دوسرے کاغذ کو پڑھنے لگا۔ وہ بولی ''ابھی تو تم پڑھنے کے موڈ میں نہیں تھے؟ خوامخواہ وقت ضائع کیوں کررہے ہو؟ میں تمہارے بازوؤں میں آنے کے لیے بے چین ہورہی ہوں۔ جلدی سے دستخط کردو۔''

وہ تیسرا کاغذ پڑھتے ہوئے بولا ''ایسی بھی کیا بے چینی ہے پوری رات پڑی ہے؟''

اس نے چوتھے کاغذ پر نظر ڈالی۔ اسے سرسری انداز میں پڑھ کر چونک گیا۔ وہ بزنس کے کاغذات تھے اور اس میں اس کے پارٹنر کا اسی فیصد حصہ لکھا ہوا تھا اور یہ بھی درج تھا کہ اس کے پارٹنر رانا وہاب نے اسے ایک معقول رقم دی ہے۔ جس کے عوض وہ رانا وہاب کو اپنے کاروبار میں اسی فیصد کا حصے دار بنارہا ہے۔ آئندہ وہ صرف بیس فیصد کا حصے دار رہے گا۔

وحید اکبر نے بلقیس بانو کو گھور کر دیکھا۔ وہ ذرا سہم کر پیچھے ہٹ گئی پھر انجان بن کر بولی ''کیا بات ہے؟''

اس نے وہ کاغذ اسے دکھا کر کہا ''یہ کاغذ اس فائل میں کہاں سے آیا؟''

''میں کیا جانوں......؟ یہ آپ کے کاروباری معاملات ہیں۔ یہ فائل آپ دفتر سے خود ہی لائے تھے۔ مجھے کیا پتا یہ کاغذ اس فائل میں کیسے آگیا ہے؟ آخر یہ کاغذ ہے کیسا......؟''

وحید نے ایک زوردار طمانچہ اس کے گال پر رسید کرتے ہوئے کہا ''جس دن تمہاری کار چوری ہوئی۔ اس کے دوسرے دن تم نے اپنے بینک اکاؤنٹ میں پندرہ لاکھ روپے جمع کروائے۔ اتنی بڑی رقم تمہارے پاس کہاں سے آئی؟ کیا وہ کار تم نے چوری نہیں کروائی تھی؟''

وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی پھر بولی ''خبردار! مجھ پر ہاتھ نہ اٹھانا اور کوئی جھوٹا الزام نہ لگانا۔ مجھے کمزور نہ سمجھو۔ میں بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دے سکتی ہوں۔''

وحید نے فون کے ذریعے سیکورٹی گارڈ کو مطلع کیا پھر اس کے آنے پر کہا ''اس عورت کو دھکے دے کر نکال دو اور اسے آئندہ یہاں قدم بھی رکھنے نہ دینا۔''

اس نے پریشان ہوکر سیکورٹی گارڈ کو دیکھا پھر پلٹ کر جاتے ہوئے کہا ''میں خود ہی جارہی ہوں۔ تھوکتی ہوں تم پر اور تمہاری دولت پر۔''

وحید بولا ''تم خوش نصیب ہو کہ میں تمہارے خلاف کوئی کارروائی نہیں کروں گا۔ کیونکہ مجھے اپنی عزت کا بھی خیال ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ میری بیوی کو تمہارے بارے میں کچھ معلوم ہو۔ ویسے تم اگر یہ نہیں چاہتی ہو کہ تم سے وہ کار خرید کر لے جانے والا گرفتار ہو اور اسے سرحدی علاقے سے لایا جائے اور تمہارا جرم ثابت ہوجائے تو اس سے پہلے ہی وہ پندرہ لاکھ واپس کردو ورنہ بری طرح پچھتاؤ گی۔''

وہ رک گئی تھی۔ پریشان ہوکر اس کی باتیں سن رہی تھی پھر یہ کہتی ہوئی چلی گئی کہ تمہارے پندرہ لاکھ تمہیں واپس مل جائیں گے۔

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات دوسرے حصے میں ملاحظہ فرمائیں